اصحابِ احمد

جلد نہم

سیرت حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی

مؤلفہ

ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے

نام کتاب: .... اصحابِ احمد جلد نہم

مصنف: .... ملک صلاح الدین ایم اے

ناشر: .... عبدالمنان کوثر

کمپوزنگ .... فخر احمد

مطبع: .... ضیاء الاسلام پریس ربوہ (چناب نگر)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ
وَعَلٰی عَبۡدِہِ الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡد مع التسلیم

عرض حال (طبع اول)

بفضلہٖ وعونہ تعالیٰ جلد نہم کے شائع کرنے اور اس میں حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوانح مع روایات ہدیہ ناظرین کرنے کی توفیق پا رہا ہوں۔ فالحمد للہ علی ذلک۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طویل صحبت پانے والوں میں سے آپ آخری بزرگ تھے جو ہمیں ٦ جنوری سال رواں داغ مفارقت دے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

خطبہ الہامیہ اور جلسہ اعظم مذاہب کے متعلق آپ کی روایات جو نہایت انمول، نادر اور غیر مطبوعہ تھیں آپ نے تقسیم ملک سے قبل خاکسار کو نقل کر کے محفوظ کرنے کا موقعہ عطا کیا تھا۔ آپ نے اپنے قلم سے ان کی تصحیح کر کے ان پر دستخط بھی فرمائے تھے۔ الحکم جلد ۴۱ میں آپ کے مطبوعہ سوانح بھی آپ کو سنا کر ان کی تصحیح اور مفید ایزادی کروالی تھی۔ اب ان کا خلاصہ یہاں درج کر رہا ہوں۔ یہ کام ستمبر ۱۹۲۰ء تک تکمیل پذیر ہو چکا تھا اور جلسہ سالانہ گزشتہ پر اس کے شائع کرنے کا پروگرام تھا۔ لیکن محترم ناشر صاحب کی طرف سے مسودہ واپس آ گیا کہ اس کے لئے اخراجات کثیر درکار ہیں جو موجود نہیں۔ چنانچہ جلسہ کے لئے جلد جلد مجھے ایک اور مختصر کتاب دیگر صحابہؓ کے متعلق تیار کرنی پڑی۔ میں نے لاہور میں آپ کی نعش مبارک کے پاس یہ عہد کیا تھا کہ اب میں اس میں مزید التواء نہیں کروں گا۔ باوجود گوناگوں عوائق کے میں ایفائے عہد کے لئے کوشاں ہوں وباللہ التوفیق۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ
وَعَلٰی عَبۡدِہِ الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡد

عرض حال (طبع دوم)

اصحاب احمد جلد نہم

۱- الحمدللہ ثم الحمدللہ کہ حضرت بھائی حضرت عبدالرحمٰن صاحب قادیانی رضی اللہ عنہ سابق ہریش چندر کی روایات وسوانح بسیار کوشش سے خاکسار نے تلاش کر کے طبع دوم میں شامل کی ہیں۔الحمدللہ

۲- حضرت مسیح موعود ومہدی معہود امام الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درتک بھائی جی کو کیسے حاصل ہوئی۔اور کس کس رنگ میں حضور سے استفاضہ کر کے اور اخلاص وخدمت دین کی توفیق پا کر آپ نے اسلام کے دور اول کے اصحابہ کرام کی مثال پیش کی۔یہ قصہ نہایت ہی ایمان فروز ہے۔

وَذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ

یہ سرگزشت عجیب رنگ میں معرض تحریر میں آئی اور عجیب تر رنگ میں تقسیم برصغیر ہند کے انقلابات کی دستبرد سے محفوظ ہوگئی۔

آپ کے دل میں کیا سمائی کہ آپ نے اپنے داماد کو جو ایران میں ملازمت کے سلسلہ میں مقیم تھے یہ سرگزشت تحریر کر کے بذریعہ خطوط بھجوائی۔ جو کسی وقت اتفاقاً موقر اخبار الحکم کے ایڈیٹر صاحب محترم کے ہاتھ لگ گئی۔ جو ہمیشہ ہی ایسے ایمان افروز مواد کو شائع کرنے کے لئے تاک میں رہتے تھے۔ چنانچہ یہ سرگزشت جو شائع کرنے کی غرض سے قلمبند نہیں کی گئی تھی۔ ہمیشہ کے لئے تاریخ سلسلہ میں محفوظ ہوگئی۔

۳- حضرت بھائی جی مئی ۱۹۴۸ء میں دور درویشی میں واپس قادیان تشریف لائے اور آپ نے دارالمسیح میں دالان حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا میں رہائش رکھنا پسند کیا جہاں آپ ایک بار پہرہ کی خاطر سوئے ہوئے تھے اور ٹھٹھرے ہوئے تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ والسلام نے یہ دیکھ کر اپنا چوغہ آپ پر ڈال دیا تھا۔

۴- خاکسار کی رہائش بھی اسی دالان میں تھی۔ خاکسار نے اس زمانہ میں اصحاب احمد کے سلسلہ کی تالیفات کا آغاز کیا۔ یہ خاکسار کی عین خوش بختی تھی کہ حضرت بھائی جی سے خاکسار کو بھرپور مشفقانہ راہنمائی اور حوصلہ افزائی حاصل ہوتی رہی۔

فالحمدللہ حمدا کثیر او جزاہ اللہ احسن الجزاء.

۵- قادیان سے آپ مع اپنی رفیقہ حیات ربوہ کے جلسہ سالانہ ۱۹۶۰ء پر تشریف لے گئے جس کے اختتام پر آپ اپنے بچوں کے پاس کراچی جاتے ہوئے راستہ میں ۶/ جنوری ۱۹۶۱ء کو جان بحق ہو گئے۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون۔**

اس سفر ربوہ سے پہلے خاکسار عرصہ تک روزانہ نماز عصر آپ کے مکان ''نعم البدل'' پر حاضر ہوتا۔ اور الحکم میں مطبوعہ سرگذاشت میں آپ کے بیان کو سناتا اور استفسارات کر کے اضافہ کرتا تھا۔ اور بحمد للہ یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچ چکا تھا۔ خاکسار مولف کے دل میں جو آپ کے اعلیٰ مقام اتقاء اور فی سبیل اللہ خدمات کے باعث گہری محبت تھی اس سے خاکسار مجبور ہوا کہ حاصل شدہ مواد جلد جماعت احمدیہ کے پیش کر دے۔ اور اخراجات کے میسر ہونے کا انتظار نہ کرے۔ بحمد للہ اس کی توفیق ملی اور اب ستائیس سال بعد مزید اضافہ سے یہ جلد قارئین کرام کے سامنے آ رہی ہے۔

۶- یہ ذکر کر دینا بے محل نہ ہوگا اور کسی کا شکوہ کرنا مطلوب نہیں کہ خاکسار یہ تالیفی کام قادیان میں کرتا ہے۔ اپریل ۱۹۸۴ء کے آرڈی نینس کے بعد سے قادیان سے احمدیہ تالیفات پاکستان بھجوانا ممکن نہیں رہا جہاں ایسی تالیفات کے پچانوے فیصدی خریدار موجود ہیں۔ بیس ہزار روپے کی مالیت کی کتب خاکسار نے بھجوائیں جو بارڈر پر پاکستانی شعبہ کسٹمز نے اپنے قبضہ میں کر لیں جو کئی سال تک بسیار کوشش کرنے پر واپس نہیں ملیں۔ ادھر پچیس ہزار روپے کی مالیت کا تالیفات کا ذخیرہ قادیان میں جمع ہے جس کی نکاسی کی کوئی صورت نہیں۔

پاکستان میں خریداران اصحاب احمد بیشتر حصہ کراچی کے احباب پر مشتمل ہے۔ انہوں نے جو کئی جلدوں کی قیمت پیشگی عنایت کی اس کی وجہ سے ۱۹۸۵ء میں تابعین اصحاب احمد کا ایک حصہ شائع کرنے کی توفیق خاکسار نے پائی ہے۔ **فالحمدللہ وجزاء ھم اللہ۔** اور جلدوں کا بھی اہتمام کیا جا رہا ہے۔

مثلاً سیرۃ حضرت سیدام طاہرؓ صاحبہ

احباب سے درخواست دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ خاکسار کو اس سلسلہ میں مزید اور بھرپور اور مقبول کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور سہولتیں میسر فرمائے اور خاتمہ بالخیر ہو۔

والسلام
خاکسار ملک اصلاح الدین
(انچارج وقف جدید وصدر مجلس وقف جدید
سیکرٹری کل ہند تبلیغی منصوبہ بندی کمشن
وسیکرٹری صد سالانہ احمدیہ جوبلی مرکزی کمیٹی)
بیت الدعا، دار المسیح۔
قادیان (پنجاب۔ بھارت)

فہرست عناوین

سیرت حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی

ولادت☆

والدہ محترمہ کی بیان کردہ جنم پتری کی رو سے حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحبؓ قادیان یکم جنوری ۱۸۷۹ء کو محترم مہتہ گوراندتامل ولد مہتہ ہیرالال کے ہاں محترمہ پاربتی دیوی کے بطن سے اپنے دوھیال میں بمقام کنجروڑ دتاں تحصیل شکر گڑھ* میں پیدا ہوئے۔ اس پلوٹھے بیٹے کا نام ہریش چندر رکھا گیا۔ والد صاحب کے دو بڑے بھائی ہمیراج اور لال چند تھے۔

والد اور والدہ علی الترتیب موہیال قوم کی دت اور موہن شاخوں میں سے تھے۔ اس قوم کو اپنی بہادری کی روایات پر بڑا فخر ہے۔ اور وہ مدعی ہے کہ کبھی اس کی حکومت ہندوستان، کشمیر اور کابل تک قائم تھی۔ بھائی جی کے آباء کنجروڑ دتاں میں ریاست ممدوٹ (ضلع فیروز پور) سے یوں منتقل ہوئے کہ ان کو اس ریاست کے کاروبار میں بہت تصرف حاصل تھا۔ ان کا ایک فرد مسلمان ہو گیا جسے مطالبہ پر نواب (ممدوٹ) نے اس کی برادری کے سپرد کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ ساری موہن قوم نے نواب کی افواج قاہرہ کا مقابلہ کر کے تلوار کا لقمہ بننا منظور کیا اور بوڑھے' بچے اور عورتیں ترک وطن کر کے اپنی برادری کے پاس کنجروڑ چلے آئے۔

☆ عنوان ''ولادت'' تا عنوان ''سیالکوٹ اور پھر قادیان پہنچنا'' اختصار ہے حضرت بھائی جی کے مضمون مندرجہ الحکم جلد ۴۱ نمبر ۱۲ تا ۱۵ مورخہ ۷ تا ۱۴ رمئی ۱۹۳۸ء کا۔ بوقت طبع دوم وہاں سے اس میں کچھ اضافہ کیا گیا ہے۔ (اضافہ بوقت طبع دوم) ایک جگہ تاریخ ولادت کے بارے میں بھائی جی نے رقم فرمایا ہے:

ماہ کاتک سمت ۱۹۳۰ بکرمی مطابق ہے محرم الحرام ۱۲۹۶ء ہجری المقدس مطابق یکم جنوری ۱۸۷۹ء بمقام کروڑ دتاں تحصیل شکر گڑھ ضلع گورداسپور۔

* تقسیم ملک کے بعد یہ تحصیل پاکستان میں آ گئی اور ضلع سیالکوٹ میں شامل کی گئی۔

عہد طفولیت میں اسلام کا اثر اور ابتدائی تعلیم

آپ ایک ماہ کے ہوں گے کہ والدہ صاحبہ ضلع گجرات میں بمقام مٹھا چک اپنے والد چوہدری گوپال داس کے ہاں آ گئیں۔ جو وہاں پٹواری تھے۔ ایک رات آپ چار پائی سے گر پڑے تو ایک مسلمان معمر عورت مریم نامی نے اٹھا کر ساری رات اپنے ساتھ سلائے رکھا۔ بعد ازاں اسے آپ سے محبت ہو گئی اور وہ آپ کو رات کو بھی جدا نہ کرتیں۔ اور اکثر روزانہ آپ کو گود میں لے کر قرآن مجید کی تلاوت کرتیں اور آپ بالعموم ان کے ہاں کھا پی بھی لیا کرتے تھے۔ چار پانچ سال کی عمر میں آپ کے نانا نے آپ کو جکالیاں (تحصیل پھالیہ) کے مدرسہ میں داخل کرا دیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی عادات کو جو ماں مریم کی صحبت سے اسلامی رنگ میں ڈھلتی جا رہی تھیں۔ نانا نے بدلنے کی کوشش کی ہوگی۔ کیونکہ ایک روز ایک مسلمان لڑکا آپ سے چھو گیا۔ جبکہ آپ کے ہاتھ میں آپ کا کھانا تھا سو آپ نے کھانا پھینک دیا اور دن بھر بھوکے روتے رہے۔ یہ کھانا کسی ہندو ساتھی نے اٹھا کر رکھ لیا تھا اور کھانے کے وقت یہ تسلی دلا کر اسی کھانے کو کھا لینے پر اصرار کیا کہ ہم کسی کو نہیں بتلائیں گے لیکن آپ کو پانچ چھ سال کی اس ننھی سی عمر میں بھرشٹ کھانے سے موت بھلی معلوم ہوئی۔ چنانچہ موسم گرما کا لمبا دن آپ نے پانی پی پی کر کاٹ دیا۔ والدین نے اظہار محبت کے لئے کانوں اور ہاتھوں میں بالیاں اور جھنجھنے دار کڑے اور پاؤں نٹے ڈال رکھے تھے۔ شدت گرما کی وجہ سے ہو کا عالم تھا۔ بھوک آپ کو بار بار ستاتی اور آپ بار بار کنوئیں کی طرف جاتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ جو گئے تو سنگدل رہٹ والے نے گلے میں کپڑا ڈال کر کھینچتے کھینچتے آپ کو ایک گڑھیال کے اندر جا پٹکا اور وہ آپ کے سینہ پر گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گیا۔ اور آپ کے گلی کی ہنسلی نہایت بے رحمی سے کھینچ کر اتار لی اور درد کے مارے آپ کی چیخیں جو نکلیں تو اس بد بخت نے آپ کا گلا اتنے زور سے دبایا کہ آپ کی آنکھیں باہر نکلنے کو آئیں اور آپ بیہوش ہو گئے اور ہوش آتے ہی سہم کر وہاں سے بھاگے۔ لڑکوں نے زیور اترے دیکھ کر ماسٹر صاحب کو بتایا۔ آپ سے تفصیل سن کر انہوں نے بھی اور بعد میں آپ کے نانا نے بھی موقعہ پر دریافت کیا لیکن کون اقرار کرتا ہے اس واقعہ پر آپ کے زیور ہمیشہ کے لئے اتار لئے گئے۔

پاک پٹن کا عجیب واقعہ

والد ماجد پاک پٹن میں بوجہ ملازمت مقیم ہوئے۔ مذکورہ بالا واقعہ کے باعث والدہ اپنے بچے کو

آنکھوں سے اوجھل کرنا پسند نہ کرتی تھیں۔اس لئے آپ یہاں پڑھائی سے محروم رہے۔ یہاں چھت سے گر کر آپ کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی۔جس سے شفایاب ہونے پر ایک تالاب میں جہاں آپ والدہ کے ہمراہ گئے تھے۔ جوان لڑکیوں کو نہاتے دیکھ کر خطرہ نہ محسوس کرتے ہوئے آپ نے چھلانگ لگادی۔عورتوں کی چیخ وپکار پر مردوں نے آکر آپ کو بچایا۔اور آپ کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک نئی زندگی عطا ہوئی۔

والدہ آپ کو سناتی تھیں کہ محلّہ کی عورتوں کے ساتھ میں پاک پٹن میں بابے کی خانقاہ پر نذرعقیدت کے لئے گئی۔ واپسی پر ایک سفید ریش سبز عمامہ پوش بزرگ نے تمہیں اپنی طرف بلایا۔لیکن میں گھبرا گئی اور تمہیں لے کر تیزی سے جانے لگی تو اس بزرگ نے جوش سے کہا کہ بیٹی! یہ بچہ ہمارا ہے بہتر ہے خوشی سے ہمیں دے دو۔اس کی پیشانی میں ایک ایسی چیز ہے جو تمہارے کام کی نہیں۔ مان لو تو بھلا ہوگا۔ ورنہ پچھتاؤ گی۔ میں وہاں سے تمہیں لے کر بھاگی اور پھر کبھی اس خانقاہ کا رخ نہیں کیا۔ میرے اسلام قبول کرنے کے بعد والدہ صاحبہ سرد آہ بھر کر فرمایا کرتیں کہ لچھن تو پہلے ہی سے ایسے تھے مگر افسوس ہم نے سمجھا نہیں تھا۔

تحصیل چونیاں میں بود وباش

بعض مشکلات کے باعث والد صاحب تحصیل چونیاں (ضلع لاہور) کے دیہات دیر سنگھ والا۔ بھاگو والہ۔گجنسنگھ والا۔ ٹبی وغیرہ میں بطور مختار عام منتقل ہوگئے۔ یہ دیہات بعض سکھ سرداروں کی ملکیت تھے۔ یہاں آپ کی تعلیم ایک پنڈت کی زیرنگرانی ہونے لگی۔ جو ہندی کی تعلیم کے ساتھ بعض وید منتر بھی زبانی یاد کراتے اور آپ کی زبان کی صفائی اور روانی کی وجہ سے زیادہ تر توجہ استاد کی زبانی تعلیم پر ہی مبذول ہوگئی اور اس طرح بہت سے وید منتر آپ کو یاد ہوگئے۔ جو عام طور پر سکھ سردار اور بڑے بوڑھے شغل کے طور پر آپ سے سن کر خوش ہوتے تھے۔ وہاں کا واقعہ ہے کہ ایک روز والد صاحب نے ایک طاقچہ سے جوتا اٹھا لانے کو کہا اللہ تعالیٰ نے آپ کے دماغ سے وہ طاقچہ محو کر دیا اور آپ دوسرے طاقچہ کی طرف بڑھے۔ وہاں پہنچنے کی دیر تھی کہ چھت بیٹھ گئی۔صرف چند فٹ چھت نہ معلوم کس طرح کھڑی رہ گئی۔اور آپ بچ گئے۔ورنہ پہلے طاقچہ کی صورت میں ٹوٹ کر گرنے والے شہتیر سے آپ جاں بحق ہو جاتے۔

عہد طفولیت میں مذہبی سرگرمی

آپ کے والد صاحب کا خیال آپ کی تعلیم کے متعلق تبدیل ہوگیا اور آپ کو چونیاں میں جو ان

مواضعات سے آٹھ دس میل کے فاصلہ پر تحصیل ہے مدرسہ میں داخل کرادیا۔اور آپ کی رہائش اپنی ایک ہم قوم چچی صاحبہ کے ہاں رہی جو بڑھاپے اور بیوگی کے ایام صبر اور محنت ومشقت سے کاٹ رہی تھیں۔ آپ کے خیالات بدستور ہندوانہ تھے۔ دیوی دیوتاؤں کی پوجا پاٹھ اور شوالے مندروں میں جا کر گھنٹے بجانا۔جگراتے اور آرتیوں میں شریک ہونا آپ کا کام تھا۔سکول کو جاتے ہوئے اور واپسی پر دیوی دوارہ یا جو مندر راستہ میں پڑتا۔سر جھکا کر ماتھا ٹیکے بغیر یا پرارتھنا کئے بغیر آپ ہرگز نہ گذرتے۔اور اس کو آپ نیکی اور سعادت کا موجب یقین کیا کرتے تھے۔آپ اپنی قومی رسوم کے نہایت سختی سے پابند تھے۔اور خوشی سے ان کی پابندی کیا کرتے تھے۔خواہ کتنی بھی آپ کو تکلیف کیوں نہ ہو۔آپ ہر قسم کے برت رکھتے اور دیانتداری سے ان کو نبھاتے تھے۔حتیٰ کہ بعض قسم کے برت اسلامی روزہ سے بھی زیادہ لمبے ہوا کرتے تھے وہ بھی آپ رکھتے تھے۔قومی رسم کے مطابق گنا کھانا ایک خاص وقت (غالباً اسوج کے آخر یا کاتک کے شروع) تک ممنوع تھا اور خاص پابندی تھی کہ جب تک مقررہ دن باقاعدہ دیوی دیوتا کے سامنے اپنے جسم کا خون بطور بھینٹ نہ چڑھا لیتے گنا نہ کھایا جاتا تھا۔آپ باوجود بچپن کے صبر کرتے۔اور اس رسم کو خوشی خوشی ادا کرنے کے بعد گنا کھانے کا نام لیتے۔دیوی دیوتا کے سامنے نہایت عقیدت اور شوق سے اپنے جسم کا خون گراتے اور اس میں حوصلہ اور برداشت کا غیر معمولی نمونہ دکھایا کرتے جس سے عموماً آپ سے بڑے بھی گھبرایا کرتے تھے۔آپ عموماً سردی وگرمی میں سویرے اٹھتے اور غسل کے لئے تالاب پر جایا کرتے اور وہ وید منتر (جو دیہاتی زندگی میں آپ کو پنڈت استاد نے یاد کرائے تھے اور موجودہ معمر اور مذہبی خیال کی دادی کی تربیت کے باعث وہ روح آپ میں قائم تھی) پڑھ پڑھ کر پوجا پاٹھ اور پرارتھنا کیا کرتے تھے۔یہ اس زمانہ کے حالات ہیں جبکہ آپ کی عمر نو دس یا گیارہ سال کی تھی۔

انہی ایام میں ایک روز آپ کے بڑے بھائیوں وغیرہ نے کچھ وعظ ونصیحت اور کچھ دھمکی سے آپ کو حقہ پلایا تا عادی ہوکر آپ اس رنگ میں بڑوں کی خدمت کرسکیں۔لیکن ایک ہی کش سے آپ کی آنکھیں پھر گئیں۔سر میں چکر آنے لگے اور بے ہوشی تک نوبت پہنچ گئی۔چنانچہ ان لوگوں نے پشیمان ہوکر یہ کہتے ہوئے آپ کو ہمیشہ کے لئے آزاد کردیا کہ: ''چھوڑ واسے، یہ ہمارے کام کا نہیں۔''

ایک روز ایک خالہ نے ہنسی مذاق میں آپ کو بازوؤں سے پکڑ کر چکر دیا۔جس سے بُنِ ران میں شدید درد ہوگیا حتیٰ کہ گنبھیر ہوگیا اور آپ اٹھنے بیٹھنے سے معذور ہوگئے۔اور سخت تکلیف اٹھائی اور ایک سال کے بعد اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال ہوا اور آپ کو شفا ہوئی۔

والد ایک سادھو کے جال میں

نقل مکانی وغیرہ میں آپ کی تعلیم کے دو تین سال ضائع ہو گئے۔ اب والد صاحب نے فیصلہ کیا کہ آپ چونیاں میں ہی زیر تعلیم رہیں۔ چنانچہ جنوری یا فروری ۱۸۹۵ء تک آپ وہاں ہی تعلیم پاتے رہے۔ اس دوران میں کچھ عرصہ والد کسی سادھو کے ایسے گرویدہ ہو گئے کہ ملازمت ترک کر کے دور کہیں گوالیار کے پہاڑوں اور جنگلوں میں اور کہیں ہمالیہ اور اور بندھیاچل کی چوٹیوں پر بعض جڑی بوٹیوں کی تلاش میں ایسے سرگرداں رہے کہ دو تین سال تک ان کا کوئی پتہ نہ چلا اور والدہ نے گھر کا اندوختہ اور ضروریات تک اٹھا اٹھا کر بچوں کی پرورش کی اور باوجود تنگی ترسی کے بچوں کو والد کی گمنامی کا علم نہ ہونے دیا۔ بھائی عبدالرحمٰن صاحب کو علم ہو گیا تو انہوں نے اپنی مہربان والدہ سے عرض کیا کہ آپ تسلی رکھیں، گھبرائیں نہیں۔ میں نے خط لکھنا تو سیکھ لیا ہے، اب سکول کو چھوڑتا ہوں اور محنت مزدوری کر کے جو کچھ حاصل کروں گا آپ کی خدمت میں حاضر کر دیا کروں گا۔ آپ میرے بھائی بہنوں کی اچھی طرح سے پرورش کریں اور ان کو اچھی تعلیم دلائیں۔ والدہ پر ان الفاظ کا ایسا اثر ہوا کہ وہ آپ کو چھاتی سے لگا کر زار و قطار رونے لگیں اور آپ کو تسلی دی کہ نہیں تمہارے ابا کا خط آ گیا ہے وہ جلد آتے ہیں...... خدا کی شان کہ والدہ نے تو محض تسلی کے لئے یہ کہا تھا مگر چند ہی روز بعد والد کی طرف سے خط اور خرچ آ گیا اور اطلاع کے مطابق وہ جلد آ گئے۔ ان کے خیالات مہوسانہ تھے۔ سینکڑوں روپیہ نسخہ جات کیمیا کی نذر کر دیا اور سیکھا تو صرف یہ کہ گندھک اور پارہ کا گلاس بنا لیا کرتے تھے اور بس۔ آخر تنگ آ کر پھر بطور پٹواری سرکاری ملازمت حاصل کر لی۔

حُبِّ اسلام کا آغاز

والد پرانے زمانہ کی طرز تعلیم کے باعث لائق فارسی دان، قابل منشی اور خوشخط وخوشنویس تھے۔ تعلیم فارسی چونکہ مسلمان اساتذہ سے پائی تھی اس لئے ان کے خیالات میں کبھی کبھی اسلامی جھلک نظر آتی تھی اور ایک حد تک ان کے خیالات اپنے بیٹے کے لئے خضر راہ ہوئے۔ مزید یہ کہ آپ کے بیٹے نے چوتھی یا پانچویں جماعت کے نصاب میں ''رسوم ہند'' نامی کتاب بھی پڑھی۔ اور آپ پر اس نے ایسا مقناطیسی اثر کیا کہ آپ کی کایا پلٹ ہو گئی۔ آپ ظلمات کی گھٹا سے نکل کر اجالے میں آ گئے۔ اور بت پرستی کے موروثی جذبہ پر بت شکنی و

وحدت پرستی کا فطری نور غالب آ گیا۔ اور آپ قید بت خانہ و بتاں سے نجات پا کر خدائے واحد و یگانہ کا آزاد بندہ بننے لگے۔ آپ کے دل کی کھیتی میں حُبِّ اسلام کا پہلا پاک اور مقدس تخم اسی قیمتی کتاب کے مطالعہ سے بویا گیا جس کے مصنف نے نہ معلوم کس پاک نیت اور نیک ارادے سے اس کتاب میں نور اور ظلمت کو ایسے رنگ میں یکجا جمع کر دیا۔ کہ فطرت سلیم اس سے متاثر ہوئے بغیر رہ ہی نہیں سکتی۔

آپ بیان کرتے ہیں کہ قابل اور نیک دل مصنف نے بغیر اشارہ کسی اور بغیر کسی ایک بھی تبلیغی فقرہ لکھنے کے ابتداء میں ہندوؤں کے مذہبی رسوم ورواج، ان کے اکابر کے بعض حالات اور معاشرتی آئین درج کر دیئے ہیں اپنی طرف سے نہ کوئی جرح کی ہے نہ تنقید۔ دوسرے حصہ میں مسلمانوں کے عقائد۔ رسوم ورواج اور انبیاء کے حالات درج کر کے آخر میں صرف ایک سبق آموز افسانہ لکھ دیا ہے اور بس۔ طرز تحریر بالکل غیر جانبدارانہ ہے اور کتاب کو ٹیکسٹ بک (نصاب تعلیم مروجہ وقت) بنا کر اس کے واقعات مندرجہ کی صحت کی تصدیق دونوں قوموں کے نمائندوں نے کر دی تھی۔ کتاب کیا تھی ایک شفاف آئینہ تھا جس میں نور اور ظلمت دونوں کا فوٹو ہو بہو (اس زمانہ کے خیالات اور تحقیق کے مطابق) یکجا جمع تھا اور ہر فطرت اپنی استعداد و قابلیت اور مناسبت کے لحاظ سے اپنے ہم جنس کی طرف جھک جانے پر مجبور تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک زمانہ تک سینکڑوں ہی نیک فطرت انسانوں کی ہدایت و راہنمائی کی عزت اس کتاب کو بخشی۔ مگر آخر کار متعصّب اور مالدار سرکاری اداروں پر قابو یافتہ ہندوؤں کی کوشش کا شکار ہو کر نصاب تعلیم سے خارج کر دی گئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

عیسائیوں اور آریوں کی سرگرمیاں

حضرت بھائی جی بیان کرتے ہیں کہ میرے خیالات کا یہ انقلاب ۱۸۸۹ء، ۱۸۹۰ء یا زیادہ سے زیادہ ۱۸۹۱ء سے تعلق رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ اسی زمانہ میں چونیاں پر عیسائی مشنریوں نے دھاوا بول رکھا تھا اور ان کے مناد نئے نئے رنگ میں لوگوں کا متاع ایمان چھین لینے اور ان کے مذہبی عقائد پر ڈاکہ ڈالنے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے۔ کبھی تو وہ اپنے خاص انداز اور شان وشوکت کی نمائش کرتے۔ کبھی بچوں اور نوجوانوں کے دل موہ لینے کے وسائل اختیار کرتے اور کبھی کبھی نہایت ہی خوبصورت اشیاء کی تقسیم عام کے ذریعہ سے لوگوں کو اپنی طرف مائل کیا کرتے اور تماشا اور تصاویر دکھا کر نوجوانوں کے دل لبھانے اور طمع دے کر پھانسنے تک سے بھی دریغ نہ کیا کرتے۔ دوسری طرف ہندو قوم

چونکہ بڑی ہوشیار اور موقعہ شناس واقع ہوئی ہے اس نے جب عیسائیوں کی سرگرمیوں کو دیکھا تو اپنی نئی پود کو سنبھالنے کی کوشش وفکر میں لگ گئی اور آریوں نے نت نئے جلسے جلوس اور نگر کیرتن کے رنگ جمانے شروع کردیئے۔ان کے بڑے بڑے اپدیشک آتے، لیکچر ہوتے اور بحث ومباحثہ کے اکھاڑے اکثر لگتے رہتے۔ اس طرح ہندوؤں نے تو اپنی عقلمندی سے اپنے نوجوانوں کا رخ پلٹ دیا۔اور جو رنگ عیسائی منا د اختیار کرتے ہندو بھی اس سے پیچھے نہ رہتے۔ گانے بجانے میں تو استریوں کی شرکت کی وجہ سے آریوں کے اکھاڑے عیسائیوں سے بھی زیادہ بارونق ہو جایا کرتے۔باقی رہ گئے بیچارے مسلمان جو بےسری فوج یا بغیر دولہا کے برات تھے، منتشر اور بکھری ہوئی بھیڑوں کی طرح ان کو جو چاہتا اچک لیتا تھا۔ نہ کوئی نگران تھا نہ پاسبان۔بعض خاندانی لوگ عیسائیت کا شکار ہو گئے۔اور بعض آریہ خیالات کی وجہ سے دہریہ بن گئے۔غرض وہ زمانہ بھی عجیب کشمکش کا زمانہ تھا۔اور چونیاں کا شہر ریلوے سے دور ہونے کی وجہ سے عیسائیوں اور آریوں کا ایک شکارگاہ بن رہا تھا۔اور عام حالات کے لحاظ سے کہا جا سکتا تھا کہ دونوں کا حملہ اسلام کے خلاف تھا۔

اس زمانہ میں قلبی کیفیت

آپ بیان کرتے ہیں کہ میرے قلب کی بھی عجیب کیفیت تھی اسلام کی محبت میرے دل میں گھر کر چکی تھی اور حلاوت ایمانی میرے رگ و پے میں سرایت کر گئی تھی۔ مذہب اور خدا کا خیال میرے دل میں نمایاں جگہ لے چکا تھا۔اس لئے میں عیسائیوں کے لیکچروں میں بھی چلا جاتا اور آریوں کے جلسوں اور جلوسوں میں بھی شریک ہو جایا کرتا تھا کیونکہ عیسائی خداوند خدا کے نام پر بلاتے اور آریہ بت پرستی کے خلاف اور توحید کی تائید میں گیت گاتے اور پکار پکار کر ایشور، پر ماتما اور سرب شکتی مان کے نام پر بلاتے تھے۔ میں خیالات کے لحاظ سے ایک طرف سے تو بالکل کٹ چکا تھا اور نیا پیوند میرا ابھی بالکل تازہ تھا۔گو قلبی کیفیت کے لحاظ سے مجھے اطمینان اور تسلی تھی کہ اسلام ہی (جسے میں ابھی تک صرف نام کے لحاظ سے ہی جانتا تھا اور اس کی تفاصیل سے ناواقف تھا) سچا مذہب ہے۔اور یہ بات میں نہیں سمجھتا کہ کیونکر میرے دل میں میخ فولاد کی مانند گڑ گئی تھی۔مگر تاہم میں آریوں اور عیسائیوں کی مجالس میں شریک ہوتا کہ شاید وہ چیز جس کی مجھے تلاش ہے انہی کے ہاں سے ملے۔مگر میں سچ سچ کہتا ہوں کہ مجھے کبھی ایک لحہ کے واسطے بھی ان دونوں خیالات کے بڑے سے بڑے لیکچراروں کے عالمانہ خطبے اور لیکچر سن کر اس چیز کی صداقت میں شک وشبہ نہ پیدا ہوا جس کو خدا نے اپنے فضل سے خود اپنے ہاتھوں میرے دل میں گاڑ دیا

تھا۔ بلکہ میرا ایمان اور یقین اور بھی ترقی کرتا چلا گیا۔ اور اگرچہ اس روحانی پودے کی آبیاری کرنے والے کوئی بھی ظاہری سامان موجود نہ تھے۔ بلکہ معاملہ اس کے برعکس تھا کیونکہ مسلمانوں پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔ اور وہ خواب غفلت میں پڑے تھے اور کفر موجزن تھا۔ مگر وہ بیج خدا سے غذا پاتا اور مضبوط تر ہوتا چلا گیا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا ۖ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ ۚ ۔

دو رؤیاء

اس وقت سے جبکہ بچپن میں آپ کا سینہ نورِ اسلام سے منور ہو چکا تھا آپ کو بعض خوابیں بہت صاف اور واضح آتیں جو بہت جلد یا کچھ دن بعد بعینہٖ پوری ہو کر آپ کی ترقی ایمان کا باعث ہوتیں۔ آپ ہمیشہ انہیں مخفی رکھتے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے۔ چنانچہ اسی زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی باریک در باریک حکمت اور مصلحت کے ماتحت یکے بعد دیگرے دو خواب دِکھا کر آپ کے ایمان کو تازگی اور مضبوطی بخشی۔ چنانچہ پہلی رؤیا میں قیامت کا نظارہ دکھایا گیا۔ جو اپنی ساری تفاصیل اور کیفیات کے ساتھ جو آپ کے اس وقت کے خیالات اور علم و وسعت کے مطابق تھیں آپ کو ایک کمرہ کے اندر دکھایا گیا۔ جو بمشکل ۱۰×۱۰ فٹ ہوگا اور وہ اس سکول کا دفتر تھا جس میں آپ تعلیم پایا کرتے تھے۔ ان دنوں چونیاں کا مدرسہ شہر کے جنوبی جانب واقع تھا۔ جو بعد میں نیلام ہو کر کنک منڈی میں تبدیل ہو گیا۔ اس نظارہ میں نہ کوئی آئندہ کی خبر تھی نہ علمی بات۔ مگر اس سے آپ کے قلب کو وہ طاقت ملی اور آپ کے ایمان میں اتنی تازگی آئی کہ آپ بیان کرتے ہیں کہ آج تک بھی میں اس اثر اور لذت اور قوت و شوکت کو محسوس کیا کرتا ہوں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ واقعی وہ ایک قیامت تھی جو میرے پہلے خیالات پر آئی۔

آپ بیان کرتے ہیں کہ دوسرا خواب بھی قریباً اسی زمانہ میں یہ دکھایا گیا کہ ایک وسیع اور شاداب قطعہ آب میں بعض آبی جانور بھی کہیں کہیں نظر آتے ہیں۔ میں اس میں تیرتا اور غسل کرتا پھرتا ہوں۔ پانی زیادہ گہرا نہیں۔ محض شوق سے کبھی تیرتا ہوں اور کبھی کھڑا ہو جاتا ہوں۔ اچانک ایک مگرمچھ مجھ پر لپکا اور اس نے مجھے نگلنا شروع کر دیا۔ پہلے پاؤں پکڑے اور ہوتے ہوتے کمر تک مجھے نگل گیا۔ جب میں نے دیکھا کہ میرے جسم کا نصف حصہ ایک خطرناک اور زبردست دشمن کے قبضہ میں ہے تو معاً کسی بیرونی تحریک کے ماتحت میں نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے اس خیال سے کہ ایسا کرنے سے وہ اب مجھے نگل نہ سکے گا۔ کیونکہ اس کا منہ چھوٹا ہے اور میرے ہاتھوں کا پھیلاؤ بہت وسیع ہو گیا ہے۔ اور ساتھ ہی میں نے

دونوں ہاتھوں سے اس مگرمچھ کا منہ، سر اور آنکھوں کو نوچنا شروع کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں وہ کمر سے آگے نگل بھی نہ سکا۔ بلکہ مجھے چھوڑ کر بھاگ گیا اور اس طرح میں اس کے پھندے سے صحیح سلامت بچ گیا۔ اور میرے جسم کو کوئی گزند بھی نہ پہنچا۔ الحمدللہ، الحمدللہ۔ ثم الحمدللہ علی ذالک

مسلمان طلبہ، مساجد، عیدگاہوں اور اذان سے محبت اور منادر سے نفرت

آپ کے خیالات کی تبدیلی اور قلبی انقلاب کے نتیجہ میں آپ کو ہندو طلباء اور دوستوں کی بجائے مسلمان طلباء اور لڑکوں سے محبت ہونے لگی اور اٹھنا بیٹھنا، کھیلنا کودنا، ملنا جلنا اور چلنا پھرنا غرض عام سوسائٹی کے تعلقات کا نقشہ ہی پلٹ گیا۔ گویا روحانی انقلاب کے ساتھ جسمانی تعلقات میں بھی انقلاب رونما ہوگیا۔ مدرسہ میں آپ کی مضمون نویسی اور مباحث (Debate) میں اسلامی رنگ اور نقطہ نظر غالب ہونے لگا اور نوبت بعض اوقات یہاں تک پہنچ جایا کرتی کہ بعض متعصب لڑکے بحث سے تنگ آ کر کھلم کھلا آپ کو مسلمان یا مسلمانوں کا طرفدار کہنے لگ جاتے۔

مدرسہ کے ہیڈ ماسٹر اس زمانہ میں مولوی جمال الدین مولوی فاضل و منشی فاضل سکنہ للیانی متصل قصور تھے اور ان کے نائب ایک صاحب منشی یا مولوی عبداللہ صاحب تھے۔ جو وہ بھی غالباً اسی قصبہ للیانی ہی کے باشندے یا اس کے آس پاس کے رہنے والے تھے۔ اور دو استاد ہندو اور سکھ تھے۔ مضمون نویسی کا بچپن میں آپ کو زیادہ شوق تھا۔ جس کی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ ''رسوم ہند'' کے مطالعہ کے نہایت گہرے اور پائیدار اثر کے ماتحت آپ مضامین میں سادگی سے اپنی قلبی کیفیات کا نقشہ کھینچنے کی کوشش کیا کرتے تھے جس سے ہندو طلباء جو نہایت متعصب اور آریہ خیالات میں پرورش پاتے تھے خواہ مخواہ کھینچ تان کر آپ کو اپنا مدمقابل بنا لیتے اور اس طرح بحث شروع ہو جاتی۔ اور یہی وجہ ہوئی کہ ہوتے ہوتے آپ کے خیالات اور بھی زیادہ وسیع اور پختہ ہوتے چلے گئے اور آپ کو ہندوؤں سے نفرت اور مسلمانوں سے محبت بڑھنے لگی۔ آخر آپ کی نشست و برخاست اور ربط و اختلاط مسلمانوں سے بہت بڑھ گیا۔ اور آپ ہندوؤں سے قریباً منقطع ہو گئے۔ اور اب آپ بجائے منادر اور شوالوں وغیرہ کے مساجد کے دروازوں پر جا کر کھڑے ہوتے۔ کبھی ان کی چار دیواری پر بیٹھ کر صفیں باندھے، قطار در قطار کمربستہ کھڑے مسلم نمازیوں کو خدا کی عبادت کرتے، اس کے حضور گرتے اور اس سے دعائیں کرتے دیکھ دیکھ کر دل ہی دل میں لطف اٹھاتے اور اثرات قبول کیا کرتے۔ خصوصاً جبکہ نماز باجماعت ہو رہی ہوتی۔ اور مسلمان قطار در قطار صفوں میں کھڑے ہوتے۔

کبھی رکوع کرتے، اور کبھی سجدات، تو یہ نظارہ آپ کے لئے نہایت ہی دلکش اور روح پرور ہوا کرتا تھا۔

آپ عید کے روز عیدگاہ کی چار دیواری پر جا بیٹھتے اور جمعہ کو جمعہ پڑھنے والوں کی حرکات کو محبت بھری نگاہوں سے جامع مسجد کے صحن یا چار دیواری سے جھانک جھانک کر اپنی روحانی ترقی کے سامان اور قلبی مسرت حاصل کرتے۔ اور ان باتوں کے لئے کوئی بھی ظاہری محرک نہ تھا۔ صرف آپ کے دل کی خواہش اور روحانی تحریک ہی محرک ہوتی تھی۔

آپ کو بجائے بت گروں اور بت پرستوں کے مؤحدوں، خدا پرستوں اور بت شکنوں سے محبت تھی اور بجائے بت خانوں اور بت کدوں کے مساجد اور عیدگاہیں آپ کی روحانی دلچسپی کا موجب تھیں۔ گھنٹے اور گھڑیال جو منادر و بتکدوں سے صبح و مسا بجتے اب وہ آپ کی توجہ کو پھیرنے سے قاصر تھے مگر آپ کے تیز چلتے ہوئے قدم دوڑتے ہوئے پاؤں اور بھاگتا ہوا جسم رکتا اور قدم لرزہ کھا جاتے تو اس خدائے برتر کے نام سے شروع ہونے والی آواز پر جو کہ الله اکبر الله اکبر سے شروع ہوا کرتی تھی مسجد کے صحن یا مینار سے۔ آپ جہاں بھی ہوتے، جدھر بھی جا رہے ہوتے، جس حال میں بھی ہوا کرتے اذان کے پہلے لفظ پر ہی کھڑے ہو جایا کرتے تھے اور نہ چلتے اور نہ منہ پھیرتے۔ جب تک کہ وہ مقدس آواز پوری ختم نہ ہو جاتی۔

آپ اذان کے کلمات سے بھی ناآشنا اور اس کے معانی و مقاصد سے بھی ناواقف تھے مگر دل میں اس طریق پکار، طرز نداء اور نام خدا کی ایک ہیبت، ایک ادب، اور ایک قسم کا جوش و نشہ آ جایا کرتا کہ بغیر کسی گذرنے والے ہندو طعنہ زن کے طعنہ کی پرواکرنے کے آپ مقام ادب پر کھڑے ہو جاتے اور اس میں آپ کو ایک ایسا لطف، لذت اور سرور ملتا تھا کہ جس کا بیان کرنا ممکن نہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ گو یہ اس وقت کے مسلمانوں کی تقلید ہی تھی مگر حق یہ ہے کہ مجھے اس راہ سے بھاری برکت ملی۔

مسلمانوں کا اس وقت یہ حال تھا کہ ہیڈ ماسٹر سے لے کر ہم جماعت مسلمان لڑکوں حتیٰ کہ بعض آپ کے خاص دوستوں تک نے بھولے سے بھی آپ کو کوئی کلمہ خیر کہنے کی توفیق نہ پائی۔ نہ تبلیغ کی۔ حالانکہ آپ دن رات ان کے ساتھ رہتے تھے۔ بعض اوقات آپ خود بازار سے نماز کی کتاب خرید کر تنہائی میں بعض دوستوں کے گھر پر پہنچے اور چاہا کہ وہ آپ کو نماز کا سبق پڑھائیں۔ مگر انہوں نے کبھی کوئی عذر کر کے ٹال دیا اور کبھی کوئی بہانہ بنا کر معذرت پیش کر دی۔ راہ نجات، طریق النجات اور بعض اور اردو کتب و رسائل جن کا آپ کو پتہ ملتا۔ کبھی کہیں سے کبھی کہیں سے حتیٰ کہ بعض اوقات بمبئی تک سے ٹکٹ بھیج کر منگوا کر پڑھتے اور لڑکوں میں تقسیم بھی کر دیا کرتے تھے۔ بعض سادات گھرانے اور قاضی فیملی شہر میں صاحب

ثروت اور علم دوست بھی تھے اور آپ کے انہی لوگوں سے تعلقات محبت بھی تھے۔ مگر ان کی دوستی اور محبت ووفا بھی صرف دوستی تک ہی محدود تھی۔ روحانی بہبودی اور بھلائی کا کبھی کسی کو خیال تک بھی نہ آیا۔ آپ کی روحانی تربیت گوانہوں نے نہ کی مگر ان لوگوں کے تعلقات کا اثر ضرور آپ پر ہوتا چلا گیا۔ اور وہ بیج جو اللہ تعالیٰ نے ''رسوم ہند'' کے ذریعہ آپ کے دل میں خود اپنے ہاتھ سے گاڑا تھا اگ کر پودا بنتا اور صرف اسی کے فضل کی آبیاری سے سنچتا اور بڑھتا گیا۔

رات کو سوتے وقت آپ اس بات کا خاص اہتمام کرتے تھے کہ پاؤں قبلہ کی طرف نہ ہوں اور اگر کبھی والدہ محترمہ چارپائی اسی طرح بچھا دیتیں تو آپ کوشش کر کے بجائے مشرق کے مغرب کو سرہانہ بنا کر سویا کرتے۔ بعض اوقات والدہ کے حکم سے مجبور ہو کر دوسرے رخ سو جاتے تو سوتے میں اٹھ کر غلبہ خیال کے باعث آپ پاؤں بجائے قبلہ کے مشرق کو کر لیا کرتے تھے۔ اور والدہ صبح کو دیکھ کر خفا ہوتیں کہ یہ کیا عادت ہے۔ تم سرہانے کی بجائے پائینتی کی طرف سو جاتے ہو۔

حضرت مسیح موعود کے متعلق کیا سنا!!

آپ بیان کرتے ہیں کہ باوجودیکہ ۹۴-۱۸۹۳ء کے زمانہ میں سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا جابجا چرچا تھا۔ مگر چونیاں کے مسلمان کچھ ایسی حالت جمود وسکوت میں تھے کہ کم از کم میرے کانوں تک اس زمانہ میں حضور پرنور کا ذکر نہ پہنچا۔ البتہ ایک بات مجھے یاد ہے کہ جو میرے کان میں پڑی تھی جسے بعد میں قادیان پہنچ کر بلکہ اس سے پہلے سیالکوٹ میں سمجھا وہ یہ تھی کہ ایک لڑکے نے جو کسی تقریب پر لاہور وغیرہ گیا تھا واپسی پر مجھ سے ذکر کیا کہ اس سفر میں ایک عجیب بات سننے میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ

''ایک مسلمان مولوی نے جو بڑا عالم ہے ایک انگریز کی موت کی پیشگوئی کی اور وہ پوری ہوگئی۔''

اور میرے سوال پر بتایا کہ

''وہ شخص دور کہیں روس کی سرحد پر رہتا ہے۔ گاؤں کا نام سنا تو تھا مگر یاد نہیں رہا۔''

کسوف وخسوف اور مہدی کے پالینے کے لئے دعائیں کرنا

آپ بیان کرتے ہیں کہ ۱۸۹۴ء کے رمضان المبارک میں مہدی آخر الزمان کے ظہور کی مشہور

علامت کسوف وخسوف پوری ہوگئی۔ وہ نظارہ آج تک میری آنکھوں کے سامنے ہے اور وہ الفاظ میرے کانوں میں گونجتے سنائی دیتے ہیں جو ہمارے ہیڈ ماسٹر مولوی جمال الدین صاحب نے اس علامت کے پورا ہونے پر مدرسہ کے کمرہ کے اندر ساری جماعت کے سامنے کہے تھے کہ

''مہدی آخرالزمان کی اب تلاش کرنا چاہئے وہ ضرور کسی غار میں پیدا ہو چکے ہیں کیونکہ ان کے ظہور کی بڑی علامت آج پوری ہو چکی۔''

میں بھی جماعت میں موجود تھا۔ وہ کمرہ، وہ مقام اور لڑکوں کا وہ حلقہ اب تک میری نظر کے سامنے ہے وہ کرسی جس پر بیٹھے ہوئے مولانا نے یہ الفاظ کہے۔ وہ میز جس پر ہاتھ مار مار کر لڑکوں کو یہ خبر سنائی۔ خدا کے حضور ضرور اس بات کی شہادت دیں گے کہ مولوی صاحب موصوف پر اتمام حجت ہو چکی۔ باوجود اس نشان کا اعلان کرنے کے خود قبول مہدی آخرالزمان سے محروم ہی چلے گئے۔

''مہدی آخرالزمان''۔ میرے کان ابھی تک اس نام سے نا آشنا تھے۔ ان کا کسی ''غار میں پیدا ہونا''، ''ان کے ظہور کی بڑی علامت'' یہ الفاظ میرے واسطے اور بھی اچنبھا تھے۔ میں مڈل میں تعلیم پاتا تھا۔ طبیعت میں ٹوہ کی خواہش پیدا ہوئی۔ استاد سے بوجہ حجاب اور ادب نہ پوچھ سکا۔ آخر ہم جماعتوں سے اس معمہ کا حل چاہا۔ جنہوں نے اپنے مروجہ عقیدہ و خیال کے مطابق سارا قصہ کہہ سنایا۔ میرے دل میں جو تاثرات ان قصوں کو سن کر پیدا ہوئے۔ اور جنہوں نے میری روحانیت میں اور اضافہ کیا وہ یہ تھے:

۱- تیرہ سو سال قبل ایک واقعہ کی اطلاع دینا جو دوست دشمن میں مشہور ہو چکی ہو۔ اور پھر اس کا عین وعدہ کے مطابق پورا ہو جانا۔

۲- وہ واقعہ انسانی کوشش کا نتیجہ نہیں بلکہ آسمان پر ہوا جہاں انسان کی پہنچ نہیں اور نہ ہی انسان کا کسی قسم کا اس میں دخل ہے۔

۳- مہدی آخرالزمان کی شخصیت۔ اس کا کفر کو مٹانا۔ اسلام کو بڑھانا اور اسلامی لشکر تیار کر کے کافروں کو تلوار کے گھاٹ اتارنا اور مسلمانوں کی فتوحات کے خیالات۔

۴- دعا اور اس کی حقیقت۔ خدا کا بندوں کی دعاؤں کو سننا اور قبول کرنا۔ کیونکہ اولیاء امت محمدیہ مہدی آخرالزمان کے لئے دعائیں کرتے رہیں ہیں۔ آخر وہ قبول ہوئیں۔

۵- یہ باتیں اسلام کی صداقت کی واضح اور بین دلیل ہیں اور اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو خدا کو پیارا اور خدا تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔

یہ پنجگانہ امور اپنی مجمل سی کیفیت کے ساتھ میرے دل پر اثر انداز ہوئے اور اس واقعہ نے میرے ایمان میں ترقی و تازگی اور روحانیت میں اضافہ کر دیا۔ اور میں بھی مہدی آخر الزمان کو پانے کے لئے بیتاب ہونے لگا۔ جس کے حصول کے لئے مجھے دعاؤں کی عادت ہوگئی۔ میں راتوں کو بھی جاگتا اور دن میں بھی بے قرار رہتا اور مہدی آخر الزمان کی تلاش کا خیال بعض اوقات ایسا غلبہ پاتا کہ باوجود کم سنی کے میں دیوانہ وار ان بھیانک کھنڈرات میں نکل جایا کرتا اور پکار پکار کر اور بعض اوقات رو رو کر بھی اللہ تعالیٰ کے حضور اِس مقدس وجود کے پانے کے لئے التجائیں کیا کرتا تھا۔

''ان واقعات کو سننے یا پڑھنے والے تو تعجب کریں گے ہی مگر میں خود بھی اپنے ان حالات کو سامنے رکھ کر بے حد متعجب ہوا کرتا ہوں اور حقیقت یہی ہے کہ وہ حالات تھے بھی حیرت ناک اور تعجب انگیز اور ان میں دیوانگی اور جنون کا رنگ پایا جاتا تھا۔ میں مجلسی زندگی سے متنفر اور تنہائی پسند ہو گیا اور آبادی کی نسبت جنگل اور ویرانے مجھے بھانے لگے اور اسی میں میری راحت' خوشی اور سارا سامان سرور ہوا کرتا تھا۔ میں کھیل کود کا مشتاق تھا۔ میرا بدن چھریرا مگر مضبوط تھا۔ سکول کے جمناسٹک ماسٹر جسمانی ورزش کے کرتبوں' دوڑ پھاند اور کرکٹ کی وجہ سے خوش تھے۔ مگر یہ ساری باتیں ایک عرصہ کے لئے مجھ سے جدا ہو گئیں اور مجھے کسی چیز سے سوائے تنہائی میں دعا کے دلچسپی باقی ہی نہ رہ گئی۔ اور یہ سب کچھ محض اللہ تعالیٰ نے میری خواہش بلکہ علم کے بھی بغیر میرے سینہ و دل پر ایمان کا بیج بویا۔ شگوفہ نکالا۔ اور اس کی آبیاری فرما کر پودا بنا دیا۔ اسی طرح غیب ہی سے اس نے خود سارے سامان اس کی حفاظت و ترقی کے بھی جمع فرما دیئے۔ مجھ سے اگر کوئی دلیل کا طالب ہوتا تو میں نفی میں جواب دیتا۔ اور صرف یہ بتا سکتا کہ میرے دل میں ان صداقتوں کا آفتاب اور ماہتاب کے وجود کی طرح یقین ہے۔ اس کے سوا کوئی دلیل نہ تھی کیونکہ میں نے اس نور کو کسی دلیل سے حاصل نہ کیا تھا۔ بلکہ خود خدا نے مجھے وہ نور دیا تھا۔

ایک نئے دور کا آغاز اور نقل مکانی بوجہ افشائے راز

یہ سلسلہ کم و پیش جاری ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ڈاکٹر سید میر حیدر صاحب☆ کو چونیاں میں پہنچا دیا۔ جو

☆ مکرم سید امجد علی شاہ صاحب سیالکوٹی (خلف حضرت سید خصیلت علی شاہ صاحبؓ) نے خاکسار مؤلف کے استفسار پر مکرم سیّد نذیر حیدر صاحب سے دریافت کر کے تحریر فرمایا ہے کہ ڈاکٹر حیدر صاحبؓ حضرت حکیم میر حسام الدین صاحبؓ سیالکوٹی کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ ٹبہ ککے زئیاں میں ان کا مکان ہے۔

حضرت میر حامد شاہ صاحبؓ سیالکوٹی کے رشتہ دار تھے۔آپ کے ایک صاحبزادے سید بشیر حیدر صاحب، بھائی جی کے کلاس فیلو بنے جن سے آپ کو خاص طور سے محبت تھی۔ اور وہ بھی رحمت و برکت کا موجب ہوگئے۔اوران کے آنے سے آپ کی زندگی کا بالکل ایک نیا دور شروع ہوگیا۔سیّد بشیر حیدر صاحب کے بڑے بھائی سید نذیر حیدر صاحب بھی بھائی جی سے محبت اور مروت کا معاملہ فرماتے اور وہ ہر لحاظ سے تربیت کا خیال رکھتے۔اور موقعہ ومحل پر نصیحت وخیر اندیشی کا کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھتے۔

عجیب اتفاق کی بات ہے کہ اس زمانہ میں بھی آپ کے دوست آپ کو''بھائی جی'' کے نام سے پکارتے اور عزت ومحبت کی نظر سے دیکھتے تھے اور آپ عموماً اپنے دوستوں کو نیکی کی ترغیب دلاتے تھے حتیٰ کہ اس کی خاطر بعض دفعہ آپ روزے بھی رکھتے۔جس سے آپ کے دوست متاثر ہوئے اور روزے رکھنے لگے۔گویا یہ سب ایک دوسرے کے خیر خواہ تھے۔بدیوں سے روکتے اور نیکیوں کی تحریک کرتے اور اشرار اور بدمعاشوں سے بدی مٹانے کی خاطر لڑتے۔

غالباً ۱۸۹۴ء کے آخر کی بات ہے کہ آپ کے چھوٹے بھائی بہاری لال کی ایک مسلمان لڑکے سے لڑائی ہوگئی۔مغلوب ہونے پر مسلمان لڑکے نے اپنے بچاؤ کے لئے اس راز کو قربان کردیا۔جو آپ کے

بقیہ حاشیہ:- ۱۹۰۴ء میں بمقام سمبڑیال (ضلع سیالکوٹ) ہسپتال میں تعینات تھے اور جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس سال سیالکوٹ تشریف لائے تو واپسی پر ڈاکٹر صاحب نے بمقام سمبڑیال ہی ریل گاڑی میں بیعت کی تھی ڈاکٹر صاحب کے فرزند سیّد نذیر حیدر صاحب نے جو بعمر چوراسی سال بقید حیات ہیں ۱۹۰۳ء میں جہلم جاکر بیعت کی تھی جب بہ مقدمہ کرم دین حضور وہاں تشریف لے گئے تھے۔ان کے دو بیٹے سیّد فیاض حیدر صاحب سیّد سجاد حیدر صاحب احمدی ہیں۔سیّد بشیر حیدر صاحب ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ملازمت سے سبکدوش ہوکر لاہور میں وفات پاچکے ہیں۔وہ اور بھائی عبدالرحمٰن صاحب ہم جماعت تھے اور دونوں کی آپس میں بہت محبت تھی۔اکثر اکٹھے رہتے تھے۔سیّد نذیر حیدر صاحب کی بیوی سیّدہ نذیرہ بیگم صاحبہ مدفونہ بہشتی مقبرہ قادیان (دختر حضرت میر حامد شاہ صاحبؓ) سے بھائی جی کچھ کچھ قرآن مجید بھی پڑھنے لگ گئے تھے اور بعض اوقات نماز بھی پڑھا کرتے تھے۔ڈاکٹر صاحب چونیاں سے تبدیل ہو گئے تو سیّد بشیر حیدر صاحب سیالکوٹ آگئے جہاں کچھ عرصہ بعد بھائی جی بھی آگئے اور وہاں سے قادیان پہنچ گئے۔سیّد بشیر حیدر صاحب اوران کے ہم جماعت مولوی صدرالدین صاحب (امیر جماعت غیر مبائعین) دونوں نے ۹۹-۱۸۹۸ء میں اکٹھی بیعت کی تھی۔سیّد صاحب نے ۱۹۴۲ء میں وفات پائی۔

خیالات کے متعلق مسلمان لڑکوں کے خاص حلقہ میں مدت سے بطور امانت چلا آ رہا تھا۔ اس نے کہا کہ آپ کے بڑے بھائی تو مسلمان ہیں اور مسلمانوں سے محبت و ہمدردی رکھتے ہیں مگر آپ مسلمانوں سے لڑائی کرتے ہیں۔ ان الفاظ نے بھائی پر بجلی کا اثر کیا اور اس کے جسم پر لرزہ آ گیا۔ اور اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ بھائی حیران و ششدر رہ کر آخر جوش غیظ سے روتے گھر پہنچا اور والدہ کو بتایا کہ فلاں لڑکے نے کہا ہے کہ

''تمہارا بڑا بھائی مسلمان ہو گیا ہے۔''

والدہ سنجیدہ اور عقلمند خاتون تھیں۔ انہوں نے بات کو ٹال دیا اور عزیز کے خیال کو کسی دوسری طرف لگا کر وقت گذار دیا۔ بچوں کی ناراضگی اور جوش وقتی ہوتا ہے، آخر وہ بات ان کے دل سے تو نکل گئی۔ مگر والدہ نے بغیر اس کے کہ آپ کو اس بارہ میں ایک لفظ بھی کہا ہو نہایت محتاط لب و لہجہ سے والد کو اطلاع کر دی، جوان دنوں پکے ماڑی کے نہری بنگلہ پر پٹواری تھے۔ لائل پور بڑی نہر سے جانب غرب اور یہ بنگلہ جانب شرق واقع تھا۔ اور لائل پور کا شہر اس زمانہ میں ابھی آباد نہ تھا۔ بلکہ یہ جنگل اور بیابان تھی۔

آپ کا امتحان مڈل قریب تھا جو کہ اس زمانہ میں لاہور جا کر دینا پڑتا تھا۔ اس وجہ سے والد صاحب نے وہ دن خاموشی سے گذار دیئے مگر نتیجہ نکلنے کے معاً بعد غالباً فروری یا مارچ ۱۸۹۵ء میں (ان دنوں میں رمضان کا مبارک مہینہ تھا) اچانک دو تین گھوڑیاں اور ایک اونٹ لے کر سارے کنبہ کو چونیاں سے لے جانے کی غرض سے آ پہنچے۔ اب بھی والد صاحب نے آپ کو اس امر معلوم کے متعلق کچھ نہ کہا سنا۔ بلکہ اپنی تنہائی اور تکلیف کی وجہ بتا کر سب کو تیاری کا حکم دیا۔ والدہ صاحبہ کو چونکہ یقین تھا کہ ہم لوگ اب چونیاں میں نہ رہ سکیں گے لہذا انہیں نے اندر ہی اندر رخت سفر سمیٹ سنبھال کر نیم تیاری کر رکھی تھی۔ اس وجہ سے بالکل ہی اچانک اور غیر معمولی جلدی میں چونیاں سے روانگی ہو گئی۔

آپ اور آپ کے دوست ایک دن رات بعد ہونے والی جدائی کے احساس سے بے قرار تھے مگر کچھ پیش نہ جاتی تھی۔ امتحان مڈل میں آپ فیل تھے آپ نے کوشش کی کہ نئے سال کی جماعت بندی کی تعلیم کے حرج کے خیال کی مددلیں مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی اور والد نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ لاہور کے ڈی اے۔ وی سکول میں بھیجیں گے۔ ان الفاظ نے بھائی جی پر ادر بھی رنج والم اور یاس وقلق کا پہاڑ گرا دیا۔ دوستوں کے مشورے سے یہ قرار پایا کہ وہ آپ کے لئے رمضان میں دعائیں کریں گے اور خط و کتابت بحروف انگریزی (کیونکہ والد صاحب انگریزی نہ جانتے تھے) جاری رکھ کر تعلقات قائم رکھیں گے اسی رمضان میں سحری کے وقت سارے دوست شہر کے مختلف حصوں سے آپ کو الوداع کہنے کو پہنچے۔ اور رات کے

اندھیرے میں قریباً ایک میل دور تک آپ کے ساتھ آخری باتیں کرتے چلے گئے۔طویل سفر کے بعد قافلہ پکے ماڑی یا پکی ماڑی نام بنگلہ نہر پر پہنچا۔

والد صاحب کا غضب وعتاب اور غمگسار ایک کتاب

آپ گھر کے اندر ہی رہتے۔آپ کو انجیل مقدس مل گئی جسے آپ نے کئی بار ختم کیا۔لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہ باوجود اداسی، تنہائی اور انہماک کے اس کتاب کا آپ کے خیالات پر کچھ اثر نہ پڑا۔ایک روز ایک انگریزی الفاظ کا خط والد صاحب نے لاکر دیا۔آپ نے جنگل میں بار بار پڑھا اور اس کا جواب دیا۔ یہ سید بشیر حیدر صاحب کی طرف سے تھا اور اس میں آپ کو اسلامی خیالات پر پختہ رہنے کی تلقین کی ہوئی تھی۔عجیب بات ہے جب آپ چونیاں میں تھے تو ان احباب نے شاید ہی کبھی کوئی تبلیغ بھائی جی سے کی ہوگی لیکن اب جدائی سے ان کے قلوب میں جوش تبلیغ پیدا ہوگیا اور ہر خط اسی رنگ میں ہوتا۔ چنانچہ قاضی فضل الحق صاحب، سید امداد علی شاہ صاحب، سید جعفر علی شاہ صاحب پیر جہانیاں والے اور سید زین العابدین شاہ صاحب کی طرف سے بھی (جو بھائی جی کے بیان کے مطابق یہ اعلیٰ اور صاحب ثروت خاندانوں کے افراد تھے قادیان آنے پر میرا ان سے تعلق قائم نہیں رہا۔) خطوط آتے۔سلسلہ خط وکتابت اتنا بڑھا کہ والد نے آپ کے ذریعہ یا براہ راست ان احباب کو اس سے روک دیا جس سے بھائی جی کی بے قراری کا زمانہ پھر شروع ہوگیا۔اور آپ اکثر دن بھر جنگل میں دیوانہ وار پکارتے پھرتے اور صرف رات کو گھر آتے۔

والد کی طرف سے علاج

آپ جنگل میں پردردوسوز اشعار مثلاً ؎

''دلا غافل نہ ہو یکدم کہ دنیا چھوڑ جانا ہے''

والی نظم وغیرہ پڑھتے یا دعائیں کرتے۔ایسی حالت میں مہینہ ڈیڑھ مہینہ گذرا کہ والد کو کسی نے اس سے باخبر کیا۔انہوں نے یہ خیال کر کے کہ بیکاری اور تنہائی اس کا موجب ہے آپ کو ایک رشتہ دار کے پاس جو اوورسیر تھے بھجوا دیا تا آپ نقشہ نویسی وغیرہ سیکھیں۔یہ صاحب جس علاقہ کی پیمائش کر رہے تھے وہاں آبادی کا نام ونشان تک نہ تھا۔اس طرح آپ جدھر چاہتے نکل جاتے اور بلا روک ٹوک سارا سارا دن اللہ تعالیٰ کے حضور رونے اور گڑگڑانے میں گذار دیتے۔لیکن یہ نعمت صرف تین چار ہفتہ حاصل رہی۔

کیونکہ والد ڈ چکوٹ سے تین میل کے فاصلہ پر غالباً چک ۶۲ کے حلقہ میں تبدیل کر دیئے گئے ۔ یہ غالباً مئی ۱۸۹۵ء کی بات ہے اور آپ کو ملاقات کے لئے بلوا لیا گیا۔

خط و کتابت بند ہونے کے وقت سے آپ سوچتے تھے کہ کسی طرح ان پابندیوں سے آزاد ہو سکیں۔ مدرسہ میں داخل کرنے کی تجویز بھی ٹھکرا دی جاتی ۔ اور ملازمت کی بھی اور کہا جاتا کہ ہمیں نوکریوں کی ضرورت نہیں ۔ ہم دوسروں کو نوکر رکھ سکتے ہیں ۔ وجہ یہ تھی کہ لائل پور کی بار' نئی زمین' بڑے بڑے زمیندار، پیداوار اور آمدنی کی کوئی انتہا نہ تھی ۔ نئے انتظام کی وجہ سے پٹواریوں کے اختیارات بہت وسیع تھے اور آمدنی کی بھی کوئی حد بست نہ تھی ۔ آپ اچھے کھلاڑی تھے اور ٹورنامنٹوں میں آپ نے بھاری انعامات حاصل کئے تھے ۔ آپ آسانی سے جمناسٹک ماسٹری حاصل کر سکتے تھے ۔ لیکن ان تمام امور کا جواب اس دفعہ بھی نفی میں دیا گیا۔

ایک دوست کا خط اور جواب میں تائید الٰہی

آپ بیان کرتے ہیں کہ

چند روز بعد ۲۳ ر مئی ۱۸۹۵ء کو سید بشیر حیدر صاحب کا خط گذشتہ مقام سے پتہ تبدیل ہو کر ہفتہ واری دورہ پر آنے والے ڈاکیہ کے ذریعہ والد کی غیر حاضری میں مجھے ملا ۔ سید بشیر حیدر صاحب کی خوبیوں کا گننا بھی میرے لئے مشکل ہے ۔ ان کو میرے ساتھ گویا فطری لگاؤ تھا اور ایسی پاک محبت تھی جس کی اس عمر کے نوجوانوں میں بہت کم نظیر ملتی ہے ۔ وہ سادات خاندان کے ایک شریف ڈاکٹر کے صاحبزادہ اور معزز گھرانے کے ممبر ہونے کے لحاظ سے چونیاں کی ممتاز ہستیوں میں شمار ہوتے تھے ۔ مگر باوجود اس کے ان کو مجھ سے ایسی محبت اور اتنا گہرا تعلق تھا کہ سکول میں ہمیشہ میرے پہلو بہ پہلو بیٹھتے یا کم از کم یہ کوشش ضرور کرتے کہ میرے بنچ پر بیٹھیں ۔ وہ تعلیم میں ہوشیار اور لائق تھے اور میں بعض مضامین میں کمزور تھا ۔ میری خاطر مجھے سکول کے مضامین کی تیاری کرانے کی غرض سے میرے گھر یا میری بیٹھک پر تشریف لاتے اور اپنا قیمتی وقت میرے لئے قربان کیا کرتے تھے ۔ باوجود ان باتوں کے وہ ہمیشہ میرا ادب و احترام بھی کرتے اور مجھ سے بہت حیا کرتے تھے ۔ اور وہاں تو ان کی بجائے میں ان کو تبلیغ کرتا تھا ۔ مگر جدائی کے بعد انہوں نے روحانی رنگ میں میری بہت مدد کی ۔ اور میرے اظہار اسلام میں ان کا بہت بڑا حصہ اور دخل تھا ۔ **فجزاہ اللہ تعالیٰ** ۔ اس خوف سے کہ مبادا والد صاحب آ جائیں میں علیحدگی میں گھنے سایہ دار درختوں

تلے چلا گیا۔ مدت کے بعد خط آنے کی وجہ سے یا خط کے مضمون اور اس کے اثرات کے باعث میرے دل پر غیر معمولی دھڑکن اور سارے جسم پر لرزہ تھا۔ کانپتے ہاتھوں اور شوق بھرے دل سے خط پڑھا جس کا ایک ایک لفظ دل میں بیٹھتا گیا اور میرا دل بے قابو ہوتا چلا گیا۔ ابتداء میں چند جملے خط و کتابت کی روک کے متعلق بطور شکوہ شکایت کے بعد چند اشعار درج تھے جن میں انوار و برکات اسلام کے ذکر کے ساتھ ہی تبلیغ اسلام تھی۔ اس نظم کے ایک مصرعہ کا ایک حصہ یہ تھا

ع ''...... لے پکڑ دامن رسولؐ کا''

میں نہیں کہہ سکتا کہ اس نظم کہنے والے کے دل کا درد۔ سوز یا گداز تھا جس نے مجھے ایسا دردمند کیا اور مجھ میں ایسا سوز پیدا کر دیا جس سے میں اتنا رویا اتنا رویا کہ اس کا بیان بھی ناممکن ہے۔ یا وہ نظم لکھ کر بھیجنے والے کے اپنے دل کی کیفیت تھی جس نے مجھے اتنا رلایا کہ اتنا رونا اس کے بعد مجھے صرف دو یا تین مرتبہ ہی یاد ہے۔ میں پھوٹ پھوٹ کر رو لیتا اور پھر خط کو اٹھا کر پڑھنا شروع کر دیتا تھا۔ اس کے بعد پھر وہی رقت قلب پر طاری ہو جاتی اور میں دل کھول کر جی کی بھڑاس نکال لیتا۔ چنانچہ اسی طرح چند مرتبہ میں نے اس نظم کو دوہرایا۔ اور چونکہ وقت زیادہ گذر گیا تھا۔ قلم اٹھا کر بے ساختہ خط کا جواب لکھنا شروع کر دیا۔ لکھتے لکھتے ایک مقام پر پھر قلب کی وہی کیفیت ہوگئی۔ اور چند منٹ تک قلم رکا رہا۔ وہ وقفہ کیسا تھا اور کیوں تھا اس کا پورا جواب تو اب ناممکن ہے کیونکہ نہ وہ وقت اب واپس آ سکتا ہے اور نہ ہی وہ کیفیت قلم لکھ سکتا ہے نہایت ہی مجمل سا بیان یہ ہے کہ میں اس آواز کے جواب میں جو مجھے خدا کے نام پر دی گئی تھی لبیک کہنا چاہتا تھا۔ مگر دل اس کٹھن گھاٹی کی مشکلات کا خیال کر کے کانپنے اور لرزہ کھانے لگتا اور ہاتھ رک جاتا تھا اور یہ ایک ایسی کشمکش اور گرداب تھا کہ جس میں سے میں اپنی طاقت اور سمجھ یا قوت بازو سے نکل سکنے کے قابل نہ تھا۔

آخر میں پھر رویا اور گڑگڑایا اور خدا تعالیٰ سے امداد کا طالب اور راہنمائی کا ملتجی ہوا۔ جس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے میرے دل کو سکون اور اطمینان اور ہاتھ کو قوت بخشی اور میں نے غیر مشروط الفاظ میں سید بشیر حیدر صاحب کی خدمت میں ان کے خط کے جواب میں لکھ دیا کہ۔

''میں پندرہ روز کے اندر آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔ اس میں تخلف ہرگز نہ ہوگا۔ اور اگر میں اس عرصہ میں نہ پہنچوں تو آپ یقین کر لینا کہ ہریش چندر دنیا کے پردے پر زندہ موجود نہیں۔ بس والسلام۔''

میں نے یہ لکھا اور اس قوت واطمینان سے لکھا کہ میرے دل میں کسی قسم کا نہ شک پیدا ہوا۔ نہ گھبراہٹ اور خوف۔ بلکہ ایک تسکین تھی جو خدا کی طرف سے نازل ہوئی جس سے گویا میرے دل پر سے بوجھ کے پہاڑ اتر گئے اور میں ہلکا پھلکا ہو گیا۔

جوابِ خط کے بعد شدید ناموافقتِ حالات

میں نہ جانتا تھا کہ ''پندرہ روز'' کا وعدہ میں نے کس امید اور خیال پر کیا ہے اور نہ ہی میں نے کسی پروگرام کا نقشہ دل میں مرتب کر لیا تھا۔ یہ فقرہ محض بے ساختہ لکھا گیا جس کی تفصیل و کیفیت میرے ذہن میں ہرگز ہرگز نہ تھی کیونکہ میں نے سوچ سمجھ کر نہ لکھا تھا۔ اور خود بھی نہ لکھا تھا بلکہ مجھ سے لکھوایا گیا تھا۔ الغرض چند پیسے انعام کے ساتھ خط ڈاکیہ کے سپرد کیا۔ میں خوش تھا۔ اور کوئی گھبراہٹ میرے دل میں نہ تھی کہ کیوں میں نے ایسا کام کیا جس کا پورا کرنا میری طاقت میں نہیں۔ اور جس کے عدم ایفاء کا نتیجہ موت ہے۔ دل میں یہی تھا کہ جو ہوا ٹھیک ہوا اور جو ہونا تھا ہو گیا۔ اب ڈر اور خوف کی گنجائش ہی باقی نہیں۔

خط چلا گیا لیکن ایفائے عہد کا کوئی سامان پیدا ہونے کا خیال کرنا محض ایک وہم اور جنون تھا۔ بلکہ اس کی مخالفت خود میرے والدین کر رہے تھے۔ اور اپنی ساری توجہ اور پورا زور اس خیال کو میرے دل سے بالکل نکال دینے پر خرچ کر رہے تھے۔ بیکاری کے شکوہ پر محبت اور نرمی یا ناراضگی اور خفگی سے جواب ملتا۔ کہ یہ خیال دل سے نکال دو۔ گھر میں پرماتما نے سب کچھ دے رکھا ہے اس کو سنبھالو اور بھائی بہنوں کے ساتھ مل کر کھاؤ پیو۔ اور اگر کام کا بہت ہی شوق ہے تو ہمارے کام میں ہماری مدد کرو۔ میں گرداوری اور پیمائش اور گشت میں ان کی مدد کرتا لیکن بعض باتوں میں ان کے نزدیک نقصان بھی کرتا اور گھر کے نفع ونقصان کو نہ سمجھ سکتا۔ جس سے وہ کبیدہ خاطر ہوتے مثلاً اول تو میں مویشی پکڑا ہی نہ کرتا۔ البتہ والد صاحب گشت میں مویشی پکڑ لاتے اور بھاری جرمانے وغیرہ وصول کرتے۔ میں والد صاحب کو ٹالنے کی کوشش کرتا یا والد صاحب ادھر ادھر ہوتے تو ان کو چھوڑ کر بھگا دیا کرتا تھا۔ کیونکہ میں اسے اکثر ظلم اور زیادتی سمجھتا تھا۔

جوں جوں دن گذرنے لگے میری بے قراری اور اضطراب بڑھتا جاتا اور بے چینی سے کبھی صحن میں، کبھی چھت پر اور کبھی انگنائی کی چاردیواری پر بیٹھا پرسوز اور رقت آمیز لہجہ میں بعض دردناک فقرے بولا کرتا یا وہی ''دلا غافل نہ ہو یکدم کہ دنیا چھوڑ جانا ہے۔'' کی صدائیں کرتا رہتا۔ آنے والی خیالی مصیبت

کے خیال کا دل پر گہرا اثر تھا جس کی وجہ سے خوشی آہستہ آہستہ دل سے نکلتی جا رہی تھی اور اس کی بجائے غم و الم اور اداسی و افسردگی جگہ لے رہی تھی۔ نہ مجھے کھانے سے رغبت رہی نہ پینے کا شوق باقی رہا۔ گھر میں دودھ دہی کی افراط تھی۔ جس کا میں بچپن سے شوقین تھا۔ مگر اب باوجود والدہ صاحبہ کے تقاضا کے میں نہ پیتا۔ مرغ میں نے بکثرت جمع کر رکھے تھے وہ عدم توجہگی کے باعث کتے بلی کا شکار ہونے لگے۔ رات کو مجھے چین نہ آتا۔ اور کروٹ لیتے یا ستارے گنتے کٹنے لگی اور ان باتوں کا اثر میری صحت پر بھی پڑنے لگا۔ اور میرے دلی درد کی ترجمانی میرا چہرہ اور باقی اعضاء کرنے لگ گئے۔ والدہ محترمہ چونکہ گھر میں ہوتیں میری حرکات اور بے قراری و بیتابی کا معائنہ فرمایا کرتیں۔ اور چونکہ عورت ذات کا دل فطرتاً نرم ہوتا ہے میرے ان حالات کا ان کے دل پر اثر ہوتا اور کبھی کبھی وہ والد صاحب کو میرے متعلق فرمایا کرتیں:

''اسے کیا ہو گیا ہے یہ تو دن بدن کمزور ہوتا جاتا ہے۔ کھاتا ہے نہ پیتا ہے۔
بلکہ دن رات رو رو کر کچھ پڑھتا رہتا ہے۔ اسے جہاں کہتا ہے کیوں نہ بھیج دیں۔''

مگر والد صاحب توجہ نہ فرماتے اور ٹال دیتے۔

ہوتے ہوتے تیرہ دن گذر گئے۔ مگر میری مشکل کشائی کا کوئی سامان نظر نہ آیا۔ دن چڑھا مگر میرا دل بیٹھا ہوا تھا۔ گھر والوں نے ناشتہ کیا اور کھایا پکایا مگر مجھے ان چیزوں سے نفرت تھی کیونکہ آج کا دن میرے وعدہ پر پہنچ سکنے کا آخری دن تھا زمین و آسمان میرے واسطے اندھیر تھے اور اب مجھے دنیا کی کسی چیز سے وابستگی نہ رہی تھی۔ میں آج کسی خاص خیال سے بالکل ہی نئے رنگ کے گیت گایا کیا۔ جن کو میرے سوا یا میرے خدا کے بغیر کوئی سمجھ بھی نہ سکتا تھا۔ اور آج میں اپنے خیال میں اپنے خدا سے بھی آخری ہی عرض معروض کر رہا تھا۔ دن چڑھا۔ دوپہر ہوئی۔ دن ڈھلا اور پھر شام ہوئی اور شام کے ساتھ ہی مجھے اپنی زندگی کی بھی شام نظر آنے لگی اور مجھ پر انتہائی اضطراب، بے قراری اور بے چینی مسلط ہو گئی اور ایسا ہوا کہ مایوسی کا غلبہ ہو گیا اور میں سر شام ہی چھت پر جا کر لیٹ گیا۔

حالت اضطرار میں تائید غیبی

چند منٹ بعد ہی میرے کان میں والد صاحب کی آواز پڑی جن کے ساتھ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ کوئی اجنبی گھوڑا گھوڑی ہے۔ والد صاحب نے گھوڑی کو باہر چھوڑا اور اندر تشریف لائے۔ والدہ صاحبہ نے اس گھوڑی کے متعلق پوچھا کس کی ہے اور کیوں آئی ہے؟ میں نے بھی کان لگا کر والدین کی باتوں کی سننے کی

کوشش کی اور میری خوشی کی کوئی انتہا باقی نہ رہی جب میرے کان میں یہ آواز پڑی کہ گھوڑی لایا ہوں۔

''تمہارے پلوٹھے کو نوکری کے واسطے بھیجنے کی غرض سے۔ اور بر والہ بھی بلایا ہے اس کے واسطے روٹی ووٹی پکاؤ تا رات ہی کو بھیج دیں کیونکہ گرمی کا موسم ہے دن میں سفر نہ ہو سکے گا راستہ میں پانی بھی نہیں ملتا۔'' وغیرہ

میں یہ خبر سن کر اچھل پڑا۔ نیچے اتر آیا اور تجاہل عارفانہ کے طریق پر والد صاحب سے گھوڑی کے متعلق پوچھنے لگا جس کے جواب میں والد صاحب نے مجھے بھی وہی کچھ فرمایا۔ اور فرمایا ایک دو جوڑے کپڑے کے اور مختصر سا بستر ہ ساتھ لے لینا کیونکہ گھوڑی پر زیادہ بوجھ نہ بندھ سکے گا۔

قربان جاؤں میں اپنے قادر مطلق خدا کے جو حقیقتاً مقلب القلوب اور نہاں درنہاں خیالات پر بھی تصرف رکھتا ہے اور جس کے اذن کے بغیر کوئی ذرہ بھی حرکت نہیں کرسکتا۔ اور سچ مچ وہی پاک ذات کــن فیـکون کی مالک ہے مایوسی اور ناامیدی میں وہ بے سہاروں کا سہارا اور ناامیدوں کی امید بنتا اور مضطر کی التجا کو سنتا اور غیر ممکن کو ممکن میں بدل دیتا ہے میرے وہم میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی کہ کیونکر والد صاحب کے دل پر ایسا تصرف ہوا کہ کل تک جس بات سے وہ باوجود درخواستوں کے انکار اور انکار پر اصرار کرتے تھے۔ آج کس وجہ سے خود بخود اس کے لئے سامان کر لائے۔ کس چیز نے ان کے دل کو پھیرا؟ وہ صرف اور صرف خدائے واحد و یگانہ کی قدرت کا ایک کرشمہ تھا۔ ورنہ اور کوئی سامان اس کے لئے ہرگز ہرگز موجود نہ تھے۔

والدین اور بہن بھائیوں سے جدا ہونے کا المناک نظارہ

والدہ محترمہ نے جلد جلد کچھ میٹھی روٹیاں۔ حلوہ اور انڈے تیار کئے اور آپ بھی جلد تیار ہو گئے اور بہن بھائیوں کو ایک ایک کر کے گلے لگا کر آپ پیار کرنے لگے۔ آپکا دل ان خیالات کی وجہ سے جو آپکے دل میں موجزن تھے بھر گیا۔ جدائی بلکہ دائمی جدائی کے خیال سے آپ ایسا متاثر ہوئے کہ ضبط نہ کر سکے۔ اور باوجود اس خطرہ کے کہ اس وقت کی بے صبری نہ معلوم کیا بنا دے گی پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ اور گھر میں ایسا کہرام مچا کہ گاؤں والے گھبرا کر خیریت پوچھنے کو دوڑے۔

بر والے نے آواز دی اور آپ دل کو تھام کر روتے ہوئے بھائی بہنوں اور غمگین ماں باپ کو خدا کے لئے گویا ہمیشہ کے واسطے چھوڑ کر گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ تھوڑی دُور تک جا کر والد صاحب اور چھوٹے

بھائی نے الوداع کہی اور واپس لوٹے اور آپ جلد جلد اپنا سفر کاٹنے لگے۔ چلتے چلاتے رات کے بارہ بج چکے ہوں گے اور یہ رات پانچ اور چھ جون ۱۸۹۵ء کی درمیانی رات تھی۔ جب آپ گھر سے خدا کی رضا اور اس کے دین کی تلاش میں نکلے اور سات جون کا دن وہ آخری دن تھا جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے آپکی قلم سے آپکے ایک حقیقی دوست کے نام لکھوایا ہوا تھا۔

آپ جس گھوڑی پر سوار تھے وہ بہت بڑی اور تیز رفتار تھی۔ آپکے ساتھ کا بروالا (چوکیدار) غالبًا قوم کا کشمیری ساکن بھاگووال سرداراں ضلع گورداسپور تھا۔ چک نمبر ۶۲ میں بھاگووال ضلع گورداسپور کے سکھ لوگ ہی جا کر آباد ہوئے تھے اور وہ گاؤں بھی بھاگووالہ ہی کہلاتا تھا۔ آپ کے گھر سے نکل آنے کے بعد گھر والوں پر آپکی جدائی اور رونے کا اتنا گہرا اثر ہوا کہ آپکے بعد پھر گھر میں ایک کُہرام مچ گیا۔ اور جب والد صاحب اور بھائی آپکو الوداع کہہ کر واپس گھر گئے تو والدہ نے بہت اصرار کیا کہ میرے لڑکے کو واپس لے آؤ۔ میں نہیں بھیجتی۔ مرے گا تو آنکھوں کے سامنے تو ہوگا۔ والد صاحب پر بھی ان کلمات کا اثر ہوا۔ اور انہوں نے پھر کوشش کی کہ آپکو واپس بلوالیں۔ مگر آپ چونکہ جلد جلد نکلنے کی فکر میں تھے اور رات بھی اندھیری تھی لوٹانے کی کوشش کرنے والا ان تک نہ پہنچ سکا اور اس طرح آپ بے روک ٹوک جلد جلد اپنا سفر کاٹتے چلے گئے۔

چک نمبر ۶۲ بھاگووال سے ڈچکوٹ اور وہاں سے گوگیرہ پہنچنا تھا میلوں کا تو آپ کو حساب نہیں۔ مسافت دور کی تھی راستہ خطرناک تھا چوروں کا خطرہ اور پانی کی قلت تھی۔ کئی گھنٹے چلنے کے بعد سحر کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے دونوں کو آرام کرنے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ ایک کف دست میدان میں گھوڑی کا رسہ ہاتھ میں تھام کر دونوں کمر سیدھی کر کے لیٹ گئے۔ شب بیداری۔ تکان اور اس پر ٹھنڈی ہوا کے جھونکے۔ آنکھ لگ گئی اور پھر اچانک گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ چونکہ دن نکلنے اور پو پھٹنے کے آثار تھے سوار ہو کر پھر جلدی جلدی چلنے لگے۔

قریباً نو بجے صبح آپکے ساتھی نے چوروں کا خطرہ محسوس کیا اور آپکو بتایا کہ بہت دور سے وہ دو آدمی ہمارے ساتھ ساتھ کبھی آگے کبھی پیچھے کبھی پہلو پر راستہ کاٹتے ہوئے آنکھ بچا کر آ رہے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمارے تعاقب میں صرف موقعہ کی تلاش میں ہیں۔ گھوڑی بہت بڑی تھی اور قیمتی تھی اور اس علاقہ میں ایسے لوگوں کی کوئی کمی نہ تھی۔ آپ نے احتیاطاً اپنے ساتھی کو گھوڑی پر بٹھا لیا اور کوشش کر کے گھوڑی کو جلدی جلدی چلاتے گئے حتیٰ کے چند میل کے سفر کے بعد وہ لوگ ان سے پیچھے رہ گئے۔ چوروں

کے خطرہ اور منزل پر پہنچنے کے خیال سے انہوں نے آرام کئے بغیر سفر مسلسل جاری رکھا اور شدید پیاس کے باوجود پانی کی بھی تلاش نہ کی۔ بہت تنگ ہوئے تو راستہ میں بکریوں کا دودھ لے کر پیاس بجھانے کی کوشش کی۔ خُدا خُدا کر کے دریائے راوی اور آبادی کے آثار نظر آئے تب جان میں جان آئی۔ عصر کے وقت یہ گوگیرہ کی بستی میں پہنچ گئے اور بروالے کو خرچ دے کر آپ خود ریلوے اسٹیشن کو روانہ ہوگئے۔

خیال تھا کہ کوئی گاڑی جاتی ہوگی جس سے معیاد مقررہ کے اندر آپ سیالکوٹ سید بشیر حیدر صاحب کے پاس جا پہنچیں گے۔ لیکن اسٹیشن پر معلوم ہوا کہ گاڑی نکل چکی ہے۔ اور لاہور کو صبح سے پہلے کوئی گاڑی نہ جائے گی۔ یہ سوچ کر سخت مایوسی ہوئی کہ آپ کل شام تک سیالکوٹ نہ پہنچ سکیں گے۔ ساری محنت کے رائیگاں جانے کا سخت صدمہ تھا۔ اور کئی رات کی بے خوابی اور سفر کی کوفت بھی تھی آپ پلیٹ فارم پر لیٹ گئے۔ اور ایسے بیہوش ہوئے کہ صبح گاڑی کی گھنٹی بجنے پر بھی بیدار نہ ہوئے۔ آخر چوکیدار نے جگایا اور کہا کہ گاڑی آتی ہے۔ گھبراہٹ میں اٹھے اور سوچ ہی رہے تھے کہ کدھر جائیں کہ سیالکوٹ تو وقت پر نہیں پہنچ سکتے۔ اتنے میں گاڑی سامنے آ گئی۔ اور آپ بے تحاشا کھڑکی کے سامنے جا کھڑے ہوئے اور عین اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں ڈالا کہ چھانگا مانگا کا ٹکٹ خرید و اور چونیاں چلو۔ چنانچہ گاڑی میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کے حضور دستگیری کے لئے جھک گئے۔ چھانگا مانگا سے یکہ پر چونیاں پہنچے۔ یکہ سے اتر رہے تھے کہ آواز آئی۔ ''بھائی جی خوب آئے۔ سید بشیر حیدر یہیں ہیں۔''

سبحان اللہ و الحمدللہ و لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر

کوئی کیا جانے کہ بھائی جی کے دل کی اس وقت کیا کیفیت ہوئی۔ اور آپکے دل میں کیا کیا خیالات پیدا ہوئے۔ آپ کی روح پانی کی طرح خدائے بزرگ و برتر کے آستانہ پر گری اور انتہائی نیازمندی کا جوش اور ولولہ آپ کے قلب میں پیدا ہوگیا۔ اور ایک لمحہ کے لئے آپ بے حس و حرکت بت بے جان بن کر کھڑے رہ گئے اور اس سکوت اور از خود رفتگی سے آخر آپکے مکرم دوست سید زین العابدین شاہ صاحب کے محبت بھرے دل اور ہاتھوں نے لپٹ کر ہوشیار کیا۔

پہلی آواز کو آپ ایک غیبی آواز سمجھے تھے اب اپنے یقین اور دل کی تسلی کے لئے دوبارہ سہ بارہ شاہ صاحب سے دریافت کیا کہ کیا واقعی سید بشیر حیدر صاحب یہیں ہیں؟ اور جواب اثبات میں پا کر خدا کا ہزاروں ہزار شکریہ ادا کیا۔ جس نے نہایت ہی ناموافق حالات میں خارق عادت رنگ میں آپ کی مدد فرمائی۔ اور آپ کے اس عہد کو پورا کر کے آپکو نئی زندگی عطا کی۔ فالحمدللہ۔ خدائے بزرگ نے جس طرح

خود ہی آپ سے پندرہ روزہ عہد کرایا تھا ویسے ہی اس پاک ذات نے اس کے ایفاء کے لئے بالکل عجیب در عجیب اور خاص الخاص سامان بھی میسر فرمائے۔ ورنہ آپ اگر سوچ و بچار سے جو کچھ کرتے ضروری نہ تھا کہ کامیابی نصیب بھی ہوتی۔ مگر جو کچھ ہوا وہ تمام ظاہری سامانوں کے سراسر خلاف ہوا اور یہی تو خدا کی خدائی اور اس کی چہرہ نمائی ہے۔ اس بیان میں نہ تو تصنع ہے نہ مبالغہ۔ خدا تعالیٰ کے اسرار کو کون سمجھ سکتا ہے۔

اکتساب معاش کی کوشش

آپ سید بشیر حیدر صاحب سے ملے۔ اور دوسرے بچھڑے ہوئے دوستوں سے بھی ملاقات کی۔ دو تین روز کے بعد سید بشیر حیدر صاحب سیالکوٹ چلے گئے اور آپ ایک دو روز کے لئے چونیاں ٹھہرے۔ چونیاں میں ان کے سامان کا کچھ حصہ ابھی اسی مکان کے ایک حصہ میں مقفل پڑا تھا جس میں آپ رہا کرتے تھے اس کی چابی کسی ضرورت کے ماتحت والدہ محترمہ نے آپ کو دی تھی۔ مکان کو کھول کر آپ نے والد صاحب کا وہ سامان جس سے پارہ کے گلاس بنایا کرتے تھے۔ اس خیال سے نکال لیا کہ سفر میں کام آوے گا کیونکہ والد صاحب کو گلاس بناتے دیکھ کر آپ نے بھی پارہ کا گلاس بنانا سیکھ لیا تھا۔ آپ گھر سے کچھ زیادہ روپیہ نہ لائے تھے۔ بلکہ اس خیال سے استغنا برتا تھا کہ والدین کو آپ کی حصول ملازمت کا یقین رہے اور آپکی روانگی میں روک پیدا نہ ہو۔ آپ بھی دو تین روز بعد چونیاں سے روانہ ہو گئے۔ مگر نہ سیالکوٹ کو، بلکہ اس خیال سے کہ ریاستوں میں روپیہ بہت ہوتا ہے پارہ کے گلاس بنا کر فروخت کروں گا۔ اور روپیہ والدین کو بھی بھیجوں گا۔ تا کہ ان کو تسلی رہے اور پھر سیالکوٹ جاؤں گا۔

بچپن سے آپ کی تربیت میں حیا اور غیرت ہے جس کے باعث آپ نے کسی دوست کا مہمان بن کر بوجھ بننا گوارا نہ کیا اور ماہ جون میں ہی کپورتھلہ چلے گئے۔ اور وہاں ایک ویران سرائے میں ٹھہرے اور پارہ کا گلاس تیار کیا اور بعض رؤسا کے ہاں لے گئے اور اس کی اصلیت کے ثبوت میں چند قطرے سیال پارہ کے گلاس میں ڈال دیتے جو بغیر سوراخ کئے دوسری طرف نکل جاتے۔ لوگ آپ کی کاریگری کی تعریف کرتے لیکن خریدار کوئی نہ بنتا۔ دراصل گلاس بنانا چنداں مشکل نہ تھا۔ مشکل تھا اس کا فروخت کرنا۔ جس کے لئے بڑی چرب زبانی اور لاف زنی اور ہوشیاری کی ضرورت تھی۔ بہرحال آپ کو یہ معلوم ہو گیا کہ روپیہ کمانا اتنا آسان نہیں۔

سیالکوٹ میں ورود اور کتب سے حضور کے متعلق آگاہی

آپ کا بیان: (جو بھی آپ کا بیان براہ راست درج کیا گیا ہے وہ عبارت سے ظاہر ہے):

''چندروز بعد میں کپورتھلہ سے امرتسر، بٹالہ اور ڈیرہ بابا نانک سے ہوتے ہوئے اپنے سسرال ویرم دتاں پہنچا جہاں میری بیوی تھی۔ اور قریباً ایک ماہ قیام کر کے پیدل سیالکوٹ پہنچ کر سید بشیر حیدر صاحب کے ہاں ان کی بیٹھک میں ٹھہر گیا۔ اور باوجود سید صاحب کے تقاضا کے کھانے کا انتظام الگ کیا۔ میری شکل وشباہت ہندوانہ تھی۔ میں کسی ہندو دکان سے کھانا کھا لیتا۔ شاہ صاحب مدرسہ جاتے اور میں اکیلے مردانہ میں رہتا۔

تنہائی میں کسی شغل کی تلاش ہوئی۔ آخر شاہ صاحب کی کتابوں کو الٹ پلٹ کر کے ایک کتاب جو اپنے نام کی وجہ سے مجھے بہت بھائی۔ اٹھا کر مطالعہ شروع کر دیا۔ کتاب کا نام تھا ''نشان آسمانی''۔ کتاب دلچسپ اور نہایت مناسب حال تھی۔ لہذا میں نے اسے ختم کئے بغیر نہ چھوڑا۔ جب یہ ختم ہوگئی تو ایک اور کتاب مل گئی جس کا نام تھا ''انوار الاسلام'' اسے بھی لیا اور باقساط ختم کر دیا۔

ان دنوں عبداللہ آتھم والی پیشگوئی کا بہت شور تھا اور سکول ٹائم کے بعد سید بشیر حیدر صاحب کے مردانہ میں اس مسئلہ پر عموماً روزانہ بحث ہوا کرتی تھی جس کو میں شوق سے سنا کرتا تھا۔ اوپر کی دونوں کتابیں جن کا میں نے ذکر کیا ہے سیدنا حضرت اقدس مسیح پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصنیف تھیں۔ جن میں سے ''انوار الاسلام'' میں عبداللہ آتھم والی پیشگوئی کا ذکر تھا۔ اور انعامی اشتہار بھی چار ہزار روپے تک تھے۔ اور میں نے اس کو بڑے شوق اور توجہ سے پڑھا تھا۔ ایک فریق حضرت اقدس کی صداقت پر اور دوسرا مخالفت پر دلائل دیا کرتے تھے اور بعض اوقات بحث نہایت ہی پر جوش رنگ اختیار کر جایا کرتی تھی۔ ایک طرف صداقت کے دلائل دینے والے سادات فیملی کے نوجوان تھے جن میں سے سید بشیر حیدر صاحب سیّد رشید احمد صاحب☆ اور سید محمد سعید صاحب کے نام مجھے یاد ہیں۔ میں بھی چونکہ پاس بیٹھا ہوا کرتا تھا۔

☆ صحیح نام سیّد محمد رشید ہے۔ استفسار پر مکرم سیّد امجد علی صاحب نے سیالکوٹ سے خاکسار مؤلف کو تحریر فرمایا کہ آپ ڈرافٹسمین اور اوورسیئر تھے۔ منارۃ المسیح کی تیاری کا ابتدائی کام انہی کی نگرانی میں چند سال تک ہوتا رہا۔ بعد میں آپ نے گوجرانوالہ میں بطور ڈرافٹسمین ملازمت کی۔ وہیں وفات پا کر دفن ہوئے۔ سیّد محمد سعید صاحب آپ کے بھائی تھے۔ وہ سیالکوٹ میں اپنے خاندانی قبرستان میں دفن ہیں۔

لہذا مصدقین حضرت اقدس کبھی مجھے بھی مخاطب کرلیا کرتے ۔''کیوں بھائی جی ٹھیک ہے نا؟'' میں نے چونکہ حضور کی کتاب ''انوار الاسلام'' پڑھی تھی اور توجہ اور شوق سے پڑھی تھی میں مصدقین کی تائید میں ہوا کرتا تھا۔مگر مخالفین کو یہ پسند نہ تھا وہ مجھے یہ کہہ کر بھائی جی! یہ ہمارے مذہبی معاملات ہیں۔آپ انہیں نہیں سمجھتے آپ نہ بولیں، روکنا چاہتے ۔مگر ایک حق بات جس کی مجھے سمجھ آچکی تھی ۔ کہنے سے میں نہ رکتا اور ان کو چیلنج کیا کرتا کہ مجھ سے گفتگو کرلیں ۔مگر وہ مجھ سے بات کرنا پسند نہ کرتے ۔

نماز شروع کردی

غرض اس طرح بالا خانے پر مجھے سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الف الف الصلوٰۃ والسلام کا نام پہنچ گیا۔اور حضورؑ کا کلام بھی مجھے میسر آ گیا جس کو میں نے شوق سے پڑھا اور وہ میرے دل و جان میں رچ گیا۔اس سے پہلے مجھے حضور پاک کے متعلق کوئی علم و اطلاع نہ تھی ۔گو میرے دل میں اسلام کی محبت گھر کر چکی تھی اور ایمان میرے رگ و پے میں سرایت کر گیا ہوا تھا۔مگر سیدنا مسیح پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کلام معجز بیان پڑھنے کے بعد میرے دل میں ایک نیا نور معرفت اور عرفان پیدا ہو گیا۔ابھی تک مجھے نماز نہ آتی تھی مگر اب میں نے سبقاً سبقاً دو تین روز میں نماز یاد کر لی اور با قاعدہ نماز پڑھنا بھی شروع کر دیا۔ میرے میزبان پڑھتے یا نہ پڑھتے مگر میں وقت پر نماز کے لئے کھڑا ہو جایا کرتا۔

حضرت میر حامد شاہ صاحب سے ملاقات اور قادیان جانے کا مشورہ

روپیہ تھوڑا رہ جانے پر میں نے اس اظہار کے بغیر ہی سید بشیر حیدر صاحب سے چند روز کی اجازت چاہی اور اپنے تایا مہتہ ہیمراج کے پاس چلا آیا جو پشاور کے پاس ایک گاؤں میں بسلسلہ ملازمت پٹوار رہتے تھے۔گو شاہ صاحب نے کہا بھی کہ اگر خرچ کے واسطے جاتے ہو تو نہ جاؤ۔قریباً ایک ماہ بعد واپسی پر تایا صاحب سے میں نے کچھ خرچ بھی لے لیا اور واپس سیالکوٹ آ گیا۔جس کے چند ہی روز بعد میں نے سید صاحب سے کہا کہ اب میں اپنے خیالات کو چھپا نہیں سکتا اور چاہتا ہوں کہ اظہار اسلام کردوں ۔ یہ سن کر سید صاحب جو دل سے چاہتے تھے مگر مجھے زبانی کچھ نہ کہتے تھے خوش ہوئے اور فوراً جا کر حضرت سید میر حامد شاہ صاحبؓ کے پاس عرض کر دیا۔انہوں نے وقت دے کر مجھے بلوایا اور محبت اور اخلاص سے پیش آئے ۔اور میری زبان سے میری غرض و مقصد سن کر مجھے قریباً ایک گھنٹہ تک نہایت موثر پیرایہ میں تلقین

فرماتے رہے اور یقین کے ہر سہ مدارج کے متعلق کھول کر سنایا۔ اور میرے علم میں بہت قیمتی معلومات کا اضافہ فرمایا۔ مگر میرے بعض رشتہ دار سیالکوٹ میں پولیس اور دوسرے محکمہ جات میں معزز عہدوں پر مقرر تھے۔ اس لئے اظہار اسلام کے متعلق مجھے یہ مشورہ دیا کہ اندیشہ ہے کہ یہ لوگ روک ڈالیں گے یا شور وشر کر کے فساد برپا کریں گے بہتر ہو کہ قادیان چلے جاؤ۔

قادیان کا نام ان کی زبان سے نکلنا تھا کہ میرا دل سرور سے بھر گیا اور مجھے پورا انشراح ہو گیا کیونکہ اب میں قادیان کے نام سے بہت مانوس ہو چکا تھا۔ میں نے شاہ صاحب کی خدمت میں عرض کیا۔ بہت اچھا میں قادیان چلا جاتا ہوں۔ شاہ صاحب نے میرے واسطے ایک خط لکھنا شروع کیا۔ اور میں دل میں قادیان کا ایک نظارہ بنانے میں مصروف ہو گیا اور اس بات پر خوش تھا۔ اس وقت کے خیال کے مطابق قادیان کا نقشہ جو میں نے دل میں تجویز کیا۔ مسجد اقصیٰ کو بعینہ اس کے مطابق پایا۔ شاہ صاحب نے خط لکھ کر مجھے دیا اور دعا کر کے مجھے رخصت فرمایا اور میں اسی شام کی گاڑی سے تن کے تینوں کپڑے لے کر قادیان روانہ ہو گیا۔ کیونکہ میرے خیال کے مطابق وہاں صرف یہی کام تھا۔ کہ کوئی بزرگ ہوں گے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اظہار اسلام کر کے نذر و نیاز چڑھا کر واپس چلا آؤں گا اور پھر کوئی کام کرنے لگوں گا اور یہ خیال تھا کہ وہاں اظہار اسلام بطور تبرک ہوگا۔

جس روز میں سیالکوٹ سے روانہ ہوا۔ جمعرات تھی۔ میں بٹالہ اسٹیشن سے اتر کر قادیان کے راستہ کی تلاش میں مصروف ہوا۔ آپ شاید تعجب کریں گے اور میرے بیان کو مبالغہ سمجھیں گے کہ مجھے اس وقت بھی بہت مشکلات کا سامنا ہوا۔ میں لوگوں سے قادیان کا راستہ پوچھتا۔ وہ میرے منہ کو تکتے اور سوچ بچار کر کہتے کہ ''کادیں'' تو ایک گاؤں ہے تم جو نام لیتے ہو وہ اس نواح میں تو ہے نہیں۔ تھانہ سے پوچھو۔ شاید پتہ لگ جائے۔ غالباً نو بجے ٹرین بٹالہ پہنچی۔ بارہ بج گئے مجھے نہ قادیان کا پتہ ملا نہ راستہ۔ حتیٰ کہ میں گھبرا کر واپس لوٹ جانے کی فکر کرنے لگا۔ اسی شش و پنج میں تھا۔ کہ ایک شخص میرے قریب آ کر بولا۔ ''جی آپ نے قادیان جانا ہے؟'' میں افسردہ پژمردہ ہو رہا تھا اور پریشان تھا کہ کروں تو کیا کروں؟ اس شخص کی آواز سے ڈھارس بندھی اور امید کی ایک جھلک نظر آئی۔ میں نے اس سے قادیان کا اتا پتا دریافت کیا تو اس نے جواب دیا۔ ''وہی نا۔ مرزا صاحب والی قادیان۔'' گنوار لوگ اس کو کادیں۔ کادیں کہہ کے پکارتے ہیں۔ میں خود قادیان کا رہنے والا ہوں۔ مرزا صاحب گاؤں کے رئیس اور مالک ہیں۔ میں آپ کو ان کے دروازہ پر جا اتاروں گا۔''

یہ یکہ بان غالباً غفارہ کشمیری تھا۔ اس تسلی کے بعد میں اس کے یکہ میں بیٹھ گیا۔ دوآنے کرایہ مقرر ہوا۔ وہ مجھ سے یہ کہہ کر بازار کو گیا کہ گھوڑے کے واسطے نہاری لے آؤں۔ مگر کچھ ایسا گیا کہ لوٹنے کا نام ہی نہ لیا۔ کم وپیش ایک گھنٹہ میں اس یکہ میں ٹنگا رہا۔ نہ اس کو چھوڑ سکوں نہ یکہ بان کی تلاش کرسکوں۔ جمعہ کا دن تھا۔ میں نے سیالکوٹ سے روانگی میں اسی غرض سے جلدی کی تھی کہ جمعہ کی نماز میں شریک ہوکر اس برکت سے حصہ پاسکوں گا مگر یکہ بان کی طمع نے مجھے نماز جمعہ میں شرکت کی برکت سے محروم رکھا۔ کیونکہ وہ دراصل نہاری کی بجائے سواری کی تلاش میں تھا۔ چنانچہ دو اور ہندو سواریوں کے ساتھ میں قادیان پہنچا۔ اس نے مجھے ریتی چھلہ کی طرف جدھر بڈھے شاہ کی دکانات ہیں اتارا۔

میری شکل وشباہت چونکہ ابھی ہندوانہ تھی۔ لہذا بازار کے لوگ جب میں ان سے مرزا صاحب کے مکان کا پتہ دریافت کرتا تعجب کرتے اور مجھے پکڑ کر بٹھا لیتے۔ اور غرض وغایت اور مقصد دریافت کرنے کے درپے ہو جاتے۔ چنانچہ بڈھے شاہ کی سہ منزلہ دکانات سے لے کر جو ہندو بازار کے شمالی سرے پر ہیں چوک تک جو اس بازار کے جنوبی سرے پر مسجد اقصٰی کے قریب ہے پہنچتے پہنچتے مجھے دس جگہ روکا گیا ہوگا۔ جہاں سے میں کسی نہ کسی طرح دامن چھڑا کر آگے ہی آگے چلتا گیا۔ سارے ہندو بازار میں چرچا ہوگیا اور جابجا باتیں ہونے لگیں لوگوں نے مجھے روکنے میں پورا زور صرف کیا اور بعض تو ہاتھ پکڑ کر بیٹھ رہتے تھے مگر میں جان گیا کہ یہ لوگ روکنا چاہتے ہیں۔ آخر زور سے پلہ چھڑا چھڑا کر خدا خدا کر کے چوک میں پہنچا جہاں میاں علی بخش اور نبی بخش☆ دو بھائیوں کی عطاری کی دوکان تھی اس سے دریافت کیا تو انہوں نے راستہ بتایا ورنہ ہندو کسی ایک نے بھی مرزا صاحبؑ کے مکان کا راستہ نہ بتایا تھا۔

☆ بھائی جی فرماتے ہیں کہ علی بخش نبی بخش صاحبان کی دکان مسجد اقصیٰ کے ملحق شمال کی طرف تھی۔ حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ فاضل (امیر مقامی قادیان) نے بتایا کہ علی بخش صاحبؓ مرحوم حضرت اقدس علیہ السلام کے زمانے میں ہی احمدی ہوگئے تھے اور بہت مخلص تھے لیکن نبی بخش صاحب افسوس ہے کہ احمدی نہیں ہوئے تھے۔ نبی بخش صاحب میاں خیر الدین صاحب مرحوم وثیقہ نویس کے والد تھے۔ میاں خیر الدین صاحب بحمد اللہ تقسیم ملک کے بعد احمدی ہو گئے تھے اور عبادت گزاری اور اخلاق کا انہوں نے ایک عجیب نمونہ دکھایا تھا۔ چار پانچ سال ہوئے وفات پا چکے ہیں۔

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سے ملاقات

میں مسجد مبارک کی کوچہ بندی کے نیچے پہنچا جہاں اوپر جانے والی سیڑھیوں کی ڈاٹ کے نیچے ایک چارپائی پر دو شخص بیٹھے تھے ایک قرآن شریف پڑھ رہے تھے اور دوسرے پڑھا رہے تھے۔ جمعہ کی نماز ہو چکی تھی۔ مجھے حضرت میر حامد شاہ صاحبؓ نے جو خط دیا تھا وہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ کے نام تھا۔ مگر مجھے ان کا حلیہ وغیرہ کوئی نہ بتایا گیا۔ میں نے چارپائی کے برابر پہنچ کر السلام علیکم کہا۔ میری آواز پر پڑھانے والے بزرگ نے توجہ کی تو میں نے وہ خط نکال کر ان کے حوالے کر دیا بغیر اس علم کے کہ وہ صاحب ہیں کون؟ مجھ سے خط لے کر اس بزرگ نے مجھے سر سے پاؤں تک دو تین مرتبہ گھور گھور کر دیکھا اور بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔

مسجد مبارک میں حضرت اقدس کی ملاقات

قرآن مجید پڑھانے والے بزرگ حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ (سیالکوٹی) تھے اور پڑھنے والے میرے محسن حضرت بھائی عبدالرحیم صاحبؓ نومسلم ☆۔ خط پڑھ کر فرمایا۔ میرا ہی نام عبدالکریم ہے۔ اتنے میں حافظ معین الدین صاحب نے جو حافظ معنا * کے نام سے مشہور تھے اذان کہی اور ہم سب اوپر مسجد مبارک میں چلے گئے۔ مجھے مولوی صاحب نے وضو کی جگہ بتائی۔ یہ غسل خانہ بعد میں جناب مولوی محمد علی صاحب کے لئے دفتر بن گیا تھا۔ (یعنی سرخی کے نشان والا کمرہ۔ مؤلف) حضرت مولوی عبدالکریم

☆ حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب کی بیعت ۱۸۹۴ء کی ہے۔ جلد بعد آپ فوجی ملازمت ترک کر کے قادیان میں مقیم ہو گئے تھے۔ ۱۹۴۷ء کے پُر آشوب زمانہ میں حکماً ''آپ پاکستان ہجرت کر گئے تھے۔ پھر ۱۹۴۸ء میں درویشی دور میں قادیان آ گئے۔ فالج ہونے پر ۱۹۵۲ء میں سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی اجازت سے آپ ربوہ تشریف لے گئے۔ ۹؍جولائی ۱۹۵۷ء کو بروز عیدالفطر ربوہ میں وفات پا کر بہشتی مقبرہ میں دفن ہوئے۔ تین سو تیرہ صحابہ میں سے تھے۔ نہایت متقی، عالم باعمل اور صاحب کشف والہام بزرگ تھے۔

* حضرت حافظ معین الدین صاحبؓ نے ۱۱؍جولائی ۱۹۱۹ء کو وفات پائی۔ آپ بہشتی مقبرہ میں مدفون ہیں۔ (مفصل حالات کے لئے دیکھئے اصحاب احمد جلد ۱۳)

صاحبؓ خود مسجد مبارک کے درمیان کمرہ میں تشریف لے گئے۔ ابتدائی زمانہ میں سیدنا حضرت مسیح پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کھڑکی سے جو بیت الذکر کو درمیانی کمرہ میں سے کھلتی ہے اور آج تک موجود ہے مسجد مبارک میں تشریف لایا کرتے تھے اور اس کھڑکی کے ساتھ ہی دیوار کے ساتھ صف اول کی دائیں طرف کھڑے ہو کر نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ میں وضو کر کے مسجد مبارک کے درمیانی کمرہ کے دروازہ پر پہنچا تو درمیانی حصہ میں آٹھ یا دس آدمیوں کا مجمع تھا۔ اور انہی میں سیدنا حضرت مسیح پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی تشریف فرما تھے۔ مگر میں نے حضور کو نہ پہچانا۔ کیونکہ مجلس میں کوئی امتیاز نہ تھا بلکہ سب کے سب برابر فرش مسجد پر ایک حلقہ کی صورت میں جمع تھے۔

بہ برکت کتب حضرت اقدس توفیق اسلام واحمدیت

حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ نے اشارہ سے مجھے آگے بلایا اور سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی طرف اشارہ کر کے مجھے سلام کرنے کو کہا تب میں نے جانا پہچانا۔ اور ادب سے سلام کیا جس کا سیدنا حضرت مسیح پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دے کر سر اٹھایا اور نیم وا چشم مبارک سے مجھ پر نظر ڈالی اس زمانہ میں عموماً حضور اذان سے پہلے مسجد میں تشریف لے آیا کرتے اور بعض اوقات خود حکم دے کر اذان دلوایا کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضور اذان سے پہلے ہی مسجد میں تشریف لے آئے تھے یا کم از کم اذان ہوتے ہی آ گئے تھے اور میرے وضو کر کے پہنچنے سے قبل ہی حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ نے حضور سے میرا ذکر کر لیا تھا۔ حضرت مولانا مولوی نورالدین صاحبؓ بھی مجلس میں موجود تھے سیدنا حضرت اقدس نے مجھ پر نظر ڈالی اور فرمایا:

''مولوی صاحب! یہ لڑکا تو ابھی بچہ معلوم ہوتا ہے۔ اور نابالغ نظر آتا ہے۔
ایسا نہ ہو ہندو کوئی فتنہ کھڑا کر دیں۔ یہ لوگ ہمیشہ موقعہ کی تاک میں رہتے ہیں۔''

اس پر حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ نے ایک طرف مجھے اشارہ کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ میں بھی کچھ عرض کروں اور دوسری طرف حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ لڑکا ہوشیار ہے اور سوچ سمجھ کر یہاں آیا ہے اور حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ نے بھی مولوی صاحب کی تائید میں کوئی ایسی ہی بات عرض کی۔ ادھر میں کھڑا ہو گیا اور عرض کیا کہ حضور میں تو مدت ہوئی دل سے مسلمان ہوں۔ نماز مجھے آتی ہے اور پڑھتا ہوں۔ حضور کی کتاب ''انوار الاسلام'' اور ''نشان آسمانی'' میں نے اچھی طرح سمجھ کر پڑھی ہیں۔ مجھے

اسلام کا شوق ہے میں جوان ہوں نا بالغ نہیں وغیرہ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے میرے آ قائے نامدار کو انشراح بخشا اور حضور پر نور نے مجھے قبول فرما کر اپنی زبان مبارک سے کلمہ پڑھایا اور داخل اسلام کیا۔ گویا کلمہ پڑھانا ہی مجھے اسلام و احمدیت میں داخل کرنا تھا۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیعت نہیں لی گئی۔

فالحمدللہ۔ الحمد للہ رب توفنی مسلماً و الحقنی بالصٰلحین

غالباً اکتوبر ۱۸۹۵ء کا زمانہ تھا جب میں دارالامان قادیان پہنچا اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل و رحم سے ہوا۔ میری کسی کوشش یا سعی کو اس میں کوئی بھی دخل نہ تھا۔ میں قادیان کے نام سے بھی ناآشنا تھا۔ اور نہ جانتا تھا کہ قادیان ہے کدھر۔ دو تین ماہ قبل کپورتھلہ سے اپنے سسرال کو جاتے ہوئے بھی بٹالہ سے ڈیرہ بابا نانک کو گیا تھا۔ قادیان کا کوئی علم ہوتا تو تبھی چلا آتا۔ سسرال جانا میرا اصل مقصد تو تھا نہیں۔ اصل مقصد تو وہی تھا جو خدا نے اب میسر فرمایا۔

تاریخیں اور مہینے مجھے ٹھیک تو یاد نہیں۔ تخمینہ اور اندزہ سے میں سمجھتا ہوں کہ غالباً اکتوبر ہی کا مہینہ ہوگا۔ اور وہ بھی زیادہ سے زیادہ اکتوبر کا ابتداء یا ستمبر کا آخر مگر ۱۸۹۵ء میں تو قطعاً قطعاً کوئی شبہ نہیں۔ فرق ہوگا تو دنوں یا زیادہ سے زیادہ ہفتوں کا ہوگا۔ اور یہ امر بھی یقینی ہے کہ اکتوبر کے ابتداء سے وہ زمانہ کسی حال میں بھی آگے نہیں جاتا کچھ پہلے ہو تو ہو۔☆

☆ حضرت بھائی جی کے بیان میں دو قوی قرائن ہیں جن سے آپ کی تاریخ ورود قادیان کی مزید تعین ہو جاتی ہے۔

ایک یہ کہ سفر ڈیرہ بابا نانک کے لئے رفقائے سفر میں آپ کا نام بھی پیش ہوا لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ ان کے گاؤں کا قرب ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی رشتہ داران کو دیکھ کر پیچھے پڑ جائے اور ہمارے سفر کی غرض ہی فوت ہو جائے اور یہ سفر ۳۰ ر ستمبر ۱۸۹۵ء کو کیا گیا تھا۔

دوسرا قرینہ یہ ہے کہ آپ جمعہ پڑھنے کی نیت سے جمعرات کو سیالکوٹ سے روانہ ہوئے تھے لیکن یکہ بان نے سواری کی تلاش میں دیر لگا دی۔ اس طرح جمعہ نہ ملا۔ اواخر ستمبر میں ۲۷ کو جمعہ تھا۔ گویا ۲۷ ر ستمبر تک بھائی جی ضرور قادیان پہنچ چکے تھے۔

۳۰ ر ستمبر کے سفر کے لئے بھائی جی کا بیان ہے کہ بڑی کوشش سے یکے تیار کرائے گئے رفقائے سفر میں سے تین سیالکوٹ اور لاہور میں قیام رکھتے تھے۔ ان کو کئی روز قبل اطلاع دی گئی ہوگی۔ یکوں کا انتظام بھی

قادیان پہنچ کر حضرت اقدس کے دربار میں حاضر ہونے میں جتنی روک مقامی بازار کے ہندوؤں کی طرف سے مجھے پیش آئی وہ مجھے کبھی نہیں بھولی۔ایک انسان۔ایک اجنبی اور نو وارد کو روکنے کے جس قدر

بقیہ حاشیہ:- کم از کم دو دن پہلے شروع ہوا ہوگا۔رفقائے سفر میں سے قادیان والوں کے نام ایک روز پہلے (۲۹؍ستمبر کو) بھی تجویز ہوئے ہوں تو یہ قرین قیاس معلوم نہیں ہوتا اور نہ احتیاط کا پہلو لئے ہے کہ ایک شخص جس کی شکل ہندوانہ ہے۔نوعمر ہے۔اس کے حالات کا عملاً قادیان میں کسی کو علم نہیں،قبول اسلام کے دو دن بعد اس کا نام بطور رفیق سفر تجویز ہو جائے۔البتہ چند دن گزرنے پر ممکن ہے۔چنانچہ میرے نزدیک اس سے قبل جمعہ کے روز یعنی ۲۰؍ستمبر کو بھائی جی قادیان پہنچ چکے ہوں گے اور نو دس دن میں احباب کرام بھائی جی کے حالات سے مطمئن ہو چکے تھے۔اس امر پر غور کرتے ہوئے بھائی جی کی بعد کی مخلصانہ حالت مدنظر نہیں رکھنی چاہئے۔بلکہ آپ کے اولین ورود کے حالات پر غور کرنا چاہئے جس سے وہی نتیجہ نکلتا ہے جو مَیں نے عرض کیا ہے۔

بھائی جی کا بیان اس بارے میں یہ بھی ہے کہ فرق ہوگا تو دنوں یا زیادہ سے زیادہ ہفتوں کا ہوگا۔آپ کا بیان بہ نظر غائر دیکھنے سے بہرحال یہ معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے ایاّم ۶،۱۳، یا ۲۰؍ستمبر میں سے کسی روز آپ قادیان وارد ہوئے۔اس بیان کا خلاصہ میں ذیل میں درج کرتا ہوں اور اس بیان کے مدنظر اندازاً جو تاریخ بنتی ہے وہ اپنی طرف سے خطوط واحدانی میں درج کر دی ہے جس کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ ۶،۱۳ یا ۲۰؍ستمبر میں سے کسی تاریخ کو آپ قادیان آئے تھے۔

۱- حسب وعدہ بھائی جی ۸؍جون ۱۸۹۵ء کو سیّد بشیر حیدر صاحب کے پاس پہنچے اور تین روز بعد (گویا ۱۱؍جون) کو کپورتھلہ چلے گئے جہاں سے چند روز بعد (اندازاً ۱۵؍جون کو) سسرال چلے گئے۔

۲- سسرال میں ایک ماہ (گویا ۱۰؍جولائی تک ٹھہرے۔پھر ایک روز میں (گویا ۱۱؍جولائی کو) سیالکوٹ پہنچے۔کچھ عرصہ بعد رقم ختم ہوتی نظر آئی (جسے ہم اندازاً بیس دن سمجھ لیتے ہیں (گویا ۳۱؍جولائی کو) پشاور تایا صاحب کے پاس چلے گئے اور ایک ماہ اس سفر میں خرچ ہوا۔ (گویا ۳۱؍اگست تک آپ سیالکوٹ واپس آ گئے۔)

۳- چند ہی روز بعد (گویا ۵ستمبر کے لگ بھگ) آپ نے اظہار اسلام پر آمادگی ظاہر کی اور اسی شام کو قادیان روانہ ہو گئے۔روانگی کا دن جمعرات تھا۔(گویا ۶؍ستمبر کو بروز جمعہ قادیان پہنچ گئے۔)

تفصیل سے ظاہر ہے کہ ممکن ہے حضرت بھائی جی ۶؍ستمبر کو پہنچے ہوں ورنہ ۱۳ یا ۲۰؍ستمبر کو۔واللہ اعلم بالصواب

وسائل اختیار کر سکتا ہے وہ انہوں نے سارے ہی جمع کئے۔ پیار بھی کیا۔ ہمدردی بھی جتائی، خاطر و مدارات بھی کی۔ تواضع سے بھی پیش آئے۔ کھانے اور پانی کی تو نہ صرف صلح ہی کی' بلکہ تیار کرانے کو گھروں میں پیغام بھیج دیئے۔ اور آخر جب کام نکلتا نظر نہ آیا۔ تو کچھ سختی بھی استعمال کرنے کی کوشش کی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ہی میری دستگیری فرمائی۔ اور دروازہ پر پہنچا کر اندر بھی داخل خود اس نے کر دیا۔ ورنہ میں اپنی طاقت سے ان مشکلات اور رکاوٹوں کا مقابلہ کرنے کے ہرگز ہرگز قابل نہ تھا۔

لوگ کہتے ہیں کہ نالائق نہیں ہوتا قبول
میں تو نالائق بھی ہو کر پا گیا درگہ میں بار

فضل ہے اس کا ورنہ من آنم کہ من دانم۔

قادیان میں قیام و تعلیم

غرض اس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھ ناچیز کو کفر و شرک کے اتھاہ گڑھے سے اپنا دست قدرت بڑھا کر نکالا اور اپنے پیارے مسیح کے ذریعہ مجھے قبول فرمایا۔ میں قادیان میں رہنے لگا۔ حضرت بھائی عبدالرحیم صاحبؓ موصوف مجھ سے چھ سات ماہ قبل قادیان پہنچ چکے تھے۔ ان کے دل میں اللہ تعالیٰ نے میرے لئے جگہ بنا دی اور وہ میری ہر طرح کی نگرانی اور تعلیم و تربیت کا خیال رکھنے اور قرآن مجید پڑھانے لگے۔ **فجزاہ اللہ احسن الجزاء فی الدنیا و الاخرۃ** ۔ شیخ عبدالعزیز صاحبؓ نومسلم☆ جو ریاست جموں کے باشندہ تھے مجھ سے قریباً دو ہفتہ قبل قادیان میں آکر اسلام قبول کر چکے تھے۔ وہ بھی میرے ساتھ تعلق محبت رکھتے اور مل جل کر رہتے تھے۔

نیز میں نے حضرت اقدس کی کتب کا مطالعہ شروع کر دیا۔ ان میں سے سب سے پہلے میں نے ''سرمہ چشم آریہ'' پڑھی جو مرزا ایوب بیگ صاحب* نے مجھے ایک حد تک پڑھائی اور سمجھائی۔ وہ مجھ سے

☆ حضرت شیخ عبدالعزیز صاحب تقسیم ملک سے طویل عرصہ قبل وفات پا گئے تھے۔ تاریخ وفات معلوم نہیں ہو سکی۔ وہ موصی نہیں تھے۔

''قادیان گائیڈ'' مطبوعہ نومبر ۱۹۰۰ء میں ''نومسلمان قادیان میں'' تیسرے نمبر پر ''شیخ عبدالعزیز صوفی سابق پچھتر سنگھ'' نام درج ہے (صفحہ ۹۳) گویا اس وقت تک وہ قادیان میں تھے اور زندہ تھے۔

* مرزا صاحبؓ کے مفصل حالات اصحابِ احمد جلد اوّل میں درج ہیں۔

بہت محبت کا سلوک کرتے تھے۔اس زمانے میں صرف چندلوگ قادیان میں رہتے تھے۔

قادیان کی پرلطف زندگی اور سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت اور حضور کے چہرہ مبارک کی محبت نے میرے دل سے واپسی کے خیالات بالکل ہی نکال دیئے اور میں نے اظہار اسلام کرکے باہر چلے جانے کی بجائے اسی زندگی کو ترجیح دے لی اور فیصلہ کرلیا کہ اب جینا مرنا یہیں ہوتو خوشی ہے۔ میرا سامان سیالکوٹ ہی میں رکھا تھا۔ میں نے چاہا کہ ایک مرتبہ سیالکوٹ جاؤں' سامان بھی لے آؤں اور سید بشیر حیدر صاحب سے ملاقات بھی کرآؤں۔مگر مولوی عبدالکریم صاحب نے بجائے اس کے کہ میرے لئے حضرت اقدس سے اجازت حاصل کرتے خود ہی فرمایا کہ سیالکوٹ جانے کی ضرورت نہیں سامان ہم یہیں منگا لیتے ہیں اور بشیر حیدر بھی خود آ کر مل جائے گا۔ میں نے عرض کیا کہ بہت اچھا جس طرح آپ فرماتے ہیں یہی ٹھیک ہے۔ میرے جواب سے حضرت مولوی صاحبؓ خوش ہوئے اور مجھے دعا دی اور سامان کے واسطےاسی روز خط لکھ دیا۔ جونہیں معلوم کسی آنے والے کے ہاتھ یا پارسل ہوکر جلدی آ گیا۔ اور مجھےمل گیا۔اس کے کچھ عرصہ بعد سید بشیر حیدر صاحب بھی آئے اور مل گئے۔

میں کچھ شرمیلا زیادہ تھا جس کی وجہ سے زیادہ میل جول کا عادی نہ تھا۔تنہائی مجھے زیادہ اچھی لگتی تھی۔ اسی وجہ سے میرا حلقہ تعارف بہت محدود رہتا اور جن سے کسی مناسبت کی وجہ سے تعلق ہوگیا انہی کے ساتھ مل جل لیا کرتا۔نمازوں اور درس، حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت، مسجد اور ہمرکابی سیر کو اپنی نہایت ہی مرغوب چیز یقین کرتا تھا۔نماز حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ پڑھایا کرتے جن کی قرآن خوانی کا میں بلکہ ہر ایک ہی عاشق تھا۔ان کی قرات میں ایسا سوز اور گداز ہوا کرتا تھا کہ رقت پیدا ہوجایا کرتی۔صبح کی نماز کی قرات سے غفلت کی نیند سونے والے جاگ اٹھا کرتے اور جن کی نیند کو موذن کی آواز کھول نہ سکتی اس قرات کی سُریلی آواز سے چونک کھڑے ہوتے تھے۔

مجھے ٹھیک یادنہیں دواڑھائی یا تین مہینے کےقریب زمانہ قادیان میں رہتے ہوا ہوگا۔اوراگرچہ میری رہائش بالکل مسافرانہ تھی کیونکہ کوئی گھر تھا نہ گھاٹ۔ ایک الماری حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ کے مطب میں ملی ہوئی تھی۔ وہی میرا گھر تھا۔تعلیم کا کوئی خاص انتظام نہ تھا۔اورخوراک و پوشاک اوردوسری ضروریات کا بھی خدائے واحد ویگانہ کے سوا کوئی کفیل نہ تھا۔گھر سے یا تایا صاحب سے جو کچھ لایا تھا اسی پر ابھی گذارہ ہوتا تھا مگر باوجود ان باتوں کے میرا دل اپنے وطن اور ماں باپ کے گھر سے زیادہ مطمئن اور خوش تھا۔اور قادیان سے باہر جانے کا وہم بھی مجھے نہ آتا تھا۔

قبول احمدیت کے کچھ مزید حالات۔آپ کا اسلامی نام کس نے رکھا۔

عبدالرحمٰن نام کے احمدی قادیان میں

حضرت بھائی جی نے ایک طویل چٹھی دفتر بہشتی مقبرہ کو ۸رظہور ۱۳۱۹ھش مطابق ۸راگست ۱۹۴۰ءکو رقم فرمائی جومفید تاریخی امور پر مشتمل ہے۔ایک حصہ یہاں درج کیا جاتا ہے:

''۱- مجھے بچپنے میں ہی اللہ کریم نے کفر سے نکال کر دولت ایمان عطا فرمائی اور میری خوش بختی کو اپنے فضل سے یوں چار چاند لگائے کہ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدموں میں لا ڈالا اور حقیقت یہ ہے کہ اسلام کو میں نے حضور پُر نور ہی کی صحبت میں سیکھا اور یہ اللہ کریم کا فضل تھا کہ اس طرح مجھے اسمی اور رسمی اسلام کے بجائے حقیقی اور صحیح اسلام کی نعمت میسر آئی۔

''۲- عبدالرحمٰن میرا اسلامی نام سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی زبان مبارک سے رکھا ہوا نام ہے جو حضور پُر نور نے مسجد مبارک کے وسطی حصہ میں بیٹھے ہوئے ۱۳۱۲/۱۳۱۱ ہجری المقدس کو تجویز فرمایا تھا۔جبکہ اللہ کریم نے مجھے حضور کے دست مبارک پر خلعت اسلام اور سعادت بیعت سے نوازا اور سرفراز فرمایا تھا۔

''۳- ضیمہ انجام آتھم میں حضور پُر نور نے جو فہرست ۳۱۳ خدام کی شائع فرمائی اس کے ۱۰۱ نمبر پر مجھ ناکارہ کا نام درج ہے۔اس زمانے میں ابھی اتنے عبدالرحمٰن قادیان میں نہ تھے۔کہ تخصیص کی ضرورت ہوتی۔جالندھری، لاہوری، زرگر، کتھا سنگھ اور قادیانی کہلانے کا وہ زمانہ ہے جبکہ قادیان میں کئی عبدالرحمٰن جمع ہو گئے اور نو مسلم عبدالرحمٰن حضور پُر نور کو عبدالرحمٰن نام تجویز فرمانے کی طرف زیادہ رجحان تھا۔جب کئی عبدالرحمٰن نو مسلم ہو گئے تو تمیز کے لئے جالندھری۔لاہوری۔زرگر۔کتھا سنگھ اور عبدالرحمٰن قادیانی کے نام سے یاد ہونے لگے۔یہ خدا کی دین ہے کہ مجھ نالائق کے حصہ میں قادیانی کا نام مبارک آیا۔خدا کرے یہ مبارک نام ہمیشہ ہی میرے اور میری اولاد کے حصے میں رہے۔لفظاً بھی اور معناً بھی۔ظاہراً بھی اور باطناً بھی۔آمین۔ابتدائی زمانہ کی فہرستوں میں میرا نام شیخ عبدالرحمٰن نو مسلم قادیانی کر کے لکھا جاتا رہا۔یا بعض جگہ صرف شیخ عبدالرحمٰن قادیانی۔

''۴- وصیت کے سلسلہ میں دوسری جگہ درج کیا گیا ہے۔

’’۵- قادیان پہنچنے سے قبل سیالکوٹ کی رہائش کے زمانہ میں جب مجھے سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دوایک کتب کا مطالعہ نصیب ہوا اور سیالکوٹ کے احمدی سادات فیملی کی مجالس میں حضور کے ذکراذکار اور دعاوی سننے میں آئے (سیالکوٹ میں رہائش کے لئے اللہ کریم نے حکیم زئیاں کا وہ بالا خانہ مجھے نصیب فرمایا جس میں کبھی سیدنا حضرت اقدس بھی قیام فرما چکے تھے۔ اور جو آجکل مسجد حکیم زئیاں بہ حکیم زئیاں کے بالمقام حیدر منزل کے نام سے موسوم ہے۔) توان دنوں میں اس خیال پر تھا کہ قادیان جا کر اظہار اسلام کروں گا اوران فقیر مرد بزرگ کے سامنے نذرنیاز پیش کر کے واپس چلا آؤں گا۔ مگر جب اللہ کریم نے اس نورانی چہرہ اور صاحب نور نبوت ورسالت کے قدموں میں لا ڈالا۔ صبح کی سیر، شام کا دربار۔ اور ظہروعصر کی مجلس وصحبت میسر آئی۔ تو وہ پہلا خیال دل سے دھل گیا۔ اور میں دنیا جہان سے بے نیاز ہو کر اس در کا ہو گیا۔ دھونی مار کر بیٹھا اور خدا نے ایسا فضل فرمایا کہ اس در کی گدائی۔ دنیا جہان کی دولت وثروت سے ہزار گنا بہتر نظر آئی۔ اور خدا کا فضل ہوا کہ آخر میں اسی در کا ہو گیا۔ یہیں پرورش پائی اور اسی دروازہ سے اسلام سیکھا اور دولت ایمان پائی۔ فالحمدللہ۔

’’گو اس طرح میں ابتداء ہی سے اپنے آپ کو اسی در کا غلام یقین کرتا رہا اور مفہوم بیعت میں ابھی اسی نظریہ پر قائم ہو گیا تھا۔ مگر سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس خواہش پر کہ لوگ خدمت اسلام کے لئے وقف کریں اپنے آپ کو‘ میں نے بھی لبیک کہی اور ہمیشہ اسی خیال سے پڑا رہا۔ پھر خلافت ثانیہ کے ابتدائی ایام میں امیر المومنین حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے بھی جب تحریک وقف کا اعلان فرمایا تو اس وقت بھی میں نے دل سے لبیک کہی۔ گول کمرہ میں حضور پرنور نے واقفین کو باریابی کا شرف بخش کر ہدایات دیں اور واقفین کو قبول فرمایا۔ میں بھی اس زمانہ سے لبیک لبیک کہتے ہوئے وقف ہوا اور پہلے عزم، ارادہ اور نیت کو اور زیادہ پختہ کر کے جب سے اب تک اس عہد پر قائم ہوا ہوں۔ خدا کرے شرف قبولیت سے بھی نوازا جاؤں۔ آمین ثم آمین۔‘‘

حضرت اقدس کا سفر ڈیرہ بابا نانک (۳۰ ستمبر ۱۸۹۵ء)

سکھوں میں تبلیغ کی طرف سیّدنا حضرت اقدس کی توجہ اس زمانہ میں خاص طور سے تھی اور حضور کتاب ’’ست بچن‘‘ تصنیف فرمارہے تھے۔ جس کے واسطے مصالحہ جمع کرنے کے لئے سکھوں کی کتب کی چھان بین ہو رہی تھی اور اسی ذیل میں حضور کو ڈیرہ بابا نانک چولہ صاحب دیکھنے کی غرض سے جانا پڑا۔ اس زمانہ میں

سواری یکوں ہی کی ہوا کرتی تھی۔ بڑی کوشش اور انتظام سے دو یا تین یکے کرائے گئے اور سفر کی تیاری ہوئی۔ ساتھیوں کے نام تجویز ہونے لگے۔ میرا نام بھی پیش ہوا۔ مگر حضور پاک نے فرمایا۔ جس کا مفہوم میرے الفاظ میں یہ ہے کہ ان کے گاؤں کا قرب ہے ایسا نہ ہو کوئی رشتہ دار ان کو دیکھ کر پیچھے پڑ جائے اور ہمارے سفر کی غرض ہی فوت ہو جائے۔ بہتر یہی ہے کہ وہ نہ جائیں۔ چنانچہ اس طرح میں اس مبارک سفر میں ہمرکابی کے شرف سے محروم رہ گیا۔

اس سفر سے واپسی پر سیدنا حضرت اقدس بہت ہی خوش تھے۔ اور اس تبلیغی دریافت کا ذکر اس طرح مجلس میں فرمایا کرتے جس طرح کوئی دنیادار کسی بھاری خزانہ کے حصول سے خوش ہو۔ چنانچہ اکثر ایسے ہی مسائل کا چرچا ان دنوں ہوا کرتا تھا۔ اور قادیان کے دن اور رات' تنہائی اور مجالس۔ تبلیغی جدوجہد اور روحانی خزائن کی دریافت واشاعت کے لئے ہی وقف رہتے تھے۔

والد تلاش میں پریشان وسرگرداں ان کا ورود قادیان

اسی زمانہ کا ذکر ہے کہ ایک رات میں مطب میں سویا ہوا تھا اور صبح کو اپنی کیفیت کے مدنظر بھی یہی اندازہ کرتا ہوں کہ خاص سردی کے ایام تھے۔ میرے قریب مرزا محمد اشرف صاحبؓ کے والد بزرگوار حضرت منشی جلال الدین صاحبؓ مرحوم☆ جو ایک نہایت ہی نیک دل پاک نفس اور عبادت گذار انسان تھے اور انہی کی تبلیغ اور صحبت میں حضرت بھائی عبدالرحیم صاحبؓ مسلمان ہوئے تھے۔ میرے قریب ہی ان کی چارپائی تھی۔ وہ چارپائی پر نماز تہجد ادا کر رہے تھے۔ اس رات اسی وقت میں نے ایک منذر رؤیا دیکھی جس کے اثر سے میں تڑپ کر اٹھ بیٹھا اور میری اس گھبراہٹ کا ایسا اثر ظاہر تھا کہ منشی صاحب مرحوم نے

☆ حضرت منشی جلال الدین صاحب کا نام ضمیمہ انجام آتھم میں فہرست تین سو تیرہ صحابہ میں نمبر اوّل پر ہے۔
آپ کی وفات اگست ۱۹۰۲ء میں قیام بہشتی مقبرہ سے پہلے ہوئی۔ معین تاریخ آپ کی اولاد کے ہاں بھی محفوظ نہیں۔ آپ کی شدید خواہش تھی کہ حضرت اقدس علیہ السلام کے قدموں میں آپ کی وفات ہو لیکن شدید بارش ہوگئی جس کے بعد کمزوری زیادہ ہوگئی۔ آپ نے اپنے وطن بلانی میں وفات پائی اور وہیں مسجد کے احاطہ میں دفن کئے گئے۔ اخویم مرزا محمد یعقوب صاحب کارکن تحریک جدید ربوہ (آپ کے پوتے) کا بیان ہے کہ شنید ہے کہ آپ کی قبر گرنے والی ہے اور مَیں نے سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ سے بہشتی مقبرہ قادیان اور ربوہ میں ان کا کتبہ لگوانے کی اجازت ۱۹۵۶ء میں حاصل کر لی تھی۔

مجھ سے فرمایا۔''کیوں میاں عبدالرحمٰن! کیا بات ہے۔'' مگر میں نے اصل بات بتائے بغیر ہی عرض کیا۔ ''خیر ہے نماز کے لئے اٹھا ہوں۔''

خواب میں مجھے دکھایا گیا کہ ایک باریک لمبا سانپ میری طرف آ رہا ہے اور جب وہ میرے قریب آیا تو حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ نے ایک لاٹھی اس کو ماری مگر وہ لاٹھی کے نیچے سے بالکل صفائی کے ساتھ زندہ نکل کر سیدھا میری طرف بڑھا اور میرے جسم کے گرد لپٹ گیا۔ اس نظارہ اور سانپ کا میرے گرد لپٹ جانے کی وجہ سے مجھ پر ایسی گھبراہٹ اور پریشانی ہوئی کہ میں نیند سے ایسا چونک کر اٹھا کہ حضرت منشی صاحب موصوف نے بھی میری بیداری کو غیر معمولی گھبراہٹ پر محمول کیا۔

اٹھا، استغفار کیا۔ دو چار نفل پڑھے۔ مسجد میں صبح کی نماز ادا کی اور واپس آ کر اپنا قرآن شریف لے کر جو کہ حضرت اقدس کے کتب خانہ میں پیر جی سراج الحق صاحبؓ ☆ کے پاس (مطب کے شمال مشرقی کونہ کی کوٹھڑی میں) رکھا تھا۔ مطب کی چھت پر تلاوت کرنے کو تھا کہ پیر جی نے ایک منی آرڈر کر آنے کو کہا میں نے ایک دوتہی اوڑھی ہوئی تھی جس سے یقیناً سردی کا موسم معلوم ہوتا ہے۔ پوسٹ آفس اس

☆ حضرت پیر سراج الحق صاحبؓ صاحب گدی نشین تھے۔ آپ ۱۸۸۲ء میں پہلی بار قادیان تشریف لائے۔ ازالۂ اوہام حصہ دوم میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کے اخلاص کی تعریف فرمائی ہے۔ تذکرہ المہدی مطبوعہ اور قلمی میں آپ نے حضرت اقدس کے متعلق ایک قابل قدر مجموعہ روایات جمع کیا۔ جس کے اقتباسات ''تذکرہ'' میں بھی درج ہوئے ہیں۔ ۳رجنوری ۱۹۳۵ء کو آپ فوت ہوئے اور بلا وصیت بہشتی مقبرہ قادیان میں دفن کئے گئے۔ اللھم اغفرلہ و ارحمہ۔ آمین۔

بقیہ حاشیہ:- حضرت مرزا محمد اشرف صاحبؓ نے ۱۸۹۵ء میں بیعت کی۔ ۱۹۰۶ء میں ہجرت کر کے قادیان آ گئے اور صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر میں محرر، آڈیٹر اور محاسب اور ناظم جائیداد کے طور پر خدمات سرانجام دیں۔ آپ کے داماد اخویم مولوی محمد یعقوب صاحب طاہر (ہیڈ زود نویس ربوہ) سے معلوم ہوا کہ حضرت موصوف کا ۱۴رنومبر ۱۹۴۷ء کو بروز جمعہ بمقام جہلم انتقال ہوا اور آپ وہیں مدفون ہیں۔ آپ موصی تھے۔ مگر اس وقت چونکہ ابھی ہجرت کا صدمہ بالکل تازہ تھا اور جماعت کے افراد منتشر تھے۔ کسی کو خیال تک نہ آیا کہ نعش کو لکڑی کے بکس میں بند کر کے دفن کیا جائے۔ آپ کی وفات سے ایک عرصہ قبل خواب میں بتایا گیا تھا کہ حضرت مولوی سیّد محمد سرور شاہ صاحبؓ (وفات بمقام قادیان بتاریخ ۳رجون ۱۹۴۷ء) اور حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ (وفات بتاریخ ۱۳رنومبر ۱۹۴۷ء) کی وفات کے بعد آپ کی

زمانہ میں لالہ بڈھامل کی دوتین منزلہ دکان کے نچلے حصہ میں ایک آریہ سکول ماسٹر مسمی سومراج کے ہاتھ میں ہوا کرتا تھا۔ لالہ بڈھامل کی دوعمارتیں بالمقابل اونچی اونچی پہاڑی دروازہ کے قریب کھڑی ہیں۔ جو ریتی چھلہ نام میدان کی طرف ہے اور پوسٹ آفس☆ مشرقی جانب کی دکان میں تھا۔ اور صبح سویرے ہی سویرے سکول جانے سے پہلے وہ ماسٹر ڈاک روانہ کردیا کرتا تھا۔

میں منی آرڈر لے کر ڈاک خانہ پہنچا۔ اور اس کے کھلے دروازہ کے سامنے کھڑا ہوا تو دیکھتا ہوں کہ میرے والد صاحب اس آریہ ماسٹر کے پہلو میں بیٹھے ہیں۔ میں اس نظارہ سے جو اچانک پیش آیا ایک سکتے کے عالم میں تھا اور طبیعت نے ابھی فیصلہ نہ کیا تھا کہ قدم آگے اُٹھاؤں یا پیچھے کہ والد صاحب مجھے دیکھتے ہی کھڑے ہو کر میری طرف بڑھے اور مجھ سے لپٹ گئے۔ چھاتی سے لگایا اور پیار کیا۔ دلاسا دیا اور میری تسلی کے لئے فرمانے لگے۔ بیٹا! تم نے جو کچھ کیا اچھا کیا۔ جب تمہارے دل کو یہی بات پسند ہے تو کون روک سکتا ہے خوش رہو اور جہاں چاہو رہو۔ مگر تم گھر سے آئے پھر اطلاع نہ دی۔ ہم لوگ تمہاری تلاش میں سرگرداں پھرے۔ سینکڑوں روپیہ برباد ہوا۔ تمہاری ماں روتے روتے اندھی ہوگئی اور تمہارے عزیز بھائی بہنیں جدائی کی وجہ سے بے تاب اور نیم جان ہیں۔ ایک مرتبہ چل کر ماں کو مل لو شاید اس کی بینائی بچ جائے اور بھائی بہنوں کو پیار کر لو کہ وہ بھی تمہارے نام کو ترستے ہیں۔'' وغیرہ وغیرہ۔

والد صاحب بہت ہوشیار انسان تھے۔ اس زمانہ کے مناسب حال زبان اور اردو میں ان کو خاص مہارت تھی اور بہت اچھے منشی بلکہ خوشنویس اور انشاء پرداز بھی تھے۔ بعد کے حالات سے معلوم ہوا کہ والد صاحب قادیان میں ایک روز قبل کے آئے ہوئے تھے اور مقامی ہندوؤں اور آریوں سے جن میں سب سے زیادہ ڈپٹیوں کا گھرانہ جن کا مکان ان دنوں اللہ پاک کی عجیب در عجیب قدرت نمائی کا نمونہ ہو کر صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر کی صورت میں کھڑا ہے اور غالباً یہی مدرس سومراج تھے مشورے اور منصوبے گانٹھتے رہے تھے۔ اور بعد میں معلوم ہوا کہ یہاں تک بھی فیصلہ کیا گیا تھا کہ اگر اور کوئی صورت نہ بنی تو

☆ اس ابتدائی ڈاکخانہ کے متعلق روایات میں تفصیل دی گئی ہے اور ایک غلطی کی تصحیح بھی کی گئی ہے۔

بقیہ حاشیہ:- وفات ہوگی۔ چنانچہ یہ عجیب اتفاق ہے کہ ادھر لاہور میں حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ کا انتقال ہوا اور اُدھر دوسرے روز صبح آٹھ بجے جبکہ مرزا صاحب اخبار پڑھ رہے تھے اچانک حرکت قلب بند ہو جانے سے آپ کا انتقال ہوگیا۔ آپ صاحب کشف والہام بزرگ تھے۔ مگر اپنے کشف والہامات بہت کم بتانے کے عادی تھے۔

رات کے اندھیرے میں سوتے کی چارپائی اٹھوالائیں گے۔کوئی ہمارامقابلہ نہ کرسکے گا۔

میں اچانک والد صاحب کی گرفت میں آ جانے کی وجہ سے ابھی پریشان اور بالکل خاموش تھا۔ چند منٹ بعد سنبھلا تو عرض کیا چلیں حضرت صاحب کے ڈھیرے کی طرف تشریف لے چلیں اور ساتھ ہی پوسٹ ماسٹر کو جلدی منی آرڈر کرنے کو کہا۔مگر وہ بڑا شریر آدمی تھا اس نے موقعہ کو غنیمت سمجھ کر دوسرے کام شروع کردیئے اور میرا منی آرڈر پیچھے اٹھا رکھا اس کی غرض یہ تھی کہ میرے والد صاحب اچھی طرح سے باتیں کرلیں کیونکہ عین ممکن تھا کہ اس کے خیال کے مطابق میرے والد صاحب کو پھر مجھ سے اس طرح باتیں کرنے کا موقعہ نہ ملے۔غرض اس طرح چند منٹ اور دیر ہوگئی اور میں والد صاحب کے پاس بیٹھا ان کی باتیں خاموشی سے سنتا رہا اور والد صاحب بھی مصلحت وقت کے ماتحت اس وقت نہایت ہی محبت، شفقت اور ہمدردی کی باتیں کرتے رہے اور ایسے واقعات سناتے رہے جن سے میرا دل پگھلے اور نرم ہو اور والدہ اور بھائی بہنوں کی محبت میرے سینے میں جوش مار کر تازہ ہو۔

نہ معلوم کس طرح کسی اپنے یا بیگانے کے ذریعہ ہمارے ڈیرے میں یہ بات جا پہنچی کہ عبدالرحمٰن کو اس کے والد اور ہندوؤں نے پکڑ لیا ہے۔اور ڈاک خانہ کے اندر روک رکھا ہے۔ یہ افواہ ڈیرے میں پہنچی اور فوراً ہی کسی نے اندر سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام تک بھی پہنچا دی جس کے سنتے ہی حضور پاک فداہ روحی حرم سرا سے باہر تشریف لے آئے اور نہ معلوم حضور کی اجازت یا حکم سے یا خود بخود ہی بڑے بڑے بزرگ مجھ ناکارہ وناچیز کی امداد کے لئے ڈاک خانہ کو روانہ ہوگئے اور ڈیرے سے ڈاکخانہ تک موجود الوقت بزرگان سلسلہ کا ایک تانتا بندھ گیا۔

اتنے میں پوسٹ ماسٹر نے بھی مجھے فارغ کر دیا تھا اور میں نے والد صاحب کو حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہونے پر رضامند کرلیا تھا۔ چنانچہ والد صاحب کھڑے ہوئے تھے اور میں بازار میں اتر چکا تھا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ حضرت نانا جان مرحوم۔حضرت حاجی حکیم فضل الدین صاحبؓ بھیروی۔ پیر جی سراج الحق صاحب نعمانیؓ۔ بھائی عبدالرحیم صاحبؓ۔ بھائی عبدالعزیز صاحبؓ اور بہت سے لوگ جن کے اسماء اور ان کا خیال مرور زمانہ کی وجہ سے ذہن سے اتر گیا ہے چلے آ رہے ہیں کوئی آگے ہے کوئی پیچھے۔ کوئی تیز آ رہا ہے اور کوئی دوڑ کر۔اس سچی محبت۔حقیقی اخلاص اور دلی ہمدردی کا اثر میرے قلب سے آج تک زائل نہیں ہوا جو اس واقعہ کی اطلاع سے ان بزرگوں میں میرے لئے پیدا ہوا تھا۔

میں والد صاحب کو لے کر بازار سے ڈیرے کو روانہ ہوا۔ میرے محسن مہربان شفیق اور دوست بھی میرے ساتھ

ہی واپس ہوئے اور بازار کے ہندوؤں کو تو علم ہی تھا وہ اس نظارہ کا معائنہ کرنے دکانوں پر کھڑے ہو گئے اور اس طرح ایک بھیڑ اس اجڑے بازار میں نظر آنے لگی۔

مسجد مبارک کی کوچہ بندی سے نکلتے ہی میری نظر میرے آقائے نامدار فداہ روحی سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پڑی۔ جبکہ حضور فصیل کے پلیٹ فارم پر ٹہل رہے تھے۔ حضور پرنور کو دیکھ کر میرے دل میں جذبات محبت وشکر گذاری کا ایک سمندر موجزن ہو گیا۔ اور اس طرح اچانک پکڑے جانے کا جو صدمہ اور افسردگی میرے دل پر مستولی تھی دور ہو کر بشاشت، خوشی اور اطمینان مل گیا۔ اور میں نے والد صاحب کو دور ہی سے بتا دیا کہ وہ ہمارے حضرت صاحب ہیں۔

حضرت اقدس سے والد صاحب کی ملاقات

والد صاحب ہوشیار آدمی تھے۔ اشارہ پاتے ہی سنبھل گئے اور نہایت مودبانہ و نیازمندانہ رفتار اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی جیب سے کچھ روپے نکال کر مٹھی میں لے لئے۔ قریب پہنچ کر ہندوانہ طرز پر ہاتھ جوڑ کر سلام کر کے نذرانہ پیش کیا۔ حضور نے سوال کا جواب تو دیا مگر نذرانہ قبول نہ فرمایا۔ اور باوجود والد صاحب کے اصرار کے قبول کرنے سے انکار فرما دیا۔ حضور نے نہایت شفقت اور مہربانی سے اول خیریت پوچھی اور پھر آمد کا مقصد و غایت دریافت فرمائی اور ایسے طریقے سے حضور نے کلام فرمایا کہ میرے والد صاحب کا سہا ہوا دل اور مرجھایا ہوا چہرہ بشاش ہو گیا۔ اور اس طرح وہ کھل کر عرض حال کرنے کے قابل ہو گئے۔ نہ معلوم ان کے دل میں کیا کیا خیالات پیدا ہو رہے تھے جبکہ وہ تنہا میرے ساتھ ہمارے ڈیرہ کی طرف آ رہے تھے۔ اور ان کے حمایتی منصوبہ باز اور سازشی لوگوں میں سے کوئی بھی ان کے ساتھ نہ ہوا۔ بلکہ برخلاف اس کے وہ چاروں طرف میرے محسنوں بزرگوں دوستوں اور بھائیوں کا ہجوم دیکھتے آ رہے تھے۔ حضور کی محبت وشفقت اور نرمی و پاکیزہ اخلاق نے ان کی کمر ہمت باندھ دی اور اس طرح وہ آزادانہ طور پر اپنا مقصد اور دلی غرض و غایت حضرت اقدس کے حضور پیش کر سکے۔

قریباً نصف گھنٹہ تک حضور نے ان کے معروضات نہایت توجہ سے سنے اور دوران گفتگو میں حضور اس پلیٹ فارم پر شمالاً جنوباً ٹہلتے رہے کہیں کہیں حضور ان کی دلجوئی اور تسلی کے لئے بعض ناصحانہ فقرات فرماتے اور بعض غلط خیالات کا ازالہ بھی فرماتے رہے۔ جب میرے والد صاحب دل کھول کر سب کچھ عرض کر چکے تو سیدنا حضرت اقدس نے مجھے الگ لے جا کر پوچھا۔ ''میاں عبدالرحمٰن! تمہاری کیا مرضی ہے؟''

چونکہ والد صاحب کے ساتھ میں بھی حضرت کے ساتھ ساتھ ٹہلتا اور تمام باتیں سنتا رہا تھا اور ان کی غرض وغایت اور مقصود کا مجھے علم ہو چکا تھا۔ میں نے نہایت ادب سے حضرت کے حضور عرض کیا۔

''حضور میں دل سے مسلمان ہوں اور حضور کی غلامی کی سعادت اللہ پاک نے مجھے محض اپنے فضل سے بخش دی ہے۔ بے شک والدین اور بھائی بہنوں کی محبت میرے دل میں بے حد ہے۔ مگر میں ابھی جانا نہیں چاہتا۔ کیونکہ میں نے اسلام کے متعلق کچھ بھی نہیں سیکھا۔''

میری یہ عرض سن کر حضور نے والد صاحب کو بلا کر فرمایا:

''ہم ابھی عبدالرحمٰن کو آپ کے ساتھ نہیں بھیج سکتے۔ بہتر ہے کہ آپ کو اگر فرصت ہو تو ہفتہ دو ہفتہ ان کے پاس ٹھہریں اور اگر آپ ملازمت کی وجہ سے نہ ٹھہر سکیں تو ان کی والدہ اور بھائی بہنوں کو یہاں بھیج دیں وہ ان کے پاس جتنا عرصہ چاہیں ٹھہریں۔ ان کی آمد و رفت اور بود و باش کے اخراجات ہمارے ذمہ ہوں گے۔''

حضور یہ جواب دے کر اندر تشریف لے گئے اور میں والد صاحب کو ساتھ لے کر سیدنا حضرت حکیم الامت مولانا نورالدین صاحبؓ کے پاس مطب میں جا بیٹھا جہاں ان دنوں حضور کی کتاب ''ست بچن'' کی فرمہ شکنی اور مسل برداری ہو رہی تھی۔ والد صاحب کے دل پر حضور کے اس فیصلہ کی وجہ سے رنج و غم کا غلبہ تھا اور ان کی دلی مایوسی کا اثر ان کے چہرہ سے نمایاں ہو رہا تھا۔ مگر میں خوش تھا اور والد صاحب کو بھی خوش کرنا چاہتا تھا۔ کبھی ''ست بچن'' میں سے بابا نانک صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے حالات کے متعلق نظم پڑھ کر سناتا۔ کبھی کسی اور طریق سے خدمت کر کے ان کی دلجوئی کی کوشش کرتا۔ کچھ دیر بعد ایک ہندو آیا اور کھانے کے لئے والد صاحب کو ساتھ لے گیا۔ والد صاحب کی واپسی میں تاخیر ہوئی۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ والد صاحب نے سیدنا حضرت اقدس کا فیصلہ قادیان کے آریہ لوگوں کو بتایا جس کے متعلق صلاح مشورے اور منصوبے ہوتے رہے اور اسی مصروفیت کے باعث والد صاحب جلدی واپس تشریف نہ لا سکے۔

والد صاحب کے ساتھ واپسی کا حکم

ظہر کی اذان ہو چکی یا ہونے والی تھی میں مطب میں بیٹھا کتاب ''ست بچن'' کی مسل برداری کر رہا تھا

کہ ایک بچہ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے ایک رقعہ لایا اور زبانی یہ پیغام دیا کہ:

''اپنے والد صاحب کے دستخطوں سے اس مضمون کی ایک نقل کروا کر ہمیں بھیج دو اور تم اپنے والد صاحب کے ساتھ چلے جاؤ۔''

بچے کے منہ سے زبانی پیغام کے الفاظ نکلے اور میرے دل و دماغ میں بیٹھے مگر میں ان الفاظ کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ دوبارہ اور سہ بارہ پوچھا مگر بچے نے الفاظ ایسے رٹے ہوئے تھے کہ تینوں مرتبہ وہی الفاظ اسی ترتیب میں دہراتا رہا۔ آخر میں نے حضور کا وہ فرمان کھولا پڑھا اور حقیقت مجھ پر آشکار ہوئی۔ فرمان کا خلاصہ مطلب میرے اپنے الفاظ میں حسب ذیل تھا:

''میں فلاں ابن فلاں جو کہ میاں عبدالرحمٰن (نو مسلم) سابق ہریش چندر کا والد ہوں باقرار صالح پرمیشور کے نام کی قسم اٹھا کر جو کہ میرا پیدا کرنے والا ہے اور جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس امر کا پختہ اقرار اور پکا وعدہ کرتا ہوں کہ اپنے لڑکے عبدالرحمٰن سابق ہریش چندر کو دو ہفتہ کے لئے اپنے ساتھ وطن کو لے جاتا ہوں تا کہ اس کی غمزدہ والدہ اور ننھے ننھے بھائی بہنوں کو بھی جو اس کی جدائی کے صدمہ سے بے قرار اور جان بلب ہیں ملا دوں۔ میں پرماتما کے نام سے یہ بھی پیمان کرتا ہوں کہ عزیز کو راستہ میں یا گھر لے جا کر کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچاؤں گا۔ اور دو ہفتہ کے بعد حسب وعدہ صحیح و سلامت قادیان پہنچا دوں گا۔

دستخط

مہتہ گورانداتا مل موہن بقلم خود''

میں نے اس مضمون کو پڑھا اور بار بار پڑھا۔ حضرت اقدس کے پہلے فیصلہ پر میں خوش تھا۔ مگر اب مجھ پر اداسی اور پژمردگی چھا گئی۔ اور دل میں طرح طرح کے وساوس پیدا ہونے لگے۔ جی میں آیا کہ قبل اس کے کہ والد واپس آویں اور اس فیصلہ کا ان کو علم ہو میں کسی طرف نکل جاؤں کیونکہ میں جانتا تھا کہ والد صاحب مصلحت وقت کی وجہ سے نرم تھے ورنہ وہ میرے اسلام کی وجہ سے مجھے سخت تکلیف میں ڈالیں گے اور میرا یہ اندیشہ اس حد تک بڑھا ہوا تھا کہ شاید وہ مجھے زندہ ہی نہ چھوڑیں گے اور اس خیال کی تائید میں میرے اپنے گھرانے کے بعض پرانے واقعات میرے سامنے آن موجود ہوئے۔ اور میں نے یقین کر لیا کہ آج ایک بھاری امتحان اور کٹھن گھاٹی میری راہ میں سد سکندری آن بنی ہے جس سے سلامت نکل جانا میری طاقت سے بالکل باہر ہے۔ آخر میں چند منٹ کے لئے تنہائی میں چلا گیا اور خدا کے حضور جھک کر گڑ گڑایا اور اس سے امداد چاہی جس کے نتیجہ میں میرا بیٹھا ہوا دل اور ٹوٹی ہوئی کمر قوی ہو گئے اور

خدا تعالیٰ نے مجھ پر ایک سکینت اور اطمینان نازل کر دیا اور خدا کے مسیح کے فرمان کی تعمیل کے لئے دل میں قوت وطاقت پیدا ہوگئی اور میں نے فیصلہ کر لیا کہ اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کروں گا۔ خواہ جان بھی اس راہ میں کیوں نہ دینی پڑے۔

میں یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ والد صاحب بھی تشریف لے آئے۔ میں نے ابھی تک کسی سے حضرت کے اس فیصلہ کا ذکر نہ کیا تھا۔ مگر پیغام لانے والے بچے کے ذریعہ سے یہ بات عام ہو چکی تھی اور غالباً میرے والد صاحب کو بھی پہنچ چکی تھی جو کہ قریب ہی ڈپٹی شنکر داس کے مکان پر مقیم تھے۔ کیونکہ والد صاحب جب کھانے سے واپس آئے میں نے ان کے چہرہ کو زیادہ بشاش پایا جس سے میں نے محسوس کیا کہ غالباً ان تک یہ فیصلہ پہنچ چکا ہے۔

میں نہیں جانتا کہ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پہلے فیصلے کی تبدیلی کے کیا اسباب ہوئے۔ کسی انسان نے کوئی مشورہ دیا یا خود خدائے پاک نے حضور کو پہلے فیصلہ کی تنسیخ کا ایماء والقاء یا الہام فرمایا۔ میرا قیاس ہے کہ آخر الذکر امر ہی اس فیصلہ کی تبدیلی کا موجب ہوا ہوگا کیونکہ حضور نے پہلا فیصلہ حالات کے مطالعہ کے بعد ہی فرمایا تھا اور وہ فیصلہ صاف اور ناطق تھا کوئی شرط اس میں نہ تھی اور نہ ہی شبہ کی کوئی گنجائش تھی۔ اور میرا ایمان مجھے اسی یقین کی طرف لے جاتا ہے کہ خدا کے پیارے اور بزرگ نبی اپنے فیصلے خدا کے فرمان کے سوا بدلا نہیں کرتے کیونکہ ان کے فیصلے ہر وقت حق وحکمت اور عدل وانصاف پر مبنی ہوا کرتے ہیں۔

بہر حال والد صاحب آئے۔ میں نے وہ فرمان ان کو دے دیا۔ جس کو پڑھ کر انہوں نے قلم دوات لی اور قلم برداشتہ ایک بہت مضبوط معاہدہ لکھ کر دے دیا۔ جو سیدنا حضرت اقدس کے الفاظ سے بھی کہیں زیادہ قوی اور حلف سے موکد تھا۔ والد صاحب نے بجائے پرمیشور کے نام کی سوگند کے الفاظ لکھنے کے شروع ہی ان الفاظ سے کیا کہ:

''میں فلاں بن فلاں خدائے واحد لاشریک کے نام کی قسم اٹھا کر یہ اقرار کرتا ہوں۔'' وغیرہ وغیرہ

والد صاحب کی یہ تحریر پختہ تھی کیونکہ وہ خود خوشنویس اور پکے منشی تھے۔ فارسی زبان میں ان کو خاص مہارت تھی جس کی وجہ سے مضمون نویسی اور انشا پردازی کا ملکہ ان میں تھا۔ ان کا تحریر کردہ معاہدہ سیدنا حضرت اقدس کے حضور پہنچا۔ حضور نے ملاحظہ فرما کر محفوظ کر لیا اور مجھے پھر حکم بھیج دیا کہ

''تم اب اپنے والد صاحب کے ساتھ چلے جاؤ۔''

اب سب احباب کو اور حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ کو بھی اس فیصلہ کا علم ہوگیا۔جس کا اثر ہمارے احباب میں غم اور افسردگی کے رنگ میں اور ہندو بازار اور ہندو گھرانوں میں خوشی وشادمانی کی شکل میں ظاہر ہوا۔بعض دوستوں نے گھبراہٹ تک کا بھی اظہار کیا اور اس فیصلے کو اپنی شکست سمجھ کر مغموم بھی ہوئے۔مگر فیصلہ چونکہ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تھا اس وجہ سے کسی کو مجال سخن نہ ہوئی اور سب نے میرے ساتھ مل کر سر تسلیم خم کیا۔

ظہر کی نماز کے لئے سیدنا حضرت اقدس تشرلف لائے۔حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ اور حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ بھی حاضر تھے۔نماز ادا ہوچکی اور حضور مسجد ہی میں تشریف فرما ہوئے۔خاموشی کا عالم تھا اور چاروں طرف ایک سناٹا چھایا ہوا تھا۔اور کسی قدر غیر معمولی طور سے حضور پرنور بھی خاموش بیٹھے رہے۔حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ اپنی عادت کے مطابق سر جھکائے ایک کونہ میں بیٹھے تھے۔آپ کی عادت مبارک یہ تھی کہ حضور کی موجودگی میں بہت کم کلام فرماتے اور حتی الوسع کلام میں ابتدا نہ فرماتے۔مگر آج غیر معمولی طور پر اس مہر خاموشی وسکوت کو آپ ہی نے ان الفاظ سے جن میں آداب واحترام اور دربار نبوت کی شان کو خاص طور سے ملحوظ رکھا گیا تھا یوں توڑا کہ

> ''حضور نے بھائی عبدالرحمٰن کو ان کے والد صاحب کے ساتھ جانے کا حکم دیا ہے۔جس علاقہ میں وہ جائیں گے سکھوں اور غیر مسلموں سے گھرا ہوا ہے اور بہت دور ہے۔حضور اگر پسند فرمائیں تو بھائی عبدالرحیم کو ان کے ساتھ بھیج دیا جائے تاکہ ان کی خبر وخیریت اور حال واحوال تو پہنچتا رہے اور......''

حضرت مولوی صاحبؓ ابھی کچھ اور عرض کرنا چاہتے تھے کہ حضور نے فرمایا اور اس وقت حضور کا چہرہ مبارک سرخ تھا اور آواز میں ایک جلال،شوکت اور رعب تھا۔

> ''نہیں مولوی صاحب!۔ہمیں نام کے مسلمان کی ضرورت نہیں۔اگر ہمارا ہے تو آجائے گا ورنہ کوڑا کرکٹ جمع کرنے سے کیا حاصل''(حضرت بھائی جی رقم فرماتے ہیں کہ ''اگر'' کے لفظ کے متعلق مجھے شبہ ہے یقین نہیں غالب یہ خیال ہے کہ ''ہمارا ہے تو آجائے گا)

میں جن ایام میں قادیان پہنچا اس زمانہ میں حضور پرنور عموماً بہت لاغر ونحیف ہوا کرتے تھے حضور کا چہرہ مبارک زرد رہتا تھا۔چنانچہ پہلے روز میں حضور کو پہچان بھی نہ سکا۔جب تک حضرت مولوی عبدالکریم

صاحب نے مجھے یہ نہ بتایا کہ حضرت صاحب یہ ہیں۔حضور کی صحت عام طور پر اس زمانہ میں زیادہ کمزور تھی۔مگر جب کبھی بھی کوئی خاص بات کا موقعہ پیش آتا حضور کا چہرہ مبارک سرخ لعل کی مانند دمکنے لگا کرتا تھا۔اور ایسا معلوم ہوا کرتا تھا کہ حضور سے بڑھ کر شباب اور جوانی کسی پر آئی ہی نہیں۔یہی رنگ آج کی صحبت میں دیکھنے میں آیا۔حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ جو پہلے ہی مراقبہ میں تھے حضور کے اس فرمان کی وجہ سے اور بھی جھک گئے اور ایک لفظ بھی نہ دہرایا۔حضور پرنور اٹھے اور اندر تشریف لے گئے۔مجھ غمزدہ کو اتنی بھی جرأت نہ ہوئی کہ دست بوسی ہی کر لیتا۔حضرت مولوی صاحب بھی اپنی حرم سرا کو تشریف لے گئے۔

میں نے ایک روز قبل جو رؤیا دیکھی تھی اس میں ایک حصہ حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کے متعلق بھی تھا کہ انہوں نے اس سانپ کو جبکہ وہ میری طرف لپکا آرہا تھا ایک لاٹھی رسید کی تھی مگر اس لاٹھی کا سانپ پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ بچ کر مجھ سے لپٹ گیا۔میں سمجھتا ہوں کہ حضرت مولاناؓ کی وہ لاٹھی یہی تھی جو آپ نے حضرت اقدس کے حضور بھائی عبدالرحیم صاحب کو میرے ساتھ بھجوانے کی تجویز کی صورت میں چلائی تھی مگر غیر موثر ہو کر رہ گئی۔

قادیان سے واپسی کا منظر

میں مسجد سے اترا۔والد صاحب نے کہا کہ جلدی کرو۔یکے والا جلدی کر رہا ہے میں نے جلد جلد اپنے چند پارچات اور قرآن کریم۔حزب المقبول اور حضرت اقدس کی دو تین کتب باندھ لیں اور بزرگوں، دوستوں، محسنوں، بھائیوں اور رفیقوں سے وداعی سلام کرنے لگا۔میں بہتوں سے ملا اور بہت سے مجھے ملنے کو تشریف لائے۔آخر میں روانگی کے وقت اپنے محسن حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ کے در دولت پر بھی حاضر ہوا۔دروازہ پر آواز دی۔سلام کیا۔نام پوچھا گیا۔اجازت ملی۔والد صاحب کی معیت میں اندر پہنچا۔دیکھتا کیا ہوں کہ حضرت مولاناؓ چارپائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور دو تین خادم حضور کو چاپی کر رہے ہیں۔میں بڑھا، جھکا اور سلام کیا۔حضور نے لیٹے ہی لیٹے مجھے گلے سے لگا لیا اور پھڑ پھڑاتے ہونٹوں سے بھرائی ہوئی آواز کے ساتھ میرے لئے دعائے سفر فرمائی اور مجھے دلاسا دے کر نصیحت کی کہ میاں عبدالرحمٰن نماز پڑھتے رہنا اور تمہارے والد تمہیں نماز سے منع نہیں کریں گے اور اللہ حافظ کہا۔

میں اس نقشہ کو کبھی بھی بھول نہیں سکتا۔اور آج پورے چالیس سال کے بعد جب میں اس واقعہ کو حوالہ

قرطاس کر رہا ہوں وہ نقشہ ہو بہو میرے سامنے موجود اور وہی تاثرات آج بھی میرے دل میں موجزن ہیں ایسا کہ میں سمجھتا ہوں کہ وہ واقعہ آج ہی ہوا یا ہو رہا ہے۔مکرمی مفتی فضل الرحمٰن صاحب والے موجودہ مکان کے دالان میں جس کے دو دروازے شمالی جانب صحن میں کھلتے تھے۔غربی جانب کے دروازہ کے اندر دروازہ کو چھوڑ کر دروازہ کے مشرقی جانب آپ کا پلنگ بچھا تھا۔آپ روبقبلہ لیٹے ہوئے تھے سرمبارک شمال کی جانب تھا۔ میں نے محسوس کیا جب کہ حضور نے مجھے گلے لگایا کہ حضور کو شدید بخار تھا اور غمخواری کی وجہ سے آواز میں بھر بھراہٹ تھی۔گویا کہ آپ بحالت کظیم تھے۔آپ کی محبت اور شفقت سے میرے پیش آمدہ غم و درد کا پیمانہ چھلک پڑا اور میں زار وقطار رونے لگا۔اور یہی نہیں کہ میں رو پڑا بلکہ میں نے دیکھا اور اب بھی وہ نظارہ میرے سامنے ہے کہ حضرت مولانا مرحوم و مغفورؓ بھی چشم پر آب ہو رہے تھے۔

غرض ایسے ہی پُر درد اور جانگداز حالات میں سے گذرتا ہوا میں اپنے والدصاحب کے آگے لگ کر چل پڑا جن کو میں اپنا عزرائیل بھی اگر ان حالات کی موجودگی میں کہوں تو شاید گناہ نہ ہو۔ میں خدائے بزرگ و برتر سے ڈرتا ہوں کہ والد صاحب کی گستاخی کرنے والا گردانا جا کر معصیت کا مرتکب سمجھا جاؤں۔میرے والد تھے میں ان کا فرزند۔مجھ پر ان کے بے انتہا احسان ہیں اور مجھے پہلے سے بھی زیادہ ان کا احترام کرنا چاہئے۔اور کرتا ہوں۔ان کی زندگی میں بھی کیا اور اب بھی دل میں ہے کیونکہ اسلام نے مجھے یہی حکم دیا ہے کہ ان کی زیادہ سے زیادہ فرمانبرداری کروں اوران کے لئے اف تک نہ کہوں۔ عزرائیل کا لفظ میں نے صرف واقعہ کی اصلیت اور اپنی تکلیف کی شدت کی بناء پر استعمال کیا ہے۔

الغرض میں اپنے آقا۔اپنے ہادی و رہنما۔اپنے پیشوا و مقتدا کے حکم کی تعمیل میں اپنے والدصاحب کے ساتھ قادیان کی مقدس بستی سے رخصت ہو رہا ہوں۔میرا دل غمگین اور اداس ہے آنکھیں آنسو نہیں، خون ٹپکا رہی ہیں۔اور سچ مچ میں یہ سمجھ رہا ہوں کہ گھر کو نہیں۔ ماں اور بھائی بہنوں کی طرف نہیں بلکہ موت کے منہ میں دھکیلا جا رہا ہوں۔میرے قدم لڑکھڑاتے ہیں اور بجائے آگے اٹھنے کے پیچھے کو پڑتے ہیں۔ میرے دوست۔میرے پیارے مجھے الوداع کہنے کو میرے ساتھ آرہے ہیں اور جہاں مجھے استقلال و استقامت کی تلقین فرماتے ہیں ساتھ ہی میرے والدصاحب سے سفارش بھی کرتے ہیں کہ ان کو جلدی بھیج دینا۔تکلیف نہ دینا اور سوائے زبانی ہمدردی کے اور وہ بیچارے کر بھی کیا سکتے تھے۔والدصاحب ان میں سے کسی کو یہ فرما دیتے کہ اس نے مرغ پال رکھے ہیں ان کو ختم کر کے واپس آجاوے۔کسی کو فرما دیتے ہیں

کہ ان کی والدہ روتے روتے اندھی ہوگئی ہے ان کی آنکھوں کی روشنی کے لوٹتے ہی واپس آ جاوے اور کسی سے کہتے کہ اس کے پیارے بھائی بہن اس کی جدائی میں روتے روتے نڈھال ہیں۔ میں نے ان کو جان بلب چھوڑا ہے نہیں معلوم میری واپسی تک وہ زندہ بھی ہوں گے یا نہیں۔ اگر وہ زندہ ہوں تو ان سے مل کر ان کو دلاسا دے کر، ان کو چہرہ دکھا کر واپس آ جاوے۔ ورنہ ان کی مڑھیاں ہی دیکھ آوے تا ہمارے سینہ کی آگ تو ٹھنڈی پڑ جاوے وغیرہ وغیرہ۔

منظرِ وداع

خاکروبوں کے پنڈورہ تک جہاں اس زمانہ میں مرزا نظام الدین صاحب کا آموں کا باغ ☆ تھا۔ بہت سے دوست اور ہم عمر مجھے رخصت کرنے گئے۔ جہاں کوئی اجنبی یکہ تھا۔ غفارہ کا ہوتا تو بٹالہ سے کوئی پیغام بھیج سکتا۔ یکہ بان جلد روانہ ہونا چاہتا تھا اور کہتا تھا کہ اندھیرا ہو جائے گا۔ تو چلنا دشوار ہوگا اور چارہ دانہ بھی نہ ملے گا۔ اور گھوڑا بھوکا مرے گا۔ اور والد صاحب اس کی پرزور تائید کر رہے تھے۔ تا کہ قادیان کی حدود سے جلد باہر نکل سکیں۔ گو ان کا لب ولہجہ تلطف آمیز تھا لیکن ان کے قلبی خیالات ایسے شدید تھے کہ ان کا انعکاس میرے دل ودماغ کو بھی متاثر کر رہا تھا اور شاید اسی اثر سے متاثر ہو کر الوداع کہنے والے دوست غیر معمولی محبت کا اظہار کر رہے تھے۔ اور والد محترم کے حکیمانہ وعدے اور تسلی آمیز فقرات خطرہ کے احساس کو اور بھی تیز کر رہے تھے میرے خیالات میں ایک تلاطم بپا تھا اور بار بار جوش اٹھتا کہ بھاگ نکلو۔ کچھ دن ادھر ادھر گذار کے پھر قادیان آ جانا۔ والد آخر سرکاری ملازم ہیں کب تک پیچھا کریں گے۔ لیکن حضرت اقدس کے فرمان کی یاد ایک سد سکندری کھڑی کر دیتی تھی جس کے حسن واحسان نے مجھے جکڑ رکھا تھا۔ جس کا جذب اس کے آستانہ پر گرنے والوں کو اسی طرح بنا دیتا تھا اور جس کی محبت دنیا جہاں کی صحبتوں کو بے لطف بنا دیتی تھی۔ جس کا کلام روح پرور اور ہر ادا زندگی بخش تھی۔

حضور کا فرمان میں نہ صرف یہ کہ توڑ نہ سکتا تھا بلکہ وہ اس زہر آلودہ پیالے کو پی جانے پر آمادہ کر رہا تھا۔ اسی کشمکش میں اذان کی پر ہیبت مگر سریلی صدائے تکبیر بلند ہوئی اس نے گویا جنگ کا خاتمہ کر دیا۔ اور

☆ یہ باغ یا تکیہ مرزا امام الدین صاحب کے نام پر معروف ہے اور باغ یا تکیہ پیڑے شاہ بھی کہلاتا ہے اور پنڈورہ خاکروباں کے افراد ہی اس پر قابض ہیں اور پنڈورہ سے جانب جنوب برلب سڑک واقع ہے۔ استفسار پر بھائی جی نے فرمایا کہ یہی باغ میری مراد ہے۔

حق کی فتح ہوئی۔ میرا دل اللہ تعالیٰ نے مضبوط کر دیا اور اطمینان بخشا۔ دوستوں نے پھر ایک دفعہ مجھے جلد بھجوا دینے کی سفارش کی اور والد صاحب نے آخری فقرہ یہ کہا کہ اپنے پالے ہوئے مرغ ختم کر کے واپس آ جائے گا۔

ایک ضروری بیان

حضرت بھائی جی بقیہ سفر کی تفصیل رقم کرنے سے پہلے تحریر فرماتے ہیں کہ

مجھے اس بات کا بے حد افسوس اور رنج ہے کہ میں وہ چیز دنیا کو دکھانے سے قاصر ہوں جس نے مجھے مہر مادری اور شفقت پدری اور حب برادری تک بھلا دی۔ میری جان نثار ہمشیرہ عزیزہ متھرا۔ میری حسین خاندان ہم عمر بیوی اور میرے رفیق دوست۔ معزز اور مہربان بزرگان خاندان جن کو اپنے خاندانی شرف اور شاندار روایات پر ہمیشہ فخر رہا ہے۔ مجھ سے چھڑا دیئے میرا خاندان، میرا وطن عزیز اور میرا پیدائشی مذہب تک مجھ کو بھلا دیا۔ جس کی آواز دنیا میں آتے ہی میرے کان میں ڈالی گئی اور جس کی تلقین متواتر پندرہ سال تک مجھے خاص توجہ سے کی جاتی رہی تھی۔ میں شرمندہ ہوں اور اپنی کم مائیگی کا اقرار کرتا ہوں اور مجھے اعتراف ہے کہ مجھ سے حق شہادت ادا نہیں ہوسکتا جو میرے ذمہ ہے اور اگر عمر بھر بانگ دہل نقارے کی چوٹ، گلے میں دف ڈالے دیہہ بدیہہ، شہر بشہر اور کو بکو منادی بھی کرتا پھروں تب بھی میرا ضمیر یہی کہے گا ؎

''حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا''

جس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے محض اور محض اپنے فضل سے میرے سینہ کو نویدِ اسلام سے منور کیا۔ میری آنکھوں کو بینائی بخشی۔ اور کفر اور ضلالت و جہالت کے اتھاہ گڑھے سے نکال کر مجھے اوج سعادت پر پہنچایا۔ دولت ایمانی سے مالا مال فرما کر نوازا۔ اس زمانہ میں تبدیلی مذہب کی وجوہات زن، زر یا زور کے سوا کچھ اور سمجھی ہی نہ جاسکتی تھیں اور ہر کسی اظہار اسلام کرنے والے پر یہی شبہات کئے جاتے تھے کہ کسی مسلمان عورت سے آشنائی ہوگئی ہوگی یا (۲) کسی مسلے (مسلمان) نے دھوکہ دے کر سبز باغ دکھا کر اغوا کر لیا ہے۔ یا (۳) والدین کی سختی اور بدسلوکی سے تنگ آ کر بھاگ نکلا ہوگا۔ وغیرہ۔ ورنہ مذہبی صداقت اور روحانی حقانیت سے متاثر ہو جانا اور راستی کے آگے سر تسلیم خم کر کے دنیا و مافیہا کو خیرباد کہہ دینا اور بغیر کسی مادی طمع یا خوف کے خالصتاً خدا کی رضا کی تلاش و پیاس میں کسی کا نکلنا قبول کرنے میں نہیں آتا تھا۔

مگر میں علی رؤس الاشھاد یہ اعلان کر دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں اگر چہ میرے والدین اس دنیا میں موجود نہیں کہ

۱- وہ میرے لئے نہایت ہی شفیق واقع ہوئے تھے۔ وہ غیر معمولی طور پر مجھ پر مہربان تھے۔ ان کو مجھ سے غیر معمولی محبت تھی۔ مجھے ان کے گھر کے اندر ہر قسم کی فارغ البالی اور آزادی حاصل تھی۔ جو خوشحالی کا غالب رنگ اپنے اندر رکھتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی خاطر میرے گھر سے نکل آنے پر میرے والدین نے میری تلاش اور واپسی پر ہزاروں روپیہ صرف کر دیا۔ اور جب دیکھا کہ میں کسی رنگ میں بھی اس دولت ایمان کو ترک کرنے کو تیار نہیں تو ناچار انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اور خود مہینوں میرے پاس آ کر رہا کئے۔ جس سے ثابت ہے کہ ان کو جہاں مجھ سے نہایت درجہ محبت تھی اور وہ مان گئے تھے کہ میرے اظہار اسلام کی تہ میں کوئی طمع یا خوف نہیں بلکہ خالص روحانی تڑپ ہے۔

۲- نہ صرف یہی کہ کسی مسلمان کو مجھے تبلیغ کرنے کی توفیق ہی نہیں ملی بلکہ میں نے کسی سے استفادہ بھی کرنا چاہا تو اس نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ تمہارے رشتہ داروں سے ہمیں خوف آتا ہے۔

۳- میری بیوی میری ہم عمر اور خوش شکل ہونے کے علاوہ ایک معزز گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ اور اس کو مجھ سے گہرا تعلق تھا اور وہ میرے پاس رہتی تھی۔

الغرض بفضلہٖ تعالیٰ مجھے زمانہ کی بد مذاقی و بدشگونی سے بہ ہمہ وجوہ نجات تھی اور مجھے خود خدا تعالیٰ نے خالصتاً اپنی محبت کے لئے نوازا اور دولت ایمان اور نور اسلام سے مالا مال فرمایا ہوا تھا۔ اور میرے وجوہات قبول اسلام کے نہایت پاک اور زر خالص کی طرح ہر قسم کی ملونی سے مبرا تھے۔

حالات مذکورہ بالا میں وہ کونسی طاقت تھی جس نے ایک طرف تو میری اتنی بھاری اور پختہ زنجیروں کو توڑ دیا کہ نہایت ہی محسن اور شفیق والدین اور جان سے عزیز بھائی بہنوں اور گہرے دوستوں اور بزرگوں کی محبت کو مجھ پر ایسا سرد کر دیا کہ نہ صرف ان کی کوششوں ہی کو مجھے ٹھکرانا پڑا۔ بلکہ ان کی منت وسماجت سے بھی بڑھ کر التجا و لجاجت تک کا مجھ پر اثر نہ ہوا۔ اور میں نے ان کے ساتھ جانے تک سے انکار کر دیا۔ دوسری طرف وہ کون سی طاقت۔ کونسا جذب اور کونسی قوت مقناطیسی تھی جس میں میں جکڑا گیا۔ جس کو باوجود صد ہزار کوشش کے میرے والدین توڑنے یا ڈھیلا کرنے تک سے بھی عاجز آ گئے۔ افسوس! میں وہ دنیا کو دکھا نہیں سکتا کیونکہ وہ مادی نہیں۔

یہ سچ ہے کہ بچپن میں میرے دل میں تخم اسلام کاشت کر دیا گیا تھا۔ لیکن یہ نا قابل انکار حقیقت ہے کہ

اس کی آبیاری، روحانی باغبانی آخری زمانہ کے نبی کے ہاتھوں نہ ہوتی تو یہ بیل منڈھے نہ چڑھتی۔ اگر یہ نوح زمان ناخدا بن کر مجھے نہ بچالیتا تو میری کشتی، ایمان جو بحر ناپیدا کنار کی طوفانی موجوں کے بھنور میں پڑی ٹھوکریں کھاتی تھی ہرگز کنارے نہ لگتی۔ میرے ایمان میں حلاوت پیدا ہوئی تو اسی مرد خدا نما کے انفاس طیبہ کے طفیل سے۔ اور مجھے روحانی زندگی ملی تو محض اور محض اسی وجود باجود کے روحانی نفخ اور دم مسیحائی کی بدولت۔ ورنہ حق یہ ہے کہ میں بھی ایک رسمی مسلمان ہو کر آخر کفر میں جذب ہو گیا ہوتا۔ کیونکہ اس وقت زندہ ایمان اور کہیں تھا ہی نہیں۔

اس انسان کامل کے اوصاف حمیدہ اور کمالات روحانیہ کا بیان ہزاروں صفحات اور عمر نوح چاہتا ہے۔ میں کون اور میری بساط کیا کہ ان کا بیان کروں۔ وہ سراسر رحم اور مجسمہ رحمت، وہ پیکر حلم، خدا کی رحمت وحلم کا نمونہ، اپنے خالق و مالک کی محبت میں کھویا ہوا اور اس کے رنگ میں ایسا رنگا گیا کہ خود مظہر صفات الہیہ ہو گیا تھا۔ ہر قسم کی حسن وخوبی اس پر ختم تھی۔ مہربانی میں ہر مادر مہربان سے اور شفقت میں ہر شفیق باپ سے وہ کہیں بڑھا ہوا تھا۔ اتنا کہ مہربان سے مہربان مائیں اور شفیق سے شفیق باپ اس کی مہربانی اور شفقت نے لاکھوں انسانوں کو یاد سے اتار دیئے۔

والد صاحب کے ساتھ قادیان سے روانگی کا جو اوپر بیان لکھا جا چکا ہے اس کے بعد کی تفصیل حضرت بھائی جی نے دو سال کے وقفہ سے تحریر میں لائی ہے۔ اس کی وجہ آپ ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:۔

''میرے آقا۔ میرے ہادی ورہنما کی قوت قدسی وجذب اور حضور پرنور کے اخلاق کریمانہ اور فیض روحانی نے میرے دل کی لوح پر وہ کچھ لکھ دیا جو پھر نہ مٹا۔ اور خدا کرے کہ کبھی نہ مٹے۔ اور ایسا ہوا کہ میں دنیا کی بادشاہی پر اس کے در کی گدائی کو عزت یقین کرنے لگا۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس سے جدائی میرے واسطے ایک بھیانک موت نظر آ رہی تھی۔ اس وجہ سے دو سال ہوئے یکے کو خاکروبوں کے پنڈورہ پر کھڑے کئے ہوئے ہوں اور دل اس حق نما وجود اور اس کی مقدس بستی سے نکلنا پسند نہیں کرتا۔

پنڈورہ سے آگے کا سفر

آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:

میں یکہ کی پچھلی سیٹ پر بیٹھا تا کہ نظر قادیان کی طرف رہے۔ نہ معلوم کس خیال سے والد صاحب نے مجھے اپنی جگہ بٹھایا۔ اور یکہ جلد چلانے کو کہا۔ والد صاحب کی خلاف مرضی دیوانی دال کے تکیہ کے پاس گھوڑا

کچھ عادتاً اور کچھ تھکاوٹ کے باعث رک گیا۔ اور میں نے بھی اتر کر نماز گذاری۔ اللہ کے حضور عرض حال کیا۔ پیش آمدہ حالات کے مدنظر دعائیں مانگیں اور فارغ ہو کر اٹھا ہی تھا کہ پھر وہی جلدی کرنے کا حکم ملا۔ تعمیل ارشاد کی اور یکہ بان گھوڑے کو تیزی سے ہانکنے لگا۔ شام قریب تھی۔ گھوڑا کمزور ہو رہا تھا۔ ابھی ساڑھے تین میل باقی تھے چلتے چلتے شام ہوگئی اور بٹالہ پہنچتے پہنچتے خاصا اندھیرا چھا گیا تھا۔

والد صاحب نے بٹالہ منڈی کی قدیم سرائے میں علیحدہ جگہ میں رات گذارنا پسند کیا جو ان دنوں (۳۶-۱۹۳۵ء) میں میونسپل کمیٹی☆ کا دفتر ہے اور تحصیل کی عمارت کے جانب جنوب بٹالہ قادیان کی سڑک کے جنوبی کنارے پر واقع ہے۔ اور جس کے چاروں کونوں پر چار گول برج اور بڑا شاندار بلند و بالا دروازہ شمالی جانب بنا ہوا ہے اور اس عمارت کے جنوب میں ایک وسیع تالاب واقع ہے جو آجکل پانی سے خالی اور خشک ہے پہلے زمانہ میں عموماً بھرا رہتا تھا قیام پذیر ہوئے یہ جگہ اس زمانہ میں سرائے کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔

والد صاحب میرے لئے کھانا لے آئے۔ جس سے فارغ ہو کر ہم لوگ سو رہے۔ رات کے پچھلے پہر عادتاً میری آنکھ کھل گئی تو میں ذکر میں مشغول ہو گیا۔ آہٹ پا کر والد صاحب بھی چونک پڑے اور گھبرا کر مجھے پکارا میری آواز سن کر مطمئن ہو گئے۔

بٹالہ سے روانگی

میں نہ سمجھا کہ جب کہ بٹالہ سے گاڑی ملتی ہے۔ اب کیوں یکہ پر روانہ ہو رہے ہیں اور رات کے اندھیرے میں کدھر جا رہے ہیں۔ چند میل پر اجالا ہونے پر صبح کی نماز کی فکر ہوئی اور اجالا بڑھنے کے ساتھ میری گھبراہٹ میں اضافہ ہوتا گیا۔ اور ایک جگہ لب سڑک ایک چلتا کنواں دیکھ کر مجھ سے نہ رہا گیا اور یکہ ٹھہرانے کی درخواست کی جو والد صاحب نے منظور کر لی اور میں نے نماز ادا کی۔

اب میلوں کے نشانات سے معلوم ہوا کہ یہ سڑک ڈیرہ بابا نانک کو جاتی ہے اور والد صاحب نے

☆ اختتام ۱۹۶۰ء سے چند ماہ قبل اس عمارت میں میونسپل کمیٹی کے دفتر کے علاوہ ریذیڈنٹ مجسٹریٹ کی عدالت بھی تھی۔ اب یہ عدالت اور بٹالہ کی دیگر تمام عدالتیں ریسٹ ہاؤس کے احاطہ میں جہاں گذشتہ سال عمارات تعمیر ہوئی ہیں، منتقل ہو گئی ہیں۔ اب عمارت ہذا میں دفتر میونسپلٹی اور اسسٹنٹ رجسٹرار کواپریٹو سوسائیٹیز کا دفتر گویا دو دفاتر ہو گئے ہیں۔

احتیاطاً سیدھا راستہ چھوڑ کر چکر لگایا ہے۔ گویا ان کو ابھی تک یہ خطرہ باقی تھا کہ مبادا کوئی تعاقب کر کے مجھے ان کے ہاتھ سے چھڑانے کی کوشش کرے۔ اور اسی وجہ سے انہوں نے امرتسر کا راستہ اور ریل کی سواری چھوڑی تھی۔ اور کہ وہ اب مجھے ڈیرہ بابا نانک سے سیالکوٹ اور وہاں سے وزیرآباد لے جائیں گے جہاں سے انہی دنوں میں ریل لائن موجودہ لائل پور کی طرف نکل رہی تھی اور چھکڑے وغیرہ سانگلہ ہل تک چلنے لگے تھے۔

چلتے چلتے ڈیرہ بابا نانک آیا۔ راستہ چھوڑ کر ایک طرف ہو کے یکہ ٹھہرایا گیا۔ گھوڑے کی مالش چاپی ہوئی نہاری وغیرہ دے کر اسے تازہ دم کیا گیا۔ اور خود ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہو کر آگے کو روانہ ہوئے۔ راستہ میں دریائے راوی پڑتا تھا۔ پتن اور بیڑی کا راستہ تھا۔ اور چونکہ یہ علاقہ ہمارا قدیمی وطن تھا لہذا کچھ زیادہ احتیاط اختیار کی جانے لگی۔ اور وضع قطع میں تغیر کے علاوہ راستہ کتر کتر کر چلنے کی کوشش کی گئی۔ تا کہ کنجروڑ وغیرہ اپنے دیہات کی طرف سے آنے والے واقف کاروں کے سوال جواب سے بچاؤ ہو سکے۔ دریا پر پہنچ کر ایسی کوشش کی گئی کہ دریا سے اس پار کی سواریاں لانے والی کشتی سے پہلے ہی پہلے دوسری ناؤ میں بیٹھ کر نکل جائیں۔ کیونکہ ہمارے دیہات سے لوگ عموماً پہلی ناؤ سے آتے تھے اور ان دنوں ہمارے اس علاقہ کا تجارتی مرکز ڈیرہ بابا نانک تھا۔ سو کسی واقف کار سے ہمارا سامنا نہ ہوا۔''

سسرال پہنچ کر بیوی کو ساتھ لے جانا

راقم عرض کرتا ہے:

دریا پار ہو کر یکہ جلد جلد چل کر یہ قافلہ دس بجے کے قریب موضع ویرم دتاں کے قریب پہنچ گیا جہاں بھائی جی کا سسرال تھا۔ خیال تھا کہ بہ حالات موجودہ وہاں جانے کی بجائے موضع کنجروڑ دتاں والا جائیں گے جہاں ددھیال کا رشتہ اور اپنے مکانات تھے۔ لیکن خلاف توقع موضع ویرم والد لے گئے اور ایک چوگان میں ڈیرے ڈال دیئے اور آپ کو بڑی شفقت اور نرمی سے کہا کہ یہاں تمہارے سسرال ہیں اور ہماری برادری ہے۔ نماز پڑھنی ہو تو کہیں تنہائی میں جا کر پڑھ لینا اور اپنے اسلام کی کسی کو خبر نہ ہونے دینا۔ ورنہ ہماری بے حد ذلت ہوگی۔ اور ہم جہاں برادری میں منہ دکھانے کے لائق نہ ہوں گے وہاں تمہاری بیوی کو ساتھ لے جانے میں بھی کامیابی نہ ہو سکے گی۔

آپ کے خیالات میں ایک خطرناک جنگ چھڑ گئی۔ گو والد محترم کی باتوں میں لجاجت کا رنگ تھا مگر

آئندہ پیش آنے والی مشکلات کے متعلق آپ کا ماتھا ٹھنکا۔اور آپ نے ایک دفعہ پھر اس قید و بند سے نجات پانے کی ٹھان لی۔لیکن دوسری طرف ایک زبردست قوت اور نہ مغلوب ہونے والی طاقت تھی۔جو یہ تلقین کرتی تھی کہ بھاگ کر کہاں جاؤ گے؟ اس طرح اپنے آقا کے نافرمان کہلاؤ گے اور قادیان سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جاؤ گے۔بہتر یہی ہے کہ تعمیل ارشاد کرو اور مشکلات کا مقابلہ کرو۔حضرت اقدس نے والد محترم سے ایک باقاعدہ تحریری معاہدہ لے کر والد کے ساتھ جانے کا حکم دیا ہے خلاف ورزی کر کے کس منہ سے واپس جاؤ گے اور اپنے آقا کو کیا عذر سناؤ گے۔

انہی خیالات میں آپ کو نیند آ گئی۔ بیدار ہوئے تو عزیز و بزرگ آئے بیٹھے تھے۔ملاقات وشکوہ شکایت کے بعد کھانے کے لئے تقاضا ہوا۔آپ نے طبیعت کی خرابی کا عذر کیا اور گھر نہ گئے نہ کھانا کھایا۔ اور والد صاحب نے بھی مدد کی۔اور اعزہ کی توجہ دوسری طرف پھیر دی۔اور ایسی حکمت عملی سے کام لیا کہ سسرال کے نام ونمود اور رسوم وقیود کے سخت پابند ہونے کے باوجود اتنے تھوڑے وقت میں لڑکی کو روانہ کرنے پر رضا مند ہو گئے۔ان کی اس مصروفیت کے وقت آپ نے قریب کے گھنے درختوں کے جھنڈ میں نمازیں ادا کیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور دستگیری کے لئے عرض کیا مبادا کسی غلط قدم کے اٹھانے سے آپ ہلاکت کے گڑھے میں جا پڑیں۔

دعا کا دروازہ آپ پر بچپن سے ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے کھول رکھا تھا۔جس کے طفیل کفر و ضلالت سے نکال کر اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس کے در پر لا کھڑا کیا تھا۔اور حضور کے انفاس طیبہ اور توجہات کریمانہ سے آپ کی معرفت ویقین میں بے حد ترقی ہوئی تھی حتیٰ کہ جسے آپ پہلے زر خالص یا بے بہا ہیرا سمجھتے تھے اب وہ کھوٹا پیسہ یا محض ایک پتھر نظر آتا تھا۔سو آپ نے حی وقیوم۔اور بے آسروں کے آسرا خدا تعالیٰ کے حضور دعا کہ آپ کو وہ اس راہ پر قائم کر دے جس میں اس کی رضا ہو۔ابھی آپ نے آستانہ الوہیت سے سر نہیں اٹھایا تھا کہ آسمان سے ایک نور اترتا اور آپ پر سکینت ڈالی جاتی ہے جس سے آپ کا دل و دماغ منور ہو کر آپ کو ایک غیر معمولی طاقت وقوت مل جاتی ہے اور آپ کو کوئی خوف باقی نہیں رہتا۔اور ایک مضبوط چٹان کی طرح قوی عزم اور غالب جزم عطا ہوتا ہے۔اور مصائب وخطرات کی بھیانک تصویریں جو کچھ دیر پہلے آپ کو ڈراتی اور ہلاکت آفرین منظر پیش کرتی تھیں دور اور کافور ہو گئیں۔ آپ ہشاش وبشاش قیام گاہ پر واپس پہنچے۔ جہاں والد اور اقارب منتظر تھے۔اور یہ سب ایسے رنگ میں آپ سے ملے کہ آپ کو اپنی دعاؤں کی قبولیت کا یقین ہو گیا۔

شام کو آپ نے علیحدگی میں نمازیں ادا کیں اور اللہ تعالیٰ کا شکرادا کیا۔اور کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر سو گئے۔مہمان نوازوں کو لڑکی کے رخصت کرنے کے متعلق بھی مصروفیت تھی۔آدھی رات کے بعد الوداع ہو کر اسی یکہ پر قافلہ روانہ ہو کر راوی کا پتن ناؤ سے پار کر کے ڈیرہ بابا نانک پہنچا اور تھوڑا سا ستا کر اور گھوڑے کو تازہ دم کر کے براستہ فتح گڑھ چوڑیاں امرت سر پہنچا۔جہاں یکہ بان کو والد صاحب نے علاوہ کرایہ انعام دے کر رخصت کیا اور آپ کو ساتھ رکھتے ہوئے شہر سے ضروریات خرید کیں۔اس وقت تک آپ کو والد صاحب نے نماز سے نہیں روکا لیکن یہ چاہتے تھے کہ مخفی طور پر ادا کریں تا آپ کی اہلیہ کو اس کا علم نہ ہونے پائے۔اور قرآن مجید وغیرہ کتب والا ٹرنک بھی مقفل رکھتے تھے اور ان کتب کا احترام مدنظر رکھتے تھے۔

امرتسر سے بذریعہ ریل گاڑی لاہور اور وہاں سے ملتان لائن کو روانہ ہو کر رات کو کسی اسٹیشن پر اتر پڑے جہاں ایک اونٹ اور دو گھوڑیوں کا انتظام تھا۔جو والد صاحب آتے وقت اپنے ساتھ واپسی کے انتظام کے طور پر لائے تھے۔راستہ پرخطر تھا بقیہ شب اور دن بھر چل کر اگلی شب کو جو نصف گذر چکی تھی۔ قافلہ ڈچکوٹ پہنچا۔جہاں والد صاحب کے ایک گہرے راز دار دوست پٹواری کے ہاں قیام ہوا۔

آغاز دور مصائب

محترم بھائی جی بیان کرتے ہیں کہ

والد صاحب کی یہی کوشش تھی کہ اپنے ہیڈ کوارٹر میں پہنچیں جو اب صرف تین چار میل پر تھا لیکن سواریوں کے زیادہ تھک جانے کی وجہ سے مجبوراً مقام کرنا پڑا۔اور یہی وہ سرزمین ہے جہاں سے میرے واسطے مصائب کا دور شروع ہو گیا۔میں مشکلات میں چاروں طرف سے ایسا محصور ہوا کہ بارہا ان سے نجات کی راہ نہ دیکھ کر جان پر کھیل جانے کو جی کیا کرتا۔زمین باوجود فراخی کے مجھ پر تنگ ہوگئی اور میں باوجود بھاگ نکلنے کی سچی کوشش کے بھاگنے کی راہ نہ پاتا تھا۔میری مادر مہربان اور شفیق باپ میری زندگی کو اپنے لئے ایک لعنت سمجھ کر میری موت کی تمنا کیا کرتے تھے۔میرے بہن بھائی جو کبھی میرے پسینہ کی جگہ اپنا خون گرانے میں لذت محسوس کرتے تھے میرے خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔ اور یہ سلسلہ نہ صرف زبانی سختی اور طعن وتشنیع تک ہی محدود تھا بلکہ اس سے گذر کر ہاتھوں اور لاتوں تک اور پھر کھلتے کھلتے چھڑیوں اور لاٹھیوں کے وار اور مظاہرے بھی اکثر ہوا کئے اور ایک وقت تو حالت

یہاں تک پہنچ گئی کہ چھریوں اورکلہاڑیوں تک کے حملے کئے گئے اورکئی کئی نے مل مل کر مجھے گرایا اور چھاتی پر بیٹھ بیٹھ کر جان تک لینے کی کوشش کی یا خوف دلایا۔اوراس طرح آٹھ نو ماہ کا طویل زمانہ میرے لئے نہایت درجہ رنج وغم اوردرد وستم کا زمانہ تھا۔تکلیف دینے کی کوئی بات نہ تھی جو میرے لئے روانہ تھی۔اورظلم وتشدد کا کوئی طریق نہ تھا جسے میرے بزرگوں اورعزیزوں نے آزمانے کی کوشش نہ کی ہو۔میرے اس درد کی داستان بہت لمبی اور اتنی دردناک ہے کہ راجہ ہریش چندر کے مصائب و مشکلات اس کے سامنے ہیچ نظر آتے ہیں۔اورحقیقت رائے کے مبالغہ آمیز واقعات اس کے مقابل میں ایک افسانہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔فرق صرف یہ ہے کہ ان لوگوں نے رائی کو لے کر پہاڑ بنا دیا اورطرح طرح کی رنگ آمیزیوں اورملمع سازیوں سے اپنی خاص مصلحتوں کے ماتحت بعض بالکل معمولی واقعات کو مذہبی رنگ چڑھا چڑھا کراپنی قوم کے جذبات کو دوسرے مذہب کے پیروؤں کے خلاف بھڑکا بھڑکا کربعض سیاسی مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنالیا اوراس کام کے لئے بعض عیارلوگوں نے زندگیاں تک وقف کردیں۔اوراس پروپیگنڈا کے لئے ملک کے طول وعرض میں گہری سازشوں کا جال بچھا دیا۔مگر جو کچھ مجھ پر گذری اورمیرے ساتھ بیتی وہ چونکہ میرے اپنے ہی بزرگوں، محسنوں اورعزیزوں کی طرف سے تھی کسی غیر کا اس میں دخل نہ تھا اس لئے میں نے ان کا اظہار تفصیلاً کبھی نہیں کیا۔

ڈچکوٹ کے پٹوارخانہ کے پاس پہنچ کر جب ہم لوگ سواری سے اترے اس وقت والدصاحب نے مجھے الگ جاکر جو کچھ کہا اورجس رنگ میں کہا وہ جہاں میرے والد کے دلی ارادوں اورعزم کا آئینہ دار، ان کی قلبی کیفیات اورمنتہائے نظر کا مظہر تھا۔وہاں میرے افسردہ دل کے لئے ایسی چوٹ تھا جس سے میری ہستی کی بنیادیں ہل گئیں مجھ پر سکتہ کا عالم طاری ہوگیا۔پاؤں تلے کی زمین نکل گئی۔میری زبان بندرہ گئی اوردل ودماغ ایسا بےحس ہوا کہ والدصاحب کوکوئی جواب بھی نہ دے سکا اورمیرے حواس اس وقت تک بجا نہ ہوئے جب تک والدصاحب کی زیادہ سخت اورکرخت آواز نے پہلے سے بھی زیادہ سختی وشدت سے اپنے مطالبہ کونہ دہرایا۔

وہ الفاظ سخت اورطریق خطاب نہایت رنجیدہ تھا۔ان کا خلاصہ درخلاصہ اورمفہوم نرم ترین الفاظ میں یہ تھا کہ:

اب چونکہ ہمارا اپنا علاقہ آ گیا ہے جہاں ایک رنگ کی حکومت ہمیں میسراور ہماری عزت وعظمت کا

چرچا ہے۔ کسی کی مجال نہیں ہماری طرف آنکھ بھی اٹھا سکے۔ مگر تم نے جو کام کیا ہے اگر اس کا علم کسی کو بھی ہو گیا تو ہماری ساری عزت برباد اور رعب کافور ہو جائے گا۔ ہماری ناک کٹ جائے گی اور ہم کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہ رہیں گے۔ لہٰذا خبردار! اب کڑی نماز اور کڑا قرآن پڑھنے کی اجازت نہ ہوگی۔ برابر تین روز سے میں تمہاری ان کرتوتوں کو دیکھتا اور خون کے گھونٹ پیتا رہا ہوں۔ اب بھی اگر تم ان حرکات سے باز نہ آئے اور مسلمانی رنگ تمہاری کسی طرز ادا سے بھی ظاہر ہوا تو یاد رکھو کہ تمہاری جان کی خیر نہیں۔ تمہارا کام تو بہرحال تمام کر دیا جائے گا۔ پیچھے جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ تمہیں خوب معلوم ہے کہ اس علاقہ میں تمہاری کوئی مدد تو کیا خبر بھی نہ پا سکے گا۔ کیونکہ خون کر کے کھپا دینا ہمارے واسطے یہاں کوئی مشکل نہیں۔ خصوصاً تمہارے جیسے نالائق اور ناہنجار لڑکے کا تو ہونے سے نہ ہونا ہی اچھا ہے۔ تم وہاں خط و کتابت کے وعدے اور عہد و پیماں کر آئے ہو مگر میں دیکھوں گا کہ کون تمہیں لکھتا ہے اور کس کو تم جواب دیتے ہو۔ کسی مسلے کی مجال کیا کہ تم سے مل بھی سکے۔ پس اگر بھلا چاہتے ہو تو سیدھے تیر ہو جاؤ اور مسلمانی کے خیال کو بھی دل سے نکال دو وغیرہ وغیرہ۔

یہ وہ خلاصہ در خلاصہ ہے اس خطاب کا جو والد صاحب نے انتہائی غم و غصہ اور شدت غیظ و غضب کے جوش میں اپنے جلے ہوئے دل کے پھپھولے پھوڑنے کو مجھ سے فرمایا جسے میں نے پہلی مرتبہ بھی سنا اور دوبارہ اور بھی تیز و تند الفاظ میں اور زیادہ غضب آلود لہجہ میں سنا۔ جس کے نتیجہ میں سچ مچ میرا سارا جسم کانپ گیا۔ اور دہشت کے مارے میں سہم گیا۔ مگر پھر بھی کوئی جواب نہ دے سکا اور خاموش کھڑا رہا۔

جواب کا نہ دینا اور خاموشی اختیار کئے رہنا تسلیم و رضا کی وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ والد صاحب کے مقصد و منشا کے خلاف ایک خاموش احتجاج تھا۔ اور اسے خود والد صاحب بھی محسوس کرتے تھے۔ اور جانتے تھے کہ یہ خاموشی ان کی مرضی کو پورا کرنے اور ان کی خوشی کو حاصل کرنے کے لئے نہیں بلکہ ان کی مخالفت پر اصرار اور ضد تھی۔ چنانچہ انہوں نے مجھے جھٹک کر ایک قسم کی رنج گلوگیر کی حالت میں فرمایا۔ ''اچھا گھر چل کر دیکھا جائے گا۔'' اور اس کے بعد اپنے دوست کے کمرہ میں جا داخل ہوئے اور میں بھی ان کے پیچھے پیچھے اندر چلا گیا۔ والد صاحب الگ ایک کمرہ میں دیر تک ان سے باتیں کرتے رہے جو زیادہ تر اسی پیش آمدہ امر کے متعلق تھیں۔ وہ صاحب اگرچہ والد صاحب کے گہرے دوست اور راز دار تھے۔ مگر میں نے محسوس کیا کہ والد صاحب نے اس امر خاص کو ان سے بھی پوشیدہ ہی رکھا۔ اگرچہ میری تلاش میں اپنی

سرگردانی وسرزنی اور بھاری اخراجات کی وجہ سے مالی نقصان اور بربادی کے واقعات کے ذکر میں کوئی اخفاء نہ رکھا مگر میرے مسلمان ہو جانے اور قادیان پہنچنے کا ذکر تک بھی نہ کیا۔ بلکہ اور ہی اور قصے میرے کسی چھاپہ خانہ میں ملازم ہو کر بڑا لائق کام کرنے والا اور نامور ماہرفن متصد بین جانے کے افسانے سناتے رہے جن کے باعث کارخانہ دار مجھے چھوڑنا نہ چاہتے تھے اور کہ ان کو مجھے وہاں سے نکالنےمیں سخت ترین مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی اخفا کے خیال سے والد صاحب نے میرے ساتھ علیحدہ زیادہ دیر تک ٹھہرنا پسند نہ کیا تھا اور جلد مکان میں آ گئے تھے کہ صاحب خانہ کو شبہ نہ ہو۔ والد صاحب چونکہ متواتر ہفتوں سے سفر میں رہنے کی وجہ سے اور خصوصاً میرے پالینے کے بعد تین چار رات سے آرام کی نیند نہ سو سکے تھے۔ باتیں کرتے سو گئے۔ مگر مجھے اس تازہ زخم کی وجہ سے چین نہ پڑتا تھا گو تھکان اور کوفت مجھے بھی بے حد تھی اور جسم میرا بھی آرام مانگتا تھا مگر دل کا درد بے قرار کئے دیتا تھا۔ کروٹیں لیتا مگر کسی پہلو آرام نہ ملتا۔ ع

''دل کی لگی بجھائے کون؟''

خیالات کے تموج اور اجتماع سے دماغ خود پھٹنے کو تھا اس صورت میں بھلا نیند کی گنجائش کہاں؟ اسی طرح قسما قسم کی ادھیڑ بن اور سوچ بچار میں رات کی گھڑیاں گن رہا تھا کہ پہلو کے کمرہ کے سکوت نے میرے دماغ کو کسی دوسری طرف پھیر دیا۔ جس کے ساتھ ہی میں لڑکھڑاتے ہوئے اٹھا اور دروازے پر ہاتھ مارا کہ کھول کر نکل جاؤں مگر وائے قسمت کہ در بند تھا اور میں محصور۔ ناچار کلیجہ پکڑ کر بیٹھ گیا اور سر تھام کر رہ گیا۔ اور **لا ملجا و لا منجا منک الا الیک** کے ورد میں مصروف ہو گیا اور دل دعا کی طرف جھک گیا۔ جس کے بغیر اور کوئی راہ کھلی نہ تھی۔ مرغ سحر بولے جس سے رات کی آخری گھڑیاں معلوم کر کے اس فرصت کو غنیمت جانا اور کارساز حقیقی سے نیاز اور عرض حال میں مصروف ہو گیا۔ سچ ہےمصیبت اور دکھ درد کی رات لمبی ہو جاتی ہے اور ختم ہونے میں نہیں آتی۔ مگر یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ جب درد میں لذت پیدا ہو جائے۔ تو نہ درد درد رہتا ہے اور نہ ہی اس کا زمانہ لمبا اور طویل معلوم ہوتا ہے بلکہ اس کا جلد ختم ہو جانا گونہ حسرت و تکلیف کا باعث ہوتا ہے اور ایک قسم کی پیاس اور تشنگی معلوم ہونے لگتی ہے۔ میں ایک قسم کے ذوق اور لذت و سرور میں تھا کہ اذان کا روح پرور نغمہ کان میں پڑا۔ جس سے میرے حواس میں تازگی کی لہر دوڑ گئی۔ میں نے بصد عجز و نیاز وقت کا فریضہ ادا کیا۔ اور آنے والے حالات کے لئے اپنے آپ کو تیار کر لیا۔ والد صاحب جاگے اور میرا دروازہ کھول

کر تجاہل عارفانہ کے رنگ میں دروازہ کے باہر سے بند ہو جانے پر افسوس کیا۔اور صاحب خانہ کے اصرار کے باوجود اندھیرے ہی اندھیرے روانہ ہو کر سویرے ہی سویرے اپنے منزل مقصود موضع بھاگووالہ غالبًا چک نمبر۶۲ جہاں ہم نے پہنچنا تھا، پہنچے۔

والد صاحب کا علاقہ پر اثر

یہ بھاگووالہ ضلع گورداسپور کے بھاگووال کے سکھ سردار یا زمیندار وہاں جا کر آباد ہوئے ہیں۔ان کے ساتھ ساتھ بعض ان کے کام میں مدد دینے والے مسلمان بھی گئے ہیں۔جن میں بعض بروالے اور چوکیدار کشمیری بھی تھے جو محترم برادران سیکھوانی کے رشتہ دار اور واقف کار بھی تھے۔ یہ حلقہ پٹوار پانچ دیہات پر مشتمل تھا۔ جو زبردست اور متعصب سکھوں کے تھے جن میں سے ایک دیہہ میں ایک مرکزی گوردوارہ اوران کا مذہبی مرکز بھی قائم تھا جہاں والد بھی خاصا حصہ لیا کرتے تھے۔جس کے نتیجہ میں وہاں مذہبی لحاظ سے بھی محبت وعزت کی نظر سے دیکھے جانے کے باعث ان کا دوہرا اثر ورسوخ تھا اور اس پر ان کو حد سے زیادہ ناز تھا۔اوراسی کی طرف انہوں نے ڈچکوٹ پہنچ کر مجھے مخاطب کرتے ہوئے اشارہ کیا تھا۔

اب والد صاحب کی ہر حرکت وسکون اور طرز وادا میں اپنا علاقہ ہونے مگر زیادہ تر اپنی کامیاب واپسی پر ایک فاتحانہ شان وشوکت کا اظہار ہو رہا تھا کیونکہ نصف سال کی متواتر دوڑ دھوپ اور تگ ودو کے بعد کئی ویرانے اور جنگلوں، سنسان بیابانوں کی خاک چھاننے، بیسیوں شہروں، درجنوں دیہات کی چھان بین اور ہزاروں روپیہ بے دریغ بہادینے کے بعد وہ حصول مقصد میں کامیاب ہوئے تھے۔

قادیان کی یاد

قادیان ہاں مقدس اور پیاری بستی قادیان کی یاد کسی وقت دل سے محو نہ ہوتی تھی اور میں ہر وقت عالم خیال میں کوچہ ہائے دارالامان میں پھرتا رہتا تھا۔ گو میں والد صاحب کی کڑی اور نہایت کڑی نگرانی میں ایک اسیر بے دست وپا کی مثال گرفتار ومحبوس تھا اوران کی مرضی کے خلاف چار قدم بھی ادھر ادھر نہ جا سکتا تھا۔ان مصائب کے پہاڑ تلے دبے ہوئے بھی میری روح اپنے آقائے نامدار کی مجلس میں پہنچ کر حضور کے کلمات طیبات سے مستفیض ہوتی اور حضور پرنور کی زبان فیض ترجمان سے

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ يُّتۡرَكُوۡۤا اَنۡ يَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَهُمۡ لَا يُفۡتَنُوۡنَ ۲

کی سریلی اور کیف آور گونج گوش ہوش سے سن پاتی تو یقیناً اس میں زندگی کی جھلک اور امید کی لہر دوڑ نے لگتی۔ جس سے مجھے ان مشکلات اور ابتلاؤں پر فتح پانے اور غالب آنے کی قوت وعزم میسر آ جاتا۔ اور دل کو غیر معمولی سکون اور ڈھارس نصیب ہوتی۔

دارالامان کی مختصر سی اس زندگی میں بارہا میں نے حضور کی زبان مبارک سے قرآن کریم کی یہ آیت سنی اور سن سن کر ہی یاد ہوگئی تھی۔ اور جس موقعہ اور محل پر حضور اس کا ذکر فرمایا کرتے اور جو مفہوم ومقصد حضور اس سے لیا کرتے تھے وہ میرے ذہن میں مستحضر ہو جاتا۔ اور جو مثالیں حضور اس مضمون کی تائید میں صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین کے حالات اور واقعات کا ذکر فرما کر بیان فرمایا کرتے سبھی یاد آ کر میرے دل کو قوی کر دیا کرتی تھیں۔

سیدنا حضرت مسیح پاک علیہ الف الف صلوۃ وسلام کا ایک اور مقولہ بھی ایسے واقعات میں اکثر میری رہنمائی کیا کرتا تھا۔ ''خدا داری چہ غم داری۔'' یہ کلمات بھی حضور کی زبان مبارک سے اکثر سننے میں آیا کرتے تھے اور اسی وقت مجھے یاد ہو چکے تھے۔ ورنہ اس سے قبل میں نے یہ کلمات نہ کبھی سنے تھے نہ کبھی پڑھے تھے۔ یہ کلمات اپنے اندر جو مقناطیسی اثر رکھتے ہیں یاد آ کر لازماً مجھ پر بھی اثر انداز ہوتے اور زندگی میں تازگی کی روح پھونک دیا کرتے تھے۔

قصہ مختصر جوں جوں ہمارا قافلہ اس بستی کی طرف بڑھتا اور قریب ہوتا جاتا تھا توں توں میری روح پیچھے کو بھاگتی اور اپنے آقا کے حضور فریاد کر کر کے طالب مرد و دعا ہوتی تھی۔ ابتداء سے انتہاء تک کے سارے حالات وواقعات آنکھوں کے سامنے آ رہے تھے۔

۱- اوّل مرتبہ حضرت کے پیش ہونے کے وقت میری کم عمری اور بچپنے کی وجہ سے جو کچھ اس مرسل یزدانی نے فرمایا۔

۲- والد صاحب کے قادیان پہنچ کر میرے حصول کی کوشش کرنے کے نتیجہ میں آخر جو کچھ حضور نے فرمایا۔

۳- مخدومنا حضرت حکیم الامت مولانا مولوی نورالدین صاحبؓ کی درخواست پر کہ'' حضور نے عبدالرحمٰن کو والد کے ساتھ جانے کا حکم دیا ہے اگر حضور پسند فرمائیں تو بھائی عبدالرحیم کو ان کے ساتھ بھیج دیا جائے۔'' کے جواب میں جس رنگ میں اور جس جوش میں میرے آقا نے اظہار

خیال کیا اور جو کچھ فرمایا۔ یہ سب کچھ ایک طرف میرے سامنے تھے۔ اور دوسری طرف وہ بستی اور وہ عزیز ورشتہ دار جن کو میں ٦ رجون ۱۸۹۵ء کو ہمیشہ کے لئے الوادع کہہ کر نکل کھڑا ہوا تھا اب پھر آنکھوں کے سامنے آ رہے تھے۔ بلکہ ہر قدم مجھے ان کے قریب کرتا جارہا تھا۔ ایسے نازک وقت میں میرے دل میں کیا کیا گذر رہا تھا۔ اور کس کس قسم کے خیالات اٹھتے اور کیا کیا اثرات پیدا کرتے تھے اور ان کا جمع کرنا اور لکھنا میرے لئے ناممکن ہے۔

گاؤں اور گھر میں آؤ بھگت

والد صاحب ذرا پہلے پہنچ چکے تھے اس وجہ سے مرد اور عورتیں ہمیں دیکھنے کو گھر سے نکل کھڑے ہوئے اور ہمیں آتا دیکھ کر جو جس کے جی میں آتا' کہتا۔ جتنے منہ اتنی باتیں تھیں۔ کوئی خوشی کا اظہار کرتا تھا کوئی ملامت کر کے دکھے دل کو اور بھی دکھاتا تھا۔ کسی کا لہجہ مشفقانہ تھا تو کسی کا سخت وکرخت اور طعن آلود اور بیباکانہ۔ اکثر نے مصلحت اور حکمت سے نصیحت کا پہلو اختیار کیا۔ اس طرح مجھے تلخ وگرم اور سرد و نرم میں سے گذرتے ہوئے کوارٹر تک جانا پڑا۔ جہاں عورتوں کا ہجوم والدہ محترمہ اور عزیزہ ہمشیرہ کو مبارکباد کہنے کی غرض سے جمع تھا۔ اہلیہ کی وجہ سے میرے ساتھ واجبی سلام کلام تک اکتفا رہا۔ اور شکوے شکایت اور غم وغصہ کے اظہار کو فی الحال ملتوی رکھا گیا اور موقعہ کے مدنظر بڑے ضبط سے کام لیا گیا۔ اور مستورات دیہہ اور گھر والوں کی ساری توجہ انہیں کی طرف منعطف ہوگئی۔ بلکہ یہ سلسلہ سارا دن جاری رہنے کی وجہ سے مجھے علیحدہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور عرض حال کرنے اور دن کے فرائض ادا کرنے کا موقعہ مل گیا۔ رات کو فرصت ہونے پر والدہ محترمہ' ہمشیرہ عزیزہ اور میرے دونوں بھائی میرے گرد جمع ہوئے اور لگے باری باری سے اپنے دلوں کا بخار اور سینوں کی بھڑاس نکالنے۔ گھر والوں کو میرے اسلام کی اطلاع تھی اس وجہ سے ان کے دل بہت ہی بھرے ہوئے تھے۔ نہ معلوم دن بھر کس طرح ضبط سے انہوں نے کام لیا اور کیسے اتنا لمبا صبر کر سکے۔ اس فرصت اور تنہائی میں جہاں سبھی پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ وہاں والدہ محترمہ نے تو حق مادری کا بھی دل کھول کر استعمال فرمایا۔ اور جوش رنج میں یہاں تک بڑھ گئے کہ چاقو لے کر اپنے سینہ تک کو چاک کر کے مجھے اپنے داغہائے دل دکھانے کو آمادہ ہو گئے۔ اور اگر عزیزہ ہمشیرہ ہوشیاری اور ہمت سے کام لے کر ان کا ہاتھ نہ روک لیتیں تو خدا معلوم کیا ہو جاتا۔ میں سر ڈالے بیٹھا تھا مجھے تو خبر بھی نہ تھی۔

رات قریباً ایسی ہی کشمکش اور گریہ وزاری میں بیت گئی۔ والدہ اور ہمشیرہ نہ سوئیں اور نہ ہی انہوں نے مجھے سونے دیا۔ مطالبہ ان کا سخت تھا جس کے لئے انہوں نے کبھی محبت اور پیار کی انتہا کر دی تو کبھی گریہ وبکا کی کوئی حد نہ رہنے دی۔ کبھی قومی حمیت اور خاندانی عزت کے واسطے تو کبھی ننگ وناموس پر جان نثار کرنے دینے والے اسلاف کے تذکرے سنا سنا کر اپنے مطلب کا بنانے کی کوشش کی۔ اور جان تک کا خوف دلایا تو کبھی اپنی جانوں پر کھیل جانے اور میرے سر چڑھ مرنے کی دھمکیاں دیں۔

آپ کا جذبہ استقلال واستقامت

والد صاحب نے گو اس وقت کوئی دخل نہ دیا مگر اس ساری کارروائی کو پاس ہی لیٹے دیکھا سنا کئے۔ کبھی کبھی کوئی فقرہ والدہ محترمہ کی تائید یا ہمشیرہ عزیزہ کی حمایت میں فرما دیتے تھے۔ اور اس طرح گویا بالواسطہ وہ بھی وہی کام کر رہے تھے۔ مگر مطالبہ ان کا ایسا سخت اور ایسا کڑا تھا کہ اس کے مقابلہ میں ان کے سارے ہی ہتھیار کند اور نکمّے اور ہر قسم کی کوششیں بے کار اور بے سود تھیں اور میں ان کو قبول کرنے کے لئے نہ انتہائی خوف کی وجہ سے تیار تھا نہ انتہائی طمع ومحبت مجھے اس کے لئے آمادہ کر سکتی تھی۔ اور جس غیرت وحمیت کا واسطہ مجھے دیا جاتا تھا وہی غیرت وحمیت مجھے اپنے مقام پر قائم اور ثابت قدم رہنے کی تلقین کرتی اور جو کارنامے سنا سنا کر مجھے اپنے مقام سے ہٹانے کی کوشش کی جاتی تھی۔ اس سے ہزارہا درجہ بہتر واعلیٰ اور حقیقی کارنامے اسلام کی خاطر قربانیاں کرنے والوں کے میرے پیش نظر تھے جن کا زندہ نمونہ اور تازہ مثالیں اللہ تعالیٰ نے مجھے دیکھنے کا نہ صرف موقعہ دیا بلکہ ان کی صحبت میں رہ کر ان کی قوت قدسی اور روحانیت سے متمتع ہونے کی سعادت نصیب کی جس کی برکت اور طفیل سے میرے بزرگوں اور محسنوں کے قوی سے قوی دلائل اور کاری سے کاری حربے بھی میرے لئے ہیچ اور بے اثر تھے۔ والدہ اور ہمشیرہ کے جذباتی تاثرات بھی میرے قلب کے اس لذت وسرور کو دور کرنے سے عاجز تھے۔ گھر والے ''گربہ کشتن روز اول'' کی فکر میں تھے۔ ان کو اندیشہ تھا کہ بات نکل گئی تو معاملہ ہاتھ سے نکل جائے گا۔'' اور پھر اس کا کوئی علاج نہ ہو سکے گا ان کی ساری کوشش اور سعی اسی یقین، وثوق اور قوت وارادہ سے تھی۔ کہ وہ ضرور کامیاب ہونگے کیونکہ جس رسمی اسلام کے خلاف ان کا جہاد تھا اور جن نام کے مسلمانوں کو مدنظر رکھ کر مجھے اسلام ومسلمانی سے پھیرنے کی کوشش کر رہے تھے اس لحاظ سے ان کا گمان ایک حد تک اپنے اندر کچھ حقیقت واصلیت بھی رکھتا ہوگا۔ مگر وہ میرے متعلق ایک غلط فہمی کا شکار تھے اور ان کی ساری

تگ ودو چونکہ امر واقعہ سے ناواقفیت پر مبنی تھی جو ابتداء سے لے کر انتہا تک متواتر کئی ماہ انہوں نے جاری رکھی اور باوجود استقلال کے وہ کامیابی کا منہ نہ دیکھ سکے۔ وہ حقیقی اور زندہ اسلام اور اس کے اثر وجذب سے بے خبر تھے۔ ان کو اس بات کا علم ہی نہ تھا کہ صورت ایمان میسر آ جانے کے بعد انسان کیا سے کیا ہو جاتا ہے۔ ورنہ شاید نہ وہ اتنی سرگردانی کی زحمت اٹھاتے نہ اپنے مال ومنال کو یوں اڑاتے اور نہ ہی وہ مجھے طرح طرح کی اذیت پہنچا کر خون جگر کھاتے بلکہ پہلے ہی صبر کر بیٹھتے۔ اصلیت بھی یہی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے خود ہی میری دستگیری فرما کر اس نور اسلام سے منور نہ کیا ہوتا تو شاید ان کی ترغیب وتحریص اور مسلسل وسرگرم مساعی کا کوئی نتیجہ کسی نہ کسی رنگ میں دیکھنا ان کو نصیب ہو ہی جاتا۔ مگر یہاں تو ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔'' والا معاملہ تھا۔ اس ''بیمار محبت ووفا'' کا مرض بجائے گھٹنے کے بڑھتا ہی گیا اور ان کی ساری مساعی اس کشت ایمان کو کھاد ہو کر لگتی رہیں۔

اقارب کا اوچھے ہتھیاروں پر اتر آنا

چند روز تک والدین اور اقارب کی سرگرمیاں اور مساعی بھی جاری رہیں۔ کبھی نرمی ہوتی تھی اور کبھی گرمی آ جاتی تھی۔ کبھی پیار ومحبت بلکہ منت وسماجت سے کام لیا جاتا تھا۔ تو کبھی تنگ ہو کر درشتی وسختی اور ناراضگی وتشدد بھی برتا جاتا تھا۔ غرض چند روز متواتر یہی سلسلہ خاص اہتمام اور تسلسل سے جاری رہا۔ اور جب انہوں نے دیکھا کہ کامیابی کی کوئی راہ باقی نہیں اور ان کے سارے حیلے ختم ہو چکے ہیں تو مایوس ہو کر اپنے آخری اور اوچھے ہتھیاروں پر اتر آئے۔ ایک روز علی الصباح جبکہ میں حسب معمول تلاوت کے لئے قرآن شریف لینے کو اس کمرہ میں گیا جہاں میں نے اس کو الگ اور ممتاز جگہ رکھا ہوا تھا تو میں نے اس کو وہاں نہ پایا۔ نہ میرا قرآن شریف وہاں تھا اور نہ دوسری کتب۔ میں نے ادھر ادھر ہاتھ مارنے شروع کئے بعد از بسیار تلاش یہ معلوم ہوا کہ کسی نے یہ ظلم کیا ہے کہ قرآن شریف اور دوسری کتب کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے اور آثار سے ظاہر ہوا کہ سنگدلی اور قساوت کا مظاہرہ ان مقدس کتب کو جلا دینے کے رنگ میں بھی کیا گیا تھا۔ میرے سینہ میں رنج ودرد اور حقارت ونفرت کے جذبات سے گویا ایک قسم کی ایسی سٹیم پیدا ہو کر بھر گئی کہ اگر میں صبر وضبط سے کام نہ لیتا تو وہ گھر بھر کو جلا کر راکھ کر دیتی۔ یا ایسا ظلم وستم کرنے والوں اور ان کے حامیوں کے پرخچے اڑا دیتی۔ میری آنکھوں میں خون اتر آیا۔ درد دل کی شدت سے میرا سارا جسم کانپنے لگا۔ جوش اٹھا کہ گھر کو آگ لگا کر راکھ کا ڈھیر بنا دوں یا کدال سے گرا کر اس کا نام ونشان

مٹادوں۔مگراس وقت گھر میں صرف ایک بے زبان عورت یعنی میری اہلیہ اور میری ہمشیرہ کے سوا کوئی نہ تھا۔ جو دونوں میری اس کیفیت سے خوفزدہ اور ہراساں تھیں۔اور ممکن ہے کہ ان کو اس معاملہ کا علم ہی نہ ہو۔میں نے کمرہ میں بند ہوکر رو روکر دل کی بھڑاس نکالی اور ٹھنڈا ہوگیا۔

یہ ظلم کرنے والوں نے تو اپنے خیال میں میرے ایمان کی عمارت ہی کو مسمار کر دیا اور میری توجہات کے مرکزی قلعہ کو گرا کر مجھے بے سروسامان کر دیا تھا۔مگر حقیقتاً ان کے اس ظلم سے میرے اندر نورِ ایمان کی شعاعیں اور زیادہ تیز ہوکر چمکنے لگیں اور محبت وعشق اور صدق ووفا کے جذبات زیادہ مضبوطی اور تیزی سے میرے دل میں شعلہ زن ہونے لگے۔جوں جوں انہوں نے مجھے دبانے اور مٹانے کی کوشش کی توں توں اللہ کریم نے مجھے اٹھنے اور ابھرنے کی توفیق بخشی اور وہ شب وروز انتہائی مظالم تک کا مجھے نشانہ بناتے رہے۔قید وبند سے گذر کر انتہائی تشدد کیا جاتا رہا اور اکثر ایسا ہوا کہ جان تک لے لینے کی کوشش کی گئی۔مگر اللہ کریم کی باریک در باریک مصلحتوں کے ماتحت آخر کوئی نہ کوئی راہ میری سلامتی اور جانبری کی پیدا ہو ہی جایا کرتی رہی جس سے متاثر ہوکر گاہ بگاہ والدین کے منہ سے نکل ہی جایا کرتا تھا۔پرمیشور جانے یہ کیسا ہی سخت جان واقع ہوا ہے کہ نہ مارے مرتا ہے نہ کاٹے کٹتا ہے۔''

یہ وہ رنج وغم اور درد وکرب کا زمانہ تھا کہ اس کی یاد آج بھی مجھ پر کپکپی سی پیدا کر دیتی ہے اور میں اس کو بھلا دینے کے لئے آنکھیں بند کرلیا کرتا ہوں۔اسی زمانہ میں مجھے فرائض کی ادائیگی تک سے محروم کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔مجھ پر بھاری پہرہ اور کڑی نگرانی مقرر تھی۔اس زمانہ میں بعض اوقات کئی کئی نمازیں ملا کر یا اشاروں سے پڑھتا تھا۔ایک روز علی الصبح میں گھر سے باہر قضائے حاجت کے بہانے سے گیا۔گیہوں کے کھیتوں کے اندر وضو کرکے نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک شخص کدال لئے میرے سر پر کھڑا رہا۔ نماز کے اندر تو یہی خیال تھا کہ کوئی دشمن ہے جو جان لینے کے لئے آیا ہے۔لہذا میں نے نماز کو معمول سے لمبا کر دیا اور آخری نماز سمجھ کر دعاؤں میں لگا رہا۔مگر سلام پھیرنے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ ایک مسلمان مزدور تھا۔کشمیری قوم کا جو مجھے نماز پڑھتے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔اور جب میں نماز سے فارغ ہوا۔تو اس نے نہایت محبت اور خوشی کے جوش میں مجھ سے پوچھا۔

''منشی جی! کیا یہی پکی بات ہے کہ آپ مسلمان ہیں؟'' تو میں نے کہا کہ ہاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسلام پر قائم ہوں اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں میرے لئے گواہ بنا کر بھیجا ہے کہ کم از کم تم میرے اسلام کے شاہد رہو گے۔شاید یہی وجہ ہے کہ تم نے مجھے عین حالت نماز میں دیکھا ورنہ میں نے پوری احتیاط کر لی تھی

کہ کوئی مجھے دیکھنے نہ پائے وہ خوشی کے مارے اچھل پڑا۔

حضرت مولوی خدا بخش صاحب☆ کا آنا اور بفضل الٰہی بچ کے جانا

اسی تیرہ وتاراور پرظلم وظلمات کے زمانہ میں جبکہ مجھے قادیان سے آئے ہوئے عرصہ ہو گیا اور میری طرف سے کوئی خیر خیریت کی اطلاع دارالامان میں نہ پہنچی تو میرے بزرگوں اور بھائیوں کے دل میں تشویش پیدا ہوئی اور میری خبر گیری وامداد کا جوش اٹھا جس کے نتیجہ میں علاوہ دعاؤں کے جوانہوں نے میری مشکلات کے زمانہ میں میرے لئے کیں۔ ایک نیک دل اور پاک نفس انسان کو (جن کا نام نامی حضرت مولوی خدا بخش صاحب جالندھری تھا۔ درمیانہ قد' سیاہ فام عمر رسیدہ بزرگ جواس زمانہ ہی میں حنا کیا کرتے تھے) دریافت حال کی غرض سے میرے پیچھے بھیجا گیا۔ وہ بزرگ اپنے اندر تبلیغ اسلام کا ایک جوش رکھتے تھے اور عموماً سیاحانہ زندگی کے عادی واعظ تھے۔ وہ بزرگ قریہ بہ قریہ پھرتے ہوئے طویل اور سخت سفروں کی تکالیف برداشت کرتے ہوئے ایک لمبے عرصہ کے بعد مجھ تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ اور بمشکل میرے متعلق صرف اتنی خبر پا سکے کہ عبدالرحمٰن زندہ ہے مسلمان ہے اور کہ انہوں نے خود عبدالرحمٰن کو زندہ دیکھا اور اسلام کی تصدیق کرائی ہے بس۔

ایک روز صبح کے وقت جبکہ سورج کچھ بلند ہو چکا تھا اور والد صاحب باہر جا چکے تھے۔ گھر کے لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے اچانک میرے دل میں کچھ گدگدی سی ہوئی۔ اور از خود رفتگی پیدا ہو کر ایک ابال اٹھا جس سے بے قرار ہو کر میں کمرہ سے نکل کر صحن میں ٹہلنے لگا۔ ادھر ادھر دو چار ہی چکر لگائے ہوں گے کہ ''منشی جی'' کی ایک دھیمی اور لرزتی ہوئی آواز کان میں پڑی۔ دل کسی ترغیب غیبی کے ماتحت پہلے ہی سے گوش ہوش بنا ہوا تھا۔ ادھر آواز میں ایک قسم کا تعارف اور شناسائی سی محسوس ہوئی۔ جھٹ دروازہ کھول کر باہر جا کھڑا ہوا۔ جدھر سے آواز آئی تھی آنکھیں ادھر کو گاڑ دیں مگر سامنے کوئی نظر نہ آیا۔ آخر چند قدم حرکت کر کے آگے بڑھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی بزرگ مولوی خدا بخش نامی جو ایک پیلو کے جھاڑ کی اوٹ کھڑے تھے سامنے ہو کر السلام علیکم بولے میں نے وعلیکم السلام

☆ حضرت مولوی خدا بخش صاحب کے مزید ذکر کے لئے دیکھئے اصحاب احمد جلد ہشتم میں مندرجہ حالات ماسٹر عبدالرحمٰن صاحبؓ سابق مہر سنگھ۔

ورحمتہ اللہ وبرکاتہ کے الفاظ میں جواب دیا۔مگر آواز کے سنبھالنے کی بھی ساتھ ہی فکر رکھی انہوں نے ہاتھ کے اشارہ سے دور ہی دور کھڑے ہوکر خیریت پوچھ کر اسلام کا سوال کیا جس کا میں نے اشاروں ہی اشاروں میں جواب دیا اور وہ مطمئن ہوکر جلدی جلدی آگے نکل گئے۔ٹھہرنا نہ انہوں نے ہی مناسب سمجھا نہ میں نے ان کو زیادہ روکنا مناسب سمجھا اور اسی دیدہ دور کو غنیمت جانتے ہوئے آن کی آن ایک دوسرے سے جدا ہو گئے اور بات ایسی معلوم دینے لگی جیسے کسی نے خواب دیکھا ہو۔مولوی صاحب محترم اپنی جگہ خوفزدہ اور سہمے ہوئے تھے اور جو کچھ انہوں نے کیا اس سے زیادہ کوئی کر بھی نہ سکتا تھا۔ اور میں اپنی جگہ احتیاط اور افشائے راز کے خیال سے جتنا موقعہ ملا اور جو کچھ ہو سکا اس کو کافی سمجھ کر صبر کر بیٹھا۔مولوی صاحب مکرم پھرتے پھراتے پوچھتے پچھاتے ہمارے ہیڈ کوارٹر سے تین چار میل کے فاصلے پر ایک اعوان قوم کی مسلمان بستی میں شب باش ہوئے تھے۔جہاں سے ضروری حالات کا علم لینے اور احتیاطی تدابیر کے ساتھ کام کرنے کی ہدایت لے کر وہ علی الصبح اٹھے اور ہمارے ہاں پہنچے تھے۔اور دور ہی دور سے ایک دوسرے کی خبر لینے دینے کا کام ہو سکا تھا۔مولوی صاحب گاؤں کی طرف بڑھے مگر راستہ چھوڑ کر باہر ہی باہر ہوکر کھیتوں میں سے نکل گئے۔جب تک وہ نظر آتے رہے میں کھڑا ان کو دیکھا کیا۔ان کے آنکھوں کے اوجھل ہو جانے کے بعد کچھ سوچ اور فکر کے بعد میں گھر کے اندر چلا گیا۔اور چونکہ مجھ پر اس وقت ایک خاص حالت طاری تھی سب سے جدا ہوکر لیٹ گیا اور کسی گہری سوچ میں پڑ گیا۔

ابھی میں اسی سوچ ہی میں تھا کہ والد صاحب محترم باہر سے جلد جلد آئے اور میرے متعلق دریافت فرمایا کہ کہاں ہے؟ اور پھر میرے پاس تشریف لا کر پوچھا۔''آج کون مولوی آیا تھا۔اور وہ کیا کہتا تھا۔اب وہ کدھر کو گیا ہے؟''لب ولہجہ سے غم وغصہ عیاں تھا۔میں بھانپ گیا کہ مولوی صاحب کی آمد کی اطلاع والد صاحب کو ہوگئی ہے۔مگر میں نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے عرض کیا۔ ''کون مولوی صاحب آپ کی مراد ہیں؟ میں نہیں جانتا کدھر سے آئے اور کدھر کو گئے۔والد صاحب پھر جلدی جلدی باہر چلے گئے اور مجھے اب یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ مولوی صاحب پکڑے گئے ہوں تو مشکلات کا ایک نیا باب میرے واسطے کھل جائے گا۔اتنے میں والد صاحب نے آکر والدہ صاحبہ کو سنایا کہ خبر ملی تھی کہ پٹوار خانہ کی طرف سے ایک اس رنگ وشکل کا مولوی گاؤں کی طرف بڑھتا ہوا دیکھا گیا تھا۔مگر وہ بجائے گاؤں میں سے ہوکر جانے کے باہر باہر نکل گیا۔جس سے شبہ ہوا کہ کوئی قادیان کا

مولوی آیا ہوگا۔آدمی تلاش میں دوڑائے مگر وہ ہاتھ نہ آیا۔ ورنہ اس کو پتہ لگ جاتا کہ ہمارے گاؤں میں کسی مسلے کے آنے کا کیا مطلب؟ خوش نصیب تھا کہ بچ کرنکل گیا۔ اچھا ہے ہمیں زیادہ ہوشیار کرگیا ہے۔

یہ سن کر میری بھی جان میں جان آئی۔ اور میں نے اللہ تعالیٰ کا شکرادا کیا ورنہ میرے واسطے سخت مشکلات کا سامنا تھا۔ اگر خدانخواستہ مولوی صاحب پکڑے جاتے۔ اوران کے قادیان سے آنے کاعلم ہوجاتا تو ان لوگوں نے ضروران کی توہین کرنی تھی۔ جس کو میں قطعاً برداشت نہ کرسکتا۔ اوراس طرح نہ معلوم کیا نتائج نکلتے اور کیا کیا تکلیف دہ حالات پیدا ہوجاتے۔ یہ صحیح ہے کہ میں والدصاحب کا بہت ہی احترام کرتا تھا اوراسی احترام کے باعث میں گو نہ حد سے زیادہ دبا ہوا بھی تھا اوران کے منہ چڑھنا یا ان کا مقابلہ کرنا میرے واسطے ناممکن تھا۔ مگر اس میں بھی شک نہیں کہ کسی کھلی توہین اورعلی الاعلان تذلیل کو میں کبھی برداشت نہ کرسکتا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی ستاری تھی کہ ایسا موقعہ پیدا نہ ہونے دیا۔ ع

''رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت''

مولوی صاحب موصوف کی یہ ملاقات خواہ وہ کتنی ہی دور سے ہوئی میرے لئے بڑی قوت وسکون اورتازگی کا باعث ہوگئی اورقادیان سے دور ہونے کی وجہ سے اگر کچھ زنگ طبیعت پر لگا بھی تھا تو اس ملاقات نے صیقل کا کام دیا اور میرے دل میں اس مقدس بستی اوراس کے رہنے والوں خصوصاً اس کی روح رواں (حضرت مسیح موعود) کی ذات والاصفات سے وابستگی کا تعلق اور نیازمندی کے جذبات زیادہ سے زیادہ مضبوط ہوگئے۔ مولوی صاحب کا آنا گویا ایک قسم کی روحانی غذا تھی جو اللہ کریم نے میرے لئے غیر متوقع طور سے اس بیابانمیں مہیا فرمادی۔

والدین درخت ایمان کے استیصال اورقادیان کی یاد سے محوکرنے کے لئے ایک حربہ کوغیر موثر پا کر دوسرا اختیار کرلیتے تھے۔ بالآخر والدصاحب نے کثرت کار، ہم وغم اوراپنی کمزوری کے تذکرے کان میں ڈال کر مجھے اپنے ساتھ کام میں لگا لیا۔ اورگرداوری۔ پیمائش۔گشت۔ دارہ بندی اورملاقات حکام سب کام میں نے سنبھال لئے۔ میں کام سے واپس آتا تو والدین اور بہن بھائی بھی ہاتھوں ہاتھ لیتے اورسر آنکھوں پر بٹھاتے اورخلاف معمول میری خاطر ومدارت ہونے لگی۔

حکام کے پاس بھی میرے کام کی تعریف وتوصیف کے تذکرے پہنچے اور میں نے اسی وجہ سے انہاک

اورمحنت کا ثبوت دیا کہ فرائض دینی کی ادائیگی کے لئے مجھے آزادی تھی۔ ایگزیکٹوانجینئر کے پاس میرا امتحان دلایا جس میں میں کامیاب نکلا۔عجب نہ تھا کہ شیطان اسی راہ سے کامیابی کا منہ دیکھتا اوراصل مدعا میری نظروں سے اوجھل ہو جاتا۔ کیوں کہ دنیاداری کا رنگ مجھ پر چڑھنے لگا تھا۔اورشیطان ایسے نہاں درنہاں راہوں سے آ رہا تھا کہ ہمیشہ کی طرح اللہ تعالیٰ غیب سے دستگیری نہ کرتا تو میں اس زہرآلودانگبیں کو شیریں اور شفا بخش یقین کر کے نوش کر کے ہمیشہ کی روحانی موت کی نیند سو جاتا۔

حضرت بھائی جی کے کام سے خوش ہوکر آپ کو جلد الگ حلقہ دلانے کا وعدہ حکام نے کیا تھا کہ اچانک والدصاحب کا تبادلہ عمل میں آیا۔اور چارج کے لئے اتنا کم وقت دیا گیا کہ بھائی جی کی ملازمت کے لئے مزید کسی کوشش کا موقعہ نہ ملا۔ بلکہ ان کو جلد اپنے حلقہ میں پہنچ کر چارج لینا پڑااوراہل وعیال کے لانے کا کام اپنے برادرزادہ راج کرن کے سپرد کیا جونہایت متعصب تھے اور بات بات پر بھائی جی پر اعتراض کرتے تھے۔آپ منہ دھونے بیٹھیں تو وہ جھٹ شکایت کریں کہ دیکھومسلمانی اس کے اندر سے نہیں نکلی۔مسلمانوں کی طرح دونوں ہاتھوں سے منہ دھوتا ہے۔ بلکہ تین تین بار دھوتا ہے۔کھانے سے پہلے منہ میں گنگنا کر بسم اللہ پڑھتا ہے۔نہیں تو اونچا پڑھے تو ہمارا شبہ نکل جائے۔ قضائے حاجت کے لئے جانے کا تو بہانہ ہوتا ہے ورنہ بھلا اتنی دیر لگا کرتی ہے۔اور وہ اتنی دور کیوں نکل جاتا ہے کہ کوئی دیکھ نہ لے۔ وہ تو پیچھے رہ کر نماز پڑھتا ہے۔راج کرن اور بھائی جی کی آپس میں ہاتھا پائی اور لاٹھی سوٹے تک بھی نوبت پہنچی۔

بالآخر قافلہ والد کے ہیڈ کوارٹر موضع لدھڑ میں پہنچا۔ پڑوپیاں۔ بہلول پوراور ریلوے سٹیشن سالا روالا وغیرہ اس کے حلقہ میں شامل تھے۔ سابقہ حلقہ کے خلاف یہ تمام مسلمانوں کے گاؤں تھے۔جن کو دیکھ کر بھائی جی کو بہت خوشی حاصل ہوئی۔لیکن تعارف پر معلوم ہوا کہ ان شکیل مسلمانوں کی رونق مجالس چھوڑے حقے تھے۔ یہ نام کے مسلمان تھے۔مسجد اور ملاں کی موجودگی کے باوجود کبھی اذان نہیں سنی گئی اور یہی لوگ تھے جنہوں نے آپ کو مسلمان یقین کرتے ہوئے قادیان سے پکڑ کر دشمنان اسلام کے سپرد کرنے اورانہیں مرتد کرانے کی کوشش کی تھی۔

قادیان کی یاداور والدصاحب کا مقصود ومراد

حضرت اقدس اور دارالامان کے مقدسین کی یاد اب پھرستانے لگی۔اورخواہش ہوتی کہ آپ اڑ کر

قادیان پہنچیں۔آ جا کے آپ کی نگاہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر اٹھتی اور موقعہ ملنے پر آپ اس کے حضور گریہ و بکا کرتے۔قلبی کیفیت کتنی بھی چھپائیں بشر پر کچھ اثر ضرور نمایاں ہو جاتا ہے۔والدین چہرہ سے آپ کی قلبی حالت کو پڑھ لیتے تھے اور دنیوی امور میں مصروف کر کے آپ کی توجہ پھیرنے کی فکر کیا کرتے تھے۔مئی جون ۱۸۹۶ء میں والدہ محترمہ کے ہمراہ سانگلہ ہل اور چونیاں کے مابین آمد و رفت کا کٹھن سفر کرنے پر ایک عشرہ صرف ہوا۔اس سفر کی سختی اور شدت کا اندازہ ان الفاظ سے کیا جا سکتا ہے جو والدہ محترمہ کی زبان سے نکلے ہوئے آج بھی میں اسی طرح سن رہا ہوں جس طرح ان دنوں سنتا تھا کہ ''آ پے ای مرجان گے جو جیٹھ پین گے راہ۔'' کہ جیٹھ کے مہینے کا سفر موت کے منہ میں جانے کے برابر ہوتا ہے اور اسی مقولہ سے اندازہ کیا کرتا ہوں کہ مئی جون ۱۸۹۶ء کا یہ واقعہ ہے۔یہ سفر خطرناک ویرانے جنگلوں کا تھا جس میں بعض چور اور ڈاکوؤں سے بھائی جی کا مقابلہ بھی ہوا۔والدہ آپ کی خدمات' فرمانبرداری' جفاکشی اور دلیری سے بہت متاثر ہوئیں اور خاص شفقت کرنے لگیں اور بار بار ان خدمات کا ذکر کر کر کے سرد آہ بھر کر کہتیں کہ ایسا شیر بچہ کس مرض (عشق اسلام) میں مبتلا ہو گیا ہے۔

یہاں والد صاحب نے آپ کو پھر اپنے کام میں لگا لیا۔ان کی خواہش تھی کہ کسی ملازمت کے جال میں پھنسا کر جکڑ دیں۔اتفاقاً بڑی نہر میں ناکہ پڑ گیا اور اتنا بڑھا کہ بیسیوں دیہات سے مدد منگوانا پڑی۔حکام بالا کے طرف سے اطلاع ملنے پر والد، عمزاد بھائی اور آپ نے دوڑ دھوپ کر کے جلد تر اور تعداد میں زیادہ مدد موقعہ پر پہنچائی اور دن بھر کی محنت سے خطرہ پر قابو پا لیا گیا آپ کو کام کرتے اور کراتے دیکھ کر انگریز اور دیسی حکام نے تعجب سے دریافت کیا کہ یہ لڑکا کون ہے اور کام کے اختتام پر افسر اعلیٰ نے آپ کو دس روپے انعام دے کر خوشنودی کا اظہار کیا۔والد کی نظر میں دس روپے کی رقم قابل التفات نہ تھی۔البتہ اچانک تبدیلی کے باعث آپ کی ملازمت کے متعلق ان کی توقعات پوری نہ ہو سکی تھیں۔اب اس واقعہ سے حکام کی نظروں میں کام چڑھ جانے سے کامیابی کی جھلک نظر آنے لگی۔افسران سے سفارشات حاصل کرنے کی کوشش کی۔امتحان کی شرط تھی۔والد سمجھتے تھے کہ بھائی جی امتحان میں بسہولت کامیاب ہو جائیں گے۔چنانچہ گوجرانوالہ میں امتحان کے لئے آپ کو بھیجا گیا۔وہاں مڈل کی سند کا مطالبہ ہوا۔مڈل میں آپ ناکام ہو چکے تھے۔اس طرح آپ کو پٹوار کے امتحان میں شمولیت کی اجازت نہ ملی اور والد کو آپ کی ناکام واپسی ناگوار گذری۔

قادر و قیوم خدا کی قدرت نمائی

آپ فرماتے ہیں کہ کائنات عالم کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے اور ہر شے اس کے تصرف میں ہے اور اس کے حکم وارشاد کی پابند اور وہ جو چاہے کام کرا سکتا ہے حتیٰ کہ انسان جو اشرف المخلوقات ہے اس کی عزت وعظمت' اس کی کبریائی اور جبروت اور اس کی قدرت وہیبت کے سامنے ایسا ہی بے بس وترساں ہے جیسے ایک ننھی سی چیونٹی۔ والدین نے میرے دل کو اسلام سے پھیرنے اور مجھے مرتد بنانے کے لئے جو کچھ کیا وہ اتنا زیادہ تھا کہ اگر انسانی کوشش ہی پر سارے تغیرات کا انحصار ہوتا تو وہ نہ صرف مجھی کو مغلوب کر کے اپنا دل ٹھنڈا کر لیتے۔ بلکہ بہت ممکن تھا کہ مسلمانوں سے بدلہ لینے کی غرض سے مرتدین کی ایک فوج بنا لیتے۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ انسانی مساعی کو باثمر وبارور کرنا اور دلوں کو کسی چیز پر قائم رکھنا یا اس سے پھیر دینا' کسی بات میں اثر پیدا کر کے دلوں کو اس کے قبول کرنے کے لئے تیار کرنا یا اس کو بے اثر بنا کر لوگوں کو اس سے متنفر کر دینا، الغرض تاثیر پیدا کرنا یا غیر موثر بنانا اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ وہی دلوں کے باریک در باریک اور نہاں درنہاں بھیدوں سے واقف اور مصرف القلوب ہے۔ میرے والدین کی تمام مساعی کو اس نے بے اثر بنا کر مجھے ان کے بداثرات سے بچایا اور میرے قلب کو اسی نے وہ حلاوت ایمانی بخشی جس کے بعد ایمان کی دولت سے دور ہو جانے کی نسبت ہزار موت بھی آسان ہو جاتی ہے۔ ان کے سارے سامانوں کو بیکار بنایا تو اسی ذات والا صفات نے۔ ورنہ میں بالکل ایک کمزور بچہ تھا نہ کوئی دلیل تھی میرے پاس نہ برہان، جس سے ان کا مقابلہ کر سکتا۔ صرف اور صرف اسی غیب درغیب ہستی کا پوشیدہ ہاتھ تھا جس نے ہر نازک ترین مرحلہ پر خود میری حفاظت فرمائی اور دل میں وہ نور ڈالا جو حق وباطل میں تمیز کا موجب بنتا رہا اور ہر موقعہ پر مجھے تسلی واطمینان اور قوت وثبات بخشتا رہا۔ میری کوئی ذاتی قابلیت نہ تھی بلکہ سراسر میرے آقا و مالک ہی کا فضل تھا جس نے رہنمائی بھی فرمائی اور ہمیشہ دستگیری بھی کی۔

اللہ تعالیٰ کی تدبیر کچھ اور چاہتی تھی۔ گھر کی کسی ضرورت کے لئے خاندان کی ایک بوڑھی خاتون کو لانے کی ضرورت پڑ گئی۔ باوجود متعصب عمزادہ کی مخالفت کے والدین اسے یا چچا کو بھجوانے پر آمادہ نہ ہوئے بلکہ خلاف معمول مجھے بھجوا دیا۔ سانگلہ ہل کے ریلوے اسٹیشن سے ورے ہی میں نے ساتھی کو جو پہنچانے آیا تھا، رخصت کر دیا۔ تا اسے معلوم نہ ہو سکے کہ میں نے کس مقام کا ٹکٹ خریدا ہے۔ کیونکہ

والدین کے فیصلہ کے ساتھ ہی میں نے بھی ایک فیصلہ کرلیا تھا۔ گاڑی آنے والی تھی۔ سیالکوٹ کا ٹکٹ لے کر **بسم اللہ مجریھا و مرسھا** کہتا ہوا سوار ہوگیا۔

قادیان میں مراجعت اور حضرت اقدس کی زیارت☆

اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں سیالکوٹ پہنچا اور حضرت میر حامد شاہ صاحبؓ اور احباب سے مل کر اگلے روز توکلاعلی اللہ قادیان دارالامان کا قصد کر کے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدموں میں کم وبیش نو ماہ بعد آخر جولائی یا آغاز اگست ۱۸۹۶ء میں آ پہنچا۔ *

☆ الحکم جلد ۴۱ نمبر ۱۸، ۱۹ بابت ۷، ۱۴؍جون ۱۹۳۸ء کا یہ خلاصہ عنوان ''قادیان میں مراجعت اور حضرت اقدس کی زیارت'' تا عنوان ''والدین سے حسن تعلقات'' (طبع اوّل صفحہ ۷۱ تا ۸۷) میں درج کیا گیا ہے۔

* بھائی جی کی ایک روایت متن میں بیان کردہ زمانہ واپسی سے مختلف ہے، جس کے متعلق اپنی رائے تحریر کرتا ہوں۔

اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۹۸، ۹۹ میں آپ بیان فرماتے ہیں کہ میں والدین کے پاس سے مارچ یا اپریل ۱۸۹۶ء میں واپس آ گیا تھا۔ کیونکہ ککڑی کے موسم کا آغاز تھا۔ میری واپسی کے بعد حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ مالیرکوٹلہ تشریف لے گئے تھے۔ اپنا سبق بند ہو جانے کے متعلق حضرت بھائی عبدالرحیم صاحبؓ نے لکھا تو حضرت مولوی صاحب نے ان کو وہاں منگوا لیا۔ پھر بھائی جی نے حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب کو لکھا کہ میرا سبق بند ہوگیا ہے تو بھائی جی کو بھی وہاں بلوا لیا گیا۔ چنانچہ حضرت مولوی صاحب جو وہاں سخت بیمار ہوگئے یہ واقعہ بھی بھائی جی بیان کرتے ہیں میرے سامنے کا ہے۔

میرے نزدیک آپ کی اس روایت میں سہو واقع ہوا ہے۔ اس لئے کہ اپنے حالات میں جو متن میں درج ہیں آپ پکی بات بتاتے ہیں کہ والدہ صاحبہ ایک معقولہ کہتی تھیں کہ جیٹھ کے مہینے کا سفر موت کے برابر ہوتا ہے۔ جس سے میں اندازہ کرتا ہوں کہ مئی جون کا یہ سفر ہوگا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ جنتری کی رو سے ۱۸۹۶ء میں جیٹھ ۲۸؍اپریل تا ۲۶؍مئی تھا۔ اگر پہلے دس دن جیٹھ کے سفر کیا ہو تب بھی ۷؍مئی تک کیا۔ اس کے بعد نہر میں ناکہ پڑنے کا واقعہ ہوا۔ جس میں آپ کے کام سے انگریز اور دیسی حکام خوش ہوئے۔ بعد میں ان کی خوشنودی سے استفادہ کر کے افسران سے والد صاحب نے امتحان کی اجازت بھائی جی کو دلوا کر امتحان کے لئے گوجرانوالہ بھیجا لیکن امتحان کی اجازت نہ ملی۔ پھر والدین کے پاس واپس آئے اور والد

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ ہَدٰىنَا لِہٰذَا ۟ وَ مَا کُنَّا لِنَہۡتَدِیَ لَوۡلَاۤ اَنۡ ہَدٰىنَا اللّٰہُ ۚ ۔ ۳

والدین نے مجھے اپنی خاص ضرورت کے ماتحت اہم اور ضروری کام کے لئے بھیجا تھا۔ مجھے افسوس ہے اور ہمیشہ ہی رہا ہے اور شرمندہ ہوں کہ میں نے ان کو سخت تکلیف پہنچائی جس کی تلافی میرے لئے ممکن نہیں۔ آڑے وقت میں میں ان کے کام نہ آ سکا۔ اور ان کو سخت انتظار اور تکلیف میں مبتلا کرنے کا موجب بنا۔ مگر اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کوئی دنیوی طمع اس امر کا موجب نہیں ہوا۔ ورنہ واقعی مستوجب صد لعنت ہوتا۔ یہ امر ایک ایسی وارفتگی میں ہوا جس میں میری کوشش کو کوئی دخل نہ تھا۔ بلکہ سارے ہی سامان اس کے لئے خود اللہ تعالیٰ نے غیب سے مہیا کئے تھے۔ اور جس نیت سے میں نے یہ کام کیا۔ اس کے مقابلہ میں ہزار والدین اس کام سے روکنے والے بھی قربان کرتا تو مجھ پر الزام نہ تھا۔ البتہ میں نے والدین سے حسن سلوک اور خدمت کے ذریعہ ان اثرات کو مٹانے کی کوشش کی اور باوجود اتنے بھاری اختلاف اور اتنے شدید صدمہ کے والدین بعد میں مجھ سے خوش ہو کر راضی بقضا ہو گئے تھے۔ اور اکثر میرے پاس آتے اور مہینوں خوشی خوشی ٹھہرتے تھے۔

میں قادیان پہنچا اور اس طرح پھر ایک مرتبہ مجھے میرا رب کریم میرے آقا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدموں میں لے آیا۔ حضور نے فرمایا تھا کہ ''ہمارا ہے تو آ جائے گا''۔ میں کمہاروں

بقیہ حاشیہ:- اس ناکامی سے بہت افسردہ ہوئے۔ پھر کسی گھریلو ضرورت کے لئے ایک بڑی بوڑھی رشتہ دار کو لانے کے لئے بھائی جی کو بھیجا گیا۔ آپ وہاں سے سیالکوٹ اور اس سے اگلے روز قادیان پہنچ گئے۔ ۷رمئی کے بعد یہ سب کچھ کم سے کم دس پندرہ دن میں وقوع پذیر ہوا ہو تب بھی بھائی جی ۱۷یا ۲۲رمئی سے قبل قادیان نہیں پہنچے بہر حال اس قدر ثابت ہو گیا کہ یکم مئی کو آپ مالیر کوٹلہ میں نہیں تھے کیونکہ حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ کی شدید علالت کی خبر کے بعد پھر کوئی اطلاع نہ آنے کے باعث یکم مئی کو حضرت مولوی عبد الکریم صاحبؓ نے خط لکھ کر نواب محمد علی خان صاحب سے استفسار کیا ہے۔ (خط مندرجہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۲،۱۰۱)

سو معلوم یہ ہوتا ہے کہ متن ہذا میں آپ کا بیان کہ آخر جولائی یا آغاز اگست میں آپ واپس پہنچے یہی درست ہے گویا واپس پہنچنے سے قبل حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ مالیر کوٹلہ جا چکے تھے اور بعد میں حضرت بھائی عبد الرحیم صاحبؓ بھی چونکہ آپ زیادہ مانوس بھائی جی سے تھے۔ ان کو قادیان میں نہ پا کر آپ اداس ہوئے اور اجازت منگوا کر آپ بھی مالیر کوٹلہ چلے گئے۔

کے محلّہ کے غربی جانب سڑک پر ہی یکہ سے کود پڑا۔ اور جلد جلد قدم اٹھاتے ہوئے مہمان خانے سے متصل موڑ پر پہنچا تھا کہ میرے بعض پرانے دوستوں اور بزرگوں نے مجھے دیکھ لیا۔ وفورِ محبت میں گلے لگایا اور لمبی جدائی کے صدموں اور مفارقت کے داغوں کو طرفین نے اپنی آنکھوں کے پانی سے دھویا۔ مرحبا اور جزاک اللہ کی دعائیں۔ شاباش اور مبارکباد کی صدائیں کچھ اس طرح فضا میں گونجنے لگیں کہ آن کی آن میں سارا ڈیرہ میرے گرد جمع ہو گیا اور ایک دوسرے سے بڑھ کر یوں اظہار محبت و اخوت کرنے اور خوشی و ہمدردی بتانے لگے کہ حقیقی بھائی بہنوں میں بھی شاذ ہی ایسا نظارہ دیکھنے میں آتا ہو۔ اور ہر ایک نے مجھے گلے لگایا۔ حضرت مولانا نورالدینؓ کو آپ کے مطب میں میرے آ جانے کی کسی نے اطلاع پہنچا دی تھی۔ میرے سلام کے جواب میں سروقد کھڑے ہو گئے اور نہایت شفقت سے گلے لگا کر دعائیں دیں اور محبت سے اپنے پاس بیٹھا لیا۔ کسی گہرے خیال اور پرانی بات کے تصوّر میں حضور سمیت ساری مجلس پر ایک سکتہ کا عالم تھا اور ابھی کوئی بات شروع نہ ہونے پائی تھی کہ مسجد مبارک کی بلندی سے اللہ اکبر اللہ اکبر کی پرجلال ندا نے اس خموشی اور سکوت کو توڑا اور مجلس نماز کے لئے برخاست ہو گئی۔

میں جلد جلد وضو کر کے مسجد مبارک میں پہنچا۔ ظہر کی نماز کی سنتیں ادا کیں۔ اتنے میں حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ تشریف لے آئے۔ میں نے سلام کیا۔ بہت محبت سے ملے۔ اور مجھے دیکھ کر اپنی عادت کے مطابق بہت ہی خوشی کا اظہار فرمایا اور کچھ ایسے رنگ میں میرے واپس آ جانے کے عمل کی تعریف فرمائی کہ اس کا ذکر کرنے سے بھی شرماتا ہوں۔ میرے حالات پوچھ ہی رہے تھے کہ خدا کے برگزیدہ مسیح موعود جری اللہ فی حلل الانبیاء بیت الفکر سے مسجد مبارک میں تشریف فرما ہوئے۔ میں جوش نیازمندی اور محبت و عقیدت میں آگے بڑھا۔ مصافحہ کیا، ہاتھوں کو چوما اور قدموں میں گرا۔ حضور نے دست شفقت سے نوازا اور تلطف سے اٹھایا اور فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ آ گئے بہت اچھا ہوا۔ آپ کے والد صاحب نے وعدہ کا پاس نہ کیا اور آپ کو روک کر تکلیف میں ڈالا۔ ہمیں بہت فکر تھی مگر شکر ہے کہ آپ کو اللہ نے ثابت قدم رکھا اور کامیاب فرمایا۔ مومن قول کا پکا اور وفادار ہوتا ہے۔

نماز باجماعت شروع ہوگئی۔ اور حضور نماز کے بعد اندر تشریف لے گئے۔ پھر اسی روز یا دوسرے دن وہ کاغذ معاہدہ جو حضور نے میرے والد صاحب سے لکھوا کر مجھے ان کے ساتھ چلے جانے کا حکم دیا تھا اور حضور نے اسے محفوظ رکھا ہوا تھا نکال کر مجھے بھجوایا۔ جس کی غرض ظاہر ہے کہ میری تربیت فرمانا اور میرے ایمان کو زیادہ مضبوط بنانا تھی۔

حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی نے خاکسار مولف کولکھوایا تھا کہ:

۱- نو ماہ کے بعد واپسی پر مجھے عبدالعزیز صاحبؓ نومسلم سے معلوم ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے میرے اس غیوبت کے دوران خواب دیکھا تھا کہ میں یعنی عبدالرحمٰن (قادیانی) آگے آگے اور میرے پیچھے میاں عبدالرحیم صاحب ہیں یعنی حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب قادیانی۔ اور یہ خواب سنا کر حضور نے یہ تعبیر بیان فرمائی کہ میاں عبدالرحمٰن انشاءاللہ واپس آجائیں گے۔

۲- اسی طرح میری اس غیر حاضری میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ میں عبدالرحمٰن قادیانی قادیان پہنچ گیا ہوں۔ مگر میرا لباس سیاہ ہے۔ حضور نے تعبیر میں فرمایا کہ انشاء اللہ میاں عبدالرحمٰن واپس آجائیں گے اور فرمایا کہ سیاہ لباس کی تعبیر انشااللہ ان کے حق میں خوشکن ہوگی۔

والد کی قادیان میں خفیہ آکر بھائی جی کو پکڑ لے جانے میں ناکامی

میں اس پیاری بستی میں خوش خوش رہنے لگا۔ کئی دن بلکہ اکثر حصہ راتوں کا آپ بیتی سنانے میں گذرا۔ پھر حالات معمول پر آ گئے۔ اور میرا دل بزرگوں اور احباب کے محبت بھرے سلوک اور تعلقات کے باعث مطمئن تھا۔ مگر مجھے والد صاحب کی طبیعت اور خاندانی حالات کے مدنظر خدشہ تھا کہ وہ پہلے سے زیادہ غضب ناک ہو کر میرا تعاقب کریں گے اور ہم سب زیادہ محتاط رہنے لگے۔ چند روز انتظار کے بعد گھر میں گھبراہٹ ہوئی اور موضع ظفروال سے بھی ان کو جواباً معلوم ہوگیا کہ میں وہاں نہیں پہنچا۔ ادھر قادیان کے غیر مسلموں نے جو ہمیشہ اسی تاک میں رہتے تھے کہ کاری ضرب لگائیں جس سے سلسلہ احمدیہ پاش پاش ہوجائے۔ پہلی بار بھی والد صاحب کی امداد اور حوصلہ افزائی کی تھی۔ اب مجھے واپس آیا دیکھ کر ان کے سینوں پر کیونکر سانپ لوٹتے ہوں گے۔ انہوں نے والد صاحب کو اطلاع دی اور ان کو غیرت دلائی اور بہت کچھ سخت سست کہا۔ والد صاحب جس امر کو پہلے برادری سے چھپاتے تھے اب اسے علی الاعلان سنا دینے پر مجبور ہوئے۔ چنانچہ اکابر نے امداد کا وعدہ کیا اور قادیان کے ان خاص لوگوں سے مشورہ لینے اور ان کو امداد کے لئے تیار کرنے کے لئے والد صاحب کو قادیان بھیجا۔ قادیان کے ان لوگوں نے امکان بھر امداد کرنے کا وعدہ کیا اور ایسے مشورے دیئے جن سے والد صاحب کامیابی کو یقینی سمجھتے ہوئے خوش وخرم واپس گئے اور میری تعزیر کے واسطے جو کچھ انہوں نے سوچنا شروع کیا ان کا ذکر کبھی گھر میں بے ساختہ ہوا۔ تو والدہ صاحبہ مارے مامتا کے تڑپ اٹھیں۔ اور ایسے ارادوں سے باز رکھنے کی مقدور بھر کوشش کرتیں لیکن

والد صاحب ننگ و ناموس کے خیال سے اپنے لائحہ عمل کو عملی جامہ پہنچانے پر اصرار کرتے۔

ایک روز شیخ عبدالعزیز صاحب نومسلم نے مجھ سے اصرار کیا کہ چلو آج بڑی مسجد میں چل کر قرآن شریف پڑھیں۔ میں چونکہ ان کے ساتھ ہی رہتا سہتا تھا۔ ان کے تقاضا کو رد نہ کر سکا اور ان کے ساتھ مسجد اقصیٰ کو اپنا قرآن شریف لے کر چلا گیا۔ اور محراب کے قریب بیٹھ کر سر سے پگڑی اتاری اور اس پر قرآن شریف رکھ کر اپنی منزل کی جگہ کو تلاش کر ہی رہا تھا کہ اچانک میری نظر باہر صحن کی طرف اٹھی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ میرے ایک چچا بسا کھا سنگھ یا بسا کھی رام سامنے کھڑے جلدی جلدی جوتا اتارنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جن کو دیکھتے ہی میرا ماتھا ٹھنکا کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے میں نے فوراً قرآن شریف کو بند کیا۔ پگڑی سر پر رکھی اور چچا صاحب کی طرف بڑھا۔ اتنے میں وہ بھی جوتا کھول کر صحن میں داخل ہو چکے تھے۔ وسط صحن تک بڑھ کر سلام کیا۔ انہوں نے چھاتی سے لگا کر پیار کیا اور جب انہوں نے مجھے چھاتی سے جدا کیا۔ میں جلد جلد مسجد کے صحن سے باہر ہو گیا۔ تا کہ ان سے بچ نکلوں۔ انہوں نے بھی جلدی تو بہت کی مگر جوتا پہننے میں لمحہ بھر دیر ہوئی۔ میں مسجد اقصیٰ کے دروازے کی طرف لپکا۔ جہاں کیا دیکھتا ہوں کہ شیروں کی مانند تین سفید پوش دراز قد مسلمان جوانمرد کوچہ میں کھڑے ہیں ان کو میں نے پہچانا اور سیڑھیوں سے اتر کر ان میں سے ایک کے ساتھ مصافحہ کیا۔ مگر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے محسوس کیا کہ جس شخص کو میں نے مسلمان سمجھ کر مصافحہ کے لئے ہاتھ دیا تھا اس کی طرف سے مصافحہ کے جواب میں ایک سخت گرفت نمودار ہوئی جس کے ساتھ ہی مجھ پر اس سازش کا انکشاف ہو گیا۔ کیونکہ پاس ہی چوک میں ایک یکہ کھڑا دیکھ لیا۔ اس پر میں نے اس زور سے جھٹکا مارا کہ اس بھاری بھرکم جوان سورما کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ میرا ہاتھ چھوٹ گیا اور میں وہاں سے بے تحاشہ اپنے ڈیرے کی طرف دوڑنے لگا۔

شان ایزدی کہ میرے چچا صاحب میرے پیچھے تھے اور تین نوجوانوں نے میرا راستہ یوں روک رکھا تھا کہ ایک چوک کی طرف دوسرا ہمارے ڈیرہ کو آنے والی گلی میں اور تیسرا بالکل میرے سامنے تھا گویا میں چاروں طرف سے ایسا گھرا ہوا تھا کہ بچ نکلنا ناممکن تھا۔ مگر قربان جاؤں خدائے بلند و برتر پر کہ اس نے ایسے نازک مرحلہ پر غیب سے میری مدد فرمائی اور دشمن کے نرغہ سے خارق عادت رنگ میں مجھے رہائی بخشی ورنہ ان کے ارادے ظاہر تھے۔ یکہ تیار کھڑا تھا۔ پکڑنے اور اٹھا کر یکہ سے باندھ دینے کے لئے کافی سے زیادہ انتظام تھا۔ بازار پر دشمن کا قبضہ تھا اور حالات و اسباب کے لحاظ سے حقیقتاً دشمن بالکل مکمل ساز و سامان سے آراستہ اور میں کمزور، بالکل یکہ و تنہا، بے یار و مددگار تھا حتیٰ کہ میری فریاد تک میرے

ہمدردوں تک پہنچانے والا بھی کوئی نہ تھا۔ مگر اس موقعہ پر جو کچھ ظاہر ہوا وہ نہایت درجہ محیر العقول تھا۔ نہ جانے مجھ میں اتنی قوت کہاں سے آ گئی کہ دشمن کا مکر اور گرفت میرے مقابلہ میں کمزور و ہیچ ہوگئی۔ اور وہ سبھی ایسے مرعوب اور سست ہو گئے کہ میں علیٰ رغم انف ان کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ اور وہ کچھ نہ کر سکے اور دوڑا اور خوب دوڑا۔ وہ بھی میرے پیچھے بھاگے اور خوب بھاگے۔ میرے کان آشنا ہیں کہ جب میں ڈپٹی شنکر داس صاحب کی بیٹھک کے باہر سے بھاگ نکلا اور میرے پیچھے تین چار بھاگنے والوں کی دبڑ دبڑ کی آواز نے گلی میں ایک شور بپا کر دیا تو اس گھر کے مکینوں نے جو موجودہ دفاتر صدر انجمن احمدیہ ملحقہ مسجد اقصیٰ والے مکان کے اس وقت کے مالک و ساکنین تھے کھڑکیوں سے سر نکالے اور اس بھاگڑ کو دیکھ کر خوب ہی مذاق اڑایا۔ میری اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور میں ان کے ہاتھ نہ آیا۔ اور جب مسجد مبارک کی کوچہ بندی کے قریب پہنچا تو چچا صاحب بزرگوار نے میرا نام لے کر پکارا۔ اور فرمایا کہ ''بات تو سن لو۔'' میں نے دوڑتے ہی دوڑتے جواب میں عرض کیا۔ کہ ''چچا ابا! چند قدم اور آگے آ جائیں۔ آپ جو کچھ فرمائیں گے میں سننے کو حاضر ہوں'' کیونکہ اس جگہ سے آگے ہماری اپنی آبادی تھی۔ مگر چچا صاحب محترم نے اس وقت آگے بڑھنا مناسب نہ سمجھا اور وہیں سے بے نیل و مرام بصد حسرت واپس لوٹ گئے۔

شیخ عبدالعزیز صاحب میرے یوں اچانک مسجد اقصیٰ سے نکل آنے کی وجہ سے پریشان تھے اور گو میں نے چچا صاحب محترم کو پہلی نظر دیکھتے ہی ان کو کہا تھا کہ ''بھائی جی! جلدی چلو یہاں کچھ خطرہ ہے۔'' مگر وہ بات نہ سمجھ سکے۔ اور مسجد کے باہر کے واقعات کو سن کر اور بھی حیران ہوئے اور چند منٹ بعد میرے پاس آ کر سارا ماجرا سنا۔ اور بہت ہی تعجب کیا اور معذرت کی۔

ظہر کی نماز کے بعد غالباً میرے چچا صاحب محترم میرے چھوٹے بھائی عزیز بابو امرناتھ☆ کو لے کر

☆ بابو امرناتھ صاحب حضرت اقدس کے زمانہ میں بھائی جی کے پاس قادیان گئے تھے اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور یہاں کتابت سیکھی تھی۔ اقارب نے یہ دیکھ کر کہ دوسرا بھائی بھی ہاتھ سے جا رہا ہے بابو جی کو قادیان سے بلا لیا۔ دو سال ہوئے وہ جالندھر میں فوت ہو گئے۔ وہ روزنامہ ''پرتاپ'' جالندھر کے کاتب تھے اور مالکان اخبار اور عملہ میں بہت قابل عزت سمجھے جاتے تھے۔ مکتوبات اصحاب احمد جلد اوّل صفحہ ۶۲ پر درج ہے کہ وہ ابتداء میں قادیان میں رہے۔ افسوس والدہ کی دلجوئی کی خاطر دوبارہ قبول اسلام سے وہ رُکے رہے اور بالآخر ہمیشہ کے لئے محروم رہ گئے۔ تقسیم ملک کے بعد جالندھر میں اکثر ہماری ملاقات ان سے ہوتی رہی ہے۔

آئے۔ جسے وہ محض اس خیال سے ہمراہ لائے ہوئے تھے کہ اگر اور کوئی حربہ کارگر نہ ہوا تو اس ذریعہ سے مطلب براری کی کوشش کرسکیں۔ کیونکہ مجھے عزیز سے بہت محبت تھی۔ اور عزیز بھی چونکہ میری گودیوں کا پلا تھا اس کو مجھ سے بے حد انس تھا۔ عزیز میرے پاس آتے ہی زاروقطار رونے لگا۔ اور اس کی بلبلاہٹ اور چیخ و پکار سے فطرتاً میرا دل بھی بھر آیا۔ مگر میں نے دل کو ضبط کیا، اپنے حواس کو سنبھالا اور دشمن کی اس چال کے شر سے بچنے کے لئے خدا سے دعا مانگی اور اللہ کا فضل تھا مگر میرے رفقاء کو اندیشہ ہوا کہ مبادا میں اس چال سے متاثر ہو کر ان کی طرف جھک جاؤں۔ سو انہوں نے میرے گرد بار بار چکر لگا کر ایسی آیات، اشعار و اقوال با آواز بلند پڑھنے شروع کئے جن میں ایسے فتنہ کے مقابلہ کا ذکر اور اس کے بچنے کی تاکید و تدبیر کا ذکر تھا۔ تھوڑی دیر میں عزیز کی طبیعت سنبھل گئی اور میں نے اسے بہلا لیا اور وہ خوش و خرم ہو کر مجھ سے بے تکلف ہو گیا جسے دیکھ کر چچا صاحب کے دل میں کوئی اور خیال آنے لگا جس کے مدنظر باوجود میرے اصرار کے انہوں نے عزیز کو میرے پاس زیادہ دیر ٹھہرنے کی اجازت نہ دی اور اسے لے کر چلے گئے۔

مرزا نظام الدین صاحب کے ذریعہ کوشش ناکام

چچا صاحب پھر اکیلے ملے تا کہ میں عزیز کو ملنے کی درخواست کروں اور وہ مجھے اپنے ڈیرے میں چلنے کے لئے کہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے میرے دل کو اطمینان و سکینت بخش دی تھی۔ سو میری بے رخی دیکھ کر وہ مایوس ہو گئے اور مرزا نظام الدین صاحب کے ہاں چلے گئے۔ چونکہ دونوں رسالدار میجر رہے تھے اس لئے مرزا نظام الدین صاحب بہت اخلاق سے پیش آئے اور نہ معلوم کس کس رنگ میں باتیں چچا صاحب نے کیں کہ وہ متاثر ہو گئے اور مجھے بلوا کے بہت سفارش کی کہ ان کے ساتھ چلا جاؤں اور اب کے کوئی تکلیف ہوئی تو وہ ذمہ دار ہیں۔ مگر میری طرف سے کورا جواب پا کر مرزا صاحب نے چچا صاحب کو صبح کے واقعہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ آپ نے مفسد لوگوں کے کہنے میں آ کر سخت غلطی کی۔ اب کوئی کوشش کارگر نہ ہوگی۔ اگر آپ میرے پاس چلے آتے تو میں شاید اس طرح بھی امداد کر سکتا کہ بھائی صاحب یعنی مسیح موعود علیہ السلام سے کہہ سن کر لڑکے کو آپ کے ساتھ بھجوا دیتا اور اس طرح شاید طرفین کے تعلقات اچھے ہو سکتے۔

بعد میں معلوم ہوا کہ چچا صاحب قادیان میں دو دن تک صلاح و مشورہ میں مصروف رہے۔ اور کئی قسم

کے منصوبے ہوتے رہے مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں ناکام کر کے مجھے اپنی حفاظت میں رکھا۔ ورنہ ان کا حملہ اپنی شدت اور تنظیم کے لحاظ سے اتنا سخت اور اتنی گہری سازش کا نتیجہ تھا کہ ان کو ناکامی کا وہم تک نہ تھا۔ ریٹائرڈ رسالدار ہونے کی وجہ سے تدبیر اور تجربہ کی پختگی بھی تھی اور اسی زعم میں وہ گھر سے بہت بڑا بول بول کر نکلے تھے۔ اور اپنے ساتھی مسلمان چوہدریوں کی ہمت اور حسن تدبیر پر بھی ان کو بڑا ناز تھا۔ اور قادیان کے لوگوں کی بھی امداد اور وعدوں نے گویا کامیابی کو بالکل سامنے لا کھڑا کیا تھا۔ چچا صاحب ناکام ہوکر والد صاحب کے پاس نہیں گئے۔ بلکہ سیدھے اپنے گھر چلے گئے اور ان کے ساتھی مسلمانوں سے والد صاحب کو حالات کا علم ہوا۔ اس دفعہ کی ساری تدبیر دراصل ہماری برادری کی سب سے پہلی مدد تھی۔ ان حالات کا علم ہوکر اقارب نے رنگارنگ کے حیلے سوچنے شروع کئے۔ کسی نے نرمی سے، کسی نے جھوٹے مقدمات سے، کسی نے سسرال کو اکسا کر قانونی چارہ جوئی کرانے کے ذریعہ حملہ کرنے کی تجویز کی اور جوں جوں ان لوگوں کو ناکامی ہوئی۔ توں توں وہ گھناؤنی سازشوں اور ناجائز وسائل کی طرف جھکتے گئے۔ اور ننگ و ناموس کی بربادی کے خیال سے جوش انتقام میں بڑھتے گئے۔ لیکن حسب فرمان الٰہی کہ

اِنَّ کَیۡدَ الشَّیۡطٰنِ کَانَ ضَعِیۡفًا ۔۴

ان کے سارے منصوبے ناکام ہوکر ان کے اموال کے ضیاع اور دلوں کے حسد کا موجب بن گئے۔

اقارب کی ایک اور کوشش ناکام

متاع اسلام کو چھیننے کی خاطر دوسرا حملہ اقارب میں سے چوہدری نتھو رام زمیندار موضع جاپو وال متصل گورداسپور کے ذریعہ کیا گیا۔ جو اپنی شیریں کلامی، نرم طبیعت اور پر حکمت خصلت کے باعث برادری میں مسلّم تھے۔ اور خیالات کی پختگی اور مذہبی معلومات کی وسعت کے لحاظ سے بہت ہوشیار تھے۔ چنانچہ وہ رخصت حاصل کر کے قادیان پہنچے اور میری طبیعت کا مطالعہ کر کے دو دن نہایت محبت کے رنگ میں میرے ساتھ گفتگو میں مصروف رہے۔ اول ان کی توجہ اس امر پر مبذول رہی کہ مجھے اسلامی احکام یاد کرا کے والدین و اقارب کے حقوق کی ادائیگی وغیرہ اخلاق کی پابندی کرنے کی تاکید کریں اور میرے جذبات کو ابھار کر مجھ سے صرف یہ مطالبہ کرتے کہ جس صداقت کو تم نے قبول کر لیا ہے بیشک اسی پر قائم رہو۔ لیکن خونی تعلقات کو قطع نہ کرو اور والدین کی اطاعت کر کے ان کو خوش کرو۔ ورنہ تمہارا اسلام بھی قبول نہیں ہوگا۔ میرے دوست اور بزرگ پوری نگرانی کرتے تھے اور مناسب جواب سے میری راہنمائی کرتے

اور دراصل اللہ تعالیٰ کے خاص فضل کے بغیر ان کے اس پوشیدہ جال سے بچ نکلنا مشکل تھا۔ والد صاحب کا معاہدہ میرے پاس موجود تھا ان کی خلاف معاہدہ کارروائی چوہدری صاحب کی ساری دلیلوں کے لئے عصائے موسوی کا حکم رکھتی تھی۔

اس طریق کو ناکام ہوتے دیکھ کر اب انہوں نے مصلحت آمیز لباس اتار کے اپنا باطن ظاہر کیا اور بحث ومباحثہ کا رنگ اختیار کرلیا۔ اور عیسائی اور آریہ معاندین کے بودے ہتھیاروں سے مجھ پر حملہ آور ہوئے۔ عبداللہ آتھم کی پیشگوئی اور لیکھرام کے مباہلہ کو بار بار پیش کرکے غالب آنے کی کوشش کی لیکن میں حضرت اقدس کی پرنور تصنیفات کے مطالعہ کے باعث ان کو دندان شکن جواب دیتا جس سے چوہدری صاحب کو اپنی کم علمی اور مغلوبیت کا اعتراف کئے بغیر چارہ نہ رہا۔ اور آخر فیصلہ لیکھرام والی پیشگوئی پر منحصر ٹھہرا۔ جس کے پورے ہونے کا ابھی انتظار تھا۔ بالآخر انہوں نے اپنا آخری اور اوچھا ہتھیار نکالا اور میری غیرت کو چیلنج کیا۔ جذبات کو اپیل کی۔ اور تانبے، پیتل اور کانسی کے برتنوں، مٹی کے لوٹے، ٹھوٹے اور کنالیوں کے طعن دینے شروع کئے۔ کہیں مسلمانوں کی موجودہ بدعملی، خستہ حالی اور افلاس وغربت کے تذکرے اور ہندو اقوام کی بڑائی اور مالی برتری کے افسانے سنا سنا کر مجھے جوش دلانے کی کوشش کی اور کبھی خاندانی شوکت وسطوت اور بڑے بوڑھوں کے کارنامے سنا سنا کر شرم دلانے کی راہ اختیار کی اور انجام کار جب دیکھا کہ ان کے سارے حیلے بے اثر اور سارے حربے بے کار رہے تو یہ کہتے ہوئے مجھ سے رخصت ہوگئے کہ ''ٹٹیاں باہیں گل نوں ای آندیاں ہیں۔'' یعنی مسلمانوں نے جو سبز باغ تمہیں دکھلا کر ورغلایا ہے چند روز میں ان کی حقیقت تم پر کھل جائے گی۔ تب تمہاری آنکھیں کھلیں گی ابھی چونکہ نئے نئے اس جال میں پھنسے ہو۔ آؤ بھگت ہورہی ہے زیادہ عرصہ نہ گذرے گا کہ یہ نشہ اتر جائے گا اور تم سمجھو گے کہ کسی خیرخواہ کی نصیحت کو کس طرح رد کیا اور ٹھکرایا تھا دیکھو پھر کہتا ہوں کہ ''ڈلیاں بیراں دا اجے وی کجھ نہیں گیا۔'' مان لو۔ بھلا ہوگا۔ ورنہ پچھتاؤ گے۔

میرے مکرم ایسے ہی الفاظ کہتے ہوئے مجھ سے جدا ہونے کو کھڑے ہوگئے۔ اگرچہ میرا دل نرم تھا اور ان کے ادب کا بھی مجھے پاس تھا مگر ان کے آخری حملہ کو بے جواب چھوڑنے کو میں نے بے غیرتی اور دون ہمتی یقین کرتے ہوئے خاموش رہنا برداشت نہ کیا۔ اور جاتے جاتے مخاطب کرکے بصد ادب عرض کر ہی دیا کہ

''اگر یہ دل صرف اور صرف خدا کے لئے آپ لوگوں سے جدا ہوا ہے تو یقیناً وہ ان بازوؤں کو نہ ٹوٹنے

دے گا بلکہ خود غیب سے ہمیشہ میری دستگیری وامداد فرمائے گا اور میں اس یقین سے پُر ہوں کہ وہ ذات والا صفات کبھی بھی مجھے ایسے دعوے کرنے اور بڑے بول بولنے والوں کا محتاج نہ ہونے دے گی۔''

میں نے یہ الفاظ چلتے چلتے بہت ادب سے ان کے گوش گذار کئے جس کے بعد وہ اپنے گاؤں کو چلے گئے اور مجھے اللہ کریم نے اپنے فضل بے پایاں سے اس مرحلہ پر بھی ثبات ونشاط بخش کر نوازا۔ اور دارالامان ہی میں جگہ عطا فرمائے رکھی۔ فالحمدللہ۔

آپ کی اہلیہ محترمہ بیان فرماتی ہیں کہ تقسیم ملک کے بعد بچوں کو اپنے وطن میں جدی اراضی اور مکانات دیئے جانے کا حکم ہوا۔ حضرت بھائی جی سے بچوں نے کہا کہ آپ بھی وہاں تشریف لے چلیں۔ آپ نے فرمایا کہ قریباً نصف صدی قبل چوہدری نھتو رام صاحب نے کہا تھا کہ ٹوٹے ہوئے بازو گلے کو آتے ہیں۔ گو حالات وہ نہیں رہے لیکن میری غیرت برداشت نہیں کرتی کہ میں وہاں جاؤں گو بالاخراس کے سوا چارہ اور ٹھکانہ نہیں رہا اور اس طرح ان کی بات ظاہراً پوری ہو۔ اس پر بچوں نے بھی وہاں جانا پسند نہیں کیا۔

بھائی جی نے مزید بتایا کہ چوہدری صاحب سے پھر بھی ملاقات ان کے گاؤں اور گورداسپور میں ہوتی رہی۔ مگر لیکھرام والی پیشگوئی کے نا قابل انکار واقعہ نے ان کے دل پر ایسا اثر کیا کہ پھر انہوں نے کبھی بھی مجھ سے مذہبی معاملہ میں گفتگو کرنے کی جرأت نہ کی اور صداقت وحق کے سامنے یوں گردن ڈال دی کہ گویا تسلیم کے مقام پر کھڑے ہیں اور یہ بھی ان کی شرافت تھی۔

بعد ازاں مجھے مرعوب کرنے کی غرض سے کئی قسم کی خبریں مجھے پہنچائی جاتیں۔ چنانچہ والدین اور رشتہ دار میرے سسرال کو میرے خلاف مقدمات دائر کرانے کے لئے اکسایا کرتے۔ ان پر زور بھی ڈالا۔ مگر انہوں نے یہ کہتے ہوئے ایسی نجاست پر منہ مارنے سے عذر کر دیا کہ پہلے ہی

''نہ معلوم کس پاپ کی سزا ہمیں بھگتنا پڑی ہے اور اپرادھ (ظلم) کر کے ہمارا کہاں ٹھکانہ ہوگا۔''

مگر میرے والد صاحب اور بعض عیار رشتہ داروں کو نہ معلوم کتنی جلن لگی تھی کہ ان کے غضب کی آگ بجھنے میں ہی نہ آتی تھی۔ اور وہ میرے درپے آزار ہی چلے جا رہے تھے۔

سمن آنے پر حضرت اقدس کا مشورہ

نہ معلوم کتنے منصوبوں اور سازشوں میں ان کو ناکامی ونامرادی کا منہ دیکھنا نصیب ہوا۔ اور آتش انتقام کہاں کہاں ان کو لئے پھرتی رہی۔ کس قدر مال ومنال ایسی حیلہ سازیوں کی انہوں نے نذر کیا۔

اور کس کس کی در پر دہ ناصیہ فرسائی کرتے پھرے۔ جس کے نتیجہ میں ایک روز اچانک ایک چپڑاسی میرے نام کا ایک سمن لئے میری تلاش میں پھرا کیا۔ اور آخر میرے تک پہنچا۔ اس نے مجھے سمن دکھا کر دستخط کرنے کا تقاضا کیا۔ میرے لئے عمر بھر میں یہ پہلا موقعہ تھا کہ سرکاری کاغذ میرے نام آیا۔ کچھ گھبراہٹ تھی۔ کچھ عیار مذکور یئے کا تقاضا۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ قلم دوات چپڑاسی ساتھ رکھا کرتے تھے نکال سامنے کی۔ اور میں نے اطلاع پائی لکھ دیا۔ بلکہ الفاظ بھی وہی لکھے جو چپڑاسی نے لکھائے۔

مجھے یہ بھی تو علم نہ تھا کہ سمن کا مثنیٰ مجھے لینا چاہئے۔ جو کچھ ہوا اس میں پہلی بعض افواہوں اور اخبار کا بھی اثر و دخل تھا۔ سوجھی تو صرف یہ کہ سیدھا اپنے آقائے نامدار سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود مہدی معہود کے در پر جا دستک دی۔ دریافت پر اپنا نام عرض کیا۔ اور حضور پر نور بہ نفس نفیس دروازہ پر تشریف لے آئے۔ نہایت ہی لطف و کرم سے بات پوچھی جو میں نے لرزتے کانپتے عالم پریشانی میں ہی عرض کر دی۔ حضور نے توجہ سے سن کر نہایت ہی محبت آمیز لہجہ میں فرمایا۔ (ایک لحہ بھر کے وقفہ کے بعد)

''میاں عبدالرحمٰن آپ نے سمن کو پڑھا بھی تھا کہ کس مقدمہ میں حاضری مطلوب ہے اور کس تاریخ کو پیشی ہوگی؟''

حضور نہیں! میں نے عرض کیا۔ اور حضور مجھے تو سمن اور مقدمہ کے نام سے ہی ایسی گھبراہٹ ہوئی نہ کچھ سمجھا نہ بوجھا اور جو کچھ اس نے کہا میں نے لکھ کر دے دیا۔

فرمایا:

> ''میاں عبدالرحمٰن غلطی ہوئی ہے۔ جلد جاؤ اور اس کو تلاش کر کے تاریخ حاضری تو معلوم کرلو۔''

بہت اچھا حضور! عرض کر کے میں گلی بازاروں میں اس چپڑاسی کی تلاش کرنے لگا۔ اور آخر کم وبیش دو گھنٹہ کی تلاش اور سرگردانی کے بعد وہ مجھے مل گیا اور جس طرح حضور نے ہدایت فرمائی تھی نرمی اور حکمت سے میں نے سمن کا مثنیٰ مانگا اور حاضری کی تاریخ پوچھی۔ مگر میری خوشی کی انتہا نہ رہی جب مجھے تاریخ حاضری کا علم ہوا۔ میری جان میں جان آ گئی۔ کیونکہ جس تاریخ کے لئے مجھ پر سمن کی تعمیل کرائی گئی تھی وہ تاریخ دو دن ہوئے گذر بھی چکی تھی۔ میں نے جھٹ اپنے دستخطوں کے نیچے وصولی سمن کی تاریخ درج کر دی۔ اور خود حضرت اقدس کے حضور حاضر ہو کر معاملہ عرض کیا۔ جس پر حضور تبسم فرماتے ''اچھا ہوا اور بہت اچھا ہوا۔'' فرماتے ہوئے اندر تشریف لے گئے اور اسی طرح محض حضور کی توجہ کے طفیل سے

وہی بات ہوئی کہ ع

''رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت''

پھر نہ کبھی کوئی سمن آیا نہ مجھے کسی نے طلب کیا نہ معلوم کیا تھا اور وہ معاملہ کدھر چلا گیا۔

والدین کو ہمیشہ کے لئے مایوس کرنا

ان آئے دن کے جھگڑوں سے تنگ آ کر اور والدین کے مال کے ضیاع کا خیال کر کے اور پھر اس خیال سے بھی کہ ضرور مجھ میں کوئی نہ کوئی نقص ہے ورنہ دشمن کو مجھ سے ہمیشہ کے لئے مایوس ہو جانا چاہئے تھا اس لئے مجھے اس قضیہ کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دینا چاہئے۔ میں نے دعائیں کر کے ایک مفصل خط والدہ محترمہ کی خدمت میں لکھا جس میں یہ تحریر کیا کہ آپ خود گواہ ہیں کہ میرے اسلام لانے کی کیا وجوہات ہیں۔ کوئی دباؤ یا طمع یا بداخلاقی اس کی محرک نہیں بلکہ اسلام کی خوبیوں نے میرا دل فتح کر لیا ہے۔ اس لئے آپ زیادہ سے زیادہ میرے جسم پر قابو پا سکتے ہیں سابقہ تجربہ ہی اس امر کے سمجھنے کے لئے کافی تھا کہ آپ ہزاروں روپیہ کئی سالوں میں خرچ کرنے کے باوجود مجھ پر قابو نہیں پا سکے۔ اس لئے آپ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر راضی ہو رہئے۔ بالفرض آپ لوگ مجھے پکڑ لے جانے میں کامیاب بھی ہو جائیں اور میرے جسم کے ٹکڑے کر کے ان کا قیمہ بھی بنا دیں تب بھی ہر ذرہ سے

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

کی صدا بلند ہوگی۔ اسلام میرے رگ و پے میں رچ چکا ہے۔ جسم مغلوب ہو سکتے ہیں مگر قلوب نہیں۔ خدا تعالیٰ کی قدرت کہ جب یہ خط پہنچا والد صاحب گھر پر نہ تھے اور والدہ صاحبہ نے کسی مسلمان سے خط پڑھوایا جس نے خط سنانے کا حق بھی ادا کر دیا۔ اور خط ایسا موثر ثابت ہوا کہ وہ زار و قطار رونے لگیں۔ اور اسی جگہ عہد کر لیا کہ آئندہ اس طریق کو قطعاً ترک کر دیں گے اور مجھے بہت معقول اور تسلی بخش جواب بھی دیا کہ اچھا بیٹا جیتے رہو۔ تمہاری طرف سے ٹھنڈی ہوا آتی رہے جو ہونا تھا سو ہو چکا۔ اب پرمیشر سے تو لڑا نہیں جا سکتا۔ سو اس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ قضیہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔

آپ کی شدید علالت پر والدہ صاحبہ کی قادیان میں آمد

بعد ازاں میں بیمار ہو گیا اور باوجود با قاعدہ علاج معالجہ کے جو حضرت حکیم الامت جیسے حاذق اور

بے نظیر ہمدرد خلائق شاہی طبیب پوری توجہ اور با قاعدگی سے کرتے رہے۔ بیماری بڑھتے بڑھتے اتنی بڑھی کہ تپ دق بن گئی اور پہلا درجہ طے کر کے دوسرے بلکہ تیسرے درجہ تک جا پہنچی۔ اسی پر بس نہیں نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ حضرت مولانا نورالدینؓ جیسا باکمال اور کبھی نہ تھکنے اور مایوس ہونے والا انسان بھی گھبرا گیا۔ اور ایک روز تو برملا کھلی مجلس میں میری حالت کے متعلق ایسے الفاظ حضور کی زبان سے نکل گئے کہ مجھ سے تعلق رکھنے والے بعض دوست اسی مجلس میں چشم پر آب ہو گئے جن میں سے حضرت قاضی سیّد امیر حسین صاحب مرحوم رضی اللہ عنہ اور ایک میرے عزیز دوست شیخ احمد دین صاحب ڈنگوی جو بعد میں میرے نسبتی بھائی ہوئے' خاص طور سے مجھے یاد ہیں۔ وہ جب سے قادیان آئے میرے ساتھ رہتے اور مجھ سے محبت رکھتے تھے اور اس بیماری میں انہوں نے میری ایسی بے لاگ اور مخلصانہ خدمت کی جس کی یاد میرے دل سے نہ محو ہو سکتی ہے اور نہ میں ان کے اس احسان و خدمت کا کوئی صلہ دے سکتا ہوں اللہ تعالیٰ ہی ان کو جزائے خیر دے اور ان کو دین و دنیا کی نعمتوں سے مالا مال کرے۔ آمین۔ آپ کی اہلیہ محترمہ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے بھائی سے حضرت قادیانی صاحب کی علالت کے حالات سنے تھے۔☆

بھائی جی نے مزید بتایا کہ

بعض اوقات میں دیکھتا اور محسوس کرتا کہ وہ علیحدگی میں مجھ سے آنکھ بچا کر رو بھی لیا کرتے یا بعض دوسرے دوستوں سے جو میری عیادت کو تشریف لاتے کچھ ایسے رنگ کی باتیں کیا کرتے جس سے مجھے ان باتوں کے معلوم کرنے کی ٹوہ ہوئی اور آخر ایک روز بالکل تنہائی میں میں نے ان سے بات پوچھی جسے گو انہوں نے آج بھی ہمیشہ کی طرح مجھ سے چھپانے ہی کی کوشش کی مگر آخر میرے اصرار پر مجھے بتا دینے سے قبل خود زار و قطار رونے لگ گئے۔ اور بمشکل کئی وقفوں کے بعد سارا قصہ میری سمجھ میں آ سکا۔ جس کے سننے سے گو طبعاً مجھ پر گہرا اثر ہوا مگر میں نے فوراً عزیز کو سارا ماجرا خدا کے برگزیدہ مسیح کے حضور عرض کرنے کی تاکید کے ساتھ درخواست دعا کی غرض سے بھیج دیا۔ حضور نے بات سن کر افسوس کیا اور فرمایا۔ ''ہمیں پہلے اطلاع کیوں نہیں دی۔'' اور ساتھ ہی دوائی بتا کر تسلی دی اور فرمایا کہ ''آپ فوراً اس دوائی کو شروع کر دیں اور حالت کی اطلاع جلد جلد دیتے رہیں ہم دعا بھی کریں گے۔'' وہ دوائی کیا تھی؟ صبر۔ فرمایا۔ صبر اور صبر کا مادہ ایک ہی ہے جس طرح یہ صبر نہایت تلخ چیز ہے اسی طرح صبر بھی تلخ اور مشکل ہوتا

☆ آپ کی علالت کے قریباً ایک سال بعد ہماری شادی ہوئی تھی۔ شادی ۱۹۰۱ء کے آخر یا ۱۹۰۲ء کے آغاز میں ہوئی تھی۔

ہے۔مگر نتیجہ دونوں کا خدا کے فضل سے مفید، بابرکت اورانجام بخیر ہے اس دوائی کو مکھن میں یا بالائی میں لپیٹ کر صبح وشام کھایا کریں اور ساتھ ہی مقدار بھی ایک خوراک کی الگ فرما کر بتا دی۔

میرا حال یہ تھا کہ میرا مکان بھی اور کھانے پینے کے برتن بھی الگ کر دیئے گئے۔اورلوگوں کو میرے پاس زیادہ ٹھہرنے اور باتیں کرنے سے روک دیا گیا۔حتیٰ کہ خود شیخ احمد دین صاحب کو بھی یہ تاکید تھی کہ مجبوری اورضرورت کے سوا زیادہ میرے قریب نہ رہیں۔اوراس طرح مرض اور بیماری کے علاوہ ان کے حالات سے جو اثر میری طبیعت پر پڑنے لگا،وہ بہت ہی تکلیف دہ،دل شکن اورروح فرسا تھا۔اولاتو مجھے علیحدہ مکان کے حصول ہی میں مشکلات کا سامنا ہوا۔اورکوئی مکان اپنے حلقہ میں میسر نہ آیا۔دوسرے محلوں میں جا کر رہنا زندہ درگور ہونا اورموت کے خیال سے بھی بھاری تھا۔مگر ہزاروں ہزار رحمتیں نازل ہوں محترمہ خاتون فضل النساء بیگم صاحبہ مرحومہ کی روح پر جو مرزا محمد احسن بیگ صاحب کی والدہ اوررشتہ میں سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود کے خاندان اورمرزا نظام الدین صاحب کی ہمشیرہ تھیں موصوفہ کے مجھ پر اوربھی بہت سے احسانات ہیں انہوں نے مجھ غریب وبیکس کے حال پر رحم کھا کر اپنے اثر ورسوخ سے خان بہادر حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کے مکان میں سے ایک کوٹھڑی خام دلا کر اس فکر اورتشویش سے نجات دلائی جو اس وقت موجودہ صادق لائبریری کے صحن والی جگہ کے جنوب مغربی کونہ میں واقع تھی۔ (بعد میں تقسیم ملک سے قبل ہی صادق لائبریری یہاں سے منتقل ہوگئی تھی۔مؤلف)اوراس کے غرب میں کوچہ اورکوچہ کی دوسری جانب سیدۃ النساء حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا موجودہ باروچی خانہ والا کمرہ ہے۔جنوبی جانب حضرت نواب صاحب قبلہ کے موجودہ بلند وبالا مکان کی حد واقع تھی۔اوریہ حصے اس زمانہ میں بالکل ایک ویران چوگان کی شکل میں کھنڈر اورغیر آباد پڑے تھے۔

اس دوائی سے شاید ایک ہفتہ میں میری طبیعت سنبھلنے لگی اور ہوتے ہوتے حضور کی توجہات کریمانہ کے طفیل اللہ کریم نے ایسا فضل کیا کہ ایک روز جب کہ صبح حضور سیر کے واسطے جانے لگے تو میں نے دل کو مضبوط کیا اورلاٹھی کے سہارے لرزتا اورکانپتا حضور کی زیارت کے لئے بستر مرگ ہی سے گویا اٹھ کر احمدیہ چوک کی طرف بڑھا۔میں موجودہ صادق لائبریری کے ریڈنگ ہال والی جگہ سے کوچہ میں پہنچا تو حضور پر نور اس وقت حضرت حکیم الامت مولانا نورالدین رضی اللہ عنہ کے مطب کے پاس تھے۔میں چند ہی قدم بڑھا تھا اتنے میں حضور مکرمی مفتی فضل الرحمٰن صاحب کے مطب کے پاس آپہنچے۔میں نے سلام عرض کیا حضور نے آواز پہچان کر جواب دیا اورایک نظر شفقت مجھ پر ڈالی اورفرمایا۔’’میاں عبدالرحمٰن کیا

حال ہے؟'' جواب میں بصدادب میں نے عرض کیا اور حضور اتنے میں میرے قریب آ کر کھڑے ہو گئے ''حضور موت کے بعد ایک نئی زندگی ملتی معلوم ہوتی ہے'' اس پر حضور نے فرمایا۔ '' ٹھیک ہے کفر کا گوشت پوست تھا وہ جاتا رہا۔ اب سب خیر ہے۔ اب اسلامی گوشت پیدا ہوگا۔'' اور مسکراتے ہوئے معہ خدام سیر کو تشریف لے گئے۔

یہ کوئی لکی چھپی بات نہ تھی کہ سیدنا حضرت مولانا مولوی نورالدینؓ کو اللہ تعالیٰ نے جہاں دینی علوم میں یدطولیٰ عطا فرمایا تھا اور وہ زمانہ میں ایک عالم بے بدل مانے ہوئے تھے وہاں علم طب میں بھی ان کو کمال حاصل تھا اور ان کی تشخیص وعلاج کا زمانہ بھر میں سکہ بیٹھا ہوا تھا اور چونکہ وہ نہایت درجہ بے نفس، بے ریا اور سچے خیر خواہ خلق واقع ہوئے تھے۔ اکثر خدا تعالیٰ خود الہام سے بھی مدد فرماتا تھا۔ یہی وجوہ تھے کہ ملک کے کناروں سے لوگ بیماروں خصوصا لاعلاج بیماروں کو لے کر حضرت کی خدمت میں قادیان آیا کرتے تھے اور اکثر ان میں سے معجزانہ رنگ میں شفایاب ہو کر واپس ہوا کرتے تھے۔ حضرت مولوی صاحب چونکہ روحانیت کے لحاظ سے بھی کمال کو پہنچے ہوئے تھے کسی مرض کو لاعلاج کے نام سے یاد کرنا ناپسند فرماتے اور خطرناک سے خطرناک مریضوں کے علاج سے بھی اکتایا نہ کرتے اور دوا و دعا دونوں رنگ میں پوری ہمدردی اور کوشش وتوجہ سے بلاامتیاز غریب وامیر کا علاج فرماتے۔ حتیٰ کے بعض لوگوں پر تو ان کی غربت وبیکسی کے باعث مفت دوائی کے علاوہ کھانے اور دیگر ضروریات کے واسطے بھی اپنی جیب سے خرچ کیا کرتے اور علاج معالجہ میں کبھی تھکا نہ کرتے تھے۔

ظاہر ہے کہ ایسے انسان کی زبان سے اگر کسی مریض کے متعلق ایسے الفاظ نکلیں جن کو سننے والے اس مریض پر چار آنسو بھی بہا دیں نہ معمولی سمجھ یا کمزور دل گردہ کے انسان بلکہ حضرت قاضی امیر حسین صاحب رضی اللہ عنہ جیسا جری اور باحوصلہ انسان بھی ان الفاظ سے متاثر اور ان کے نتیجہ اور مفہوم سے مریض کے انجام کا خیال کر کے رو دے تو اس مریض کی حالت اور مرض کی شدت وغلبہ کا اندازہ لگانا آسان ہو جاتا ہے۔ درحقیقت صحت کی نسبت موت زیادہ قریب نظر آ رہی تھی۔

میں چارپائی سے اٹھ کر رفع حاجت تو درکنار، پہلو بدلنے سے بھی عاجز ہو چکا تھا۔ اور پل پل اور گھڑی گھڑی کی خبریں منگائی جانے لگیں۔ اور ایک کی بجائے دو تین آدمی میری خبر گیری کے واسطے مقرر کئے گئے اور میرے انجام کے قرب کا عام چرچا ہو گیا اور کان کسی خبر کی انتظار میں رہنے لگے تھے۔ ان حالات میں میرا صحت پا جانا یقیناً یقیناً موت کے منہ بلکہ قبر سے واپس آ جانا خدا کے خاص فضل اور

دست قدرت کے بغیر نہ ہوسکتا تھا۔اور حضرت اقدس کی توجہات کریمانہ اور دم مسیحائی کا یہ ایسا ہی نتیجہ تھا جیسا کہ حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ کے صاحبزادہ عبدالرحیم خان صاحب خالد اور حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ اور میاں عبدالکریم صاحب حیدرآبادی کی صحت یابی ان سب کی زندگیاں بھی حضور کے انفاس قدسیہ' معجز نما توجہات کی رہین منت تھیں۔

حضور کی خدمت میں روزانہ رپورٹ عرض کی جاتی رہی۔اور حضور کی زبان مبارک سے جو الفاظ نکلے وہ پورے ہوئے۔اور صحت بڑھنے لگی۔حضور نے فرمایا کہ مولوی صاحب کا علاج جاری رکھو۔احتیاط اور پرہیز لازمی ہے ورنہ مرض کے عود کر آنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

حضرت مولوی صاحب کے مکان میں منتقل ہونا

ایک روز میں گرتا پڑتا مطب میں پہنچا اور حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کی خدمت میں پہنچا تازبانی ساری کیفیت عرض کر کے نسخہ تبدیل کرا سکوں۔نیز ایک خیال جو ایک دو روز سے بڑے زور کے ساتھ میرے دل و دماغ پر مستولی تھا عرض کر کے مفید ہدایت پاسکوں۔یہ آیت

وَ سَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ۔۵

کے مدنظر جہاں میں ان دنوں رہتا ہوں مجھے خوف لاحق ہے۔حضرت مولوی صاحب نے یہ بات سن کر پیار سے ہاتھ بڑھایا اور میری پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے مجھے اس جگہ کو چھوڑ کر اپنے مکان کے ایک حصہ میں چلے آنے کو فرمایا۔اور ساتھ ہی کہا کہ ''وہ جگہ بھی چھٹ جائے گی اور مجھے عیادت کا بھی موقعہ ملتا رہے گا۔واقعی یہ نکتہ معرفت اور مقام خوف ہے۔'' چنانچہ میں حضرت مولوی صاحبؓ کے مکان میں آ گیا۔ جہاں مجھے زیادہ آرام کے ساتھ علاج کی بھی زیادہ سہولت میسر آ گئی۔کیونکہ حضرت مولوی صاحبؓ قریبا روزانہ ہی مجھے دیکھ لیا کرتے اور مناسب ہدایات دے دیا کرتے تھے۔

والدہ محترمہ کی آمد

والدہ محترمہ کی خدمت میں اپنے قبول اسلام کے بواعث کے متعلق جو خط لکھا تھا اور جس سے وہ بہت متاثر ہوئی تھیں۔تو انہوں نے مجھے لکھا تھا کہ اپنی خیریت کی اطلاع دیتا رہوں۔چنانچہ ایسی خط و کتابت جاری ہونے کے بعد اس بیماری میں کئی ماہ تک خط نہ پہنچنے سے ان کو گھبراہٹ ہوئی اور انہوں نے جلد جلد

دو تین خط لکھے۔ جن کے جواب میں میں نے کسی سے بیماری کا حال لکھوا دیا۔ اس پر وہ تن تنہا بٹالہ پہنچیں اور راستہ میں دریافت کرنے پر یکہ بان یا کسی سواری نے میری نازک حالت کا ذکر کر دیا۔ جس پر والدہ نے وہیں سے رونا شروع کر دیا اور سارے راستہ روتی ہی چلی آئیں۔ پوچھتی ہوئی گلی کوچوں سے گذر کر احمدیہ چوک میں پہنچیں جہاں سے کسی بچہ سے پوچھا اور نہ معلوم اس نے میری پہلی قیام گاہ خالی دیکھ کر کیا کہہ دیا کہ ان کا رونا آہ وفغاں اور بین کا رنگ اختیار کر گیا اور ان کے رونے چلانے پر کئی لوگ اور لڑکے جمع ہو کر گریہ وبکا کی وجہ دریافت کرنے لگے۔ اور آخر کسی نے ان کو میرے زندہ سلامت ہونے کی خبر سنا کر تسلی دلائی اور میرے پاس پہنچا دیا۔

وہ آئیں اور مجھ سے لپٹ کر دل کا سارا ہی بخار انہوں نے نکال لیا۔ جس کے نتیجہ میں فطرتاً مجھ پر رقت طاری ہوئی اور کچھ دیر آنسوؤں کی چھما چھم بارش جاری رہی۔

والدہ محترمہ پر نیک اثر اور باجازت سوئے وطن سفر

والدہ محترمہ ہفتہ عشرہ میرے پاس رہیں ان کے قیام وطعام کا انتظام ان کے حسب دلخواہ علیحدہ کر دیا گیا۔ اس عرصہ میں انہوں نے خاص احتیاط' محنت اور توجہ سے میرا علاج کروایا۔ اور خوراک وغیرہ بھی حسب ہدایت حضرت مولوی صاحبؓ خود تیار کر کے مجھے کھلاتی پلاتی رہیں۔ اور اس طرح ان کی وجہ سے میری طبیعت جلد جلد سنبھلنے لگی۔ وہ خاندان حضرت مسیح موعود کی بیگمات سے بھی ملیں۔ اور دوسری احمدی خواتین سے بھی خلا ملا رہا۔ جس کے نتیجے میں وہ مانوس ہو کر خوش اور مطمئن رہیں۔ اور میری بیماری اور بیماری میں خبر گیری اور ہمدردی کے واقعات سن سن کر تو شکر گزاری کا جذبہ ان میں پیدا ہو گیا۔ اور وہ سیّدنا حضرت اقدس اور حضور کے خاندان کے ساتھ ہی حضرت مولوی صاحبؓ اور ان کے اہل بیت کی شکر گزار اور احسان مند ہوئیں۔ اس خلا ملا سے جہاں ان کے کئی قسم کے خوف اور غلط فہمیاں اطمینان سے بدل گئیں وہاں میرے مربیوں اور محسنوں نے والدہ کی طبیعت اور دلی کیفیت کا مطالعہ کر لیا۔ اور اس طرح تعلقات باہم خوشگوار ہو گئے۔

بھائی جی کا بیان ہے کہ حضرت اماں جانؓ کے اخلاق عالیہ کا والدہ صاحبہ پر بہت ہی مفید اثر پڑا۔ لیکن یہ ملاقات کسی بعد کے موقعہ کی معلوم ہوتی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

''میری حقیقی والدہ ...... اپنی مامتا سے مجبور ہو کر ایک سے زیادہ بار مجھے واپس لے جانے کے لئے

قادیان آئیں۔ لیکن مجھے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت اماں جانؓ کی غلامی اتنی محبوب اور دل پسند تھی کہ میں نے اس کو ہزار آزادیوں اور آراموں پر ترجیح دی اور جب ایک دفعہ میرے والد نے بڑی آہ وزاری اور الحاح سے مجھے واپسی کے لئے مجبور کرنا چاہا۔ تو میں (نے) اپنی والدہ کو یہ کہا کہ وہ ذرا اس مقدس اور پرشفقت ہستی کو تو ملے جس کی غلامی پر مومنوں کی تمام جماعت فخر کرتی ہے۔ چنانچہ میری والدہ میری درخواست واصرار پر سیدۃ النساء حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا سے ملاقی ہوئیں اور تھوڑے سے وقت کی ملاقات سے ہی حضرت ممدوحہ کے اخلاق کریمانہ والہ وشیدا ہو کر واپس لوٹیں۔ اور اس بات کا اظہار کرتی گئیں کہ اگر میرا بچہ مجھے چھوڑ کر ایک ایسی مشفقہ اور کریمہ ومحسنہ کی غلامی میں آ گیا ہے تو یہ میرے لئے اور میرے خاندان کے لئے باعث تشویش امر نہیں۔''[۲]

بھائی جی بیان کرتے ہیں کہ

''میری حالت بہتر اور روبہ صحت دیکھ کر والدہ نے اس خواہش کا اظہار فرمانا شروع کیا کہ میں چند روز ان کے ہمرکاب وطن چلا جاؤں۔ اور چونکہ میں بھی اب ان کی طبیعت کا خوب اچھی طرح مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ اب وہ بالکل بدل چکی ہیں اور حالات وہ نہیں رہے جن کا مجھے اندیشہ تھا۔ میں نے ان کی خوشی کی خاطر ساتھ وطن چلنے پر آمادگی کا اظہار کیا۔ مگر ساتھ ہی عرض کیا کہ میں اپنی مرضی کا مالک نہیں۔ چنانچہ انہوں نے میری تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے حضرت اقدس کے حضور حاضر ہو کر اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ حضور پرنور نے حضرت مولوی صاحب سے مشورہ کے بعد جواب دینے کو فرمایا اور آخر میرے ساتھ شیخ احمد دین صاحب ڈنگوی کو بھیج کر مجھے والدہ سمیت لائلپور پہنچا دیا۔ اخراجات سفر حضور نے اپنی جیب سے مرحمت فرمائے۔ اور تاکید فرما دی کہ والدہ کی خوشی اور رضامندی کا خیال رکھنا اور ایسا اچھا نمونہ دکھانا کہ ان لوگوں کے دل بھی نیکی کی طرف مائل ہوں۔ کوئی بات مرضی کے خلاف بھی ہو تو ان کی خوشی کو مقدم کرنا۔ اور تکلیف اٹھا کر بھی ان کی دلجوئی کرنا۔ آپ کی جدائی کی وجہ سے واقعی ان کو بہت صدمہ ہے اور وہ قابل رحم ہیں۔ پس ان کی خدمت اور فرمانبرداری کر کے ان کی تکلیف کا ازالہ کرنے کی کوشش ضرور کرنا اور جب وہ خوشی سے اجازت دیں واپس آ جانا۔''

اس طرح میری والدہ مجھے اپنے ساتھ لے جا کر ایسی خوش تھیں جس کی کوئی انتہا نہیں۔ سارے رنج وغم جو اس عرصہ میں ان کو پہنچے تھے آج کافور ہو گئے اور وہ روتی ہوئی قادیان آئی تھیں مگر خدا نے ہنسی خوشی انہیں واپس جانا نصیب کیا۔ والد صاحب بھی پہلی مرتبہ مجھے لے کر گئے تھے اور آج والدہ محترمہ بھی مجھے

لے جارہی ہیں اور وہ بھی حضور کی اجازت ہی سے لے جارہی ہیں۔مگران دونوں میں زمین وآسمان کا فرق اور بعدالمشر قین تھا۔

شیخ احمد دین صاحب سامان پہنچا کر اپنے وطن چلے گئے اور میں اپنے بھائی بہنوں سمیت اسی چک متصل لائلپور میں رہنے لگا جہاں میرے وہ رسالدار چچا صاحب رہتے تھے جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

والدہ نے مجھے اپنے گھر میں رکھا اور ہمت مردانہ سے رکھا۔ نہ برادری کا خوف کیا نہ کسی طعن کی پرواہ کی۔ نہ صرف یہی کہ نہ خود ہی مجھے کبھی میرے مذہب کے خلاف کچھ کہا یا میرے کسی عمل کو ناپسند کیا بلکہ کسی رشتہ دار یا پڑوسی تک کو بھی ایسا کرنے کی اجازت نہ دی۔طبیعت میری ابھی کمزور تھی۔ مناسب علاج اور غذا سے نہایت ہی شفقت اور محبت سے میری پرورش کی۔ اور بڑے اہتمام سے میری ضروریات کا خیال رکھا۔نماز میں گھر میں پڑھا کرتا تھا۔ نہ کبھی برا منایا نہ پیشانی پر بل آنے دیا۔ بلکہ جگہ وغیرہ کا خود انتظام فرمادیتیں۔ اور مناسب امداد خوشی سے فرماتیں۔اسی سفر میں عیدالاضحیٰ آئی تو قربانی کا انتظام بھی کرادیا اور خوشی سے کھایا کھلایا۔اور چونکہ اس زمانہ میں ابھی ہماری نمازیں غیراحمدیوں سے جدا نہ ہوئی تھیں گاؤں کی مسجد میں جاکر نماز ادا کرنے کے لئے خوشی سے اجازت دی۔اس طرح کم وبیش ڈیڑھ ماہ میں ان کے پاس رہا۔ والدہ محترمہ اور میرے بھائی بہنوں نے مجھ سے نہایت عزت اور محبت کا سلوک کیا اور کبھی بھی کوئی ایسی بات نہ ہونے دی کہ میں اسے ناپسند کرتا۔

والدین سے حسن سلوک

والدصاحب بزرگوار ان ایام میں وہاں نہ تھے بلکہ میرپور چومکھ علاقہ ریاست جموں میں بسلسلہ ملازمت مقیم تھے اوران کو بھی میری یوں گھر آنے کی اطلاع ہوچکی تھی مگرانہوں نے بھی میری اس آمد کو برانہ منایا بلکہ خوشنودی اور پسندیدگی کی نظر ہی سے دیکھا اوراس طرح مسلمان رہتے ہوئے میرے تعلقات اپنے والدین سے نیازمندانہ اوروالدین کے مشفقانہ ہوگئے۔ اورمیرے آقا نامدار کی زبان مبارک پر جو یہ مقولہ

الاستقامة فوق الكرامة

کبھی کبھی دوران تقریر میں جاری ہونے کی عزت پایا کرتا تھا' اپنی تاثیراور پھل کے لحاظ سے صادق ہوکر نمودار ہوگیا۔ فالحمدللہ۔

اسی طرح ایک لمبے عرصہ کی کشمکش اور شیطانی نزع سے طرفین کونجات ملی ۔اور حضور پرنور کی توجہات کریمانہ سے بچھڑے ہوئے مل بیٹھے اور وہ خلیج جو میرے اور میرے والدین اور رشتہ داروں میں دن بدن بڑھتی اور حائل ہوتی جارہی تھی ۔حضور کے انفاس قدسیہ کے طفیل پھر سے پاٹ کر یک جان کردی گئی اور اس طرح

کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

شیطان مایوس ہوا اور رحمت الٰہیٰ کے فرشتے غالب آ گئے ۔

الحمدللہ ثم الحمدللہ

اس دفعہ والدہ محترمہ نے سنایا کہ انہوں نے تعویذ اور گنڈے کرنے میں بھی کوئی کسر نہ رکھی ۔ ملاں ملانے اور سادھو جوگی جو بھی آیا اس کے سامنے اپنا رونا رویا۔ اور پھر جو کچھ بھی کسی نے بتایا مہیا کرنے کی کوشش کی ۔ نہ خرچ سے دریغ کیا نہ دوڑ دھوپ میں کوئی دقیقہ اٹھا رکھا۔ سفید بے داغ مرغ پر وظیفہ پڑھنے والوں کے لئے سفید مرغوں کی تلاش کی ۔ الٹے چرخ چلایا کئے اور الٹی چکیاں پھرایا کیں ۔بعض کو تو مہینوں بٹھا بٹھا کر چلے کٹائے مگر بنا کچھ بھی نہ ۔ آخر تھک ہار کر یہ یقین کرنا پڑا کہ یہ باتیں سبھی بے اثر اور محض کھانے کے حیلے تھے ۔ ورنہ ہماری مشکل کیوں حل نہ ہوئی ۔''

راقم عرض کرتا ہے کہ:

قریباً ڈیڑھ ماہ کے بعد والدہ محترمہ کی اجازت سے اور ان کی خوشنودی حاصل کر کے بھائی جی قادیان واپس آ گئے اور اس طرح والدین بہن بھائیوں اور آپ کے لئے آمدورفت کا راستہ کھل گیا۔ اور باہمی تعلقات ایسے خوشگوار ہوگئے کہ وہ بھی آپ کے پاس آ کر مہینوں ٹھہرتے ۔

بھائی جی کا کہنا ہے کہ:

واپسی پر بعض دوستوں سے معلوم ہوا کہ عیدالاضحیہ کے قریب سیدنا حضرت اقدس نے تکیہ حسینا☆ پر

☆ قادیان میں دوبارہ آمد سے یہاں تک کے حالات الحکم ۷،۱۴/جون ۱۹۳۸ء سے ماخوذ ہیں اور حضرت بھائی جی کو سُنا کر تصحیح وغیرہ کرائی ہے ۔ بھائی جی فرماتے ہیں کہ قادیان کے میراثی خاندان کی قبریں اس جگہ تھیں ۔ ان کا کوئی جد حسین نامی تھا۔ اس کے نام پر تکیہ حسینا نام پڑ گیا تھا۔ جس وقت حضرت اقدس کے عہد میں وہاں عیدیں وغیرہ ہوتی تھیں اس وقت یہ تکیہ اجڑ چکا تھا اور میدان تھا اور اس کے شمال مغربی کونے پر ایک بڑ کا درخت تھا جس کے نیچے اور قریب عیدین اور نمازِ جنازہ ادا ہوتی تھی ۔

جہاں اس زمانہ میں عموماً عیدین اور نماز جنازہ ہوا کرتی تھی۔کوئی جنازہ پڑھایا جس کو آپ کا جنازہ سمجھ کر پڑھا اور دعائیں کی تھیں۔میں چونکہ بیماری کی حالت ہی میں قادیان سے گیا تھا بعض کو یہی خیال گذرا کہ میں فوت ہو گیا ہوں۔مگر اللہ کریم اپنے فضل سے زندہ سلامت حضور کی خدمت میں لے آیا۔پھر حضور نے بہت ذرہ نوازی فرمائی حتیٰ کے آخری سفر یعنی سفر لاہور میں بھی ہمرکابی کی توفیق بخشی اور توفیق رفیق فرمائی کہ جی کھول کر خدمت کرلوں۔اور اس کے فضلوں سے جھولی بھرلوں۔چنانچہ میرے آقا نے بھی مجھے نوازا اور اتنا نوازا کہ ہر موئے بدن ان احسانات کے بار تلے جھکا اور سر تسلیم خم کئے ہے۔ان الطاف کریمانہ اور نوازشات شاہانہ کی یاد دل کے ہر گوشہ میں تازہ اور جوش عقیدت و نیازمندی میں وفا کی تمنا سے لبریز،خون کو پانی کی طرح بہا دینے پر کمر بستہ اور تیار رکھتا ہوں۔ع

این است کام دل اگر آید میسرم

بقیہ حاشیہ:- (طبع اوّل جلد ہذا سے دو سال پہلے بڑ کا درخت صدر انجمن احمدیہ نے فروخت کر دیا تھا۔یادگار کے طور پر صرف اس کا تنا پندرہ بیس فٹ رہنے دیا گیا تھا لیکن چند سال میں وہ انتہائی بوسیدہ ہو کر گر گیا۔

بھائی جی کی اہلیہ محترمہ کا بیان ہے کہ شادی ہو کر جب میں پہلی بار قادیان آئی تو اس تکیہ کے مشرقی طرف بمقابل احاطہ مکان حضرت مولوی عبدالمغنی خاں صاحب،چند قبریں نظر آتی تھیں۔

(از مؤلف)تقسیم ملک سے کافی عرصہ پہلے تکیہ حسینا والے مقام پر صدر انجمن احمدیہ نے چاردیواری بنا کر اس کے جنوب مغرب میں کچھ کمرے تعمیر کئے تھے اور پہلے یہ احاطہ بطور زنانہ جلسہ گاہ کے استعمال ہوتا تھا۔بعد ازاں جلسہ سالانہ کے ایّام میں یہ احاطہ وغیرہ بطور لنگر خانہ اندرون شہر کے طور پر استعمال ہوتا تھا اور اِس کے شمالی حصہ میں تنور لگائے جاتے تھے۔تقسیم ملک کے بعد ۱۹۴۸ء سے مردانہ جلسہ گاہ اسی جگہ ہوتا رہا اور زنانہ جلسہ جنوب کی طرف سڑک کے پار احاطہ میں منعقد ہوتا رہا جو مکان حضرت مولوی عبدالمغنی خاں صاحب کا شمالی حصہ ہے۔طبع دوم جلد ہذا سے چند سال پہلے مغرب کی طرف حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب کا مکان ہے۔اس خالی جگہ پر اب چند سال پہلے لجنہ اماء اللہ مرکزیہ کا دفتر تعمیر کیا جا چکا ہے ۱۹۹۰ء کا جلسہ سالانہ خواتین بڑے باغ میں اور مردانہ جلسہ سالانہ محلّہ ناصر آباد کے مشرق کی طرف کے ملحقہ میدان میں منعقد ہوا اور پرانی جلسہ گاہ تکیہ حسینا والے مقام پر تنور لگائے گئے۔

حضرت اقدس کی نصیحت بھائی جی کو ان کے والد صاحب کے بارے میں

والدین کی دلجوئی کے بارے بھائی جی کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نصیحت فرماتے تھے۔ چنانچہ جب ۷رنومبر ۱۹۰۲ء کو بروز جمعہ ایک مقدمہ کے سلسلہ میں حضور نے بٹالہ تشریف لے جانا تھا۔ اس بارے میں مرقوم ہے کہ

۷ر بجے صبح کے قریب حضرت اقدس بالا خانہ سے تشریف لائے۔ نواب محمد علی خاں صاحب کی رتھ تیار تھی۔ تمام مہاجرین اور مدرسہ کے طلباء رتھ کے اردگرد جمع تھے۔ سوار ہونے کے لئے عرض کیا گیا۔ فرمایا کہ تھوڑی دور تک ہم پیدل چلتے ہیں کیونکہ یہ تمام لوگ بھی ساتھ ہیں۔ تمام صاحبزادگان جو کہ اپنے ابّا کے ہمراہ جانے کے بہت مشتاق تھے سوار ہوگئے۔ اور حضرت احباب کے ساتھ پاپیادہ قصبہ کے باہر نکل کر تھوڑی دور تک گئے تو درخواست کی گئی کہ وقت تھوڑا ہے۔ مہمان اور احمدی احباب اور طلباء نے مصافحہ کیا اور پھر آپ سوار ہوگئے۔

ایڈیٹر ''بدر'' لکھتے ہیں:

''جن چند ایک احباب کو حضرت اقدس نے ساتھ چلنے کی اجازت فرمائی تھی۔ وہ تین یکوں میں سوار ہوئے۔ لیکن بعض نے اسی وقت رخصت حاصل کی۔ اور بوجہ نہ میسر ہونے یکہ کے پاپیادہ حضرت کی رتھ کے ساتھ ہم رکاب ہوئے۔ ان میں سے ایک شیخ عبدالرحمٰن صاحب نومسلم قادیانی مدرس مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان تھے کہ جنہوں نے میری (یعنی ایڈیٹر کی۔ ناقل) درخواست پر آج کے دن کی ڈائری مرتب کر کے مجھے عنایت کی ہے...... بہت شوق ولولہ سے انہوں نے حضرت اقدس کی ہر ایک حرکت اور سکون پر محبت سے بھرے ہوئے الفاظ میں ریمارک کئے ہیں......

''......آپ نے ایک اور طالبعلم کو جو پاپیادہ ہمراہ تھا فرمایا کہ تم کو تو یونہی تکلیف ہوئی۔ تھوڑی دیر شاید ٹھہرنا ہوگا۔ سفر کی کوفت میں تم خواہ مخواہ ہمارے شریک ہوگئے۔ پھر ایسی ہی دلجوئی حضرت اقدس نے میاں عبدالرحمٰن صاحب کی کی۔ انہوں نے جواب دیا کہ حضور اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضور کی دعا اور برکت سے میں اچھی طرح چلنے کا عادی ہوں۔ حضور کے ساتھ ساتھ چلنے کی میری دلی آرزو تھی۔ سو خدا نے پوری کی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ مجھے بھی بہت عادت تھی......مگر جب سے یہ عارضہ اور بیماریاں لاحق ہوئی ہیں۔ تب سے یہ امر ہی رہ گیا ہے۔

''پھر حضرت اقدس میاں عبدالرحمٰن صاحب سے ان کے والد صاحب کے حالات دریافت فرماتے رہے......اور (حضور نے) نصیحت کی کہ ان کے حق میں دعا کیا کرو۔ ہر طرح سے حتی الوسع دلجوئی والدین کی کرنی چاہئے۔ اوران کو پہلے سے ہزار چند زیادہ اخلاق اوراپنا پاکیزہ نمونہ دکھا کر اسلام کی صداقت کا قائل کرو۔ اخلاقی نمونہ ایسا معجزہ ہے کہ جس کی دوسرے معجزے برابری نہیں کرسکتے۔ سچے اسلام کا یہ معیار ہے کہ اس سے انسان اعلیٰ درجہ کے اخلاق پر ہو جاتا ہے۔ اور وہ ایک ممیّز شخص ہوتا ہے۔ شاید خدا تمہارے ذریعہ سے ان کے دل میں اسلام کی محبت ڈالے۔ اسلام والدین کی خدمت سے نہیں روکتا۔ دنیوی امور میں جن سے دین کا حرج نہیں ہوتا ان کی ہر طرح سے پوری فرمانبرداری کرنی چاہئے۔ دل و جان سے ان کی خدمت بجالاؤ......''

''نو بجے کے قریب بٹالہ کے متصل ایک باغ میں پہنچے لوگوں کا ایک ہجوم ہوگیا۔ اور کچہری کا......عملہ تک زیارت کے لئے آ گیا۔ حضرت اقدس ......احباب کے حلقہ میں فرش پر تشریف فرما ہوئے۔ اور کھانا جو کہ ہمراہ لایا گیا تھا دسترخوان پر چنا گیا......

'' (کھانے سے فارغ ہونے کے بعد) پھر اور لوگ ملاقات کے لئے آ گئے۔ اور شہادت کے بارے میں کہا کہ حضور کو یونہی تکلیف ہوئی۔ حضرت اقدس نے فرمایا۔ زمین پر کچھ نہیں ہوتا جب تک آسمان پر نہ ہو۔ شہادت سے اظہار حق مراد ہوتا ہے۔ اور اگر اس سے کسی کو (غالباً فائدہ۔ ناقل) پہنچے تو کیوں نہ پہنچائے۔ شہادت تو ایک بہانہ تھا۔ ورنہ اصل غرض اللہ تعالیٰ کی بعض لوگوں کو فائدہ پہنچانا تھا۔ سو وہ پہنچ گیا۔''[۴]

مالیر کوٹلہ میں قیام

حضرت نواب محمد علی خاں صاحبؓ کے عرض کرنے پر سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشاد پر حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ ۱۸۹۶ء میں مالیر کوٹلہ تشریف لے گئے تا کہ نواب صاحب کو قرآن مجید پڑھائیں۔ حضرت مولوی صاحبؓ کے کئی ایک شاگرد بھی آپ کے ہمراہ وہاں رہے اور تعلیم حاصل کرتے رہے۔ ان میں حضرت بھائی عبدالرحیم صاحبؓ بھی تھے۔

بھائی عبدالرحمٰن صاحب والدین سے نجات حاصل کر کے قادیان آئے تھے۔ کمسن تھے۔ بھائی

عبدالرحیم صاحب آپ سے پدرانہ شفقت سے پیش آتے تھے اور قرآن مجید کا سبق بھی دیتے تھے۔ ان کے جانے سے بھائی عبدالرحمٰن صاحب اداس ہو گئے اور انہیں خط لکھا کہ حضرت اقدسؑ سارا دن اندرون خانہ ہوتے ہیں۔ آپ کے جانے سے قرآن مجید کا سبق بھی رک گیا۔ بھائی عبدالرحیم صاحب نے حضرت مولوی صاحبؓ سے عرض کر کے اجازت لے کر کرایہ بھیج کر آپ کو منگوا لیا۔ اس طرح کئی ماہ تک آپ کو وہاں قیام کرنے، حضرت مولوی صاحب اور حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب سے فیض یاب ہونے کا موقعہ ملا۔

حضرت بھائی عبدالرحیم صاحبؓ کی اس وقت کی شفقت کا حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب کو بہت احساس تھا۔ چنانچہ زمانہ درویشی میں میں نے عندالملاقات بھائی جی کو بھائی عبدالرحیم صاحب سے مصافحہ کر کے بارہا ان کے ہاتھ پر بوسہ دیتے دیکھا ہے آپ ان کی بہت تعظیم کرتے تھے۔

بیان حضرت بھائی صاحبان (بحوالہ اصحاب احمد جلد دوم) کہ حصول علم کی خاطر حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ کے کئی شاگرد مالیر کوٹلہ آ گئے تھے اور وہ قادیان کی طرح باقاعدہ حضرت مولوی صاحب کی درس و تدریس سے مستفیض ہوتے تھے۔ سب کے قیام وطعام کا انتظام کمال شفقت سے حضرت نواب صاحب کی طرف سے تھا۔ ہم سب شاگردوں کی طرح خاطر و تواضع ہوتی تھی۔ اور بہترین کھانے ہمارے لئے تیار ہوتے تھے۔ ایسی مرغن غذاؤں کے عادی نہ ہونے کی وجہ سے ہماری خواہش ہوتی تھی کہ بعض اوقات دال وغیرہ ملے۔ اور ہم بعض دفعہ باورچیوں سے کھانا تبدیل کر لیتے تھے۔ لیکن حضرت نواب صاحب یہ پسند نہ کرتے تھے۔ کہ ان کے مہمان ان کی مہمان نوازی میں بہترین کھانے سے محروم رہیں۔ چنانچہ نواب صاحب نے ایسی شدید فہمائش باورچی خانہ میں کر دی کہ ملازم باوجود ہماری منت سماجت کے ہم سے کھانا تبدیل نہیں کرتے تھے۔ ۸

ازدواجی زندگی

آپ سلسلہ کے لئے وقف ہو گئے تھے جس کا ذکر آگے آئے گا۔ آپ کی پہلی شادی ہندوانہ رسم کے مطابق بچپنے ہی میں ہو چکی تھی جب کہ آپ کی عمر بمشکل گیارہ بارہ سال کی تھی۔ اور آپ کے والدین موضع دیر سنگھ والا میں رہتے تھے۔ اور آپ دوسری تیسری جماعت میں زیر تعلیم تھے۔ شادی قومی رسوم و رواج کے

مطابق موضع ویرم دتاں تحصیل شکر گڑھ میں ایک اچھے زمیندار اور آسودہ حال چوہدری دیوی دتہ مل صاحب کی دختر گیان دیوی سے ہوئی تھی۔ آپ کے اظہار اسلام کے بعد اور خصوصاً جب کہ آپ دوبارہ والدین کے چنگل سے نکل آنے میں کامیاب ہوگئے۔ آپ کے اقارب خصوصاً والدہ صاحبہ نے آپ کی بیوی کو آپ سے دور رکھنے اور الگ کرنے کی کوشش کی۔ اور اخراجات تک جو کہ آپ اس کے لئے گاہے گاہے بھیجا کرتے اس کو نہ پہنچنے دیئے۔ بلکہ بعض عزیزوں سے معلوم ہوا کہ ان کی اطلاع تک بھی آپ کی بیوی کو نہ ہونے دی۔ موصوفہ ایک دو سال ہوئے جالندھر میں وفات پا گئی ہیں ان کے بطن سے صرف ایک بچی پیدا ہوئی تھی جو زندہ نہ رہی تھی۔

دوسری شادی

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے حکم اور حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ کے مشورہ سے ایک راجپوت گھرانے میں محترمہ زینب بی بی صاحبہ بنت شیخ علی محمد صاحبؓ سکنہ قصبہ ڈنگہ (ضلع گجرات) سے ۱۹۰۱ء کے اواخر یا اوائل ۱۹۰۲ء میں آپ کی شادی ہوئی☆ اور بھائی جی کی قرابت اور اپنے حسن عقیدت کے

☆ بھائی جی کی ایک تحریر میں مرقوم ہے کہ آپ کی شادی ۱۹۰۳ء میں ہوئی اور یہ کہ آپ کے خسر صاحب اور خوش دامن صاحبہ کا خاندان، صحابہ حضرت مسیح موعودؑ کا ہے۔ جس نے ۹۵-۱۸۹۴ء میں حضور سے بیعت کی سعادت پائی۔

آپ کی اہلیہ محترمہ نے آپ کی موجودگی میں مجھ مؤلف کو بتایا کہ شادی سفر جہلم (۱۵/جنوری ۱۹۰۳ء) سے تین چار ماہ قبل ہوئی تھی اور رخصتانہ ہونے پر مجھے قادیان لایا گیا۔ یہ پہلی بار تھی کہ مجھے قادیان آنے کا موقع ملا۔ پہلے وقت کا کھانا دارالمسیح کے نچلے حصے میں سیدہ اُم المؤمنین (اعلیٰ اللہ درجاتھا) کی طرف سے کھلایا گیا تھا۔

(از مؤلف) تاریخ شادی کے بارے دونوں کو سہو ہوا ہے۔ بھائی جی کی ۱۹۰۳ء کے بارے تحریر چند سال قبل کی ہے۔ اس سے کم از کم تیس پینتیس سال قبل خلافت اولیٰ کے ابتدائی ایام میں مرقوم ایک خط میں بھائی جی لکھتے ہیں:

''۱۹۰۲ء کے آخر میں حمل اوّل سے ایک لڑکی تولد ہوئی''۔ ۹

باعث سارا خاندان ۷-۱۹۰۶ء میں ہجرت کر کے قادیان چلا آیا۔

وقف و ہجرت

آپ جو ۱۸۹۵ء میں قادیان آئے تو آپ یہیں کے ہو رہے۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خلفائے کرام کے ارشادات پر ہی کہیں جانا ہوا۔ آپ نے مہاجرانہ زندگی بسر کی اور کسی تنگی کی پرواہ نہ کی۔ آپ کے وجوہ معاش کبھی بھی مستقل نہیں ہوئے۔ تفصیل دوسری جگہ درج کی گئی ہے۔

بقیہ حاشیہ:- جس سے ظاہر ہے کہ وقت شادی ۱۹۰۲ء کی سہ ماہی اوّل سے آگے نہیں جاتا۔

آپ کی اہلیہ محترمہ نے آپ کی موجودگی میں ذیل کا بیان لکھوایا کہ:

میرے دادا میاں شاہ نواز صاحبؓ نے جن کی سکونت قصبہ ڈنگہ میں تھی میرے والدین سمیت بذریعہ خط بیعت کی تھی۔ میری شادی سے ایک دو سال قبل والدہ صاحبہ نے خواب میں ایک بزرگ دیکھا جس نے ان کو انگلی سے پکڑ کے اٹھاتے ہوئے کہا کہ لنگر میں آٹا ڈالوا ور نماز پڑھو۔ چنانچہ یہ خواب سُن کر دادا جی نے والد صاحب کو اجازت دی کہ قادیان آئیں اور آٹا پہنچائیں اور کہا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بہت سارے کام جو رضائے الٰہی کا موجب ہیں جاری کئے ہوئے ہیں اور ان میں مدد دینا موجب ثواب ہے۔ یہ بھی کہا کہ حضرت اقدس کی خدمت میں میرا اسلام پہنچا کر عرض کرنا کہ میں بیمار ہوں۔ صحت ہونے پر حاضر خدمت ہوں گا لیکن دادا جی چونکہ جلد بعد وفات پا گئے اس لئے حضور کی زیارت کا موقع نہ پا سکے۔ دادا جی نے یہ بھی بتایا تھا کہ قادیان جانے کے لئے نارووال کی طرف سے جانا پڑے گا اور یہ کہ قادیان ''بوڑھاں والی'' یعنی بڑ کے درختوں والی کے نام سے مشہور ہے۔ والد صاحب آٹا لے کر روانہ ہوئے۔ مجھے روانگی کا نظارہ اس وقت تک یاد ہے۔ ہم سب فکر مند تھے کہ والد صاحب ایک لمبے سفر پر روانہ ہو رہے ہیں۔ آپ نارووال کے راستہ پیدل، بلکہ ننگے پاؤں قادیان پہنچے۔ پیر کی زیارت کے لئے پیدل بلکہ ننگے پاؤں سفر کرنا ان دنوں بہت کارِ ثواب سمجھا جاتا تھا۔ جب آپ قادیان پہنچے تو حضرت اقدس کسی مقدمہ کے لئے گورداسپور گئے ہوئے تھے۔ والد صاحب نے بھی خواب میں حضرت اقدس کی زیارت کی تھی۔ حضور کو قادیان میں نہ پا کر افسردہ ہوئے۔ چند دن بعد حضور گورداسپور سے تشریف لے آئے اور رتھ سے اُترے تو حضور کی شکل بعینہٖ خواب والی پا کر والد صاحب کے منہ سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے ''میں نے پالیا۔ میں نے پالیا۔'' لوگ حیران تھے کہ نہ معلوم اس شخص کے دماغ کو کیا ہو گیا ہے۔ بعد نماز ظہر حضور کے

آپ تحریر فرماتے ہیں:

سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس خواہش پر کہ لوگ خدمت اسلام کے لئے

بقیہ حاشیہ:- مسجد مبارک میں تشریف فرما ہونے پر والد صاحب نے دادا جی کا سلام اور پیغام عرض کیا۔لنگر کے لئے آٹا پیش کیا اور دستی بیعت بھی کی۔ ہمارے خاندان میں میرے علاوہ مندرجہ ذیل صحابہ ہیں اوران کو بحالت ایمان حضرت اقدس کی زیارت کا موقعہ نصیب ہوا۔(پہلے چھ بہشتی مقبرہ میں مدفون ہیں اوران کی تاریخ ہائے وفات خاکسار مؤلف نے مقبرہ کے ریکارڈ کے مطابق درج کی ہیں):

۱- والد صاحب شیخ علی محمد صاحب (وفات ۱۷؍دسمبر ۱۹۱۵ء بہ عمر باسٹھ سال)

۲- والدہ صاحبہ اللہ جوائی صاحبہ (وفات ۲۱؍اگست ۱۹۴۳ء بعمر نوے سال) محترم صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کو گودی کھلانے کی سعادت ان کو حاصل ہوئی تھی۔

۳- چھوٹی ہمشیرہ احمد بی بی صاحبہ (وفات ۷؍نومبر ۱۹۱۰ء بعمر پندرہ سال) غیر شادی شدہ

۴- عنایت بیگم صاحبہ جو میرے بھائی شیخ احمد دین صاحب کی اہلیہ تھیں۔ وہ لاہور کے ایک مغل خاندان سے تھیں اور یہ رشتہ خاندان مرزا نظام الدین صاحب نے کرایا تھا۔(وفات ۱۱؍دسمبر ۱۹۲۸ء)

۵- میرے پھوپھا فضل الدین صاحب غیر احمدی تھے۔ان کی اجازت سے ان کے بیٹے عبداللہ حضرت اقدس علیہ السلام کے عہد مبارک میں حصول علم کے لئے قادیان آ گئے تھے اور پھر یہاں پر انڈے وغیرہ فروخت کرنے کی دکان کر لی تھی۔(غیر شادی شدہ وفات ۱۶؍اکتوبر ۱۹۱۸ء)

۶- شیخ احمد دین میرے بھائی مدفون بہشتی مقبرہ ربوہ (تاریخ وفات ۳۰؍ستمبر ۱۹۵۷ء) والد صاحب نے اپنے پہلی بار قادیان آنے سے کچھ عرصہ پہلے ان کو حضرت مولوی نورالدینؓ صاحب سے طب پڑھنے کے لئے قادیان بھیج دیا تھا لیکن بھائی کی آنکھیں کمزور تھیں۔اس لئے حضرت مولوی صاحب نے فرمایا کہ تم طب نہیں پڑھ سکتے۔ بھائی حضرت مولوی صاحب کے ہاں ہی ٹھہرے ہوئے تھے۔حضور کے صاحبزادہ میاں عبدالحئی صاحب گود میں تھے۔ بھائی ان کو کھلاتے تھے۔جس وقت والد صاحب پہلی بار قادیان آئے تو اس وقت بھائی قادیان میں نہیں تھے۔

۷- رخصتانہ ہو کر قادیان بھائی جی کے ہمراہ آنے پر میری چھوٹی ہمشیرہ کرم بی بی بھی ساتھ آئیں۔سو عزیزہ نے حضرت اقدس علیہ السلام کی زیارت کا موقع پایا۔ والدین کے ہجرت کر آنے سے پہلے عزیزہ وطن میں اندازاً پندرہ سال کی عمر میں وفات پا گئیں۔ابھی ان کی شادی نہیں ہوئی تھی۔

وقف کریں اپنے آپ کو (پیش کر کے) میں نے بھی لبیک کہی اور ہمیشہ اسی خیال سے پڑا رہا۔ پھر خلافت ثانیہ کے قیام کے ابتدائی ایام میں امیرالمومنین حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے جب تحریک وقف کا اعلان فرمایا۔ تو اس وقت بھی میں نے دل سے لبیک کہی۔ گول کمرہ میں حضور پُرنور نے واقفین کو بازیابی کا شرف بخش کر ہدایات دیں۔ اور واقفین کو قبول فرمایا۔ میں بھی پھر اس زمانہ سے لبیک لبیک کہتے ہوئے وقف ہوا۔ اور پہلے عزم ' ارادہ اور نیت کو اور زیادہ پختہ کر کے جب سے اب تک اسی عہد پر قائم ہوا ہوں۔'' ☆

تعمیر مکان

بھائی جی نے بتایا کہ میں نے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے مکان کے قریب اپنا مکان تعمیر کرایا۔ لیکن

☆ فائل وصیت کی چٹھی مورخہ ۸ ظہور ۱۳۱۹ ھش (مطابق ۸ راگست ۱۹۴۰ء میں تسلسل عبارت کے لئے ''پیش کر کے'' کے الفاظ زائد کئے گئے ہیں۔ کیونکہ وہاں ورق دریدہ ہے۔

آپ اس چٹھی میں یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ ''مَیں انصاراللہ کا خادم اور وقف اوّل کے زمانہ کا واقف ہوں۔ چنانچہ وقف اوّل کے زمانہ کی بعض کارروائیاں بعینہٖ میرے پاس محفوظ ہیں'' (تحریر مورخہ ۳ رنومبر ۱۹۴۶ء) حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کی تالیف ''ذکر حبیب'' کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے وقف کی تحریک اکتوبر ۱۹۰۷ء میں فرمائی تھی۔ (صفحہ ۱۵۲)

بقیہ حاشیہ:- سو اس طرح میرے خاوند۔ میرے بیٹے عزیز عبدالقادر اور میرے سمیت ہمارے خاندان میں دس صحابہ ہیں۔ **فالحمد للہ علیٰ ذالک۔**

(از مؤلف) بھائی جی کی موجودگی میں آپ کی اہلیہ محترمہ سے معلومات حاصل کرنے پر ذیل کے قرائن دریافت ہوئے۔ جن سے ان کے والد صاحب اور بھائی صاحب کی پہلی قادیان میں آمد کے سالوں کی ایک حد تک تعیین ہوتی ہے۔

(الف) بھائی جی کی شادی (شادی آغاز ۱۹۰۲ء) سے ایک دو سال پہلے شیخ علی محمد صاحب قادیان آئے۔ گویا اندازاً ۱۹۰۱-۱۹۰۲ء میں۔

(ب) والد صاحب سے کچھ عرصہ پہلے شیخ احمد دین صاحب قادیان آئے گویا ۱۸۹۹ء یا ۱۹۰۰ء میں۔ اس وقت میاں عبدالحیٔ صاحب گود میں تھے اور ان کو شیخ صاحب کھلاتے تھے۔ (یوم ولادت میاں صاحب ۱۵ رفروری ۱۸۹۹ء)

حضور نے مریضوں کی رہائش کے لئے آپ سے باصرار خرید لیا۔اصحاب احمد جلد دوم تالیف کے دوران حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی نے خاکسار موئف کو سنایا چونکہ ’’پیاروں کی ہر بات پیاری ہوتی ہے‘‘اس لئے اسے اصحاب احمد جلد دوم میں درج کر دیا گیا تھا کہ

’’میں حضرت مولوی (نورالدین) صاحبؓ کے گھر کے ایک حصہ میں رہتا تھا‘‘ حضرت پیر منظور محمد صاحب کے مکان سے شمال مشرق کی طرف کی سڑک تک جگہ خالی تھی۔ان ایام میں احباب بھرتی ڈلوا کر مکان بنا لیتے تھے۔ میں نے بھی ایسا ہی کیا۔ایک روز میں حضرت مولوی صاحب کے پاس مطب میں بیٹھا تھا فرمانے لگے کہ یہ جگہ مجھے دیدو۔مریضوں کی رہائش کے لئے درکار ہے۔(یہ حضرت مولوی صاحب کے مکان کے ملحق ہے) میں نے عرض کیا کہ جیسے آپ پسند فرمائیں۔دریافت فرمانے پر کہ کتنا خرچ آیا ہے۔ میں نے نوے روپے گنوائے تو مجھے مطب کے مغربی دروازے سے نکل کر پچھواڑے کی طرف آنے کے لئے فرمایا اور خود مکان کے مشرق کی طرف سے آئے۔اور بک ڈپو کے پچھواڑے میں کنویں کے پاس ملے اور مجھے سوروپے کا ایک نوٹ دے کر فرمایا کہ دس روپے مجھے واپس دے دینا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ رزق غیب کی صورت ہوگی۔مطب میں روپیہ رکھنے کی کوئی جگہ نہ تھی۔اور اگر گھر میں کسی جگہ رکھتے تھے یا جیب میں تھے تو مجھے ایک طرف سے بھیج کر خود دوسری طرف سے آنے کی کیا ضرورت تھی۔‘‘

پھر بھائی جی نے ۱۹۱۱ء میں موجودہ مکان کی تعمیر شروع کی اور چونکہ اس مکان کی جائے سفید کے لئے حضرت خلیفہ اوّلؓ نے ’’نعم البدل‘‘ کا لفظ استعمال کیا تھا اس لئے اس مکان کا نام بھی بھائی جی نے ’’نعم البدل‘‘ ہی رکھ لیا۔ یہ مکان سیدہ حضرت ام المومنین اعلی اللہ درجاتھا اور خواتین مبارکہ کے پاک قدموں سے بارہا مبارک ہو چکا ہے اس کی پیشانی پر ذیل کی عبارت مرقوم ہے اس میں مندرج بھائی جی کے سابق نام کے باعث یہ بحالات موجودہ تبلیغ کا رنگ پیدا ہو چکا ہے۔(جس کا ہمیں علم ہوتا رہتا ہے)

ابتداء تعمیر ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء　　　　توسیع بعہد خلافت ثانیہ ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماشاء اللہ لاقوۃ الاباللہ

و من یھا جرفی سبیل اللہ یجد فی الارض مراغما کثیراً و سعة

نعم البدل منزل

(حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ)

وصیت

یاد جس دل میں ہو اس کی وہ پریشان نہ ہو
ذکر جس گھر میں ہو اس کا کبھی ویران نہ ہو
(حضرت خلیفۃ المسیح الثانی)

عبدالرحمٰن قادیانی سابق ہریش چندر موہیال آف کنجروڑ دتاں
جو ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۵ء میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے
دست مبارک پر
خلعت اسلام وشرف بیعت سے سرفراز ہوا۔

رؤیت نشانات کا گواہ ہونا:

حضرت مسیح موعود علیہ اسلام نے اپنی تصنیف ''نزول المسیح '' میں ایک سو بائیس پیشگوئیاں درج کی ہیں جن کے پورا ہونے کے گواہوں کے اسماء بھی درج فرمائے ہیں چنانچہ سات ذیل کی عظیم الشان پیشگوئیوں کے گواہاں رؤیت میں آپ کا نام ''شیخ عبدالرحمٰن صاحب قادیانی'' یا ''شیخ عبدالرحمٰن صاحب'' مرقوم ہے:

۱- پیشگوئی نمبر ۴۳ بابت ہلاکت لیکھرام۔ تاریخ بیان پیشگوئی ۲۰/فروری ۱۸۸۶ء و ۲۰/فروری ۱۸۹۳ء۔ تاریخ ظہور پیشگوئی ۶/ مارچ ۱۸۹۷ء۔ پانچ ہندوسکھ صاحبان سمیت بیالیس گواہان رؤیت ہیں۔ (صفحہ ۱۸۴ حاشیہ)

۲- پیشگوئی نمبر ۸۱۔ حضرت اقدس رقم فرماتے ہیں کہ ۱۱/اپریل ۱۹۰۰ء کو عیداضحیٰ کی صبح کو مجھے الہام ہوا کہ کچھ عربی میں بولو۔ بہت سے احباب کو اس سے اطلاع دی گئی۔ اس سے پہلے میں نے کبھی عربی زبان میں کوئی تقریر نہیں کی تھی۔ لیکن اس دن میں عید کا خطبہ پڑھنے کے لئے کھڑا ہوا تو اللہ تعالیٰ

نے ایک بلیغ ، فصیح ،پُر معانی کلام عربی میں میری زبان پر جاری کی ۔ یہ کئی جز کی فی البدیہہ تقریر کتاب ''خطبہ الہامیہ'' میں درج ہے ۔خدا نے اپنے الہام میں اس کا نام نشان رکھا کیونکہ وہ زبانی تقریر محض خدائی قوت سے ظہور میں آئی ۔اس کے قریباً ڈیڑھ سوآدمی گواہ ہوں گے ۔(حضور نے نو گواہان رؤیت کے اسماء درج فرمائے ہیں ۔صفحہ ۲۱۰ وحاشیہ)

۳- حضور رقم فرماتے ہیں کہ اکتوبر ۱۸۹۷ء میں مجھے دکھایا گیا ایک گواہی کے لئے ایک انگریز حاکم کے پاس حاضر کیا گیا ہوں لیکن جیسا کہ شہادت کے لئے دستور ہے مجھے قسم نہیں دی ۔ پھر خواب آیا کہ اس مقدمہ کا سپاہی سمن لے کر آیا ہے ۔ یہ خواب مسجد میں عام جماعت کو سنا دی گئی ۔ پھر سپاہی سمن لے کر آیا ۔ایڈیڑ اخبار ناظم الھند لاہور نے مجھے گواہ لکھوایا تھا ۔جس پر مولوی رحیم بخش پرائیویٹ سیکرٹری نواب بہاولپور نے لائبل کا مقدمہ ملتان میں کیا تھا ۔ چنانچہ عدالت میں حاکم کو ایسا سہو ہو گیا کہ وہ مجھے قسم دینا بھول گیا اور اظہار (بیان لینے) شروع کر دیئے ۔ (صفحہ ۲۲۱ ۔ حاشیہ میں مرقوم ہے کہ اس نشان کے گواہ ایک گروہ کثیر ہے ۔ پانچ احباب کے اسماء حضور نے درج فرمائے ہیں ۔)

۴- پیشگوئی نمبر ۹۸ میں حضور بیان فرماتے ہیں کہ ''ہمارے دوست'' مرزا ایوب بیگ صاحب ایک مدت سے بیمار تھے ۔ان کی حالت بگڑ گئی ۔ میں نے دعا کی تو خواب دیکھا کہ ایک سڑک پر جو گویا چاند کے ٹکڑوں سے بنائی گئی ہے عزیز کو ایک شخص نہایت خوش شکل لئے جا رہا ہے اور وہ سڑک آسمان کی طرف جاتی ہے ۔تعبیر یہ تھی کہ ان کا خاتمہ بخیر ہوگا ۔ اور وہ بہشتی ہے ۔ اور نورانی چہرہ والا شخص ایک فرشتہ تھا ۔ یہ خواب ان کے بھائی ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کو لکھ دیا تھا اور اپنی جماعت میں بھی شائع کر دیا تھا ۔ چنانچہ چھ ماہ بعد اس عزیز نے وفات پائی ۔ وفات کا تار پہنچا تو تعزیتی خط لکھتے وقت الہام ہوا:

''مبارک وہ آدمی جو اس دروازہ کی راہ سے داخل ہو''

(صفحہ ۲۲۲ وحاشیہ ۔ دس گواہان کے نام درج ہیں ۔)

۵- پیشگوئی نمبر ۱۰۸ ۔ حضور یہاں تحریر فرماتے ہیں کہ ہم چھوٹی مسجد (یعنی مسجد مبارک ۔ ناقل) میں آمد و خرچ کا حساب کر رہے تھے کہ کشفی حالت میں میں نے دیکھا کہ موجودہ تحصیلدار تبدیل ہو کر دوسرا تحصیلدار آ گیا ہے ۔ اور فتح کی بشارت ملی ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ۔ پہلا تحصیلدار یکا یک تبدیل ہو گیا ۔ نئے تحصیلدار نے حقیقت پا کر رپورٹ کی جسے انگریز ڈپٹی کمشنر نے قبول کیا اور لکھا کہ مرزا غلام احمد صاحب کا ایک شہرت یافتہ فرقہ ہے جن کی نسبت ہم بدظنی نہیں کر سکتے ۔ یعنی جو کچھ عذر کیا گیا ہے وہ واقعی درست

ہے۔سوٹیکس معاف کر کے مسل داخل دفتر کردی۔(صفحہ ۲۲۹ وحاشیہ چھ گواہان رؤیت درج ہیں۔)

۶- پیشگوئی نمبر ۱۱۰۔حضور تحریر فرماتے ہیں:

''ایک دفعہ ڈاکٹر نور محمد صاحب مالک کارخانہ ہمدم صحت کا لڑکا سخت بیمار ہوگیا۔اس کی والدہ بہت بیتاب تھی۔اس کی حالت پر رحم آیا۔اوردعا کی تو الہام ہوا۔''اچھا ہوجائے گا''اسی وقت یہ الہام سب کو سنایا گیا جو پاس موجود تھے۔آخر ایسا ہی ہوا کہ وہ لڑکا خدا کے فضل سے بالکل تندرست ہوگیا۔''

حضور زندہ گواہان رؤیت کے بارے رقم فرماتے ہیں کہ

''بہت سے مرد اور عورتیں اس نشان کے گواہ ہیں۔مثلاً مولوی نورالدین صاحب،مولوی شیر علی صاحب،شیخ عبدالرحمٰن صاحب قادیانی وغیرہ'' (صفحہ ۲۳۲ وحاشیہ)

۷- پیشگوئی نمبر ۱۲۰۔حضور تحریر فرماتے ہیں:۔

''ایک دفعہ مجھے الہام ہوا۔

''رب ارنی کیف تحی الموتی رب اغفر وارحم من السماء''

اے میرے رب! مجھے دکھا کہ تو مردہ کیونکر زندہ کرتا ہے۔اورآسمان سے اپنی بخشش اور رحمت نازل فرما۔اس الہام میں یہ خبر دی گئی کہ کبھی ایسا موقع آنے والا ہے کہ ہمیں یہ دعا کرنی پڑے گی اور وہ قبول ہوگی۔چنانچہ ایسا ہوا کہ ایک دفعہ ہمارا لڑکا مبارک احمد ایسا سخت بیمار ہوا کہ سب نے کہا وہ مر گیا ہے۔ہم اٹھے اور دعا کرتے ہوئے لڑکے پر ہاتھ پھیرتے تھے تو لڑکے کو سانس آنا شروع ہوگیا تھا۔علاوہ ازیں یہ الہام اس طرح سے بھی پورا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اب تک ہمارے ہاتھ سے ہزار ہا روحانی مردہ زندہ کئے ہیں اور کر رہا ہے۔''

اس نشان کے زندہ گواہان رویت میں منجملہ بہت سے مرد اور عورتوں کے بشمول حضرات مولوی نورالدین صاحب۔ میر ناصر نواب صاحب۔ مولوی عبدالکریم صاحب۔منشی ظفر احمد صاحب (کپورتھلوی) بیس احباب کے اسماء درج ہیں۔(صفحہ ۲۳۸ وحاشیہ)

مکتوبات وتبرکات وغیرہ

حضرت اقدس علیہ السلام کے آٹھ مکتوبات کے بارے استفسار پر آپ فرماتے ہیں:

''سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بہت سے خطوط وتبرکات اورعطایا میرے

پاس تھے جوافسوس ہے کہ کچھ تو میرے راجپوتانہ بھیجے جانے کے زمانہ میں جبکہ ۱۹۰۳ء کے اواخر سے دسمبر ۱۹۰۷ء تک سیدنا حضرت اقدس کے حکم سے مکرمی حضرت مرزا محمد احسن بیگ صاحبؓ کے ساتھ مجھے بھیجا گیا تھا، بعض اور سامانوں کے ساتھ ضائع ہوگئے۔اور بعض بعد میں ایک چوری میں چلے گئے جو کہ حقیقتاً ایک سازش کا نتیجہ تھی جو بعض مخرجین نے کسی خاص غرض سے کی یا کرائی تھی۔ کیونکہ خصوصیت سے خطوط اور دستاویزات کا چن چن کر اس میں نقصان ہوا تھا۔''(تحریر مورخہ ۳/نومبر ۱۹۴۶ء)

محترم شیخ محمود احمد صاحب عرفانی نے ان مکتوبات کوالحکم میں درج کرتے ہوئے یہ ذکر کیا ہے۔کہ دوسال پہلے بھائی جی کے ہاں چوری ہونے پر مکتوبات کا ضیاع ہوا تھااور بھائی جی وہاں تحریر کرتے ہیں:

''ایک زمانہ میں مجھے مؤقر اخبار الحکم کی اسسٹنٹ ایڈیٹری کی سعادت میسر تھی جس کے سلسلہ میں اکثر اوقات سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت بابرکت میں خود حاضر ہوکر یا بذریعہ تحریر حضور پرنور کے تازہ الہامات، کشوف اور رؤیا دریافت اور صحیح کراتے رہنے کی ذیل میں اس قسم کی بیسیوں تحریریں حضور والا شان کے دست مبارک کی رقم فرمودہ میرے پاس تھیں۔جن کو میں نے تبرکاً محفوظ رکھا ہوا تھا۔ بدقسمتی سے بعض ناگوار حادثات میں ایسی تمام تحریرات نیز بعض اور حضور کے دست مبارک کے لکھے ہوئے کاغذات محفوظ نہ رہ سکے۔اوران کے ضائع ہوجانے کے باعث میں ان تبرکات سے محروم رہ گیا۔ **انا للہ و انا الیہ راجعون** ۔صرف ایسے چند تبرکات میری خوش نصیبی سے کسی مصلحت الٰہی کے ماتحت بچ رہے۔''

یہ مکتوبات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

(۱)

محترم بھائی جی نے تحریر کیا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

آقائی ومولائی ایدکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضور! آپ کا ایک الہام جس کا مضمون یہ ہے۔''آریوں کا بادشاہ آیا''۔اس کے اصل الفاظ کیا ہیں؟

فقط

عبدالرحمٰن قادیانی ۵/مارچ ۱۹۰۸ء

السلام علیکم ۔ یہ مدت دراز کا الہام ہے، مجھ کو صرف اسی قدر یاد ہے ۔معلوم نہیں کہ یہ وہی الفاظ ہیں یا کچھ متغیر ہیں ۔ غالبًا یاد یہی پڑتا ہے کہ وہی الفاظ ہیں ۔ واللہ اعلم ۔

خاکسار غلام احمد

(۲)

محترم بھائی جی نے عرض کیا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

آقائی ومولائی ایدکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

حضور! ۱۸/اپریل ۱۹۰۸ء کا الہام جو حضور نے ۱۹ کو قبل ظہر بیان فرمایا تھا بغرض صحت پیش خدمت کر کے ملتجی ہوں کہ حضور ملاحظہ فرمالیں ۔ نیز اس کے متعلق اگر کوئی تفہیم ہو یا اس کے بعد کا کوئی اور الہام قابل اشاعت ہو تو عطا فرمایا جاوے ۔

۱۸/اپریل: زلزلة الارض

حق العذاب وتدلی

ترجمہ:۔ زمین کا ہلنا ۔ عذاب سچ ہے اور وہ اتر پڑا ۔

خاکسار غلام در

عبدالرحمٰن قادیانی احمدی

بشریٰ ۔ میرے لئے ایک نشان آسمان پر ظاہر ہوا ۔ خیر و خوبی کا نشان ۔ میری مرادیں پوری ہوئیں ۔

(۳)

محترم بھائی جی بیان کرتے ہیں کہ

''ایک زمانہ میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فداہ روحی نے مجھ غلام کو اپنے ایک عزیز مکرم مرزا محمد احسن بیگ صاحب رئیس کی درخواست پر ان کے زمینداری کاروبار کی خدمات کے لئے راجپوتانہ جانے کا حکم دیا ۔ جہاں کثرت جنگلات کے باعث وحوش اور درندوں کی بہتات تھی ۔ اس زمانہ میں درندوں اور وحوش سے پالا پڑتا رہتا تھا جس میں پانچ سات چیتے اور ایک شیر نر کے شکار کے علاوہ بے شمار چیتل ۔ سانبر ۔ نیل گائے اور ہرن وغیرہ کا شکار کیا ۔ اور یہ دو کھالیں سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود

علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور پیش کرنے کو ساتھ لایا تھا۔ پہلے چیتل کی کھال پیش کی۔ اور جب اس کو شرف قبولیت مل گیا۔ تو چیتے کی کھال بھی پیش کر دی۔

نوٹ ...... یاد رہے کہ چیتل بارہ سنگھا کی قسم کا ایک نہایت ہی خوبصورت جنگلی جانور ہوتا ہے اور حلال جانوروں میں شمار ہوتا ہے......''

محترم بھائی جی نے حضور کی خدمت میں تحریر کیا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

آقائی و مولائی ایدکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

حضور! یہ ایک چیتے کی کھال ہے۔ قبول فرمائی جاوے اور اس خاکسار غلام کے حق میں دعا فرمائی جاوے کہ اللہ تعالیٰ خادم دین بناوے۔ اعمال صالحات کی توفیق ہو۔ اور ایسی پاک زندگی میسر آ جاوے جو خدا کی رضا مندی کا باعث ہو اور خاتمہ بالخیر ہو۔

حضور اب لاہور جانے والے ہیں۔ ہماری بہت ساری کمزوریاں حضور کے سایہ کی وجہ سے نظر انداز کی جاتی تھیں۔ اب حضور کے وجود مبارک کا سایہ جو کہ خدا کی طرف سے اس کے فضل اور رحمت کا سایہ بن کر ہماری سپر بنا ہوا تھا۔ حکمت الٰہی کی وجہ سے لاہور جاتا ہے۔ لہذا اب ہم لوگ حضور کی خاص دعا اور توجہ کے ازبس محتاج ہیں۔ لہٰذا نہایت عاجزی سے بصد ادب التماس ہے کہ خاص خاص اوقات اس خاکسار اور حضور کی خادمہ اور بچے اور اقرباء کے واسطے ضرور دعا کی جایا کرے۔

فقط

حضور کا خادم در

عبدالرحمٰن قادیانی احمدی بقلم خود ۲۱ راپریل ۱۹۰۸ء

السلام علیکم۔

کھال پہونچ گئی۔ جزاکم اللہ خیرا۔ انشاء اللہ دعا کروں گا۔

والسلام

مرزا غلام احمد

محترم بھائی جی نے تحریر خدمت کیا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم　　　　نحمدہ نصلی علیٰ رسولہ الکریم

میرے آقا اور میرے مولا! خدا آپ کا حامی و ناصر ہو۔ آمین

السلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ۔

حضور ایک کھال چیتل کی پیش خدمت کر کے ملتجی ہوں کہ قبول فرمائی جاوے۔ اور اس خاکسار کے حق میں دعا فرمائی جاوے کہ اللہ تعالیٰ قوت ایمانی اور توفیق اعمال صالحات عطا فرماوے۔ حضور میں بہت ہی کمزور اور قابل رحم ہوں۔ لِلّٰہ میرے واسطے خاص طور سے دعا فرمائی جایا کرے۔ حضور ایسا ہو کہ میری زندگی دین کی خدمت میں حضور کی منشا اور رضائے الٰہی کے عین مطابق ہو جاوے۔ حضور! میری یہ بھی خواہش ہے کہ یہ کھال حضور کی نشستگاہ میں ایسی جگہ رہے جہاں ہمیشہ میرے واسطے حضور کی خدمت میں دعاؤں کے واسطے عرض کرتی رہے۔ آمین۔

فقط

خاکسار غلام در

عبدالرحمٰن قادیانی احمدی ۵ راپریل ۱۹۰۸ء

السلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ۔

کھال پہونچ گئی۔ جزاکم اللہ خیرا۔ انشاء اللہ اپنے استعمال میں لائی جاوے گی۔

والسلام

مرزا غلام احمد

(۵)

محترم بھائی جی نے لکھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم　　　　نحمدہ صلی علیٰ رسولہ الکریم

آقائی و مولائی ایدکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمتہ و برکاتہ۔

حضور مبلغ ایک روپیہ پیش خدمت کر کے ملتجی ہوں کہ للہ قبول فرمایا جاوے۔ اور خاکسار غلام کے حق میں دعا کی جاوے کہ اللہ تعالیٰ خدمت دین کی توفیق عطا فرماوے۔ اور قوت ایمانی اور اعمال صالحات کی توفیق ملے اور خاتمہ بالخیر ہو۔ آمین۔

حضور کی خادمہ اور ایک بچہ عبدالقادر بھی دعا کے ملتجی ہیں۔ ان کے حق میں بھی سعادت دارین اور انجام بخیر کی دعا فرمائی جاوے۔ حضور میں بہت کمزور حالت میں ہوں۔ مجھے خاص خاص دعاؤں میں یاد فرمایا جاوے۔ والسلام

خاکسار

عبدالرحمٰن قادیانی احمدی

۳؍اپریل ۱۹۰۸ء

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

مبلغ ایک روپیہ پہونچ گیا۔ جزاکم اللہ خیراً کثیرا۔ انشاءاللہ العزیز دعا کروں گا۔

مرزا غلام احمد

نوٹ از مولف:۔ ایک روپیہ فارسی ہندسہ میں درج ہے۔

(۶)

محترم بھائی جی ذیل کی تحریر درج کرنے سے پہلے تحریر کرتے ہیں کہ

''یہ اور اس قسم کی اور بہت سی مثالیں ہیں جن سے حضور کے اعلیٰ اخلاق کے اس پہلو پر روشنی پڑتی ہے کہ ہمارے آقائے نامدار کیسے قدردان اور شکور تھے کہ حقیر سی رقوم اور ادنیٰ ادنیٰ ہدایا کو خوشی سے قبول فرماتے اور اس طرح غرباء اور کم استطاعت غلاموں کی دلجوئی اور حوصلہ افزائی فرمایا کرتے تھے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

مبلغ آٹھ روپیہ پہونچ گئے۔ جزاکم اللہ خیراً۔ انشاءاللہ دعا کروں گا۔ ہمیشہ اپنے حالات خیریت سے اطلاع دیتے رہیں۔ والسلام

مرزا غلام احمد

نوٹ از مولف: آٹھ فارسی ہندسہ میں درج ہے۔

(۷)

محترم بھائی جی تحریر کرتے ہیں:

''سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ دستی تحریر جو مکرمی حضرت قاضی سید امیر حسین صاحب مرحوم کی درخواست دعا کے جواب میں حضور علیہ السلام نے ارقام فرمائی۔ مجھے قاضی صاحب

مرحوم ومغفور کے داماد سید محمد علی شاہ صاحب سے ملی جوانہوں نے اپنے نسبتی بھائی قاضی سید نذیر حسین شاہ صاحب سے بصد حرص حاصل کر کے تبرکاً اپنے پاس رکھی ہوئی تھی۔

عبدالرحمٰن قادیانی

محترم قاضی صاحب نے تحریر خدمت کیا تھا:

حضوراقدس سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔

میرا لڑکا سخت بیمار ہے۔ پیچش اور خون اس کو جاری ہے۔ کوئی دوائی اس کو فائدہ نہیں کرتی۔ اب اس کی والدہ دوائی سے نفرت کرتی ہیں۔ اور اس کو بہت اضطراب ہو رہا ہے۔ حضور نوازش فرما کر اگر توجہ سے دعا کریں تو یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ شفا بخشے گا۔

امیر حسین

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔

خدا تعالیٰ آپ کے لڑکے کو شفا بخشے اور اس کی والدہ کی بے قراری دور کرے۔ آمین۔ میں کئی دفعہ دعا کروں گا۔ کل مجھے اضطراری طور پر لاہور کا سفر پیش آ گیا ہے۔ اگر کلوراڈین کے دو قطرے دیئے جائیں تو اس سے بھی خون بند ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ بہت ضعف نہ ہو۔

والسلام

مرزا غلام احمد☆

☆ (الف) مکتوبات احمدیہ جلد ہفتم حصہ اوّل (مطبوعہ نومبر ۱۹۵۴ء بذریعہ تاج پریس، یوسف بازار، حیدرآباد دکن، آندھرا) میں خاکسار مؤلف ہذا نے سات مکتوبات (صفحہ ۵۸ تا ۶۱ میں) اور ان کے بلاک (ضمیمہ صفحہ ۵۹ تا ۶۱ میں) شائع کئے تھے۔

ذیل کے نوٹ بابت مکتوبات نمبر ۴۴/۱ تا ۵۰/۷ کو (ضمیمہ صفحہ ۴۷ سے) یہاں نقل کیا جاتا ہے:

''کتاب ہذا کے چھپ جانے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ یہ خطوط الحکم بابت ۷، ۱۴/ جون ۱۹۳۸ء میں چربوں سمیت شائع ہو چکے ہیں۔ پھر بھی کتاب ہذا میں ان کا شائع ہونا بیکار نہیں گیا۔ کیونکہ کتاب میں بلاک دیئے گئے ہیں۔ دوسرے ان خطوط کی عبارت حضرت عرفانی صاحب یا حضرت بھائی جی نے پڑھ کر درج نہ کروائی تھی۔ اس لئے بعض الفاظ کے پڑھنے میں سہو ہو گیا۔ مثلاً ''مرزا'' کو ''خاکسار'' اور ''خیراً'' کو

(۸)

یہ مکتوب حضور کے وصال کے تعلق میں درج ہے۔

۹- وہ کرسی جس پر حضرت اقدس نے تشریف فرما ہو کر خطبہ الہامیہ دیا تھا۔☆

☆ حضرت بھائی جی نے بتایا تھا کہ یہ کرسی بازوؤں والی تھی۔ سیٹ اور پچھلا حصہ بید سے بنا ہوا تھا۔ اس پر گزشتہ سال (یعنی غالباً وفات سے ایک سال پہلے) یہ الفاظ لکھوائے تھے۔

''یہ وہ مقدس کرسی ہے جس پر بیٹھے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہا لسلام پر خطبہ الہامیہ کا نزول ہوا تھا''۔ کتبہ، قاضی عبدالحمید درویش

لیکن بعد میں بھائی جی سے مکرم مولوی برکات احمد صاحب راجیکی بی۔ اے درویش (ناظر امور عامہ و خارجیہ) نے یہ ذکر کیا تھا کہ ایسی متعدد کرسیاں دارالمسیح میں ہیں۔ ایک کی تعین نہیں کی جاسکتی۔ تب بھائی جی نے تسلیم کرلیا تھا کہ میری یہ تعین سہو ہے۔

بقیہ حاشیہ:- ''کثیراً'' پڑھا گیا۔ حالانکہ انہیں اور خطوط میں ''مرزا'' کو ''مرزا'' ہی پڑھا گیا۔ اصل خطوط کے ساتھ الحکم اور کتاب ہذا کی عبارات کا حضرت بھائی جی کے سامنے مقابلہ کیا تھا۔ حضرت بھائی جی نے کتاب ہذا کی عبارات کو درست قرار دیا ہے۔ البتہ مکتوب ۴۶/۳ میں ''القدیر'' اور ''العزیز'' دونوں پڑھا جاسکتا ہے۔ حضرت بھائی جی کا رجحان ''العزیز'' کی طرف ہے اور ''القدیر'' کی طرف ہے۔ اس لئے کہ حضور کا خط ''القدیر'' کے مشابہ معلوم ہوتا ہے۔ ان خطوط کے بلاک کتاب میں درج ہیں اور چربے الحکم میں۔ ان سے احباب خود ملاحظہ فرما سکتے ہیں''۔

(باء) خاکسار مؤلف کتاب ہذا طبع دوم کے وقت (الف) والا نوٹ شامل کرنے کے علاوہ ذیل کے امور بھی شامل کرتا ہے۔

۱- الحکم ۷، ۱۴/جون ۱۹۳۸ء کی جلد ۴۱ اور نمبر ۱۸، ۱۹ ہے۔

۲- تقسیم ملک تک حساب کتاب میں اور دستاویزات میں اعداد فارسی کے عام مستعمل و رائج تھے۔ جیسے ''عص''، یعنی ایک اور ''للعہ''

۳- ضمیمہ مذکورہ (صفحہ ۶۰) میں مکتوب نمبر ۴۹۔۶ کے بارے خاکسار نے (حضرت بھائی جی سے پوچھ کر) یہ نوٹ دیا تھا:

۱۰- اصل مسودہ مضمون ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' جس پر سے پڑھ کر جلسہ اعظم مذاہب میں مضمون سنایا گیا تھا۔ یہ مسودہ تقسیم ملک سے پہلے بھائی جی نے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے سپرد کر دیا تھا۔

۱۱- ایک پوستین حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جو بھائی جی نے اپنی بیٹی کو دی ہوئی ہے۔ اوران کے پاس محفوظ ہے۔

۱۲- بھائی جی تحریر فرماتے ہیں:

''سیدنا حضرت المصلح الموعود کے سفر لندن کے آخری چند ایام میں ''ولیم دی کانکرز'' کی رؤیا کے پورا ہونے کے دن کی حضور کی دعا کے وقت کی وہ ریت سمندری بھی (جو سنگریزے ملی ہوئی تھی) میرے پاس محفوظ ہے۔ جس میں حضرت اقدس نے دعا کرتے کرتے دونوں ہاتھ مارے تھے۔ اور جو حضرت مولانا درد صاحب نے پہلے اور میں نے پیچھے اُٹھالی تھی۔ اور یہ واقعہ جو خدائے علام الغیوب کے علم اور قدرت کا جہاں ایک بے نظیر اور فقید المثال کرشمہ ہے وہاں سیدنا حضرت اولوالعزم فخر رسل کی صداقت، قرب اور مقام محمود کی بھی ایک نا قابل تردید دلیل ہے۔'' (تحریر مورخہ ۳؍نومبر ۱۹۴۶ء جو مؤلف ہذا کے پاس موجود ہے۔)☆

☆ خطوط واحدانی کے الفاظ خاکسار مؤلف کی طرف سے ہیں۔ حضرت بھائی جی نے فرمایا تھا کہ تقسیم ملک کے بعد مجھے علم نہیں کہ یہ تبرک آیا بچوں کے پاس پاکستان میں محفوظ ہے یا نہیں۔

بقیہ حاشیہ:- ''اس پر حضرت بھائی جی کے قلم کا ۲۴؍اپریل ۱۹۰۸ء کا ذیل کا نوٹ درج ہے۔

''حضرت اقدسؑ کا پی دیکھ رہے تھے ہاتھ میں پنسل ہی تھی۔ حضرت اقدس کے الفاظ پنسل سے تھے۔ میں نے سیاہی سے اوپر قلم پھیر دی''۔

لیکن الحکم میں تاریخ ''۲۱؍اپریل ۱۹۰۸ء درج ہے۔ ''مکتوبات'' میں (بلاک میں) تاریخ درج نہیں۔ البتہ بھائی جی کے عریضہ میں ۲۴؍اپریل ۱۹۰۸ء تاریخ درج ہے۔ (صفحہ ۶۰)

۴- الحکم میں حضرت قاضی سیّد امیر حسین صاحب کے عریضہ میں تحریر ہے کہ ''میرا لڑکا سخت بیمار ہے''۔ لیکن الحکم میں حضرت اقدس کی تحریر یہ پڑھی گئی اور درج کی گئی ہے:

''خدا تعالیٰ آپ کی لڑکی کو شفا بخشے''۔ گویا سہو ہوا ہے۔ یہ مکتوب ''مکتوبات'' کی جلد میں درج نہیں ہوا۔ دراصل اس زمانہ کی منشیانہ طرز تحریر ایسی تھی مثلاً اس مکتوب میں حضور تحریر فرماتے ہیں:

''کل مجھی اضطراری'' جو ''مجھے'' ہے۔

۱۳- آپ مزید تحریر فرماتے ہیں:

''سیالکوٹ کا احرار کا کارنامہ جو دس ہزار (نام نہاد) فرزندان توحید نے مل کر مٹھی بھر احمدیوں کے آقا وامام کو مغلوب کرنے' خوفزدہ بنانے اور ناکام لوٹانے کی غرض سے سرانجام پہنچایا تھا جس پر ان کی نسلیں قیامت تک نادم وشرمندہ ہوا کریں گی۔ اور قلعہ سیالکوٹ کا وہ حصہ ان کو خون کے آنسو رلایا کرے گا۔ اس میں مارے گئے صرف وہ پتھر جو سٹیج پر آن گرے تھے وہ بھی میرے پاس محفوظ ہیں۔''☆

(۱۴ تا ۴۴) حضرت سیّدہ اُمّ المؤمنینؓ حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے اکتیس مکتوبات وتحریرات آپ کے پاس محفوظ ہیں۔

(یہ سب خطوط اور بعض کے چربے مکتوبات اصحاب احمد جلد اول میں خاکسار مولف نے شائع کئے ہیں۔)

تحریر کا نمونہ کے بارے میں آپ کی تحریر کا چربہ یہاں دیا جاتا ہے۔ (صفحہ ۱۱۲ پر) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نام آپ کے ایک خط کا چربہ مکتوبات احمدیہ جلد ہفتم میں درج کیا جا چکا ہے۔

روایات

بوقت طبع اوّل کتاب ہذا حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحبؓ قادیانی کے سوا کوئی ایسا صحابی زندہ نہیں تھا جسے عقل وشعور کے زمانہ میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت میں آپ جتنا عرصہ رہنے کا موقعہ میسر آیا ہو اور پھر تمام فتنوں میں ان کا ایمان صحیح وسلامت رہا ہو۔ میری مراد عرصہ صحبت سے ہے نہ کہ عرصہ صحابیت سے اور بھائی جی کو عرصہ صحبت ساڑھے سات سال سے اوپر حاصل ہوا ہے۔

و ذالک فضل اللہ یو تیہ من یشاء

حضرت بھائی جی بیان فرماتے ہیں:

۲۷ رمئی ۱۹۰۸ء تک سوائے کچھ عرصہ کی مفارقت کے میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے قدموں میں رہا۔ مجھے آپ کی معیت سفر میں، حضر میں، سیر کے وقت' مختلف شہروں اور دیار میں۔ مباحثات اور مقدمات کے ہنگاموں اور رات کے وقت پُرسوز دعاؤں میں حاصل رہی۔ اور حضور کے

☆ فرماتے ہیں ان میں کچھ جوتے بھی شامل ہیں اور یہ سب کچھ محفوظ ہے۔ (آپ کے صاحبزادہ مہتہ عبدالقادر صاحب لکھتے ہیں کہ یہ قادیان میں ہمارے گھر میں محفوظ پڑے ہیں)۔ مؤلف ہذا کے علم کے مطابق یہ پاکستان میں بچوں کے پاس محفوظ نہیں۔

رہائشی مکانات کی پاسبانی اور پہرہ داری کا بھی موقعہ ملا۔‘‘

بھائی جی کو تین لمبے وقفوں میں حضرت اقدسؑ سے جدا ہونا پڑا تھا:

۱- جب آپ کو آپ کے والد صاحب قادیان سے حضرت اقدسؑ کی اجازت سے اپنے ہمراہ لے گئے تھے۔ یہ عرصہ قریباً پون سال تک ممتد رہا۔

۲- جب حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ باجازت حضرت مسیح موعود علیہ السلام مالیر کوٹلہ حضرت نواب محمد علی خاں صاحبؓ کو قرآن مجید پڑھانے کے لئے تشریف لے گئے تو بھائی جی بھی وہاں پانچ ماہ تک ٹھہرے۔

۳- قریباً چار سال تک راجپوتانہ میں محترم مرزا محمد احسن بیگ صاحب کے پاس آپ کا قیام رہا۔

ضروری ذکر۔ حضرت بھائی جی کی مطبوعہ وغیر مطبوعہ روایات یہاں جمع کرنے کی خاکسار نے کوشش کی ہے۔ مطبوعہ روایات کے بارے آپ سے استفسار کر کے خاکسار نے خطوط وحدانی میں اضافہ کیا ہے۔ آپ کی روایات ایک انوکھی شان رکھتی ہیں اور بہت ایمان افزا اور روح پرور ہیں۔ بعض تاریخی مضامین کا بعض مقامات پر اس کتاب میں حوالہ قارئین کے لئے دے دیا گیا ہے۔

(ا) قادیان کی ابتدائی تاریخ

قادیان کی گمنامی ☆

آپ تحریر فرماتے ہیں:

قصبات اور شہروں سے دور گوشہ گمنامی میں مستور ایک چھوٹا سا گاؤں بلکہ موضع اور کوردیہہ لاہور سے ستر میل شمال مشرقی گوشہ پر ضلع گورداسپور تحصیل و تھانہ بٹالہ کی حدود میں واقع تھا جسے قصبات و شہر تو درکنار معمولی دیہات و مواضعات ضلع و تحصیل میں بھی کوئی شہرت یا نمایاں حیثیت حاصل نہ تھی نام اس کا اس زمانہ میں کچھ اتنا غیر معروف و نامعلوم اور دنیا کے کان اس سے ایسے ناآشنا تھے کہ ۱۳۱۰یا ۱۳۱۱ ہجری میں جب عبداللہ آتھم والی پیشگوئی کا چرچا ہوا تو میرے استفسار پر بتانے والوں نے جو کچھ بتایا وہ یہ تھا

☆ بھائی جی کی تقریر ’’ذکر حبیب‘‘ جلسہ سالانہ ۱۹۵۵ء (بدر جلد ۵ نمبر ۱۰ بابت ۱۴؍ مارچ ۱۹۵۶ء صفحہ ۶ کالم ۱) اس میں مختصراً حضرت اقدس کی سیرۃ کا بھی ذکر ہے۔

کہ دور کہیں روس کی سرحد پر کوئی گاؤں ہے جہاں کسی مولوی صاحب نے ایک انگریز کی موت کی پیشگوئی کی ہے۔

پھر جب ۱۳۲۱ھ کے ماہ جون میں میں کپورتھلہ ہوتا ہوا بٹالہ پہنچا تو ڈیرہ بابا نانک، کلانور، بھاگووالہ، علی وال، لنگروال، پنجگرائیں، سری گوبند پور، ہرچووال اور بھام تک کے نام تو میرے کان میں پڑے مگر قادیان کے نام سے میرے کان آشنا نہ ہوئے۔ گاڑی کے اسٹیشن پر پہنچتے ہی یکہ بان، ریڑھوا اور گڈہ والے کئی کھڑے چیختے پکارتے تھے۔ میں چند گھنٹے منڈی، اسٹیشن اور کچہری کے آس پاس پھرا کیا مگر قادیان کا نام میں نے نہ سنا۔

دوبارہ جب اللہ کریم نے سیالکوٹ میں میری دستگیری کے سامان مہیا فرمائے۔ قادیان کا نام میں نے کتابوں میں پڑھا۔ ''نوراسلام'' اور ''نشان آسمانی'' کا مطالعہ نصیب ہوا اور نور ایمان کی شعاعوں سے میرے دل ودماغ کو منور کیا اور میری خواہش اظہار اسلام پر محترم بزرگ میر حامد شاہ صاحب نے مجھے قادیان پہنچ کر اس شرف سے مشرف اور سعادت سے بہرہ ور ہونے کا مشورہ دیا اور میں بٹالہ اتر کر قادیان پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ آپ شاید تعجب کریں گے اور میرے بیان کو مبالغہ سمجھیں گے کہ مجھے اس وقت بھی بہت مشکل کا سامنا ہوا۔ میں لوگوں سے قادیان کا راستہ پوچھتا۔ وہ میرے منہ کو تکتے اور سوچ بچار کر کے کہتے کہ کادیں تو ایک گاؤں ہے تم جو نام لیتے ہو وہ اس نواح میں تو ہے نہیں۔ تھانہ سے پوچھو شاید پتہ لگ جائے۔

نو بجے غالباً ٹرین بٹالہ پہنچی بارہ بج گئے۔ مجھے قادیان کا پتہ ملا نہ راستہ حتیٰ کہ میں گھبرا کر واپس لوٹ جانے کی فکر کرنے لگا۔ اسی شش وپنج میں تھا کہ ایک شخص میرے قریب آ کر بولا۔ ''جی! آپ نے قادیان جانا ہے؟'' میں افسردہ پژمردہ ہو رہا تھا اور پریشان تھا کہ کروں تو کیا؟ اس شخص کی آواز سے ڈھارس بندھی اور امید کی ایک جھلک نظر آئی۔ میں نے اس سے قادیان کا اتا پتا دریافت کیا تو اس نے جواب دیا۔ ''وہی نا مرزا صاحب والی قادیان'' گنوار لوگ اس کو کادیں کر کے پکارتے ہیں۔ میں خود قادیان کا رہنے والا ہوں۔ مرزا صاحب گاؤں کے رئیس اور مالک ہیں۔ میں آپ کو ان کے دروازہ پر جا اتاروں گا۔

اس تسلی کے بعد میں اس کے یکہ میں بیٹھ گیا۔ اور وہ مجھ سے یہ کہہ کر بازار کو گیا کہ گھوڑے کے واسطے نہاری لے آؤں۔ مگر کچھ ایسا گیا کہ لوٹنے کا نام ہی نہ لیا۔ کم وبیش ایک گھنٹہ تک میں اس یکہ میں ٹنگا رہا۔ نہ اس کو چھوڑ سکوں نہ یکہ بان کی تلاش کر سکوں۔ جمعہ کا دن تھا میں نے سیالکوٹ سے روانگی میں

اسی غرض سے جلدی کی تھی کہ جمعہ کی نماز میں شریک ہوکر اس برکت سے حصہ پا سکوں گا۔ مگر یکہ بان کی طمع نے مجھے نماز جمعہ میں شرکت کی برکت سے محروم رکھا۔ کیونکہ وہ دراصل نہاری کے بجائے سواری کی تلاش میں تھا۔

قصہ کوتاہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے قادیان پہنچا وہ زمانہ ۱۳۲۱ھ کا تھا۔ میں نے قادیان کو جس حالت میں دیکھا وہ نظارہ اپنا چشم دید لکھنے کی کوشش کروں گا۔

وماتو فیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

قادیان پر پہلی نظر اس کے اردگرد کی فصیل اور اس کے اندر کی آبادی

قادیان آتے ہوئے سڑک کے موڑ کے قریب پہنچ کر یکہ بان نے اشارہ سے بتایا کہ وہ ہے' قادیان۔ میری پہلی نظر مسجد اقصیٰ کے خوبصورت گنبدوں اور کونوں کے مناروں پر پڑی۔ جن میں خدا جانے کیا تاثیر جذب اور کشش تھی کہ میرا دل ایک سکینت ،تسلی اور اطمینان سے بھر گیا۔ اور ساری کوفت اور گھبراہٹ اور بے قراری جاتی رہی۔ دل ایک تیز پرواز کی تمنا کرنے لگا کہ میسر آ جائے تو اڑ کر پہنچوں۔ قادیان پہنچ کر بڑی لمبی چوڑی فصیل پر نظر پڑی وہ تو اس کے بھلے وقتوں کے عروج واقبال اور عظمت وشوکت کی خیالی تصویر آنکھوں میں پھر گئی۔ کیونکہ آثار وعلامات اس امر کی دلیل تھے کہ یہ مقام کبھی بھاری قلعہ اور مضبوط حصار ہوگا۔ بعد میں رہتے رہتے جو اچھی طرح دیکھا تو یہ دیکھا کہ بستی ایک فصیل کے اندر محدود تھی۔ جو جابجا شکستہ وخستہ تھی۔ چوڑائی اس کی تیس بتیس فٹ اور اونچائی بوجہ گر جانے کے پوری معلوم نہ ہوسکی۔ جو دیکھی وہ بعض جگہ سے آٹھ دس فٹ ضروری تھی۔ آثار اس فصیل کے سوائے شمال مغرب کونہ کے چاروں اطراف میں نمایاں تھے۔ میں نے جو سرسری سا تخمینہ اس فصیل اور بستی کا کیا اس کے نتیجہ میں یہ لکھ سکتا ہوں کہ فصیل قریباً مستطیل شکل میں واقع تھی۔ جس کا طول بیرونی حدود تک کم وبیش گیارہ سو اور عرض نوسوفٹ تھا۔ فصیل کے اندرونی جانب تخمیناً اٹھارہ بیس فٹ چوڑا ایک کوچہ گول سڑک کے طریق پر برابر چاروں طرف چھوڑا ہوا تھا۔ جو آجکل دائیں بائیں کی دست برد کا شکار ہوکر آٹھ دس بارہ اور چودہ فٹ رہ گیا ہے بلکہ بعض حصوں میں تو بالکل غائب اور ختم ہو چکا ہے' اس گول سڑک کے اندر اندر ہی اس زمانہ میں آبادی تھی۔ فصیل اور گول سڑک کو چھوڑ کر اصل زیر آبادی حصہ کی پیمائش تخمیناً ایک ہزار فٹ طویل اور آٹھ سوفٹ عریض تھی۔

فصیل کے چاروں کونوں پر چار برج اور چار ہی اس میں دروازے تھے یعنی پہاڑی دروازہ بٹالوی دروازہ،ننگلی دروازہ اورموری دروازہ۔فصیل کے باہر بڑے بڑے اور پرانے ببولوں کا گویا ایک گھنا جنگل کھڑا تھا۔ جہاں دن دہاڑے خوف آتا۔رات کے اندھیرے میں تو کم ہی کوئی فصیل کے باہر نکلتا ہوگا۔ اس خارمغیلاں کے جنگل کے بالکل ساتھ لگی ہوئی ایک کھائی یا خندق تھی۔جو چاروں طرف عموماً سال بھر پانی سے بھرپور رہتی۔کئی کئی میل دور سے برسات کا پانی اس نشیب میں آن جمع ہوا کرتا تھا اور گویا ایک قدرتی امداد اور غیبی تائید تھی اس قلعہ کی حفاظت کی جو اسے قدرت کی فیاضی سے مفت میں میسر تھی۔

آبادی کی بیرونی فضاء

قصبہ کی رونق' شادابی اورخوبصورتی کے لئے قصبہ سے باہر کئی باغات تھے جو چاروں طرف دور دور تک پھیلے ہوئے بہت بڑے رقبہ میں لگائے اور سجائے گئے تھے۔جن کے اثمار شیریں اور معطر و مصفا ہوا سے حاکم ومحکوم برابر فائدہ اٹھایا کرتے۔

اس مرکز کی حفاظت اور مضبوطی کے لئے چاروں اطراف وقتی ضروریات کے مدنظر مناسب مقامات پر دور ونزدیک ایک اور معاون ومحافظ قلعوں کی لائن تھی جن میں سے بسرا۔کھارا ٹھیکریوالا' رسول وڈالہ' کنڈیلا اور ڈھپئی کے قلعوں کے آثار تو آج تک بھی واضح اور عیاں موجود ہیں۔اور بعض زمانہ کی دست برد کی نذر ہو چکے ہیں اس قلعہ بندی اور حفاظت وتنظیم پر نظر غائر ڈالنے سے مرکز کی مضبوطی شان وشوکت اور زیرنگیں ریاست کی وسعت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے......

تصویر کا دوسرا رُخ

قادیان کا عالی ہمت خاندان

☆ اس عالی ہمت،اولوالعزم اور اقبال مند خاندان کی حسن تدبیر،انتظامی قابلیت،قوت عمل اور علوہمتی کو جانچا جاسکتا ہے۔جس نے ہزاروں میل سے آکران جنگلوں میں منگل کر دیا۔اور ایک مستقل ریاست

☆ الفضل خلافت جوبلی نمبر بابت ۸/دسمبر ۱۹۳۹ء والحکم بابت ۱۴،۲۱/جنوری ۱۹۴۰ء سے طبع دوم میں اضافہ یا بعض الفاظ کی تبدیلی کی گئی ہے۔

کی بنیاد رکھی جس کے خود مختار رئیس ایک ایسے خوش نصیب اور قابل رشک فارسی النسل وجود کی یادگار تھے جس کی قلبی کیفیت خالق ارض وسماء کے حضور پہنچ کر قبول ہوئی۔خدا نے اس کے کسی عمل،اس کی کسی ادا کو پسند فرمایا اور دنیا کے عظیم ترین اور مقدس ترین خدا کے مقبول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے محبت کی اور اس کو اپنے دست شفقت سے نوازا۔ بالکل سچ' صحیح اور راست وحق ہے ع

مصفی قطرہ باید کہ تا گوہر شود پیدا

خدا کے انبیاء ورسل نجیب الطرفین اور عالی خاندان ہوا کرتے ہیں تا ان کی بیعت اطاعت اور غلامی کو عار اور ذلت وتوہین سمجھ کر لوگ ہدایت اور دولت ایمان سے محروم نہ رہ جائیں۔☆

علماء اور صلحاء کے اجتماع کا مقام

حکمران خاندان کی جوانمردی، بیدار مغزی، ہمت واستقلال اور فہم وذکاء کے ساتھ اس کی فیاضی، نیکی اور عدل وانصاف کا ایسا چرچا تھا کہ دور دراز سے حق وصداقت کے پیاسے اور اکثر اہل اللہ ان کی صحبت کے فیض سے مشرف ہونے کو جمع رہتے۔ یہاں تک کہ ان کے دسترخوان پر پانچ پانچ سو علماء' فضلاء، حفاظ اور صلحاء کا مجمع رہتا۔ اور اللہ اور اس کے رسولؐ اور اقوال اعمال کے تذکرے رہتے اور دین داری اور پرہیز گاری کا یہ عالم تھا کہ کوئی بھی ان میں تارک نماز نہ تھا۔ حتیٰ کہ پنساریاں تک تہجد گذار تھیں۔ القصہ بے دینی اور جہالت کے زمانہ میں یہ مقام علم وفضل اور نیک وپاک مقاصد کا مرکز تھا۔

طوائف الملوکی اور ضعف وادبار کے زمانہ اور تنگی ومشکلات کے ایام میں بھی ان لوگوں نے فیاضی اور عطاء دستی کو ہاتھ سے نہ جانے دیا اور بعض تفرقہ زدہ مسلمان رئیسوں کوکئی گاؤں بطور مروت دے دیئے۔ اور اس طرح عسر کی حالات میں بھی دل کھول کر شرفاء کی امداد کرتے رہے۔ ایسی ہی باتوں سے اس ظلم وفساد اور فسق وفجور کے زمانہ میں اس بستی کو لوگ اسلام پور اور مکہ کے نام سے یاد کرنے لگے تھے۔ کیونکہ اس بدامنی اور جھگڑے فساد کے زمانہ میں مسلمانوں کے لئے یہی قصبہ مبارکہ پناہ کی جگہ تھی۔ اس کے سوا ہر جگہ کفر اور فسق وفساد اور ظلم نظر آتا تھا۔ قادیان گویا کہ اس زمانہ میں حامیان دین' صلحاء' علماء' اور نہایت شریف اور جوانمرد لوگوں سے مل کر ایک ایسا باغ بنا ہوا تھا۔ جس کے اثمار علم وعمل' نیکی وتقویٰ

☆ یہاں سے لے کے ''۳ مسجد محلّہ ارائیاں تک'' الفضل جوبلی نمبر اور الحکم بابت ۱۴، ۲۱؍جنوری ۱۹۴۰ء سے اضافہ کیا گیا ہے۔

اورعدل وانصاف سے آس پاس کے علاقے متمتع ہوا کرتے تھے۔ اوراس کے حکمران اپنے اوصاف واطوار کے باعث جہاں بانی کے اہل اور حکمرانی کے مستحق یقین کئے جاتے تھے۔(ماخوذ از کتاب البریہ)

یہ تو ہوا تصویر کا روشن پہلو اور مسلمان خاندان کی حکومت کے زمانہ کا نقشہ اور فوٹو۔ اب میں تصویر کا دوسرا رُخ بھی پیش کرتا ہوں۔ جو یہ ہے کہ خدا کی باریک در باریک نہاں درنہاں حکمتوں اور مصلحتوں کے ماتحت حالات نے پلٹا کھایا۔ سکھوں نے غلبہ پایا اور رام گڑھیا مسل کے سکھ فریب سے قلعہ میں داخل ہوکر قابض ہوگئے۔ قادیان کی دولت وثروت اور اقتدار حکومت کے زوال کے ساتھ ہی امن برباد۔ علم مفقود اور نیکی اور نیکوکاری کالعدم ہوکر فساد و جہالت اور بدی وبدکاری نیز فسق وفجور کا دوردورہ ہوگیا۔ ذی عزت، شریف اور امن پسند لوگ رام گڑھیوں کے آتے ہی خوف وہراس کے مارے قصبہ کو چھوڑ کر عزت وآبرو لے کر خالی ہاتھ بھاگ گئے۔ تباہی وبربادی کا مختصر سا نقشہ میں سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود اور مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اپنے الفاظ میں درج کرتا ہوں جو یہ ہے:

''اس وقت ہمارے بزرگوں پر بڑی تباہی آئی اور اسرائیلی قوم کی طرح وہ اسیروں کی مانند پکڑے گئے اور ان کی مال ومتاع سب لوٹی گئی۔ کئی مسجدیں اور عمدہ عمدہ مکانات مسمار کئے گئے اور جہالت اور تعصب سے باغوں کو کاٹ دیا گیا اور بعض مسجدیں جن میں سے اب تک ایک مسجد سکھوں کے قبضہ میں ہے دھرم سالہ یعنی سکھوں کا معبد بنایا گیا۔ اس دن ہمارے بزرگوں کا ایک کتب خانہ بھی جلایا گیا جس میں پانچ سونسخہ قرآن شریف کا قلمی تھا جو نہایت بے ادبی سے جلایا گیا۔ اور آخر سکھوں نے کچھ سوچ کر ہمارے بزرگوں کو نکل جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ تمام مردوزن چھکڑوں میں بٹھا کر نکالے گئے اور وہ پنجاب کی ایک ریاست میں پناہ گزیں ہوئے۔''[1]

قضاوقدر کی نیرنگی اور زمانہ کی گردش نے گویا اس فارسی النسل خاندان کو پشتوں کی حکومت اور ریاست سے ایسا محروم کیا کہ خالی ہاتھ یہاں سے نکل گئے اور جو کچھ بنایا تھا یہیں چھوڑ گئے۔ آنے والے لوگوں نے آتے ہی جو کچھ کیا اس کا خلاصہ آپ نے پڑھ لیا۔ بعد میں جو کچھ ہوا اس کا اندازہ قادیان کی حالت سے کر لیں جو میں نے بچشم خود دیکھی اور وہ یہ تھی:

قادیان کی حالت اجڑے دو بازار برائے نام تین دکانیں

جدھر نظر اٹھاؤ ویرانہ وکھنڈر (مکانات زیادہ تر کچے) عمارات برباد اور مکانات مسمار اور بچے کھچے

اکثر مقفل و بے چراغ، خال خال کوئی آباد اور جو آباد بھی تھے ان پر بھی ایک قسم کی اداسی برستی دکھائی دیا کرتی تھی۔ جیسے کسی اجڑے دیار کا سوگ منا رہے ہوں۔ میرا اپنا اندازہ یہ ہے کہ گاؤں کا زیر آبادی رقبہ زیادہ سے زیادہ بائیس یا تیئس ایکڑ تھا مگر تین چوتھائی حصہ غیر آباد یا تباہ و برباد پڑا تھا۔ اور بمشکل ایک چوتھائی حصہ آباد جس میں زیادہ سے زیادہ پانچ سو نفوس رہتے ہوں گے۔ (مالکان مکان خواہش رکھتے تھے کہ مفت میں ہی کوئی ان کے مکان میں بود و باش رکھے۔ کیونکہ الٹا مکانات کی نگرانی پر خرچ کرنا پڑتا تھا۔ یہ بات کچھ عرصہ بعد کی ہے کہ غیر مسلم بوجہ تعصب احمدیوں کو مکان کرایہ پر نہیں دیتے تھے۔ یا احمدی کرایہ داروں کو تنگ کرتے تھے۔

اس زمانہ کے اجڑے دیار کے بازار (جو صرف نام کے) دو تھے۔ ایک بڑا بازار کے نام سے موسوم۔ دوسرا چھوٹا بازار۔ مگر دونوں سنسان چھوٹے بازار میں تو شاذ ہی کوئی دکان کھلی اور آدمی نظر آتا۔ سوائے دو منحوس اڈوں کے جو دن کے بجائے رات کو زیادہ کھلتے ہوں گے۔ باقی بازار بند اور گرا پڑا تھا۔ بڑے بازار میں چند دکانیں کھلی دکھائی دیا کرتی تھیں۔ مگر کاروباران کا بھی دیکھنے میں کوئی نہ آتا۔ خالی دکانوں پر نکّمے بت بیٹھے ہوا کرتے یا دفع الوقتی کے لئے گھروں کی وحشت سے گھبرا کر بازار میں آ جایا کرتے جہاں آنے جانے والوں کی شکل وصورت دیکھ لیتے یا پاسہ چوپٹ اور شطرنج وغیرہ کھیل کر دن گذار لیا کرتے۔ یا بعض اس ٹٹی کی آڑ میں فلاکت زدہ کسانوں اور مزدوری پیشہ محتاجوں کا خون چوسنے اور پیٹ کاٹنے کی غرض سے سودی لین دین کر لیا کرتے۔ بازار محض نام کو تھا، کام کوئی تھا نہ ہنر اور پیشہ۔ تین دکاندار تھے جو اس ویران بستی کی زینت کہلاتے۔ ایک بزاز دوسرا عطار تیسرا حلوائی۔ ایک مسلمان اور دو ہندو اور ان تینوں کی آبادی بھی صرف اس ایک گھرانے کی بدولت تھی جس کو خدا نے پھر سے نئی زمین اور نیا آسمان بنانے کے لئے چن لیا تھا۔ عطار کا کام سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندانی کمال فن طب اور فیض کا رہین منت تھا یا حضرت نور الدین اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مطب اور مریضوں کی وجہ سے اور حلوائی کا مہمانوں اور بیماروں کی آمد و رفت کے باعث اور لالہ سکھرام صاحب بزاز کی بکری بھی محض اسی گھرانے کے طفیل تھی جو عموماً یتامی و بیوگان اور غرباء کی ضروریات کے لئے خرید فرمایا کرتے مگر اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہ کوئی دکانیں تھیں۔ حلوائی کی ایک دکان کی تفصیل لکھ دیتا ہوں۔ اس سے دوسری دکانوں کا بھی قیاس کر لیں۔ چار یا چھ آنے کا دودھ لے کر یہ لوگ صبح سے رات کے دس گیارہ بجے تک عموماً بیٹھا کرتے۔ دودھ بکتا جتنا بکتا باقی سے کھویا تیار ہوتا کبھی دہی۔ دہی نہ بکتا تو رات کو بھلے پکوڑیاں تیار ہوتیں۔ گاہک کوئی

آ گیا تو خیر ورنہ وہ بھی گھر کی مرغی دال برابر چارونا چاریوں چکادی جاتیں۔ یہی حال بتاشے مٹھائیوں کا ہوا کرتا (کسی مسافر پردیسی کو سیر بھرآٹے کی ضرورت ہوتی تو ملنا محال ہوتا کیونکہ ضرورت زندگی کی خرید وفروخت کے ذرائع بھی مفقود تھے۔ چکی اس زمانہ میں گھروں کی زینت اورزیورشمار ہوا کرتا تھا۔ آدھی رات پیچھے ہرگھر سے گھمر گھمر کی میٹھی اورسہانی لوری کے ساتھ کچھ گنگنانے اورگانے کی سریلی آوازیں کتنی شیریں اوربھلی معلوم دیا کرتی تھیں)

الغرض بازار نام کو تھے دو۔ مگر کام کی کوئی چیز یا ضرورت کا کوئی سامان قطعاً میسر نہ آ سکتا تھا۔ بالکل معمولی معمولی ضروریات زندگی کے لئے بٹالہ امرتسر اورلاہور جانا ہوتا تھا۔ اور تو درکنار زمینداری ضروریات مثل بیج بنولے تک لوگ بٹالہ سے سروں پر اٹھا کر لایا کرتے۔ علاقہ کی پیداوار بھی بمشکل فصل کے ایام میں مل سکتی تھی۔ بنئے ، مہاجن اور ساہوکار شہروں کو لے جاتے تو چند ہی روز بعد پھر بیچارے کسانوں اورمزدوروں بلکہ ہر طبقہ کے لوگوں کو شہروں سے جا کر لانی پڑتی تھیں۔ گوشت اورسبزی کا بھی یہی حال تھا۔ قصاب دوسرے تیسرے روز بکرا کرتے وہ بھی نہ بکتا تو دیہات میں لے جا کر قرض دام یا غلہ نکلنے کے وعدہ پر ادھار دے آتے گوشت ایسا خراب ہوا کرتا کہ دیکھنے کو جی نہ چاہتا' قصابوں کی بڑی جائیداد کالی بھیڑیں ہوا کرتی تھیں۔ بکرا شاذونادر۔

افعال قبیحہ کا ارتکاب

بے کاری عام تھی۔ کیونکہ کام کے لوگ اپنی عزت وآبرو بچانے کی غرض سے بستی کو چھوڑ کر جا چکے تھے۔ پیچھے بے کار یا بدقماش رہ گئے تھے یا سست اورکاہل۔ کام کے لوگ نکل گئے تو نکّمے پڑے رہے۔ جس کے نتیجے میں مختلف قسم کی عادات قبیحہ اورافعال شنیعہ میں لوگ مبتلا تھے۔ قماربازی کا بازار گرم رہتا جس کے کئی اڈے قائم تھے۔ گردونواح کے بدقماش اورآوارہ لوگ آتے۔ پولیس چھاپے مارتی۔ لوگ دیوالیہ اورکنگال ہوا کرتے تھے۔ رونق ہوا کرتی ٹھیکہ کی دوکانوں پر، ام الخبائث کا ٹھیکہ موجود۔ بھنگ چرس گانجا کے دم لگا کرتے اور چنڈو کا استعمال ہوتا۔ افیون اوردھتورہ کا استعمال بھی عام تھا (چانڈووغیرہ کے دم لگنے عموماً سربازار دیکھنے میں آیا کرتے تھے۔) حقہ نوشی اورمیکشی ومیفروشی کی کوئی انتہا نہ تھی اوران کے نتائج تلخ بھی لوگوں کو چکھنے پڑا کرتے تھے۔

صفائی کا یہ حال تھا کہ جابجا کوڑا کرکٹ اورنجاست کے تودے گوبر اورگندگی کے انبار لگے رہا کرتے

جن کی وجہ سے ہر گھر سنڈاس اور کوچہ وگلی گندے نالے کا منظر پیش کرتے ۔کوچوں کا یہ حال تھا کہ دن کی روشنی میں بھی دشوار گذار تھے بڑے بڑے کھنگر گلی کوچوں کو ناہموار اور نا قابل عبور بنائے ہوئے تھے ۔گندا پانی اور مویشیوں کا بول و براز ایسا تعفن اور عفونت پیدا کرتے کہ دماغ سڑا کرتا تھا۔

بعض میلے بھی ہوا کرتے جن میں جاہلیت کے کمالات اور ہنر اور جوہروں کا ایسا مظاہرہ ہوتا کہ شرافت تو درکنار انسانیت بھی سر پیٹ لیتی اور مارے ندامت وشرمندگی کے پانی بن کر بہ نکلتی ۔خصوصاً میلہ ''قدم شریف'' جو کہ بستی کے بالکل متصل ہندو آبادی کے پاس لگا کرتا ۔ایک رات اور دن لوگ دور دور سے آ کر اکٹھے ہوتے ۔رات کو آتے ہوئے مرد اور عورتوں کی ٹولیاں گند بکتیں اور جس طرح ننگے گیت گاتیں ان کے ذکر سے بھی رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں ۔بستی کے گلی کوچوں میں رات بھر وہ اودھم مچا کرتا کہ الامان الحفیظ لڑائی دنگا اور فساد جو عموماً چھیڑ خوانی کے نتیجہ میں ہوا کرتا ۔سر پھٹول اور پکڑ دھکڑ پر منتج ہوا کرتا تھا ۔عرب جاہلیت کے میلے جہالت اور بدتہذیبی کے لئے ضرب المثل سنے جاتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ میلے ہر رنگ میں ان پر سبقت لے جایا کرتے تھے کیونکہ ان میلوں میں اکثر حصہ علم اور ادب ،فصاحت اور بلاغت کے لئے وقف ہوا کرتا ۔جوا بھی کھیلا جاتا تو اس کی تہہ میں غریب نوازی اور خدمت خلق کا جذبہ پنہاں ہوا کرتا تھا یا اخراجات جنگ کی فراہمی مدنظر ہوا کرتی ۔مگر یہاں سرتاپا گالی گلوچ ،گرو اور ہزلیات وبکواس ،حیاسوز حرکات اور غیرت کش افعال جس پر طرفہ قمار بازی اور فتنہ وفساد ۔خدا کی پناہ ۔

میں جس زمانہ کے چشم دید واقعات بیان کر رہا ہوں وہ ۱۳۲۱ھ یا ۱۸۹۵ء کا زمانہ ہے جبکہ یہ بستی خدا کے الہام اور کلام کے نزول اور سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے بعد کا زمانہ ہے اور اس زمانہ میں یہ بستی قادیان کی مقدس بستی بن چکی تھی ۔نیک دل اور شریف تعلیم یافتہ لوگوں کا مرجع اور خداشناسی کا مرکز ہونے کی وجہ سے ترقی کی راہوں پر گامزن تھی اور بہت کچھ اصلاح بھی عمل میں آ چکی تھی ۔باوجود اس کے ان حالات کی موجودگی بستی کی کچھ ہی عرصہ پہلے کی حالت ابتر کی مظہر ہے کہ نوبت کہاں تک پہنچی ہوگی ۔

منگل سے جنگل

گیدڑ ،لومڑ اور بڑے بڑے بلے تو سرشام ہی غلاظت اور سنڈاس کے ڈھیروں پر منڈلانے لگا کرتے تھے ان کے علاوہ بعض درندے اور وحوش رات کی تاریکی میں آتے اور بھیڑ بکری مرغی پلوں تک کو

اٹھا کر لے جاتے۔احمدیہ چوک کے شمال مشرقی کونہ کی دکان جس میں آج کل شیخ احمد دین صاحب ڈنگوی بیٹھے ہیں۔کسی وقت حضرت نواب صاحب قبلہ کا باورچی خانہ تھا۔جس کے آگے ایک پھاٹک لگا ہوا تھا۔گوشت چونکہ عموماً یہاں خراب ملا کرتا۔اور بعض اوقات ضرورت کے وقت مل ہی نہ سکتا تھا۔لہٰذا حضرت نواب صاحب کے ہاں اس کا انتظام رہتا۔ایک رات کا ذکر ہے کہ بکرا وہاں بند تھا رات کو ایک بھیڑیا آیا اس نے پھاٹک کا ایک حصہ توڑا اور بکرا اٹھا کر لے گیا۔اس سے بھی بڑھ کر ایک اور چشم دید واقعہ سناتا ہوں۔ایک روز دن دہاڑے ایک لمبے دانتوں والا جنگلی خنزیر شرقی ڈھاب میں پانی پی اور نہا کر شکستہ فصیل کی راہ سے جہاں آج کل حضرت عرفانی صاحب کا مکان اور دفتر الحکم ہے بستی میں داخل ہوا اور سیدھا ایک شخص مسمی دھتو کے گھر میں جا گھسا جہاں اس کی بیوی بیٹھی چرخہ کاٹ رہی تھی۔عورت اس بدصورت خونخوار بد (یعنی سور) کو دیکھ کر گھبرائی۔گھبراہٹ میں اور کچھ نہ بن پڑا تو ہاتھ سے دھتکارنے لگی۔اس نے ہاتھ پکڑ کر چبا لیا، اور پھر شور وغوغا سے خائف ہو کر گاؤں کے گلی کوچوں میں سے ہوتا ہوا بستی کے غربی جانب سے نکل کر گنے کے کھیت میں جا گھسا اور آخر شکاری کتوں اور شکاریوں کا شکار ہو کر اس جرأت کی پاداش کو پہنچا۔بھیڑیا جسے پنجابی میں بگھیاڑ کہتے ہیں اس کثرت سے ہو گیا تھا کہ موجودہ اسٹیشن اور بستی کے درمیان ایک جوہڑ کا نام ہی بگھیاڑاں والا چھپڑ مشہور تھا۔نہ صرف یہی بلکہ گاؤں کے بعض حصے ویرانی و بربادی کے باعث اتنے بھیانک اور ڈراؤنے ہو چکے تھے کہ بھوت چڑیل کا مرکز کہلاتے۔جہاں دن دیہاڑے لوگ جانے سے گھبرایا کرتے تھے۔اس طرح گویا یہ بستی جو ایک قوم کے ذریعہ جنگل سے منگل بنی تھی دوسری قوم کے ذریعہ پھر تنزل کر کے منگل سے جنگل، آباد سے ویران اور علم و فضل، ہنر و حکمت اور نیکی و تقویٰ کی بجائے جہالت اور رذالت، بیکاری و نخالت اور بدی و بدکرداری کا مرکز ہو چکی تھی۔جہاں علم رہا نہ دولت، تجارت رہی نہ حرفت، زراعت رہی نہ حکمت و غفلت، سستی بیکاری و بیماری اور بدی و بدکاری کا دور دورہ اور جہالت و ضلالت کا عملی تسلط تھا۔جنگلی جانوروں اور درندوں کی وجہ سے کھیتیاں برباد ہوا کرتیں۔اور یہی وجہ تھی کہ شکاری لوگ اور شکاری کتے ان دنوں قادیان میں کثرت اور عزت سے پالے اور رکھے جاتے تھے۔

ذرائع آمد و رفت کا فقدان

بات لمبی ہوتی جاتی ہے مگر بے کہے تسلی ہوتی ہے نہ حقیقت کھلتی ہے لہٰذا نہایت ہی اختصار سے

اشاروں پر اکتفا کرتے ہوئے کچھ عرض کرتا ہوں۔سب سے پہلی مشکل اس بستی کی گمنامی کی وجہ سے اس کی تلاش کی تھی تو دوسرا بڑا بھاری مرحلہ قادیان پہنچنے کا تھا۔ذرائع آمدورفت کا اتنا فقدان تھا کہ سواری کا میسر آنا ہی مشکل ہو جایا کرتا۔سواری آج کے اس زمانہ میں ریڑھو، بیل گاڑی، گڈا اور زیادہ سے زیادہ دقیانوسی یکہ ہوا کرتا تھا جس کی وضع قطع اور شکل و بناوٹ اس امر کی مقتضی ہوا کرتی تھی کہ اسے یکّہ کی بجائے شیطانی چرخہ کے نام سے پکارا جائے اور حقیقت بھی اس سواری کی اسی نام سے پوری طرح واضح ہوتی ہے۔ چلنے میں دھکوں کا لگنا حتیٰ کے پسلیاں دکھ جایا کرتیں، پیٹ میں درد اٹھنے لگتا اور جسم ایسا ہو جاتا کہ کسی نے اوکھلی میں دے کر کوٹ دیا ہو۔اس کا چلتے چلتے سیخ پا ہو جانا، الٹ جانا، سواریاں نیچے چرخہ اوپر۔ یہ باتیں خالی یکہ دیکھنے سے کیسے معلوم پڑ سکتی ہیں۔

یکہ مل جانے کے بعد دوسری مشکل یہ ہوا کرتی کہ یکہ بان غائب۔ وہ نہاری لینے چلا جایا کرتا اور جب تک کوئی سواریاں ہاتھ نہ آجاتیں اس کی نہاری تیار نہ ہو سکتی۔اور اس طرح بہت سا قیمتی وقت یکّہ بان کے انتظار یا تلاش میں ضائع ہو جایا کرتا۔سڑک کی کیفیت لکھنے کی تو ضرورت نہیں کیونکہ اس کی تفصیل خود خداوند عالم الغیب نے فج عمیق کے کلام میں فرما دی ہے۔سڑک کچی تھی مرمت کا کبھی کوئی سامان نہ ہوا کرتا تھا۔غلہ وغیرہ اجناس تمام گڈوں کے ذریعہ بٹالہ جایا کرتی تھیں۔جس کی وجہ سے سڑک نہایت خستہ، ناہموار اور خراب تھی۔ یکہ کی ہیئت ترکیبی کچھ ایسی تھی کہ اچھے سے اچھا موٹا تازہ اور نوبہ نو گھوڑا یکہ میں لگنے کے چند ہی روز میں دُبلا، پتلا اور ایسا مریل ہو جایا کرتا کہ دیکھنے والوں کے دل رحم سے بھر جاتے راستہ کا اکثر حصہ سواریاں پیدل چل کر پہنچتیں۔اور برسات کے موسم میں تو خدا کی پناہ۔بعض اوقات پورا پورا دن چلنے سے بھی قادیان نہ پہنچ سکتے۔ یکے پھنس جایا کرتے تو ایسی مصیبت ہوا کرتی جو برداشت سے باہر ہو جاتی۔سامان مزدوروں کے سروں پر اٹھوا کر منگایا جاتا۔سواریاں پیدل آتیں۔ یکہ بان مجبور ہو کر گھوڑا کھول کر لے آتا۔ یکہ سڑک میں کھڑا رہتا۔اس کیفیت کی اگر تفصیل بیان کروں تو پوری ایک کتاب بن جائے۔

برسات میں قادیان کی حالت

قادیان کی بستی نشیب میں واقع ہے برسات کی وجہ سے چاروں اطراف سے پانی کا سیلاب آیا کرتا جس سے گاؤں کے گرد کی ڈھابیں کھائیاں اور خندقیں بھر جایا کرتیں۔اور زائد پانی ڈیڑھ میل تک قریباً

بٹالہ قادیان کی سڑک میں سے ہی گذرا کرتا جو بعض اوقات اتنا گہرا' تیز اور زور سے چلتا کہ اس میں سے سلامت گذر جانا ہر کسی کا کام نہ تھا۔گاؤں صحیح معنوں میں ایک جزیرہ ہو جایا کرتا۔ دیہات ومضافات سے آنے والے اور مسافر کیا ،عورت اور کیا مرد۔ کپڑے اتار کر برہنہ ہو کر گاؤں میں پہنچا کرتے اور یہ منظر نہایت ہی ناگوار اور غیرت کش ہوا کرتا تھا (وسائل آمدورفت کی تکلیف جہاں قادیان پہنچنے میں بھاری روک ہوا کرتی وہاں آبادی کی ترقی میں بھی ایک سدسکندری تھی۔) اسٹیشن دور، وسائل باربرداری کمزور، اینٹ تک بھی بٹالہ سے منگانی پڑتیں۔ جو علاوہ خرچ کے وقت بہت لیا کرتیں۔گڈے ٹوٹ کر اور گدھے بوجھ سے تھک کر راستہ ہی میں رہ جایا کرتے۔مجبوراً سامان وہیں ڈھیر کرنا پڑتا جس کی حفاظت نہ کی جائے تو آدھا پلے پڑتا۔حضرت اقدس کے طفیل جب آنے والے ان مشکلات سے بھی نہ گھبرائے نہ تھکے تو اللہ تعالیٰ نے فضل کیا۔ایک دو یکوں کی بجائے پہلے تو یکے ہی بڑھ گئے۔کمائی دیکھ کر کئی لوگوں نے یکے بنالئے۔ان کے علاوہ سواری کا رخ دیکھ کر دوسری سڑکوں کے یکّے بھی قادیان کو آنے لگے۔کچھ یکّے کی وضع قطع اور بناوٹ میں تبدیلی ہوئی۔ پہلے یکہ پھر ترقی یافتہ یکہ۔اس کے بعد بمبوکارٹ اور ٹم ٹم کے بعد ٹانگہ بنا۔☆

جائیداد غیر منقولہ کی بیقدری

اس زمانہ میں جائیداد کی کوئی قیمت تھی نہ قدر۔زمین ومکان کوڑیوں کے مول بکتے۔کوئی خریدار تھا نہ گاہک۔ چنانچہ قلعہ کی فصیل جو گورنمنٹ برطانیہ کی ملکیت قرار پا چکی تھی اور کاغذات سرکاری میں نزولی رقبہ کہلاتا تھا جب حکومت نے نیلام کرنا چاہی تو کئی مرتبہ ناکامی ہوئی۔اور نیلام کنندہ حکام ناکام واپس چلے گئے کیونکہ کوئی اس کے خریدنے کو تیار نہ ہوتا۔آخر سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے ابتدائی زمانہ میں آخری مرتبہ نیلام ہوا۔اور فصیل کی زمین مفت کے برابر برائے نام قیمت پر

☆ اس مضمون میں خطوط واحدانی کی شکل میں جو اضافہ کیا گیا ہے وہ الحکم بابت ۷،۱۴رمئی ۱۹۳۸ء میں اندراج سے کیا گیا یا استفسار کر کے خاکسار مؤلف نے زائد کیا ہے۔یہ مضمون ''ارض حرم کی ابتدائی تاریخ وغیرہ سہ گونہ سرخیوں کے ساتھ الحکم بابت ۷،۱۴رجنوری ۱۹۴۰ء صفحہ ۳ تا ۸ میں شائع ہوا ہے۔البتہ عبارت ''وسائل آمدورفت کی تکلیف'' سے لے کر آخر پیرا تک جو الفاظ ''ٹمٹم کے بعد ٹانگہ بنا'' ہیں صفحہ ۱۱ سے ماخوذ ہیں۔

لوگوں کے گلے منڈھ دی گئی۔مرزا محمد اسمٰعیل صاحبؓ مرحوم جو اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کارندہ تھے۔انہوں نے بھی خاندانی مکانات کے سامنے کی زمین کی بولی دے کر بہت ارزاں خرید لی۔مرحوم بیان کیا کرتے تھے کہ میں خوشی خوشی حضرت کے حضور گیا اور اپنی طرف سے بطور خوشخبری یہ خبر سنائی مگر حضرت نے فرمایا:

''اسمٰعیل! ہم نے یہ زمین کیا کرنی ہے۔آپ نے بے پوچھے کیوں خرید لی؟
ہمارے کس کام کی ہے اور ہمارے پاس تو روپیہ بھی نہیں۔''

مرزا اسمٰعیل صاحب بیان کیا کرتے تھے کہ میں بولی دے چکا تھا۔انکار ہو سکتا تھا نہ واپس کی جا سکتی تھی۔اور نہ ہی کوئی اور اسے خریدنے کو تیار تھا۔مجبوراً میں نے قرض و دام کر کے قیمت ادا کر دی مگر جب حضور کو میرے اس فعل کا علم ہوا تو حضور نے وہ ساری رقم ایک یا دو مرتبہ کر کے مجھے ادا کر دی۔اور وہ زمین اس سلسلہ کی اہم ضروریات میں کام آئی۔میرا اندازہ ہے کہ اگر آج یہ زمین خریدنی پڑتی تو موقعہ کے لحاظ سے کم از کم سوگنا زیادہ قیمت ادا کرنی پڑتی۔(شکستہ فصیل کا ملبہ مدرسہ احمدیہ' مہمان خانہ اور الوخانہ وغیرہ کے مقامات پر ڈھاپ پر کرنے کے لئے ڈال دیا گیا تھا۔
(از مؤلف) سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی فرماتے ہیں کہ

''مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جہاں آج کل مدرسہ احمدیہ ہے یہاں ایک پلیٹ فارم بنا ہوا تھا۔پہلے یہاں فصیل ہوا کرتی تھی۔گورنمنٹ نے اسے نیلام کر دیا۔اور اس ٹکڑے کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خرید لیا۔جہاں تک مجھے یاد ہے یہ ٹکڑا زمین ستر روپوں میں خریدا گیا تھا۔حضرت خلیفہ اولؓ ان دنوں جموں میں تھے جب آپ کو یہ اطلاع ہوئی کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ زمین خریدنا چاہتے ہیں تو غالباً آپ نے ہی روپے بھجوائے تھے اور آپ کے روپوں سے ہی یہ زمین خرید کی گئی تھی۔[۱۲]

تعلیم اور ڈاک کے احوال

گذشتہ تسلسل میں حضرت بھائی جی مزید لکھتے ہیں:

تعلیم کا یہ حال تھا کہ اس خاندان اور اس سے تعلق رکھنے والوں کو الگ کر کے (معمولی شدبُد کے آدمی بھی ڈھونڈے نہ ملا کرتے تھے) بمشکل ایک یا زیادہ سے زیادہ دو فیصدی معمولی نوشت وخواند کے آدمی مل سکتے ہوں گے۔صرف ایک ہی بالکل چھوٹا سا دیہاتی پرائمری سکول تھا جو ڈسٹرکٹ بورڈ کی طرف سے چلایا

جار ہا تھا۔ دوسرا کوئی مکتب تھا نہ مدرسہ۔ اسی سکول کے ایک ماسٹر کو دو چار روپیہ الاؤنس دے کر ڈاک خانہ کا انچارج یا برانچ پوسٹ ماسٹر بنا دیا جایا کرتا۔ جو صبح شام ایک گھنٹہ ڈاک کی آمد اور روانگی نیز دیگر کاموں کے لئے دیا کرتا۔ ڈاک بٹالہ سے ایک ہرکارہ کے ذریعہ ہفتہ میں ایک مرتبہ ایک چھوٹی سے تھیلی میں آیا کرتی جو تقریباً تمام کی تمام ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام یا حضور کے غلاموں کی ہوا کرتی تھی۔ گاؤں میں شاذ ہی کسی کا کوئی خط ہوا کرتا۔ اور اگر کسی کا خط آ بھی جاتا تو اس کو پڑھانے کے لئے در بدر اور کوبہ کو پھرنا پڑتا۔ (مجھے اکثر ڈاک اور تار لانے لے جانے کی خدمات سرانجام دینے کا موقعہ ملتا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ تاروں کے آنے اور جانے میں کن مشکلات کا سامنا ہوا کرتا تھا۔ اکثر ایسا ہو جایا کرتا کہ کسی آنے والے مہمان نے آنے کی اطلاع میں تار دیا۔ مہمان پہلے آن پہنچتے اور تار بعد میں ملتا۔ بعض ایسے معاملات جن کا جواب بذریعہ تار مطلوب ہوتا تو خاص آدمیوں کو اس غرض کے لئے بٹالہ میں جا کر دو دو دن تک رہنا پڑتا تھا۔ اور کئی اہم کاموں بلکہ جانوں کا بھی اس کمی کی وجہ سے وقت پر دوائی یا طبی امداد نہ پہنچ سکنے کے باعث نقصان برداشت کرنا پڑا کرتا۔ دوست لیٹ فی (Fee) اور قلی ہائر (Hire) ادا کر کے بھی اس زمانہ میں تار کے فوائد سے اکثر محروم رہ جایا کرتے تھے بسا اوقات چٹھیاں بھی قادیان کی بجائے بٹالہ میں ڈاک میں ڈالی جاتی تھیں۔ کیونکہ خطرہ ہوتا تھا کہ قادیان کے ڈاک خانہ میں ڈاک پڑھ نہ لی جائے۔ یا روک نہ لی جائے)۔''

چونکہ بھائی جی کے حالات میں ذکر ہے کہ والد صاحب جب مجھے لینے آئے تو لالہ بڈھا مل صاحب کی مشرقی بلڈنگ میں واقع ڈاک خانہ میں اچانک ملے تھے۔ آج ۱۲رستمبر ۱۹۶۰ء کو خاکسار کے عرض کرنے پر موقعہ پر تشریف لے گئے۔ لالہ جی کی بازار کے مغربی کونے میں دو منزلہ بلڈنگ ہے اس کے بالمقابل والی عمارت ان کی نہیں۔ اس پر میں نے لالہ بڈھا مل جی کے فرزند لالہ واسدیو جی کو تکلیف دی۔ انہوں نے بہت سے حالات سنائے اور اپنے نام سے شائع کرنے کی اجازت دی۔ لالہ جی نے بتایا کہ میری عمر اس وقت پینسٹھ سال کی ہے میں قادیان کی آریہ سماج کا صدر ۱۹۱۳ء سے ۱۹۵۵ء تک اور دیانند آریہ ویدک ہائی سکول کی مینجنگ کمیٹی کا صدر ۱۹۳۱ء سے ۱۹۵۵ء تک رہا ہوں۔ میرے والد صاحب (متوفی ۱۹۳۱ء بعمر اسی سال) نے میرے بڑے بھائی لالہ درگا داس (متوفی) کی شادی کے موقع پر اپنی عمارت کے متصل جانب جنوب والی عمارت آریہ سماج کے مندر کے لئے دان کے طور پر دے دی تھی۔ اس مندر کے ملحقہ جانب جنوب کی دو دکانوں میں شبھ چنتک اخبار نکالنے کے لئے اس کا دفتر اور مطبع کھولا گیا تھا

اوراخبار والوں نے اسی ہندو بازار میں ایک اوشد ہالہ (مطب) بھی جاری کیا تھا۔ مجھے یہ کہنے میں باک نہیں کہ شدید طاعون سے (مارچ اور اپریل ۱۹۰۷ء میں -مؤلف) اس اخبار کا سارا عملہ اور آریہ سماج قادیان کے سارے کرتا دھرتا لقمہ اجل ہوگئے اور آریہ سماج کا کام ٹھپ ہوگیا اور اخبار بھی بند ہوگیا۔ لالہ ملاوامل صاحب اور لالہ شرمپت صاحب کو آریہ سماج سے کوئی ہمدردی نہ تھی کیونکہ وہ دل سے احمدی تھے اور صرف نام کے آریہ تھے۔اس لئے اس کے بعد ۱۹۱۳ء میں میں نے آریہ سماج مندر کی مرمت کرائی ورنہ یہ چھ سال سے بند پڑا تھا۔ اوراس کی ایک دیوار بھی مہندم ہوگئی تھی۔ اور دیوار پھاند کر اندر سے میں نے اس کا دروازہ کھولا تھا۔ میں نے اور لالہ ملاوامل صاحب کے لڑکے لالہ داتا رام صاحب نے از سرنو آریہ سماج کا کام شروع کیا۔اب یہ مندر ۵ سال سے مقامی آریہ سماج نے پنجاب نیشنل بنک کو کرایہ پر دے رکھا ہے۔ مندر مسجد وغیرہ کبھی کرایہ پر نہیں دی جاتیں۔ یہ واحد مثال ہے کہ یہ مندر کرایہ پر دیا گیا ہے۔

لالہ جی نے یہ بھی بتایا کہ پہلے پرائمری مدرسہ کے استاد کو آٹھ دس روپے کا الاؤنس دیا جا کر اس سے ڈاک خانہ کا کام بھی لیا جاتا تھا۔ بعدازاں پچیّس تیس روپے تنخواہ منظور ہوئی۔ اور ایک سب پوسٹ ماسٹر متعین ہوا۔اس وقت ہندو بازار میں جواب کرپا رام۔ اننت رام صاحبان کی کلاسوالہ شو کمپنی کی دکان ہے (جس کا میونسپل نمبر ۳۸۲ وارڈ نمبر ۵ ہے۔ مؤلف) یہ اس وقت ڈاک خانہ تھا (یہ دکان مذکورہ بالا آریہ سماج مندر کے قریباً سامنے بازار کی مشرقی قضا میں ہے اس مرحلہ پر حضرت بھائی جی کو یاد آ گیا کہ وہی ڈاکخانہ کا مقام ہے جو لالہ جی بتاتے ہیں نہ کہ جو بھائی جی نے اپنے حالات میں لکھا ہے۔

پھر حضرت بھائی جی اور خاکسار حکیم لالہ داتا رام صاحب پسر حکیم لالہ ملاوامل صاحب سے ان کی دکان پر ملے۔ انہوں نے بتایا کہ میری عمر چھیاسٹھ سال کی ہے۔ لالہ واسدیو صاحب نے ڈاک خانہ والا مقام جو متعین کیا ہے وہ صحیح ہے۔اس وقت اللہ دتہ صاحب پوسٹ ماسٹر بیس روپے پر متعین ہوکر آئے تھے (یہ غیر احمدی تھے اور مارچ ۱۹۰۷ء سے قبل قادیان سے جا چکے تھے۔ بحوالہ تتمہ حقیقۃ الوحی نشان ۱۹۹ تا ۲۰۱۔ مؤلف) کچھ عرصہ بعد یہ ڈاک خانہ چھوٹے ہندو بازار میں جو غرباً شرقاً ہے) اس دکان میں منتقل ہوا جہاں جنوبی قطار میں وسط بازار سے قبل ہی حکیم اجاگر سنگھ صاحب کی دکان ہے (جس کا میونسپل نمبر ۸۲ ہے۔ مؤلف)۔ بعدازاں مسجد اقصیٰ کے مشرق میں منتقل ہوا۔ جہاں کہ بعد میں صدر انجمن کا دفتر جائیداد بنا تھا۔ وہاں سے موجودہ عمارت میں منتقل ہوا۔ان انتقالات اور مقامات کی حضرت بھائی جی نے تصدیق فرمائی اوران دونوں ہندو دوستوں کے بیانات بھی آپ کے سامنے ہوئے اور آپ نے ان کی تصدیق فرمائی۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت پر کاش کے ایڈیٹر نے شبھ چنتک اخبار کے جاری رکھنے کے لئے آریہ سماج کو بہت غیرت دلائی اور اپنے اخبار میں لکھا کہ اس کی خدمت کا بوجھ اپنے ذمہ لیتا ہوں لیکن ناکامی ہوئی بٹالہ پہنچ کر بھی تحریکیں کیں۔ آریہ گرلز سکول جو جاری کیا گیا تھا وہ بھی ختم ہوا۔[۱۳]

نیم برہنہ زبان اور کرخت زبان

لباس اس علاقہ کے لوگوں کا اتنا مختصر کہ عریانی اور ستر عورت بھی نہ ہوا کرتی۔ نیم برہنہ کہنا گویا لغت میں تصرف کرنا ہوگا۔ کیونکہ حقیقۃً عوام بالکل ننگے اور برہنہ ہوا کرتے تھے۔ چار انگل کی ایک لنگوٹی ان کا لباس تھا جس کو دیکھ کر بعض اوقات سیدنا حضرت نور الدینؓ...... ان سے ایک سوال کیا کرتے مگر تعجب ہے کہ وہ کچھ ایسے بے حس ہو چکے تھے کہ ان کا جواب ان کے لباس سے بھی زیادہ مکروہ اور ننگا ہوتا تھا۔ مستورات یا عورتیں جن کے نام ہی میں ستر اور پردہ لازم قرار دیا گیا تھا۔ عموماً بے پردہ پھرتیں۔ رات کو سونے میں برہنگی اور ایک نہایت ہی قبیح رسم آڈ ہٹر ونجا کی لعنت میں مبتلا تھیں۔

زبان اتنی موٹی، بھدی اور کرخت تھی کہ کان اس کی برداشت نہ کر سکتے تھے۔ گالی کے بغیر ان کی بات مکمل نہ ہوا کرتی۔ اور کلام میں حلاوت اور شیرینی پیدا کرنے کے لئے پھکّڑ بازی لازمی تھی۔ بچوں کو بچپنے ہی سے اس کا مشاق بنایا جاتا۔ اور گالی گلوچ کی باقاعدہ تعلیم دی جایا کرتی اور جب بچہ اس علم میں طاق ہو کر باپ یا بڑے بوڑھوں کو منہ پر گالی دینے کے امتحان میں کامیاب ہو جاتا تو واہ واہ کی صدا گونج اٹھتی اور ہر طرف سے داد ملتی۔ غرض گالی لوگوں کی عادت اور لازمہ سخن ہو چکی تھی اور اظہار محبت و پیار کے لئے تو یہ چیز ایسی ضروری تھی جیسے کھانے میں نمک۔

اس زمانہ میں مساجد قادیان

۱۔ مسجد مبارک جو دراصل مسجد البیت تھی۔ جس کا نام بیت الذکر تھا۔ یہ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود بنوائی تھی۔

۲۔ مسجد اقصیٰ جو حضور پُرنور کے والد ماجد حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب نے بنوائی۔ انہی کا مزار مبارک آج کل مسجد اقصیٰ کے وسط میں واقع ہے۔ انہوں نے یہ مسجد کن حالات اور کس نیت سے بنائی۔ وہ خدا تعالیٰ کے فضل اور مسجد کی قبولیت سے ظاہر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی فعلی شہادت سے بڑھ کر اور کیا

چیز انسانی اعمال اور اس کی قلبی کیفیت کے نیک و بد کی گواہ ہوسکتی ہے۔حکم خاتمہ وانجام کی نوعیت پر لگا کرتے ہیں۔کون جانتا ہے کہ اس مقدس انسان نے خاندانی ریاست اور آبائی جائداد کے حصول کی کوشش کس نیت اور ارادہ سے کی تھیں۔کون سمجھ سکتا تھا کہ ان کی یہ ساری تگ ودو کن اغراض ومقاصد کے لئے تھی۔کس کو اس بات کی خبر ہے کہ انہوں نے اپنی عمر کا بیشتر اور نہایت قیمتی حصہ کس چیز کے حصول میں خرچ کر دیا۔اس بات سے کون مطلع ہے کہ انہوں نے اپنی عمر کا سارا اندوختہ اور ستر ہزار روپیہ کس غایت ومرام کی تلاش میں اڑا دیا؟ اور کون اس امر سے آگاہ ہے کہ وہ یہ کہتے ہوئے کہ:

''ورنہ میں جانتا ہوں کہ جس طرف اس کی (مسیح موعود کی) توجہ ہے یعنی دین کی طرف، صحیح اور سچی بات یہی ہے۔ہم تو اپنی عمر ضائع کر رہے ہیں۔''

حضور کو بھی اپنے ساتھ دنیوی کاموں میں شریک کر کے دنیا دار اور روبخلق بنا لینے کی کوشش کس خیال سے فرمایا کرتے تھے۔اللہ اور صرف اللہ ہی کی ذات ہے جو ان کے قلب کی گہرائیوں اور اندرونی بھیدوں سے واقف، قلبی کیفیات سے آگاہ اور نیت کی حقیقت کا راز دان ہے۔اس کی میزان صحیح اور ناپ درست۔اس میں غلطی ناممکن ہے۔پس خدا تعالیٰ جس طرح اپنی قدرت نمائی سے پہچانا جاتا ہے۔اسی طرح اس کی مرضی اس کی فعلی شہادت سے پائی جاسکتی ہے۔

حضرت مرزا صاحب مرحوم کا دنیوی ناکامیوں اور نامرادیوں کے بعد مغموم ومحزون رہنا اور یہ کہتے رہنا کہ

''جس قدر میں نے اس پلید دنیا کے لئے سعی کی ہے اگر میں وہ سعی دین کے لئے کرتا تو شاید آج قطب وقت یا غوث وقت ہوتا۔''

ایک پاک تبدیلی اور تبتل الی اللہ کی دقیع دلیل اور قومی برہان ہے اور **عرفت ربی بفسخ العزائم** کا مقولہ ان کے نور معرفت پا جانے کا ثبوت۔اس کے علاوہ

عمر بگذشت و نماند است جز ایامے چند
بہ کہ در یاد کسے صبح کنم شامے چند

نیز ؎

از روئے تو اے کس ہر بے کسے
نیست امیدم کہ روم نا امید

اور ؎

باب دیدہ عشاق وخاکپائے کسے
مرادے است کہ درخون تپد بجائے کسے

ان اشعار کی حقیقت سے آشنا اور جس دل سے نکالے اور بار بار پڑھے جایا کرتے تھے' اس کی کیفیت کا واقف علیم وخبیر۔ قادروتوانا خدا ہے......خدا تعالیٰ کے حضور خالی ہاتھ جانے کی حسرت کا احساس، ایک سلیم دل اور قلب صافی کی سچی ٹیس۔ ارحم الراحمین خدا کے حضور شرف قبولیت پائے بغیر نہیں رہ سکتی۔ خدا نے ان کی دنیا اور دنیا کے سارے ہموم وغموم کو دین خالص اور اپنی ذات کی جستجو وطلب میں سعی وکوشش بنا کر قبول فرما لیا تھا۔ ان سب باتوں کیساتھ سب سے اہم اور بڑی بات سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعائیں جو حضور ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور کیا کرتے تھے۔ کس اضطراب' گدازش اور سوز ونیاز سے کی جاتی ہوں گی۔ وہ انسان کامل نہ صرف بیگانوں اور غیروں بلکہ اپنے جانی دشمنوں تک کے لئے انتہائی درد رکھتا ہو۔ اور ان کی بہبودی کے واسطے اپنی جان عزیز تک گداخت کر دینے کا عادی ہو۔ اپنے شفیق باپ کے لئے کیا نہ کرتا ہوگا۔ ان باتوں اور ان کے دیگر احوال کو یکجائی نظر سے دیکھنے سے ان بزرگ مرحوم ومغفور کا مقام عالی قرب اور وصال سامنے آنے لگتا ہے۔ اور دل ان کی محبت سے بھر جاتا ہے۔ ان کی عظمت سے ڈر جاتا ہے اور بے ساختہ دل سے دعائیں نکلنے لگتی ہیں۔ علی الخصوص جبکہ ان کے نیک انجام۔ خاتمہ بالخیر اور وصال الی اللہ کا سانحہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عزا پرسی کے معاملہ پر غور کیا جائے۔ تو اس بزرگ ہستی کی قدر وقیمت اور مرتبہ ومقام کی رفعت معلوم ہوتی ہے۔ کتنے ہی دنیا میں ایسے انسان جن کی وفات پر خدا نے اولاد کو پیغام ہمدردی بھیجا ہو؟ سبحان مااعظم شانہ۔ ان کا آخری عمل (تھا) یعنی تعمیر مسجد اور آخری خواہش (تھی) کہ ''اسی مسجد کے ایک کونہ میں میری قبر ہوتا اللہ جل شانہ کا نام میرے کان میں پڑتا رہے۔ کیا عجب کہ یہی ذریعہ مغفرت ہو۔''

قادیان کے عروج کے زمانہ کی مساجد کے حالات اور تذکرے ان کی خوبصورت' وسعت اور شان وشوکت کی روایات اور آبادی ومعموریت کی داستانیں آپ نے اپنے بزرگوں سے سنی ہوں گی۔ جن میں قادیان میں آبیٹھنے والے علماء فضلاء، حفاظ اور اولیاء واقطاب کے علاوہ آس پاس کے قلعوں کے حکام وامراء، نیز افواج اور ان کے سردار ہر جمعہ کو جمع ہوتے اور نمازیں گزارا کرتے تھے۔ ان کی یاد کتنی دلدوز

اور روح فرسا ہوتی ہوگی۔ جن میں سے حضرت مرزا صاحب مرحوم نے کوئی بھی نہ دیکھی۔ اور جو ایک مسجد البیت دیکھی تو ایک دھرمسالہ کی شکل اور سکھوں کے قبضہ میں۔ کتنا درد اٹھتا ہوگا ان کے دل میں۔ اور کیا حالت ہوگی ان کے قلب کی؟ اپنی کوئی مسجد نہ دیکھ کر ان کے دل میں مسجد بنانے کا جوش پیدا ہوا۔ خدا نے توفیق بھی رفیق فرمائی اور وہ مسجد بن گئی۔

(یہ) مسجد موجود ہے۔ اس کی شکل وصورت اور بناوٹ، خوبصورتی ومضبوطی اس عظیم انسان کے جذبات کی مظہر ہے۔ گئے گذرے دنوں اور عمر بھر کی ناکامیوں اور مایوسیوں کے بعد جس خاندان کے ایک فرد نے ایسی مسجد تعمیر کرائی۔ اس کے برسر حکومت واقتدار بزرگوں نے کیسی خوبصورت، وسیع اور شاندار مساجد بنائی ہوں گی؟ لوگوں نے مقامی حالات اور بستی کے مسلمانوں کی بے دینی وجہالت کے مدنظر عرض بھی کیا کہ اتنی بڑی مسجد (آپ) بناتے ہیں۔ نمازی کہاں سے آئیں گے؟ کتے (اس میں) ہگا کریں گے مگر آپ نے ایسی مسجد بنائی جسے خدا نے قبول کیا اور بڑھایا اور ابھی بہت بڑھائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اصل مسجد کا رقبہ زیر گنبد قریباً سوا چار سو مربع فٹ مسقّف اور ساڑھے تیرہ سو مربع فٹ بصورت صحن تھا۔ منارۃ المسیح کی بنیاد کے ساتھ ہی اس مسجد کی توسیع بھی حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی نے کروائی۔ جس سے مسجد اقصیٰ کا صحن تین ہزار چار سو مربع فٹ بڑھ گیا۔ اول فرش، صحن اور اس اضافہ کا امتیاز نمایاں موجود ہے۔ اور کنواں، مزار شریف، نیز منارۃ المسیح، مسجد کے صحن میں شامل ہوگئے۔ مشرقی کوچہ کو مسقّف کر کے غسل خانے اور وضو کے لئے پانی کا انتظام کر دیا گیا اور اس طرح صحن سے کئی گنا زیادہ بڑھ گیا تھا۔ [۱۴]

۳،۴ تیسری مسجد محلّہ ارائیاں اور چوتھی حلقہ خوجیاں میں تھی۔ اور یہ دونوں بالکل چھوٹی، ویران اور غیر آباد پڑی تھیں۔ ان کی بناوٹ اور وضع سے معلوم ہوتا ہے کہ پرانی اور قدیم نہیں بلکہ ایام امن اور قریب زمانہ کی بناوٹ تھیں۔ ایک عرصہ تک ہم لوگ عموماً غسل وغیرہ کے لئے وہیں جایا کرتے کیونکہ غسل خانے صرف انہی میں تھے نوافل بھی ادا کر لیا کرتے یا بعض آس پاس رہنے والے دوست فرائض بھی ان میں پڑھا کرتے رہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس زمانہ میں ان کی مرمت وآبادی اور ڈول رسی کے چندوں میں بھی احمدی غیر احمدی کا کوئی امتیاز نہ تھا۔ سبھی حسب توفیق حصہ لیا کرتے۔ آب نوشی اور دیگر ضروریات کے لئے کنواں صرف ایک وہی جو مسجد اقصیٰ کے صحن میں حضرت اقدس کے والد بزرگوار حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب نے اپنی عمر کے بالکل آخری حصہ میں بنوایا۔ حضور کے حصہ میں آیا دیوان خانہ میں بھی ایک

کنواں تھا مگر وہ حضور پُر نور کے بڑے بھائی کے حصہ میں چلا گیا۔ حضرت کے گھر اور مہمانوں کے ہاں تو سقے بہشتی جہاں سے چاہتے پانی لے آتے۔ مگر ہم لوگوں کو اپنی ضروریات کے لئے مسجد اقصیٰ ہی کے کنویں پر جانا پڑا کرتا تھا۔ کیونکہ ایک طرف تائی صاحبہ محترمہ تو دوسری طرف مرزا امام الدین اور مرزا نظام الدین صاحبان ڈانٹ ڈپٹ کیا کرتے اور بعض اوقات نا قابل برداشت طعن و تشنیع تک نوبت پہنچا دیتے۔ پس اس طرح ہمارے لئے صرف ایک خدا کے گھر کا کنواں کھلا تھا جس طرح کہ خدا عالم و عالمیاں نے اس مقدس و مقبول الٰہی بزرگ قطب اور غوث انسان کے دو بیٹوں میں سے ایک کو اپنے نور کا سرچشمہ اور فیوض کا منبع بنا کر ہمیں اس تک پہنچا دیا اور وہ اکیلا ہی خلق و جہاں کے ورثہ میں آیا۔ اسی طرح آپ کے ترکہ مادی کے دو کنوؤں میں سے ایک اور صرف ایک ہی کنواں آنے والی پیاسی دنیا کے لئے کھلا تھا جو فضل الٰہی سے اس نواح میں اپنے پانی کی لطافت و پاکیزگی، صحت افزائی و خنکی نیز بعض اور خواص کے لحاظ سے بھی ممتاز ہے۔

مہمان خانہ

اس زمانہ میں ابھی کوئی نہ تھا۔ سیدنا حکیم الامت حضرت مولانا نورالدین اعظم رضی اللہ عنہ کے مطب ہی میں آنے والے مہمان قیام کیا کرتے۔ اور یہی جگہ سب کے لئے کافی اور دافی ہوا کرتی تھی یا پھر حضرت اقدس کا الدار بطور مہمان خانہ استعمال ہوتا تھا۔

لنگر خانہ

لنگر خانہ بھی علیحدہ کوئی نہ تھا بلکہ حضرت اقدس کے مکان کے اندر ہی ملک غلام حسین صاحبؓ سالن وغیرہ تیار کرتے اور روٹی خادمات تیار کر لیا کرتیں۔

دفتر تھا اس زمانہ میں کوئی نہ محکمہ نظارت و وزارت، مہمان نوازی، مسافر نوازی اور غریب نوازی۔ اور کیا تالیف و تصنیف، طباعت و اشاعت، بیمار پرسی و عزا پرسی۔ الغرض عام دینی کام تنہا سیّدنا حضرت اقدس ہی کو کرنا پڑتے۔ سب افکار، سارے انتظام صرف اور صرف حضور کے ذمہ تھے جن کو نہایت خوش اسلوبی اور بطریق احسن سرانجام پہنچایا جاتا۔

الغرض یہ بستی اپنے عروج و اقبال کے بعد بعض مصالح الٰہی کے ماتحت دوبارہ ویرانہ و جنگل میں تبدیل

ہو کر گمنامی وقعر مذلت میں غرق ہو کر بالکل ایک چھوٹی سے بستی کی شکل میں تبدیل ہو چکی تھی۔ جہاں کوئی پریس تھا نہ اخبار، کارخانہ تھا نہ تار، بجلی تھی نہ فون۔ ریل تھی نہ ڈیزل کار۔

حضور کو کیا ورثہ ملا

حضرت بھائی جی کے اس بیان سے پہلے خاکسار ڈاکٹر گوربخش سنگھ صاحب میونسپل کمشنر کے بھائی سردار بخشیشسنگھ صاحب ولد سردار لہنا سنگھ صاحب قوم رام گڑھیہ سکنہ قادیان کا بیان یہاں درج کرتا ہے۔خاکسار کے استفسار پر بتایا گیا کہ

''مجھے یاد ہے (حضرت) مرزا صاحب ہمیں یہ نصیحت کرتے تھے کہ قادیان بہت آباد ہو جائے گا اور ترقی کرے گا۔آپ لوگ بھی بیشک ڈھاب وغیرہ کے کچھ حصوں پر قبضہ کر لیں۔آپ کو بہت فائدہ ہوگا اور دوسرے لوگوں کو بھی قبضہ کر لینے دیں۔ہم کہتے تھے کہ ہمیں تو یہ یقین کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ قادیان ترقی کرے گا۔اور آپ جو مدرسہ وغیرہ کی عمارتیں تعمیر کر رہے ہیں، ہماری سمجھ میں تو یہ عمارتیں بھی ویران ہو جائیں گی اور یہاں بھی گدھے وغیرہ جانور بندھا کریں گے۔''

حضرت بھائی جی تحریر فرماتے ہیں:

سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام گاؤں کی اراضیات اور جائیداد کے علاوہ بتیس دیہات کی تعلقہ داری میں بحیثیت ایک رئیس و مالک تھے......حضور کو اپنی کسی زمین کا علم تھا نہ جائیداد کا پتہ۔ وہ جس کے قبضہ میں تھی وہی اس کو استعمال کرتا اور فائدہ اٹھاتا۔حضور کو لینے کی بجائے دینے پڑا کرتے۔خرچ آمد سے زیادہ ہو جاتا اور مالیہ ولگان حضور کو اپنی گرہ سے ادا کرنا پڑتا۔اس طرح حضور اس جائیداد کے لحاظ سے مزارعین یا کارندوں کے رحم پر تھے۔شرکاء حضور کے دنیوی لحاظ سے اپنے فن کے ماہر،علم کے پکے اور گانٹھ کے پورے تھے۔ وہ برسر اقتدار تھے اور ان کا دبدبہ ولاٹھی چلتی تھی۔اللہ تعالیٰ کی تجلی رجوع خلق اور حضور کے فنافی اللہ، فنافی الرسول اور فنافی الدین ہو جانے اور اپنے بیگانوں کو اسی رنگ میں رنگین کرنے کی مساعی کی وجہ سے اور استقبال الی اللہ کے باعث ان کو حضور سے خدا واسطے کا بغض،قلبی عناد اور دلی عداوت تھی۔حضور کا عروج ان کو ایک آنکھ نہ بھاتا۔اور وہ ہمیشہ درپے آزار رہتے۔ہنسی مذاق اور تمسخر واستہزاء سے بھی بہت آگے نکل جایا کرتے۔زیر مسجد خرافات کا نقشہ دکھائی دیا کرتا۔ان حالات کو دیکھ کر ایمان اور بھی بڑھ جایا کرتے۔ کیونکہ قول خداوندی (یعنی حضرت اقدس کے

الہام الٰہی موئف) اِذَا نَـصَـرَاللّٰهُ الْـمُـوْمِـنَ جَعَلَ لَهُ الْحَاسِدِيْنَ فِى الْاَرْضِ ۱۵ کی صداقت روزانہ آنکھوں سے دیکھنے کا موقعہ ملا کرتا۔ ملکیت کے لحاظ سے وہ تینوں بھائی مل کر بھی حضرت کی ملکیت سے تقریباً ایک تہائی پر تھے۔ مگر زوروجور کے لحاظ سے ایسا نظر آیا کرتا کہ گویا وہی مالک وحاکم تھے۔ اور تفاصیل کو چھوڑتا اوران کی ایذارسانی کی صرف ایک ہی مثال درج کرتا ہوں جو جماعت میں مقدمہ دیوار کے نام سے مشہور ومعروف ہے۔ یہ کام حضور کے شرکاء نے محض حضور کو اذیت پہنچانے اور دکھ دینے کی غرض سے سینہ زوری کرتے ہوئے کیا۔ ورنہ ان کا قطعاً کوئی حق نہ تھا۔ انہوں نے ایک دیوار کھڑی کر کے مسجد مبارک اور مسجد اقصیٰ دونوں کا راستہ بند کر دیا۔ جس کی وجہ سے حضور کے خادم، غلاموں اور مہمانوں کے علاوہ خود حضور پُر نور کو سخت اذیت پہنچی۔ کیونکہ حضور کو اپنے دوستوں اور خدام کی تکلیف کا احساس اپنی تکلیف سے بھی کہیں بڑھ کر ہوا کرتا تھا۔ مساجد میں پہنچنے کے لئے ایک لمبا چکر کاٹ کر لوگوں کو جانا پڑتا۔ اور برسات کے ایام میں تو کیچڑ گارے کے باعث اکثر لوگ پھسلنے گرنے سے چوٹیں کھاتے تھے۔ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ازراہ شفقت اپنے مکان کے گول کمرہ کے دروازے کھول کر راستہ بنوایا جس سے بہت حد تک تکلیف اور مشکل میں کمی ہوگئی۔ مگر تاہم یہ ایک بھاری ستم اور انتہائی ظلم تھا جو ان لوگوں نے روا رکھا۔ اسی پر بس نہ تھی ان شرکاء کی دیکھا دیکھی اور شہ پر بعض وہ لوگ جو کمین کہلاتے اور رذیل اور ارذل ہوا کرتے وہ بھی دلیر ہورہے تھے۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ اگر کوئی احمدی کسی ایسے افتادہ کھیت میں بھی رفع حاجت کے لئے چلا جاتا جو ملکیت تو ان کے آقا کی تھی مگر یہ لوگ بطور مزارعہ کبھی اس میں قلبہ رانی کر چکے تھے۔ تو یہ بدبخت اس کو اس بات پر بھی مجبور کرتے کہ وہ غلاظت اٹھا کر لے جائے۔

کہیاں، پھاوڑے اور ٹوکریاں کام کرتے مزدوروں سے چھین کر لے جانا ایک معمولی بات ہوگئی تھی۔ انفرادی طور پر لڑائی جھگڑا مار پیٹ اور تذلیل وتحقیر کے سلوک کے علاوہ ایک مرتبہ تو حملہ کر کے غریب احمدیوں کے گھروں تک میں آن گھسے تھے۔ ان مشکلات ومصائب اور بے پناہ مظالم کے مقابلہ میں ہمیں حکم یہ تھا کہ:۔ صبر سے سب کچھ برداشت کرو اور اف تک نہ کرو جس میں برداشت کی تاب نہیں اور اس کا نفس اس کو انتقام ومقابلے پر آمادہ کرتا ہے تو بہتر ہے کہ وہ یہاں سے چلا جائے۔''

گالیاں سن کر دعا دو پا کے دکھ آرام دو
کبر کی عادت جو دیکھو تم دکھاؤ انکسار

اپنوں اور رعیت ومحکوم لوگوں کا یہ حال تھا تو غیروں کی مخالفت ان کے مظالم اور سلسلہ کو نابود ومعدوم کر دینے کی کوششوں اور منصوبوں کا کیا حساب وشمار ہوسکتا ہے؟ ☆

سیّدنا حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خاندانی ترکہ سے جو ورثہ پایا اس کا اندازہ اللہ تعالیٰ کے اس تسلی آمیز اور محبت بھرے کلام سے ہوسکتا ہے جو حضرت کو اپنے والد صاحب بزرگوار کی وفات کے باعث وتقاضائے بشریت بعض وجوہ معاش کے بند ہو جانے کے خیال سے پیدا ہونے والے فکر پر آپ کو الہام فرمایا:

''اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ۔'' [۱۶]

ترکہ مرحوم کا قادیان کی اراضیات میں تخمیناً تین آنہ تھا۔ بارہ آنہ بعض پیچیدگیوں میں مرزا اعظم صاحب

☆ الدّار کا کنواں۔ بھائی جی لکھتے ہیں:

''کنواں ہمارا صرف ایک وہی تھا جو مسجد اقصیٰ کے صحن میں بانی مسجد علیہ الرحمۃ نے بنوایا۔ اس کے بعد سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الدّار میں بننے والے کنوئیں کی تعمیر کسی قدر تفصیل چاہتی ہے۔ کن حالات میں اور کس طرح وہ بنا۔ سیّدۃ النساء حضرت اُم المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طعن کیا گیا جس کے نتیجہ میں فوری احکام کے ماتحت رات دن ایک کر کے سوائے ڈیوڑھی، اجرت پر چاہ کن اور چاہ ساز مہیا کئے گئے اور ہفتوں کا کام دنوں میں پورا کر کے یہ کنواں تیار ہوا۔

''اس کے بعد دوسرا کنواں وہ بنا جو موجودہ بکڈپو کے مشرقی جانب ہے۔ اس کا پہلا نام بورڈنگ کا کنواں ہوا کرتا تھا۔

بدر مورخہ ۷؍جولائی ۱۹۵۲ء صفحہ ۵ پر محترم مرزا برکت علی صاحب اسسٹنٹ انجینئر ابادان (ایران) کا تیار کردہ نقشہ الدّار مع تفصیل درج ہے۔ ان نقشہ جات کی تیاری میں ان کے خسر حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی تفصیل بتا کر مدد دیتے تھے۔ اس کنویں کے بارے میں وہاں لکھا ہے جو گویا بھائی جی کا بیان کردہ ہے کہ

''حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی نے بھی چک نیچے اتارنے میں حصہ لیا۔ اس وقت حضرت اُم المؤمنین اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام چھت پر کھڑے ملاحظہ فرما رہے تھے۔''

کی طرف چلا گیا۔ اور قریباً قریباً ایک آنہ باقی تینوں شریک بھائیوں کا تھا۔ ☆

خاکسار مؤلف موقعہ کی مناسبت سے سردار بخشیش سنگھ صاحب ولد سردار لہنا سنگھ صاحب قوم رام گڑھیہ ساکن قادیان مذکور کا ذیل کا بیان یہاں درج کرتا ہے۔ جوانہوں نے خاکسار کے استفسارات پر بیان کیا۔ ان کے مکانات قصر خلافت کے قریب ہیں۔ باوجود حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خاندان کے احسانات کے اقرارات کے تاوفات مخالفت سلسلہ میں ان افراد نے کبھی کمی نہیں کی تھی۔ *

☆ حضرت مرزا غلام مرتضٰی صاحب کے ترکہ کے بارہ میں مکرم حضرت بھائی عبدالرحمٰن قادیانیؓ کا یہ بیان غلط فہمی پر مبنی اور درست نہیں۔ آپ کے ترکہ کے بارہ میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ نے سیرت المہدی حصہ اوّل میں تفصیلی ذکر کیا ہے۔

''قادیان کی کل ملکیت پانچ حصوں میں تقسیم کی گئی تھی۔ دو حصے اولاد مرزا تصدق جیلانی کو آئے تھے اور دو حصے اولاد مرزا گل محمد صاحب کو اور ایک حصہ خاص مرزا غلام مرتضٰی صاحب کو بحیثیت منصرم کے آیا تھا۔ جو بعد میں صرف ان کی اولاد میں تقسیم ہوا۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ ہمارے دادا صاحب کی وفات کے بعد ہمارے بعض غیر قابض شرکاء نے مرزا امام الدین وغیرہ کی فتنہ پردازی سے ہمارے تایا مرزا غلام قادر صاحب پر دملیابی جائداد کا دعویٰ دائر کردیا اور بالآخر چیف کورٹ سے تایا صاحب کے خلاف فیصلہ ہوا۔ اس کے بعد پسران مرزا تصدق جیلانی اور مرزا غلام غوث ولد مرزا قاسم بیگ کا حصہ تو اس سمجھوتے کے مطابق جو پہلے سے ہو چکا تھا۔ مرزا اعظم بیگ لاہوری نے خرید لیا۔ جس نے مقدمہ کا سارا خرچ اسی غرض سے برداشت کیا تھا اور پسران مرزا غلام محی الدین صاحب اپنے اپنے حصہ پر خود قابض ہوگئے۔ مرزا غلام حسین کی چونکہ نسل نہیں چلی اس لئے ان کا حصّہ پسران مرزا غلام مرتضٰی صاحب و پسران مرزا غلام محی الدین کو آ گیا۔

* بھائی جی لکھتے ہیں کہ:

''سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضور کے مہمان اور خادم غلاموں کو نہ صرف حضور کے شرکاء ہی ستاتے اور دُکھ دیتے اور اذیت پہنچایا کرتے تھے بلکہ رعیت اور کمین کہلانے والے لوگ بھی ان کی شہہ اور انگیخت پر اتنے دلیر اور سینہ زور ہورہے تھے کہ کسی قسم کے زور و تعدی اور جفا سے ان کو دریغ نہ تھا۔ (غرض انبیاء کی طرح ہر طبقہ کی طرف سے فرداً فرداً اور اجتماعاً حضور کی مخالفت ہوئی جس میں ان لوگوں نے ناجائز اور جائز کا امتیاز نہ کیا۔) لیکن حضور نے وہ زمانہ نہ صرف یہ کہ خود پورے صبر وشکر،

انہوں نے بیان کیا کہ

''میں موجودہ میاں صاحب (حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ) کا ہم جماعت ہوں عمر میں ان سے دو سال کے قریب بڑا ہوں۔ سات آٹھ سال کی عمر میں ہم کئی بچے آپ کے گھر

بقیہ حاشیہ:- عزم و استقلال سے بسر فرمایا۔ بلکہ اپنے خدام اور غلاموں کو بھی ہمیشہ تحمل و بردباری اور انکساری و خاکساری کے ساتھ پوری شکر گزاری اور اعلیٰ اخلاق دکھانے کی نصیحت فرمایا کرتے۔ آخر (مقدمہ دیوار میں) خدا اور خدا کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فتح ہوئی اور دیوار گرانے کا فیصلہ اور ڈگری مع خرچہ ہوگئی۔ مگر خلق مسیحائی دیکھئے کہ مدعیوں کو خرچہ کی ادائیگی کے قابل نہ پاکر لطف فرمایا اور کرم فرماتے ہوئے معاف فرمادیا۔

''غریب احمدیوں کے گھروں پر حملہ کر کے چڑھ آنے والے دشمن جب قانونی شکنجہ میں جکڑے گئے۔ تکبر و خودسری کا نشہ اُترا تو ہوش آیا۔ نادم و شرمندہ ہوئے اور گلے میں رسی، منہ میں گھانس لے کر دربار نبوۃ میں عفوو درگزر کے لئے حاضر ہوئے۔ حضور نے رحم فرمایا اور لا تثریب کا نقشہ پھر دنیا کو دکھایا۔

''بعض معاند جو ڈھاب سے مٹی لینے کے جرم میں اکثر احمدیوں کی ٹوکری کہیاں چھین لے جایا کرتے۔ کھلے کھیتوں میں رفع حاجت کرنے والوں کو غلاظت اٹھانے پر مجبور کیا کرتے تھے۔ خدا کی طاعونی گرفت کا شکار ہوئے تو ان کو سمجھ آئی کہ یہ عذاب الٰہی ہمارے اعمال بد کا نتیجہ ہے۔ تو خدا کے گھر کی پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ چنانچہ لابھانامی براہمن جو شرارت کی جڑھ اور شریروں کا ایک سرغنہ تھا۔ طاعون میں مبتلا ہونے کے بعد مسجد اقصیٰ کے دروازہ پر پہنچا۔ مسجد کی سیڑھیوں پر سجدہ کر کے پکارنے لگا:

''ماتا کرپا کر، میں بھولا۔ پھر کبھی تیرے مولویوں کو دکھ نہیں دوں گا''۔ مگر خدا نے آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ [۱۷] فرماتے ہوئے اسے مہلت نہ دی اور اٹھا ہی لیا۔ وہ اخبار شبھ چنتک اور اس کا عملہ جس نے خدا کی مقدس و محبوب ہستیوں کی توہین و تذلیل اور گالی گلوچ کی نجاست بکھیرنا اپنا فرض مقرر کر لیا تھا۔ خدا کو پسند نہ آیا۔ اس نے حضرت اقدس کے دل میں درد پیدا کیا جس کے نتیجہ میں حضور نے ''قادیان کے آریہ اور ہم'' کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ خدا نے اس کے محرکوں کو جس رنگ میں اٹھا کر جوابدہی کے لئے اپنے حضور بلایا وہ واقعات نہایت ہی عبرتناک ہیں۔ وہ بدزبان میگھو جس کا گھر مسجد اقصیٰ کے متصل اور چھت صحن کے برابر تھی۔ کوئی نو وارد مہمان بھولے سے لاعلمی میں اسے صحن مسجد کا حصہ سمجھ کر کبھی چھت پر چلا جاتا

(دارالمسیح) میں کھیل کود کے لئے آ جاتے تھے اور (حضرت) میاں صاحب کو ہم ٹوپ پہنا کر ایک کرسی پر بٹھلا دیتے اور ہم دوسرے سارے ان کی سینا (فوج) بن جاتے۔ آپ کی والدہ صاحبہ نے کھچڑی بنا کر رکھی ہوتی تھی یعنی بادام اور اخروٹ کے مغز ملا کر رکھے ہوتے تھے وہ ہم سب بچوں کو یہ کھچڑی کھانے کے لئے دیتیں۔ وہ بہت اعلیٰ اخلاق کی مالک تھیں اور بڑے مرزا صاحب (حضرت مسیح موعود) بھی ہمیں اپنے بیٹوں جیسا عزیز سمجھتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ یہ ہماری بہن کے بیٹے ہیں۔ ان کی والدہ قادیان کی ہیں اس لئے ہماری بہن ہیں۔

''بڑے مرزا صاحب (حضرت مسیح موعود) ہمہ صفات متصف تھے۔ آپ میں سراسر خوبیاں ہی خوبیاں تھیں۔ آپ جب باہر نکلتے تو غیر از جماعت لوگ بھی آپ کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے۔ جو کوئی آپ سے بدمعاملگی سے پیش آتا آپ اس کی بدسلوکی کو نظر انداز کرتے۔ آپ کے چچا زاد بھائی مرزا نظام الدین صاحب ہمیشہ آپ کی مخالفت پر کمر بستہ رہے لیکن آپ ان سے ہمیشہ احسان سے ہی پیش آتے تھے۔ جب مرزا نظام الدین صاحب نے مسجد مبارک کا راستہ، دیوار تعمیر کر کے بند کر دیا۔ اور نمازیوں کو دور سے ہماری گلی میں سے چکر کاٹ کر مسجد تک پہنچنا پڑتا تھا۔ (حضرت) مرزا صاحب چاہتے تو یہ بات ان کے لئے چنداں مشکل نہ تھی کہ اس دیوار کو گرا دیتے۔ یا اسے بننے ہی نہ دیتے۔ لیکن آپ نے اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے کی بجائے عدالت کی طرف رجوع کر کے چارہ جوئی کرنے کے طریق کو اختیار کیا۔

اس زمانہ کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے سردار صاحب نے خاکسار مؤلف کو بتایا کہ'' (حضرت) مرزا صاحب کے ساتھیوں کی کہیاں ٹوکریاں لابھا نامی برہمن چھین لے جاتا تھا۔ لابھا کی کیا جرأت تھی کہ وہ یہ کام کرسکتا۔ وہ مرزا نظام الدین صاحب کا آلہ کار تھا اور یہ ساری شرارتیں ان کی شہ پر ہی کرتا تھا۔

بقیہ حاشیہ:- تو وہ میگھو گھنٹوں نہ صرف اس شخص کو کوستا رہتا بلکہ سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضور کے سارے خاندان کو نہایت ہی نازیبا الفاظ میں گندی گالیاں اور بددعائیں دیا کرتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ جلسہ سالانہ کے موقع پر جبکہ سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی، دور و نزدیک کے کئی سو صحاب کے ساتھ مسجد اقصیٰ میں موجود تھے۔ اس نے اپنی گندی فطرت وار بدزبانی کا ایسا مظاہرہ کیا کہ الامان۔ الحفیظ۔ مگر انجام کیا ہوا اور پھل کیا پایا؟ خدا کی پناہ!

اور ٹوکریاں وغیرہ چھین کر ان کے ہاں پہنچا دیتا تھا۔‘‘

سردار صاحب نے سید احمد نور صاحبؓ کابلی والے مشہور واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اس وقت مار پیٹ ہوئی اور ہم دس بارہ غیر مسلموں پر بلوہ کا مقدمہ دائر ہوا۔ بلوائیوں کی فہرست میں میں اور بڑے بھائی سردار پرتاپ سنگھ صاحب کے نام بھی شامل تھے۔ ہماری درخواست کرنے پر (حضرت) مرزا صاحب نے (حضرت) شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ کو بلا کر ہدایت کی کہ تحصیلدار صاحب بٹالہ کے پاس جائیں اور ان سے کہہ دیں کہ ہم نے ان بلوائیوں کو معاف کر دیا ہے۔

حضرت عرفانی صاحبؓ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ باوجود میرے عرض کرنے کے کہ یہ مقدمہ فوجداری ہے اور سرکار کی طرف سے دائر ہے اور اب صرف فیصلہ سنائے جانے کے لئے پیشی مقرر ہے حضور نے یہی حکم دیا کہ ہماری طرف سے آپ جا کر یہ کہہ دیں چنانچہ تحصیلدار صاحب نے ان بلوائیوں کو شرمندہ کیا کہ ایسے نیک شخص کو آپ لوگ تنگ کرتے ہیں کہ جس نے عین سزا سنائے جانے کے وقت بھی آپ لوگوں کو معاف کر دیا ہے۔

سردار صاحب مزید یہ بیان کرتے ہیں کہ

سید احمد نور صاحب کابلی والے معاملہ میں لابھا برہمن کے بھائی کو سر پر چوٹ آئی تھی۔ جس کا علم ہونے پر (حضرت) مرزا صاحب نے ایک طرف تو سید صاحب کو بلا کر کہا کہ ان دونوں پٹھانوں کو جو اس مار پیٹ کی لپیٹ میں آ گئے تھے فوراً ان کے وطن روانہ کر دیں اور فرمایا یہ غیر مسلم ہمارے عزیز ہیں اور ہمارے ہم وطن ہیں ہمیں ان کا ہر طرح لحاظ ہے اور دوسری طرف ایک سو روپیہ کا نوٹ لابھا برہمن کے بھائی کو بھجوایا کہ اسے اپنی غذا اور دوا پر صرف کریں اور مقدمہ تک نوبت نہ پہنچائیں۔ لیکن چونکہ برہمن مذکور نے دوسرے لوگوں کی شہ پر مقدمہ دائر کر دیا یا رپٹ لکھوا دی اس لئے بلوہ والا معاملہ اٹھانا پڑا۔ (خطوط وحدانی کے الفاظ خاکسار مؤلف کے ہیں)

۲- حضرت اقدس کے زمانہ میں قادیان

مہمان خانہ

مہمان خانہ ابتداء میں کوئی خاص موجود نہ تھا نہ مقرر۔ آنے والے خوش نصیبوں کے ناز اس زمانہ میں

عموماً خدا کے برگزیدہ نبی ورسول علیہ الصلوٰۃ والسلام خود اٹھایا کرتے ۔ ان کی مہمان نوازی کا فرض براہ راست وہ حبیب الٰہی ادا کیا کرتے جن کی شان یہ تھی کہ خود خدانے اپنے عرش سے ان کی تعریف و توصیف فرمائی ۔

''یَحْمَدُکَ مِنْ عَرْشِہٖ''[۱۸]

کتنے ہی خوش قسمت اور قابل رشک وہ مہمان تھے جن کا ایسا مقدس مہمان نواز ہو۔

''میں جس زمانہ کا ذکر کر رہا ہوں ان ایام میں بعض مہمان تو حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ کے مطب والے دالان اور شمال مغربی کوٹھڑی میں ٹھہرا کرتے تھے۔ اور اکثر کو سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے الدار کے بعض حصوں میں جگہ دے دیا کرتے۔ حضور آپ تنگ ہولیا کرتے۔ تکلیف برداشت کرلیا کرتے مگر مہمانوں کے آرام کا بہرکیف انتظام فرماتے۔ حضور کا مکان سارے کا سارا ہی گویا ایک مہمان خانہ تھا جس کے دائیں بائیں۔ اندر باہر۔ اوپر اور نیچے۔ غرض ہر طرف مہمان ہی مہمان ہوا کرتے۔ اس زمانے کا الدار بھی آپ یہ نہ سمجھ لیں جو آجکل ہے بلکہ بہت مختصر سا مکان تھا۔ اب تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسی توسیع اور اتنے اضافے اس میں ہو چکے ہیں کہ پہلی حالت کا نقشہ بھی بہت مشکل سے خیال میں لایا جا سکتا ہے جس میں رہنے والے لوگوں کا اگر میں شمار لکھوں تو دنیا تعجب کرنے لگے کہ اتنے لوگ سماتے کہاں تھے۔ اور ان کی موجودگی میں کیونکر حضور ایسی اہم، لطیف اور دقیق ترین علمی تصانیف فرماتے۔ اور مشاغل دینی کی انجام دہی سے عہدہ برآ ہوا کرتے تھے۔ سیدنا نورالدینؓ وہاں رہتے اور مع اہل وعیال رہتے۔ حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی۔ قبلہ حضرت نانا جان مرحوم ومغفور اور آپ کا خاندان۔ مرزا خدا بخش صاحب اور ان کے اہل بیت بلکہ بھانجے وغیرہ بھی۔ پیر جی افتخار احمد صاحبؓ مع اہل وعیال۔ حافظ قدرت اللہ خان صاحب مرحومؓ تمام بال بچوں سمیت۔ میاں کرم داد صاحب مرحومؓ مع عیال (میاں کرم داد صاحب بطور مہمان آئے تھے۔) حاجی حافظ احمد اللہ خان صاحبؓ مرحوم ومغفور اوران کے بیوی بچے۔ ملک غلام حسین صاحب رہتاسی اوران کا سارا گھرانہ۔ اکبر خاں صاحب مرحوم مع اہل عیال اور بعض مقامی مغل خاندان کے یتامی و بیوگان وغیرہ وغیرہ جن کا ماویٰ وملجا یہی ایک گھر تھا۔ سارے تو اب نہ یاد ہیں اور نہ ہی مجھے یاد کرنے سے پورے یاد ہی آتے ہیں۔ مولوی محمد علی صاحب آئے تو ان کو بھی حضرت اقدس نے الدار ہی کے حصہ میں پناہ دی تھی۔☆

☆ محترمہ اہلیہ صاحبہ حضرت بھائی جی نے خاکسار مؤلف سے بیان کیا کہ

آہستہ آہستہ اور بتدریج اللہ کریم رجوع و اقبال خلق کے ساتھ ساتھ اس کی ضروریات کے بھی سامان مہیا فرماتے گئے۔ موجودہ خام مہمان خانہ کی دو کوٹھڑیاں پہلے پہل حضور پر نور نے تیار کرائیں اگلا دالان جانب شمال بعد میں بنا ہے۔ پہلے صرف پچھلی دو کوٹھڑیاں ہوا کرتی تھیں (مہمان خانہ میں معمولی قسم کی پانچ چھ لکڑی کی کرسیاں ہوتی تھیں بید کی کرسیوں کا اس وقت عام رواج نہ تھا)

قادیان میں ان ایام میں کچھ رونق مستقل مہمانوں یعنی مہاجرین اور آنے جانے والے احباب کی رہتی تھی مگر وہ بھی ایسی نہ تھی کہ اس کے چالیس بیالیس سال بعد کی آبادی یا آنے جانے والے مہمانوں سے اسے کوئی نسبت دی جا سکتی۔ کیونکہ اس زمانہ میں صرف چند لوگ قادیان میں رہتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ دس پندرہ یا بیس مستقل مہمان اور درویش لوگ تھے اور باہر سے آنے والوں میں عموماً حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ مرزا ایوب بیگ صاحبؓ مرحوم اور ان کے بڑے بھائی ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحبؓ اور کپورتھلہ کی جماعت کے بعض پرانے بزرگ ایسے ہیں جن کے متعلق مجھے بخوبی یاد ہے کہ اکثر آتے رہتے تھے۔ مگر سلسلہ آمد مہمانان بہت ہی کم اور محدود تھا۔ (مہاجرین جن کے نام میری مطبوعہ روایت میں ہیں ان کے علاوہ حضرت حکیم مولوی فضل الدین صاحب بھیرویؓ حضرت پیر سراج الحق صاحب نعمانی۔ حضرت پیر افتخار احمد صاحبؓ، حضرت پیر منظور محمد صاحبؓ، حضرت حافظ حامد علی صاحبؓ، حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب نومسلمؓ۔ بھائی عبدالعزیز صاحبؓ نومسلم اور مفتی فضل الرحمٰن صاحبؓ بھی ۱۸۹۵ء میں ہجرت کر کے آچکے تھے۔ نیز اچھوت کہلانے والی اقوام میں سے

بقیہ حاشیہ: -۱- حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی وفات کے بعد حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ ان کے حصہ دارالمسیح میں جو مسجد مبارک کی بالائی چھت سے ملحق ہے رہائش پذیر ہو گئے تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد وہاں سے منتقل ہوئے تھے۔

۲- محترم قدرت اللہ خان صاحب، حضرت سیّدہ اُم ناصر صاحبہؓ والی دارالمسیح کی مغربی ڈیوڑھی پر دربان تھے اور ان کی اہلیہ صاحبہ اندرون خانہ خدمت کرتی تھیں۔

(ب) حضرت بھائی جی نے خاکسار مؤلف سے بیان کیا کہ محترم اکبر خاں صاحب، حضرت سیّدہ اُم ناصر صاحبہ والی دارالمسیح کی مشرقی ڈیوڑھی پر دربان مقرر تھے اور مشرقی ڈیوڑھی اور گول کمرہ کے درمیان جو کمرہ ہے اس میں وہ اہل و عیال سمیت رہائش رکھتے تھے۔

زیر عنوان مہمانخانہ سارا بیان الحکم بابت ۱۴، ۲۱/جنوری ۱۹۴۰ء (صفحہ ۱۵، ۱۶) سے ماخوذ ہے۔

ایک نوجوان بنام کتھا سنگھ☆بھی اسلام واحمدیت قبول کر کے ہجرت کر آئے تھے جن کا نام عبدالرحمٰن تھا اور وہ ضلع گورداسپور کے باشندہ تھے۔ ان دنوں قادیان میں کوئی ذریعہ معاش نہ تھا احباب لنگر خانہ سے کھانا کھاتے تھے۔ کبھی کبھار کوئی کام سلسلہ کا ہوا تو کر لیا۔ مثلاً بڑے باغ کی صفائی کردی ورنہ ساری مشغولیت نمازوں اور دینی مصروفیات کی ہی ہوتی تھی۔

لنگر خانہ کا مقام وانتظام*

امر واقع یہی ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ (لنگر خانہ ومہمانخانہ) ان ہر دو اہم ضروری اور مقدس ترین مدات کی نہ صرف داغ بیل ہی سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے خود اپنے دست مبارک ہی سے ڈالی بلکہ نہایت ہی ناموافق اور مخالف حالات، بے سروسامانیوں اور مشکلات اور قحط وگرانیوں میں سے گذرتے ہوئے متواتر پچیّس تیس سال تک ایسی کامیابی، خندہ پیشانی، فراخدلی بلکہ گہرے قلبی شوق اور ذوق سے آخری وقت تک اس انبیائی خلق یعنی اکرام ضیف کی بیل کو پروان چڑھایا کہ سوائے خدا کے نبیوں اور رسولوں کے اور کے لئے ممکن ہی نہ تھا۔

خدا کے پیارے مسیح کا لنگر اول اول گھر کے اندر ہی جاری ہوا۔ وہیں کھانا تیار ہوا کرتا تھا۔ ابتداء میں چپاتیاں ہوا کرتیں تھیں۔ جو گھر کے اندر ہی خادمات پکاتی تھیں۔ ترقی ہوتی گئی تو توے کی بجائے لوہ پر کئی کئی عورتیں مل کر چپاتیاں پکانے لگیں۔

(۱۸۹۵ء میں لنگر خانہ الدار کے اس حصہ میں تھا جہاں تقسیم ملک سے قبل حرم اول سیّدنا حضرت خلیفۃ

☆ یہ پیرا الحکم بابت ۷، ۱۴ ؍مئی ۱۹۳۸ء صفحہ ۷، ۲۲ کی دو الگ الگ روایات کو مخلوط کر کے درج کیا گیا ہے اور خطوط واحدانی کی عبارت حضرت بھائی جی سے خاکسار مؤلف نے استفسار کر کے اضافہ کی ہے۔ شیخ عبدالرحمٰن صاحب قوم جٹ جو موضع بڑکلاں نزد قادیان کے باشندہ تھے۔ حضرت اقدس علیہ السلام کے ذریعہ مسلمان ہوئے تھے۔ بھائی جی فرماتے ہیں کہ وہ اور کتھا سنگھ دو الگ الگ افراد تھے۔ نیز بھائی جی کی فائل وصیت میں بھائی جی کی چٹھی مورخہ ۸ ظہور ۱۳۱۹ ہش (مطابق ۸ ؍اگست ۱۹۴۰ء) میں مرقوم ہے کہ ایک نومسلم کتھا سنگھ عبدالرحمٰن تھے۔

* ''لنگر خانہ کا مقام وانتظام'' کے زیرِ عنوان روایت الحکم بابت ۷، ۱۴ ؍مئی ۱۹۳۸ء صفحہ ۱۷ و بابت ۱۴، ۲۱ ؍جنوری ۱۹۴۰ء صفحہ ۱۶ کالم ۱، ۲ سے ماخوذ ہے۔

المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی ڈیوڑھی تھی۔ جہاں مشرق کی طرف سے دار کے نچلے حصے میں داخل ہوتے ہیں۔ سالن اس ڈیوڑھی میں ملک غلام حسین صاحب پکاتے تھے☆ بعدازاں لنگر خانہ اس ڈیوڑھی کے ملحقہ شمالی کمرہ میں منتقل ہوگیا۔ اوراب ملک صاحب موصوف نے وہاں ایک تنور لگالیا۔ جس میں وہ روٹیاں بھی پکانے لگے۔ سالن تو وہ پہلے بھی تیار کرتے تھے)

کھانے میں عموماً دال اور کبھی کبھی سبزی گوشت ، بعض اوقات ایک وقت دال اور دوسرے وقت (کسی سبزی کا) سالن ہوتا تھا۔ دال عموماً چنے کی ایسی پتلی مگر لذیذ ہوتی تھی کہ کھانے والے پیالہ اٹھا اٹھا کر گھونٹ گھونٹ پی جایا کرتے تھے۔

(لنگر خانہ کے لئے آٹا دھاریوال سے یا موضع ہرچووال کی نہر کے قریب ایک گاؤں سے لایا جاتا تھا۔ آٹے کے انتظام کے لئے حضرت نانا جانؓ بھی کئی بار بنفس نفیس تشریف لے جاتے تھے۔ آٹے کی فراہمی کا اہتمام کرنے کی سعادت حضرت بھائی عبدالرحیم صاحبؓ (نومسلم) حضرت میاں کرم داد صاحب سکنہ دوالمیال جب کہ وہ کافی دنوں کے لئے قادیان آئے تھے ملک غلام حسین صاحبؓ باروچی اور خاکسار اور بعض اور احباب کو جن کے نام اب یاد نہیں ، ملتی رہی ہے)

حضرت اقدس کا مہمانوں کے ساتھ شریک طعام ہونا

یہی یا اس کے قریب ہی کا وہ زمانہ ہے جبکہ بعض اوقات سیدنا حضرت اقدس مسیح پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام خود اپنے دست مبارک سے مہمانوں کے لئے کھانا اور ناشتہ وغیرہ لا کر پیش کیا کرتے۔ بے وقت آنے والوں کے واسطے خاطر تواضع کا سامان مہیا فرماتے۔ ایسا بھی ہوا کہ حضور کے مکان میں کھانا تناول فرماتے ہوئے کسی مہمان کی ضرورت یا آنے کی اطلاع دی گئی تو اپنے سامنے کا کھانا ہی اٹھا کر اس خوش بخت کے لئے بھیج دیا۔

کئی سال اس حال میں گذرے۔ سلسلہ کی ترقی کے ساتھ ساتھ لنگر نے بھی ترقی کی۔ گھر کی بجائے

☆ حضرت ملک غلام حسین صاحب جن کا وطن رہتاس ضلع جہلم تھا تقسیم ملک کے وقت بامر مجبوری قادیان سے نیروبی (مشرقی افریقہ) اپنے بچوں کے پاس چلے گئے جہاں ۶ رجنوری ۱۹۵۴ء کو وہ وفات پاگئے۔ ان کی اہلیہ محترمہ وہاں ۳۱ را کتوبر ۱۹۵۰ء کو داعیٔ اجل کو لبیک کہہ چکی تھیں۔ دونوں قبرستان نیروبی میں دفن ہیں۔ اللھم اغفر لھما و ارحمھما۔ آمین

باہر الگ انتظام کرنا پڑا۔ روٹی کے لئے تنور کا اور دال سالن کے واسطے دیگچیوں کی بجائے دو بڑے دیگچوں اور پھر دیگوں کا انتظام ہوا۔ (جو حضرت مسیح موعود کے زمانہ میں مستری قطب الدین صاحب امرتسری مسگر کے ذریعہ خریدی جاتی تھیں۔) اور ایک سے دوسری۔ دوسری سے تیسری اور تیسری سے چوتھی اور پانچویں جگہ تبدیلی وانتقال کے بعد کئی منازل طے کرتے ہوئے لنگر خانہ موجودہ مقام تک پہنچا ہے۔☆

کھانا صبح کے وقت گول کمرہ میں اور شام کو موسم گرما میں مسجد مبارک کی بالائی منزل پر اور موسم سرما میں مسجد مبارک کے اندر بعد نماز مغرب کھلایا جاتا تھا۔ اور سیّدنا حضرت اقدس مسیح پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام پہلے پہلے عام دسترخوان ہی پر شمولیت فرمایا کرتے تھے۔ ایک وقت آیا کہ بعض ناگوار واقعات مثلاً بعض افراد کے کھانے کے غیر پسندیدہ طریق سے حضرت اقدس کو تکلیف ہوئی تو حضور نے عام دسترخوان پر تشریف لانا بند کر دیا۔ اور اس طرح دو دسترخوان الگ الگ ہوگئے اور حضور بعض خاص اصحاب اور مہمانوں کے ساتھ (گول کمرہ کے اندر یا گول کمرہ کی چھت پر کھانا) تناول فرمانے لگے۔ اور ہوتے ہوتے ایسا ہوا کہ حضور صرف شام کے دسترخوان پر شرکت فرمایا کرتے (اور وہ بھی صرف خاص اصحاب اور مہمانوں کے ساتھ)

حضور نہایت ہی کم کھاتے۔ چپاتی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا کرتے۔ ننھا سا حصہ لے کر انگلیوں میں رول رول کر بعض اوقات اس میں سے بھی بعض حصہ الگ کر دیتے اور بقیہ حصہ کھایا کرتے۔ ایسا معلوم ہوا کرتا تھا کہ حضور محض شمولیت کی غرض سے تشریف فرما ہیں اور دوسروں کو کھلا رہے ہیں۔ خود برائے نام نوش فرماتے تھے۔ حضور کے سامنے اگر کوئی خاص چیز آتی تو حضور اسے احباب میں تقسیم فرما دیا کرتے تھے۔ دسترخوان پر باتیں بھی ہوا کرتی تھیں۔

برف سوڈا

(سیر بھر آٹا بھی قادیان سے دستیاب نہ ہوتا تھا) برف اور سوڈا اور پان وغیرہ خاندانی ضرورت اور مہمانوں کی خدمت کے لئے سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام عموماً لاہور سے منگایا کرتے جس کے لئے محترم شیخ رحمت اللہ صاحب تاجر بمبئی ہاؤس اکثر انتظام فرمایا کرتے تھے۔ مجھے خوب

☆ اس عنوان کی روایت الحکم بابت ۷ تا ۱۴ ؍مئی ۱۹۳۸ء صفحہ ۱۷ سے ماخوذ ہے۔ خطوط وحدانی کے الفاظ حضرت بھائی جی سے خاکسار مؤلف نے استفسار کر کے اضافہ کئے ہیں۔

یاد ہے کہ برف اور سوڈا واٹر کے لئے شیخ صاحب مرحوم نے الگ الگ بکس بنوار کھے تھے۔ جس میں ای پلومر کا سوڈا اور جنجر کبھی کیسری کا لیمن روز وغیرہ بٹالہ تک بذریعہ ریل اور بٹالہ سے قادیان ریڑھوں ۔ یکہ یا بہلی اور رتھ کے ذریعہ آیا کرتے جو صبح کو چلی تو دس بجے دن کے قادیان پہنچتی تو بمشکل نصف یا اس سے بھی کم رہ جایا کرتی تھی۔ سوڈا لیمن وغیرہ کی بوتلیں پھٹ کر ٹوٹ جایا کرتیں کچھ گرمی کی شدت سے تو کچھ ریڑھوں اور یکّوں کے دھکوں سے۔

ایک زمانہ میں (خلافت ثانیہ میں) محترم سیّد عزیز الرحمٰن صاحب نے بھی برف وغیرہ منگانے کا انتظام کیا تھا مگر نقصان کی برداشت نہ کر سکے۔ آخر اس تجارت کو چھوڑ دیا۔ راقم الحروف عبدالرحمٰن قادیانی بھی متواتر...... کئی سال تک لاہور سے ای پلومر کا سوڈا جنجر اور کیسری کا روز لیمن منگا کر عموماً چار آنہ فی بوتل تک فروخت کرتا رہا۔ برف بھی منگوائی جاتی رہی۔''☆ [۱۹]

رتھ خانہ۔ پریس

پریس کی مضبوطی وخوبی کا سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خاص طور سے خیال ہوا کرتا تھا۔ حضور کی بڑی خواہش یہ ہوا کرتی تھی کہ اچھے سے اچھا کاتب ملے۔ صحیح اور بہترین لکھائی اور خوبصورت چھپائی ہو۔ کتابیں جس طرح اعلیٰ علمی اور روحانی مضامین سے مزین اور ہدایت ونور سے معمور ہوتی ہیں اسی طرح ان کی ظاہری شکل وصورت بھی دیدہ زیب۔ دلکش اور جاذب نظر ہوتا کہ نازک طبع اس کی ظاہری شکل ہی کی وجہ سے ان کے فیوض وبرکات سے محروم نہ رہ جائیں۔ چنانچہ اس غرض کے لئے حضور نے اپنا ایک پریس ضیاء الاسلام نام جاری فرمایا تھا۔'' [۲۰]

دیوار فصیل کی جگہ

احمد یہ چوک سے (جو چوک مسجد مبارک بھی کہلاتا ہے) جانب شرق جو مکان حضرت اقدس (خلیفۃ المسیح الثانی ایداللہ تعالیٰ) کے موٹر گیراج کے طور پر استعمال ہوتا تھا اور اس سے قبل (حضرت نواب محمد علی خان صاحب) کا رتھ خانہ تھا اور جس کے اوپر پیر جی سراج الحق صاحبؓ کے مکان کا صحن واقع ہے۔ یہ جگہ پہلے پہل ۱۸۹۵ء میں ایک کھلے دالان کی صورت میں تھی۔ اور بعد میں اس میں ضیاء الاسلام پریس حضرت

☆ خطوط وحدانی کی عبارت خاکسار مؤلف نے حضرت بھائی جی سے استفسار کر کے زائد کی ہے۔

اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم سے قائم کیا گیا۔ اس دالان کے جانب جنوب سے لے کر موجودہ مہمان خانہ تک مسلسل ایک پلیٹ فارم تھا جو دراصل شکستہ شہر پناہ یا فصیل تھی۔ یہ پلیٹ فارم تیس بتیس فٹ چوڑا اور ایک سودس فٹ لمبا تھا۔☆

مطب حضرت خلیفہ اوّلؓ

سیدنا حضرت حکیم الامت مولانا مولوی نورالدینؓ صاحب کا مطب اس زمانہ میں یہی دالان تھا۔ جو موجودہ موٹر گیراج کے جانب شمال واقع ہے۔ مگر یہ مطب پہلے صرف ایک لمبے دالان کی صورت میں تھا۔ جس کے جانب شمال دو کوٹھڑیاں تھیں جن کے دروازے جانب جنوب اس دالان میں کھلتے تھے۔ مشرقی کوٹھڑی میں سیدنا حضرت اقدس مسیح پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کتب خانہ ہوا کرتا تھا۔ جس کے انچارج اس زمانہ میں جس کا میں ذکر کر رہا ہوں حضرت پیر جی سراج الحق صاحب نعمانیؓ تھے اور دوسرے غربی جانب کی کوٹھڑی عموماً کھلی رہتی تھی اور مسافروں یا مہمانوں کے کام آیا کرتی تھی۔ آجکل اس دالان کے بیچوں بیچ ایک دیوار کھڑی کر کے دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ جس کے غربی حصہ میں ان دنوں بھی مولانا مولوی قطب الدین صاحب مطب کرتے رہے ہیں۔ اس دالان کی دیواروں میں چند الماریاں ہوا کرتی تھیں جن میں طلباء قرآن وحدیث وطب یا بعض مستقل مہمان اپنا اپنا سامان ضروری رکھا کرتے تھے۔ اس دالان کے بالائی حصے پر آجکل پیر جی سراج الحق صاحب نعمانیؓ کے مکان کا صحن ہے اور شمالی جانب کی دونوں کوٹھڑیوں کے اوپر دو کوٹھڑیاں بغرض رہائش برائے پیر جی سراج الحق صاحب نعمانیؓ بنائی گئی تھیں جو آجکل بھی موجود ہیں یہ بالا خانہ سیدنا حضرت اقدس مسیح پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں حضور پاک کے ایما کے ماتحت بعض صاحب توفیق مخلصین میں تحریک کر کے امدادی چندہ سے پیر جی سراج الحق صاحبؓ نعمانی کی رہائش کی غرض سے بنایا گیا تھا۔ اور خود حضور نے بھی بڑی رقم اس میں لگائی تھی۔ اس مطب کی جانب غرب موجودہ گلی جانب مشرق ڈھاب (ایام برسات میں ڈھاب اس دالان مطب کی مشرقی دیوار کے ساتھ آن ٹکرایا کرتی تھی۔ اور اکثر ان دنوں سیّدنا حضرت مولانا مولوی نورالدین صاحبؓ اور ہم لوگ بھی دروازہ میں بیٹھ کر یا زیادہ سے زیادہ ایک سیڑھی اتر کر وضو کر لیا کرتے تھے۔) جانب جنوب موجودہ موٹر خانہ جس کے پہلے دو دروازے مطب کی طرف کھلتے تھے۔ جو بعد میں پریس کی گڑگڑاہٹ سے بچنے کی

☆ خطوط وحدانی کی عبارت خاکسار مؤلف نے حضرت بھائی جی سے استفسار کر کے زائد کی ہے۔

خاطر حضرت مولوی صاحب کے حکم سے بند کر کے الماریوں میں تبدیل کر دئے گئے تھے اور جانب شمال دو کوٹھڑیاں جن میں سے ایک کتب خانہ اور دوسری کھلی بطور مسافر خانہ یا مہمان خانہ استعمال ہوتی تھی۔ غربی کوٹھڑی میں ایک کھڑکی جانب کوچہ شارع عام لگی ہوئی تھی۔ اور مشرقی کوٹھڑی میں جانب مشرق ایک کھڑکی تھی۔ ان کوٹھڑیوں کے جانب شمال حضرت مولوی صاحب کا پہلا رہائشی مکان واقع تھا جس میں ان دنوں مفتی فضل الرحمٰن صاحب بودوباش رکھتے ہیں۔ [۲۲]

گول کمرہ

(۱۸۹۵ء میں) گول کمرہ کا صرف وہی حصہ تھا جو گول کمرہ کی صورت میں مسقّف ہے اگلے حصہ کی چاردیواری بعد میں بنائی گئی اور اب جہاں گول کمرہ کا صحن ہے یہ حصہ پہلے بالکل کھلا اور میدان میں شامل تھا (بعد میں حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ مع اہل وعیال اور اپنے ہمشیرہ زاد محمد سعید صاحب اس میں رہائش پذیر رہے۔ گول کمرہ سے ایک دروازہ دارالمسیح کے نچلے حصہ میں جانب شمال کھلتا ہے اس سے دارالمسیح میں آمد ورفت رہتی تھی) ☆ [۲۳]

مسجد مبارک اور اس کے تین حصے

ان دنوں مسجد مبارک میں جانے کے لئے ایک ہی سیڑھی تھی۔ جو آج (ستمبر ۱۹۶۰ء) تک بھی (بعینہ) موجود ہے اور مسجد مبارک کی کوچہ بندی میں جانب غرب اس کا دروازہ کھلا ہے اور یہ تنگ سیڑھی ایک چکر کھا کر مسجد مبارک کے تیسرے حصہ میں کھلتی تھی۔ سیڑھی (پر چڑھیں تو اس) کے بائیں جانب ایک غسل خانہ تھا جس میں وضو اور غسل کے لئے پانی رکھا رہتا تھا۔ اور مسجد مبارک کی سطح سے ان دنوں اس کی سطح نیچی تھی اور اسی غسل خانہ میں ایک لکڑی کی سیڑھی لگی تھی جس کے ذریعہ گول کمرہ کی چھت پر جاتے اور وہاں سے دوسری سیڑھی کے ذریعہ غسل خانہ کی چھت پر پہنچتے اور مسجد مبارک کی بالائی چھت دو یا تین

☆ خطوط واحدانی کے الفاظ خاکسار نے بھائی جی سے پوچھ کر زائد کئے ہیں۔

بھائی جی کی اہلیہ محترمہ بیان کرتی ہیں کہ جب میں شادی ہو کر آئی اس وقت گول کمرہ کے صحن کے احاطہ کی تینوں اطراف (مشرق۔ مغرب اور جنوب) کی دیواریں تعمیر ہو چکی تھیں اور اس میں حضرت نانا جان میر ناصر نواب صاحبؓ مع اہلبیت قیام رکھتے تھے۔

سٹپس (Steps) کے برابر غسل خانہ کی چھت سے بھی اونچی تھی۔ (اس لئے ایک اور سیڑھی کے ذریعہ غسل خانہ کی چھت سے مسجد مبارک کی چھت پر جاتے تھے) یہ غسل خانہ بعد میں (حضرت اقدس کے زمانہ میں ہی) مولوی محمد علی صاحب کے لئے دفتر بن گیا۔ پہلے تخت پوش وغیرہ لگا کر اس کی چھت اونچی کی گئی۔ مگر بعد میں مستقل طور سے اسے اونچا کر دیا گیا (اور اس وقت ستمبر ۱۹۶۰ء تک اسی حالت میں ہے۔)

مسجد مبارک (جس کے) اس زمانہ (یعنی ۱۸۹۵ء) میں (تین حصے حجرہ، درمیانی کمرہ اور تیسرا کمرہ تھے) حسب ذیل شکل میں تھی:

جانب غرب ایک چھوٹا سا حجرہ جو شمالاً جنوباً ۴ فٹ ۶ انچ اثاروں کے اندر اندر اور شرقاً غرباً ۴ فٹ ۷ انچ اثاروں کے اندر اندر تھا اس حجرہ میں دو کھڑکیاں اور ایک چھوٹا سا دروازہ تھا۔ ایک کھڑکی غربی دیوار میں تھی جو آجکل بھی (ستمبر ۱۹۶۰ء میں) اپنی اصل شکل میں موجود ہے (مگر اس میں اتنا تغیر حضرت اقدس کے عہد مبارک میں ہو گیا تھا کہ اس میں لوہے کی سلاخیں لگا دی گئیں تا کہ بچوں کے گرنے کا اندیشہ نہ رہے اب وہاں لوہے کی خانہ دار جالی ہے معلوم ہوتا ہے بعد میں کسی وقت سلاخیں تبدیل کی گئی ہیں) اور یہ اس وقت بھی اور اب بھی مرزا گل محمد صاحب کے مکان کی چھت پر کھلتی ہے۔ (از مؤلف۔ تقسیم ملک کے وقت یہاں دفتر محاسب تھا اور اب بھی بوقت طبع دوم دفتر محاسب ہے۔)

دوسری کھڑکی شمالی دیوار میں تھی۔ اور اب بھی کسی تغیر کے ساتھ وہیں موجود ہے فرق صرف یہ واقع ہوا ہے کہ پہلے یہ کھڑکی گلی میں کھلتی تھی۔ اور اس کے سامنے کوئی روک نہ تھی۔ مگر آج کل ۱۹۳۴ء کے جلسہ کے قریب کے زمانہ سے اس کو کسی قدر نیچا کر کے ایک راستہ کی شکل دے دی گئی ہے اور سیّدنا حضرت اقدس خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ کی آمد و رفت کا راستہ بنا دیا گیا ہے اس وجہ سے اب وہ گلی میں نہیں کھلتی بلکہ ایک بند گیلری میں کھل کر اندرون الدار جانے کا راستہ بناتی ہے اور عموماً بند رہتی ہے صرف ایام جلسہ میں حضور اس راہ سے تشریف لاتے لے جاتے ہیں یا اور کسی خاص ضرورت میں کام آتی ہے۔ مسجد میں سے حجرہ میں داخلہ کا دروازہ بھی بالکل چھوٹا سا بلکہ ایک کھڑکی ہی کے برابر تھا۔ نہ دروازہ کی طرح کھلا تھا نہ اونچا۔ جھک کر اندر داخل ہوا کرتے تھے۔ یہ دروازہ یا کھڑکی جو بھی نام رکھا جائے جنوبی کونہ میں تھا۔ اور شمالی کونہ میں اس طرح تھوڑی سی جگہ نکلتی تھی۔ اور یہی وہ جگہ ہے جہاں بعد میں سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام امام کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز گذارا کرتے تھے۔ اسی حجرہ کے شرقی دیوار کے شرقی جانب یعنی مسجد مبارک کے حصہ اول کی طرف اوپر چھت کے قریب

مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۲۴

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۲۵

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۲۶

اللھم صلی علی محمد و ال محمد وبارک وسلم انک حمید مجید

مُبَارِكٌ وَّمُبَارَكٌ وَّ كُلُّ اَمْرٍ مُّبَارَكٍ يُّجْعَلُ فِيْهِ ۲۷

اور غالباً

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۲۸

لکھا ہوا تھا۔

دوسرا حصہ مسجد مبارک کا اس حجرہ کی جانب شرق واقع تھا اور حجرہ اور اس حصہ کو ایک دیوار جدا کرتی تھی۔ اس حصہ کا طول شرقاً غرباً ۹ فٹ ۱۱-انچ اور عرض شمالاً جنوباً ۷ فٹ ۱۱-انچ تھا۔ اس میں دو کھڑکیاں اور دو دروازے کھلتے تھے۔ ایک تو وہی کھڑکی یا دروازہ جو حجرہ میں کھلتا تھا۔ اور دوسرا دروازہ مشرقی حصہ اور اس کی درمیانی دیوار میں تھا۔ ایک کھڑکی بیت الفکر میں سے جو مسجد مبارک کے شمالی جانب ملحق ہے مسجد مبارک کے اس حصہ میں کھلتی تھی جس میں سے سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام تشریف لایا کرتے تھے اور یہ کھڑکی اس وقت (ستمبر ۱۹۶۰ء) تک اپنی اصل شکل میں قائم ہے اور یہ مسجد کی شمالی دیوار میں ہے۔ ایک کھڑکی جنوبی دیوار میں لگی ہوئی تھی۔ جو ان ایام میں ایک ویران خراس کے کھنڈر کی طرف کھلتی تھی۔ جو مرزا نظام الدین وغیرھم کی ملکیت میں تھا۔ اور بعد میں ۰۷-۱۹۰۶ء (میں) خرید کر حضور مسیح پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کا اوپر کا حصہ مسجد میں اور نیچے کا حصہ دفاتر میں تبدیل فرما دیا۔ (اور اس تغیر کی وجہ سے اصلی ابتدائی مسجد مبارک کی شکل اگرچہ قائم نہیں رہی مگر اب تک دیواروں کے نشانات موجود ہیں) مسجد مبارک کا یہی (دوسرا حصہ) وہ حصہ ہے جس میں (جماعت کی صف اول کھڑی ہوتی تھی اور) ابتداء سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام صف اوّل میں کھڑے ہو کر صف کے بالکل دائیں جانب (کھڑکی سے جانب غرب ذرا بڑھ کر) دیوار شمال کے ساتھ لگ کر نماز با جماعت ادا فرمایا کرتے یا حضور کا دربار لگا کرتا تھا۔ میں نے اس حصہ میں سب سے اول مرتبہ حضور کی زیارت کا شرف حاصل کیا تھا۔ جب اس صف میں حضور شامل ہونے لگے اس سے پہلے حضور کھڑکی سے قدرے جانب مشرق گویا دوسری صف میں کھڑے ہوتے تھے لیکن قاضی یار محمد صاحب

وکیل کا دماغی توازن خراب ہوگیا اورانہوں نے حضور کے پاؤں کے تلووں کو چھونا شروع کیا۔اس طرح تکلیف پہنچنے کے باعث حضور صف اوّل میں کھڑے ہونے لگے پھر وہاں بھی قاضی صاحب سے تکلیف پہنچنے پر حضور حجرہ میں امام کے ساتھ دائیں طرف کھڑے ہوکر نماز میں شریک ہونے لگے اور مسجد کی توسیع تک یہی طریق جاری رہا۔توسیع مسجد کے بعد حضور صف میں کھڑے ہوتے تھے (نہ کہ امام کے ساتھ)☆

ان دنوں اس حصہ میں عموماً دوصفیں کھڑی ہوتی تھیں اور بعد میں ضرورتاً تین بھی کھڑی ہوتی رہی ہیں۔تیسرے کمرہ میں بھی دوصفیں ہوا کرتی تھیں۔اور ہرصف میں پتلے دبلے آدمی زیادہ سے زیادہ چھ اور بھاری بھرکم صرف چار کھڑے ہوسکتے تھے۔

(بعد میں جماعت احمدیہ ترقی کرتی گئی تو مسجد مبارک کے) ہر حصہ میں بجائے دو دو صفوں کے

☆ اخویم چودھری محمد اسمٰعیل صاحب خالد واقف زندگی ولد محترم چوہدری محمد ابراہیم صاحب ساکن اسماعیلہ ضلع گجرات) حضرت مولوی فضل الدین صاحبؓ کے نواسے ہیں جن کا اسم گرامی ضمیمہ انجام آتھم کی فہرست تین سو تیرہ صحابہ میں تیسرے نمبر پر ہے۔خالد صاحب احمد آباد اسٹیٹ اور بشیر آباد اسٹیٹ (سندھ) میں مینیجر رہے۔بعد ریٹائرمنٹ سندھ میں قیام رکھا۔ابھی وہیں قیام رکھتے ہیں۔

جلسہ سالانہ ۱۹۶۰ء پر حضرت بھائی جی نے خالد صاحب کو جو کچھ فرمایا خالد صاحب کے الفاظ میں یوں ہے:

مجھے ساتھ لے کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مسجد میں تشریف آوری والے دروازے (مراد کھڑکی مؤلف) کے پاس مشرقی جانب دیوار کے ساتھ کپڑے کے ساتھ کھڑا کر کے فرمایا۔حضرت مسیح پاک ایک روز یہاں سے تشریف لاکر اس جگہ کھڑے ہوئے تھے۔ایک دوست نے جو مجذوب قسم کا تھا حضور کو چومنا اور پیار کرنا شروع کردیا اور حضور کے جسم کو اور ہاتھوں کو بوسے دینے لگا۔حضور کچھ دیر کھڑے رہے تو پھر اس نے پاؤں کو بھی پیار کرنا اور چومنا شروع کر دیا۔اس پر حضور اس جگہ سے ہٹ کر دروازہ (یعنی کھڑکی۔ مؤلف) کے ساتھ مغرب کی طرف آکر کھڑے ہوگئے۔وہ وہاں بھی آ گیا اور پھر اسی بیتابی کے ساتھ عقیدت کا اظہار کرنا شروع کر دیا۔اس پر وہاں سے حضور اقدس چل کر مغرب کی طرف اسی جگہ تشریف لے آئے اور اس جگہ ان دنوں حجرہ تھا۔اس لئے حضور اس کے اندر چلے گئے اور وہ آدمی باہر رہ گیا اور وہ جگہ وہ تھی جہاں حضرت بھائی صاحب مرحوم کپڑے کی گدی پر بیٹھ کر ٹیک لگائے ذکر کر رہے تھے۔[۴۹]

تین تین صفیں بنانے سے بھی کام نہ چلا تو سیّدنا حضرت اقدس نے بیت الفکر کے مشرقی جانب کا صحن بھی نمازیوں کے واسطے کھلوادیا۔ اوراس پر بس نہ رہی بلکہ اکثر بیت الفکر کے اندر بھی نمازی نماز ادا کرنے لگے۔☆

مسجد مبارک کا تیسرا حصہ اس (دوسرے) حصہ کے مشرقی جانب واقع تھا۔اوران دونوں حصوں کے درمیان میں ایک دیوار حائل تھی۔اورایک دروازہ جوقریباً درمیان میں تھاان کو باہم ملاتا تھا۔اس حصہ کا طول شرقاً غرباً ۹ فٹ ۱۴ انچ اور عرض شمالاً جنوباً ۷ فٹ ۵-انچ تھااوراس میں ایک کھڑکی جنوبی دیوار میں جو وہ بھی اسی ویران خراس کے کھنڈر میں کھلتی تھی۔اورتین دروازے تھے جن میں سے ایک مسجد کے درمیانی حصہ میں کھلتا تھا۔اور باقی دو میں سے ایک نیچے سے اوپر آنے والی سیڑھیوں کا اور دوسرا وہ تھا جو غسل خانہ میں جاتا تھا۔ جہاں اس زمانہ (۱۸۹۵ء) میں غسل اور وضو کے لئے پانی رکھا ہوتا تھا۔

غسل خانہ۔سرخی کے نشان والا کمرہ*

یہی وہ حصہ ہے جس کو یہ عزت حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قلم کی سرخی کے نشانات عالم وجود میں نمودار ہوکر حضور پُر نور کے کرتے اور حضرت میاں عبداللہ صاحب سنوری مرحومؓ کی ٹوپی پر پڑے اورایک سیڑھی لکڑی کی بھی اس کے مشرقی حصہ میں لگی ہوئی تھی۔جو مسجد کے اوپر جانے کے لئے گول کمرہ کی چھت پر کھلتی تھی اور پھر گول کمرہ کی چھت سے دوسری سیڑھی کے ذریعہ اس غسل خانہ کی چھت پر جاتے تھے اور چونکہ غسل خانہ کی چھت اصل مسجد سے نیچی تھی۔لہٰذا ایک تیسری سیڑھی تھی۔جس کے ذریعہ سے مسجد میں پہنچتے تھے مگر اب اس میں تغیرات ہو چکے ہیں مسجد مبارک کے تیسرے حصہ کی آخری دیوار پر مشرقی جانب میں غسل خانہ کی چھت سے اوپر جو حصہ دیوار تھا اس پر کشتی کی شکل بنی ہوئی تھی۔اور کچھ اور بھی لکھا تھا جس میں

☆ یہ پیرا الحکم بابت ۷، ۱۴ رجون ۹۳۸ء صفحہ ۷ سے ماخوذ ہے اوراس پیرے کی خطوط وحدانی کی عبارت اس سے سابقہ عبارت کا خلاصہ ہے۔البتہ مسجد مبارک کے متعلق بقیہ عبارت کے بارے اگلا حاشیہ دیکھئے۔

* عنوانات ''مسجد مبارک'' اور ''غسل خانہ'' کی روایات ماخوذ الحکم بابت ۷، ۱۴ رمئی ۱۹۳۸ء صفحہ ۱۵، ۲۳ میں خطوط وحدانی والی عبارات خاکسار مؤلف نے بھائی جی سے استفسار کر کے زائد کی ہیں اور ''شہ نشین'' کے زیرعنوان ساری عبارت خاکسار نے بھائی جی سے استفسار کر کے زائد کی ہے۔

سے ایک تو یہ لکھا تھا۔

محمد عربی کا بروئے ہر دوسرا است
کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سراوست

دوشہ نشین

مسجد مبارک کی بالائی منزل پر دوشہ نشین تھے۔ایک تو جنوبی آثار کے اوپر جیسا کہ آخری توسیع کے بعد اب بھی جنوبی طرف بنایا ہوا ہے۔مگر سیخیں لگی ہوئی نہ تھیں۔دوسرا شہہ نشین جواب ستمبر ۱۹۶۰ء تک بعینہ موجود ہے مغربی دیوار میں تھا حضرت اقدس عموماً نماز شام کے بعد اسی شہہ نشین پر رونق افروز ہوا کرتے تھے اور یہ حجرہ کے غربی آثار پر بنا ہوا تھا۔

الدار کا دروازہ

آج کل جو ایک دروازہ مسجد مبارک کے بالکل مشرقی حصہ میں الدار سے کھلتا ہے یہ دروازہ پہلے نہ تھا بعد میں (حضرت اقدس ہی کے زمانہ میں) کھولا گیا ہے پہلے زمانہ میں اس دروازہ کے اندر کے حصہ میں ایک لکڑی کی سیڑھی ہوا کرتی تھی جس کے ذریعہ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اندرون خانہ سے مسجد مبارک کے بالائی حصہ میں تشریف لایا کرتے تھے۔اس زمانہ میں جو دروازہ مسجد مبارک کی اصل چھوٹی سیڑھیوں سے اندرون الدار جانے کا تھا وہ آجکل بند ہے اور موجودہ دروازہ اس کی بجائے کام دیتا ہے (پہلا دروازہ اس چھوٹی سیڑھی میں سے مسجد مبارک میں داخل ہونے سے ایک دو سیڑھی پہلے کھلتا تھا۔دیوار میں اس کی چوکھٹ اب بھی نظر آتی ہے۔)☆ ۳۰

☆ خطوط واحدانی والی عبارت خاکسار نے بھائی جی سے استفسار کر کے زائد کی ہے۔

ضروری نوٹ۔خاکسار اس موقع پر ریکارڈ کرنے کے لئے عرض کرتا ہے کہ گزشتہ سات آٹھ سال میں دارالمسیح میں ذیل کا اضافہ وغیرہ کیا گیا ہے:

۱- دارالبرکات (حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ والے اوپر کے حصہ) میں جنوبی دیوار کے پاس بیرونی دروازہ کے قریب جو سیڑھیوں کے پاس ہے۔نئی تعمیر ہوئی ہے۔(بوقت طبع دوم یہ ختم کردی گئی ہے۔اب نہیں رہی)۔

اذان، نمازیں اور تہجد

مسجد مبارک باوجود اپنی پہلی تنگی کے ہم پر فراخ رہا کرتی تھی، جس میں بارہا خدا کا اولوا العزم نبی جَرِیُّ اللّٰہِ فِیْ حُلَلِ الْاَنْبِیَآءِ [۳] تن تنہا نماز کے لئے تشریف لے آیا کرتا تھا اور بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ باوجود انتظار کے جب اور کوئی نہ پہنچا تو حضور نے کسی کو بلوا کر اذان کہلوائی۔ بلکہ ایک مرتبہ تو مجھے یاد ہے کہ حضور نے خود بھی اذان کہی حضور کی آواز گو ہلکی تھی مگر نہایت دلکش اور سریلی آواز تھی جس میں لحن داؤدی کی جھلک اور گویا نفخ صور کا سماں بندھ رہا تھا۔

نمازیں عموماً اول وقت میں ہو جایا کرتی تھیں۔ صبح کی نماز کا تو یہ عالم تھا کہ ابھی اندھیرا ہی ہوا کرتا تھا کہ ختم بھی ہو جاتی تھی۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ صبح کی اذان صبح ہونے سے قبل ہی ہو جاتی اور نہ صرف یہی بلکہ نماز بھی ہو جایا کرتی تھی۔ اور بعد میں پتہ لگتا تھا کہ ابھی تک صبح ظاہر نہیں ہوئی مگر نماز کبھی دوہرائی نہ گئی۔ چونکہ اذان ان دنوں عموماً حافظ معین الدین صاحب (حافظ معنا) کہا کرتے تھے اور وہ آنکھوں سے معذور تھے۔

نماز تہجد کا ان دنوں زیادہ التزام ہوا کرتا تھا اور قریباً سبھی لوگ نماز تہجد پڑھا کرتے تھے۔ تہجد کی نماز

بقیہ حاشیہ:- ۲- حضرت سیّدہ اُم ناصر صاحبہؓ والے صحن کی جو مشرقی دیوار تھی اس میں سیخیں لگی ہوئی تھیں۔ اب ان کو دور کر کے کچھ وار یعنی ردّے اینٹوں کے لگا دئے گئے ہیں۔ اس صحن میں نلکا بھی لگایا گیا ہے۔

۳- دارالمسیح والے کنوئیں کے قریب جو غسلخانہ تھا اب وہ نہیں رہا۔ (یہ معلوم نہیں کہ یہ غسلخانہ کب تعمیر ہوا تھا)

۴- دارامان حضرت اُم المؤمنینؓ کے صحن میں بشمول جنوبی برآمدہ پہلا فرش ہٹا کر نئی اینٹوں کا فرش کیا گیا ہے اور شمال کی طرف جو اونچا حصہ صحن کا ہے اس کا فرش الٹا کر سیمنٹ پھرا دیا گیا ہے۔ (یہ بات خاکسار مؤلف کو مکرم مستری محمد دین صاحب درویش نے بتائی تھی جو عرصہ درویشی میں تعمیرات میں کام کر رہے ہیں۔)

۵- دارالمسیح کے نچلے حصہ میں کنوئیں کے شمال کی طرف جو کمرہ ہے وہ پہلے حضرت مرزا سلطان احمد صاحبؓ والے حصہ میں شامل تھا۔ اس کی جنوبی دیوار میں دارالمسیح میں آمد و رفت کے لئے ایک دروازہ اور دروازہ کے مغرب کی طرف ایک کھڑکی لگا دی گئی ہے (یعنی درویشی دور میں)۔

۶- اضافہ بوقت طبع دوم۔ مقامات مقدسہ کے عنوان سے بھائی جی کے مضمون مندرجہ بابت ۲۰ر دسمبر ۱۹۵۱ء صفحہ ۴، ۵ میں الدار کی کچھ تفصیل درج ہے۔

کے بعد لوگ اپنی اپنی جگہ دعا و استغفار میں مشغول رہتے۔ حتیٰ کہ اذان ہو جاتی تھی اذان سن کر دو رکعت سنت بھی عموما اپنے اپنے ڈیروں ہی پر پڑھ کر مسجد میں آتے اور جماعت کے انتظار میں خاموش ذکر الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔

تہجد اور نوافل کا اتنا چرچا تھا کہ اس کی وجہ سے کئی روز تک میں ایک غلطی کا مرتکب ہوتا رہا۔ وہ یہ کہ چونکہ صبح کی دو سنت عموما دوست گھر میں ہی پڑھ کر آتے تھے میں باوجود اس علم کے کہ صبح کی نماز دو سنت اور دو فرض پر مشتمل ہے اس غلطی کا مرتکب رہا کہ صبح کی دو سنتیں نہ پڑھیں آخر ایک روز جب کوئی نئے مہمان آئے اور وہ جماعت کھڑی میں شریک ہوئے جس کی وجہ سے پہلی دو سنت نہ پڑھ سکے۔ انہوں نے جماعت کے بعد دو سنت ادا کیں تو مجھے حیرت اور تعجب ہوا کہ فرائض کے بعد صبح کی تو کوئی نماز نہیں یہ دوست کیوں پڑھ رہے ہیں اس پر مجھے کسی دوست نے بتایا کہ صبح کی پہلی دو سنت ان سے رہ گئی تھیں۔ وہ ادا کر رہے ہیں۔ تب جا کر مجھے ہوش آیا اور میں سنبھلا اور اپنی غلطی کا ازالہ کرنے لگا۔ ورنہ میں بھی تہجد کی نماز اپنی جگہ پر ادا کر لیا کرتا مگر سنن پہلے چند ایام خیال سے اتری ہی رہیں۔ نماز اشراق۔ ضحیٰ اور صلوۃ الا دابین کا بھی اس زمانہ میں خاصا چرچا تھا۔

امامت وتلاوت مولوی عبدالکریم صاحبؓ

نماز اس زمانہ میں حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحبؓ مرحوم سیالکوٹی پڑھایا کرتے تھے (جن) کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم سے ایک عشق عطا فرمایا تھا اور نہایت خوش الحانی اور جوش سے قرآن پڑھا کرتے تھے۔ ان کی آواز نہایت بلند مگر دلکش تھی۔ اکثر ایسا بھی ہوا کرتا تھا کہ ان کی قرأت سے بعض اوقات گہری نیند سوتے ہوئے دوست بیدار ہو جایا کرتے تھے۔ ۳۲

حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ

سیدنا حضرت مولانا مولوی نوالدین صاحبؓ بعض اوقات صبح صادق سے پہلے ہی گھر سے باہر آ جایا کرتے اور ہم لوگوں کو صبح صادق اور صبح کاذب میں امتیاز بتایا کرتے تھے۔ اور نجوم کے متعلق بھی بعض باتیں سمجھایا کرتے تھے جن کے ذریعہ سے ہمیں رات کی اندھیری گھڑیوں میں وقت کا اندازہ کرنا آسان ہوتا تھا۔ ۳۳

حضرت اقدس کی نماز

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز باجماعت کے علاوہ سنن ونوافل اندرون خانہ ادا کرتے تھے۔ پہلی سنتیں عموماً پڑھ کر گھر سے تشریف لاتے اور پچھلی سنتیں گھر میں تشریف لے جا کر ادا فرماتے تھے۔ البتہ ابتدائی زمانہ میں جبکہ حضور شام کی نماز کے بعد عشاء کی نماز تک مسجد ہی میں تشریف فرمایا کرتے تھے۔ حضور شام کی نماز کی سنتیں مسجد ہی میں ادا کرتے تھے۔ دو سنت ادا فرماتے تھے جو ہلکی ہوتی تھیں مگر سنوار کر پڑھی جاتی تھیں۔ کوئی جلدی یا تیزی ان میں نہ ہوتی تھی۔ بلکہ ایک اطمینان ہوتا تھا مگر وہ زیادہ لمبی نماز نہ ہوتی تھی۔

''ان کے علاوہ بھی کبھی کبھار حضور کو مسجد مبارک میں سنت ادا کرتے دیکھا مگر ہمیشہ حضور کی نماز آسان اور ہلکی ہوا کرتی تھی۔ چند مرتبہ حضور کی اقتداء میں نماز باجماعت ادا کرنے کی سعادت بھی مجھے نصیب ہوئی۔ مگر وہ نماز بھی حضور کی بہت ہی پُر لطف مگر ہمیشہ ہلکی ہی ہوا کرتی تھی۔ ابتدا میں اکثر حضور کے ساتھ لگ کر حضور کے پہلو بہ پہلو بھی نماز باجماعت ادا کرنے کا شرف ملا ہے اور اس کے لئے ابتدائی زمانہ میں ہی ہمیں خاص اہتمام کی ضرورت پڑا کرتی تھی۔ اور ہم میں سے اکثر کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ حضور کے ساتھ مل کر کھڑے ہونے کی جگہ حاصل کریں۔''

''حضور کو میں نے نماز میں کبھی بھی رفع یدین کرتے نہیں دیکھا۔ اور نہ ہی آمین بالجہر کرتے سنا۔ تشہد میں حضور شہادت کی انگلی سے اشارہ ضرور کیا کرتے تھے مگر میں نے کبھی نہ دیکھا کہ حضور نے انگلی کو اکڑایا یا پھرایا ہو۔ صرف ہلکا سا اشارہ ہوتا تھا جو عموماً ایک ہی مرتبہ اور بعض اوقات دو مرتبہ بھی ہوتا تھا۔ جو میرے خیال میں امام کے تشہد کو لمبا کرنے کی وجہ سے حضور کلمہ شہادت دوہراتے ہوئے کیا کرتے ہونگے۔''

''حضور نماز میں ہاتھ ہمیشہ سینہ پر باندھتے تھے۔ زیر ناف بلکہ ناف پر بھی میں نے کبھی حضور کو ہاتھ باندھے نماز ادا کرتے نہیں دیکھا۔''

''حضور پُر نور خود امام نہ بنا کرتے تھے بلکہ حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ مرحوم ومغفور کو حضور نے نمازوں کی امامت کا منصب عطا فرمایا ہوا تھا۔ نماز جمعہ بھی حضور خود نہ پڑھاتے تھے بلکہ عموماً مولوی صاحب موصوف ہی پڑھاتے تھے۔ اور شاذ و نادر حضرت خلیفہ اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ پڑھایا کرتے تھے۔ اور کبھی کبھی مولوی سید محمد احسن صاحب امروہوی بھی پڑھاتے تھے۔ ایک زمانہ میں دو جگہ جمعہ کی نماز ہوتی تھی۔

مسجد اقصیٰ میں بھی جو کہ جامع مسجد ہے اور مسجد مبارک میں بھی۔ مگر دونوں جگہ امام الصلوٰۃ حضور نہ ہوتے تھے عیدین کی نماز بھی سوائے شاذ کے حضور خود نہ پڑھاتے تھے نماز جنازہ عموماً حضور خود پڑھاتے تھے۔ اور حضور کو میں نے نماز جنازہ کسی کے پیچھے پڑھتے نہیں دیکھا یا کم از کم میری یاد میں نہیں۔'' ☆ [۳۴]

☆ آج ۱۲؍ستمبر ۱۹۶۰ء کو حضرت بھائی جی کو مسجد مبارک اور دار المسیح دکھا کر ذیل کی مزید معلومات حاصل ہوئیں:

۱- بیت الدعاء کی شمالی دیوار والی الماری اور اس کے ساتھ ملحقہ جانب مشرق کمرہ موسومہ بہ دالان حضرت اماں جانؓ کی شمالی دیوار والی الماری اور اس کمرہ کی مشرقی دیوار کے شمالی حصہ میں جو کھڑکی ہے۔ یہ تینوں حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ کے بعد لگائی گئی ہیں۔

۲- بیت الدعاء کی جنوبی دیوار کا دریچہ اور اس کا مشرقی دروازہ اور دالان حضرت اماں جانؓ کی مشرقی دیوار کے دونوں دروازے اور اس دالان سے بیت الفکر میں داخل ہونے کا دروازہ اور بیت الفکر کا مشرقی دروازہ اور بیت الفکر کی جنوبی دیوار کا دریچہ۔ یہ سب بعینہٖ اپنی اصلی حالت پر ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ دالان حضرت اماں جانؓ میں دونوں دروازوں میں سے بالعموم شمالی دروازے سے داخل ہوتے تھے۔

۳- حضرت مسیح موعودؑ موسم سرما میں الدّار کے سطحی یعنی نچلے حصے میں رہائش رکھتے تھے۔ جب زینہ کے ذریعہ اوپر آ کر مغربی دریچہ سے دالان حضرت اماں جانؓ میں داخل ہونے کے لئے دریچہ کے پٹ کھولتے تو ان کی آواز سے جبکہ میں پہرہ کے لئے وہاں سوتا تھا، بیدار ہو جاتا۔ کبھی کبھی حضور مشرقی دریچہ والے زینہ سے بھی دالان حضرت اماں جانؓ میں تشریف لے آتے تھے۔ اب یہ دونوں دریچے اینٹوں سے بند ہیں۔

۴- جب حضور مسجد مبارک میں دریچہ کے راستے آنے کے لئے بیت الدعاء اور دالان حضرت اماں جانؓ کا درمیانی دروازہ کھولتے تو اس کی چولوں کی مخصوص آواز سے ہم مسجد میں ہوشیار ہو جاتے کہ اب حضور تشریف لا رہے ہیں۔ (از مؤلف۔ بیت الدعاء سہواً بیت الفکر کی بجائے طبع اوّل میں درج ہوا ہے۔)

بیان محترمہ اہلیہ صاحبہ حضرت بھائی جی:

حضرت سیّدہ اُم ناصر صاحبہؓ والے صحن میں جو بیت العافیۃ (حصہ الدّار) کے نیچے ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مغرب کی نماز کھڑے ہو کر پڑھاتے تھے۔ ہم دس پندرہ مستورات حضور کی امامت میں نماز پڑھا کرتی تھیں۔ ایک دفعہ حضور مغرب کی نماز پڑھا چکے تھے تو پاس ہی ایک چارپائی پڑی

حضرت اقدس کی سیر کی عادت ☆

حضور کی عادت مبارک تھی کہ صبح کی نماز کے بعد کچھ دن نکلے سیر کے واسطے تشریف لے جایا کرتے تھے۔اور سیر میں جانے سے پہلے حضرت مولوی صاحب خلیفہ اوّلؓ کو بھی اطلاع کر دیا کرتے تھے تاکہ وہ بھی ساتھ ہوں۔بعض اوقات ان کی انتظار بھی فرمایا کرتے تھے اور ان کو ساتھ لے کر جایا کرتے تھے۔

☆ ''سیر کی عادت'' کے عنوان کے تحت خطوط وحدانی میں درج کردہ الفاظ۔خاکسار مؤلف نے بھائی جی سے استفسار کر کے زائد کئے ہیں۔

بقیہ حاشیہ:- تھی اس پر فوراً لیٹ گئے۔حضرت اُم المؤمنینؓ نے ہمیں انگلی کے اشارہ سے خاموش رہنے کو فرمایا اور بتایا کہ الہام ہو رہا ہے۔جب الہام کی حالت جاتی رہی تو حضور کے چہرے پر پسینہ آ گیا اور حضور ضعف محسوس کرنے لگے۔حضور کا جسم دبایا گیا۔اس حالت کے جاتے رہنے پر حصرت اُم المؤمنینؓ نے دریافت کیا کہ کیا الہام ہوا ہے۔حضرت اقدس نے فرمایا کہ سب باتیں بتانے والی نہیں ہوتیں۔اس صحن سے بیت العافیۃ پر چڑھنے کے لئے ایک سیڑھی تھی۔سیڑھی کے اوپر دروازہ تھا۔حضور نے اس دروازہ کو مقفل کروا دیا اور فرمایا کہ یہ دروازہ بند رہے گا۔جب میرے مولا کا حکم ہوگا تو کھولا جائے گا۔

ایک معمر خادمہ جن کا نام مائی تابی تھا۔حضرت اُم المؤمنینؓ کے پٹارے سے از خود چابی لے کر اوپر جا کر اس نے دروازہ کھول دیا۔ابھی زیادہ دیر نہ گزرنے پائی تھی کہ اوپر دھڑام سے کسی کے نیچے گرنے کی آواز آئی۔اوپر کے مشرقی کمرہ کی جنوبی دیوار کی مغربی کھڑکی سے مائی تابی کے گرنے کی یہ آواز تھی۔

آواز سُن کر حضرت اقدسؑ بھی وہاں تشریف لے آئے اور دریافت فرمایا کہ کیا ہوا۔حضور نے واقعہ سن کر فرمایا کہ میرے مولا کا تو ابھی حکم نہیں ہوا تھا کہ اس دروازے کو کھولا جائے۔اتنی بات فرما کر حضور اپنے کمرہ میں تشریف لے گئے اور اس دروازہ کو پھر مقفل نہیں کیا گیا۔مائی تابی چوٹیں آنے کی وجہ سے بہت دن چارپائی پر پڑی رہی۔

(از مؤلف) ۱- اوپر کے حصے سے کسی کے گرنے کے حادثہ کی خبر الہاماً حضور کو ملی ہوگی۔اس کے پورا ہو جانے کے باعث دوبارہ دروازہ مقفل نہیں کیا گیا ہوگا۔

۲- بیت العافیۃ کے نیچے حضرت سیّدہ اُم ناصر صاحبہؓ کا دالان ہے نہ کہ صحن۔خاکسار مؤلف سے طبع اوّل میں سہواً صحن کا لفظ درج ہوا ہے۔

ابتداء میں حضور بٹالہ کی سڑک کی طرف سیر کے لئے تشریف لے جاتے تھے اور کم از کم موڑ تک جاتے تھے۔ گاہ گاہ موڑ سے آگے بٹالہ کی جانب بھی تشریف لے جاتے تھے۔ ایک دومرتبہ نہر تک جانا بھی حضور کا مجھے یاد ہے۔

اس کے علاوہ میں حضور کے ہمرکاب جانب شرق قادر آباد (نیا گاؤں) کی طرف سے بسراواں کی طرف اور قادر آباد (نیا گاؤں) سے شمالی جانب کے راستہ سے جو قادر آباد (نیا گاؤں) اور بھینی کے درمیان سے جاتا ہے، اس راستہ پر بھی سیر کو گیا ہوں چندمرتبہ ننگل باغباناں کی جانب بھی حضور سیر کے واسطے تشریف لے گئے ہیں اور کاہلواں تک سیر فرمائی ہے۔ (ننگل باغباناں کو بہشتی مقبرہ کے مشرق کی طرف سے گذرنے والے راستہ سے تشریف لے جاتے تھے جس کے راستہ میں باغیچہ پیر شاہ چراغ آتا تھا)۔☆

حضرت بھائی جی نے مزید یہ تحریر فرمایا ہے کہ

حضور قادیان سے شمال کی جانب موضع بوٹر کی طرف بھی سیر کے واسطے تشریف لے جایا کرتے تھے اور بعض دفعہ حضور اپنے باغ کی طرف بھی جو شہر سے جانب جنوب واقع ہے سیر کے واسطے گئے ہیں۔ باغ سے آگے لیلاں کی طرف (باغ کے مغرب کی طرف سے) ایک رستہ جاتا ہے۔ اس طرف کو اور بعض اوقات حضور باغ ہی میں ٹھہر کر سیر فرماتے اور بعض پھل منگا کر خدام کو کھلاتے اور خود بھی شریک ہوا کرتے تھے خصوصاً شہتوت، بیدانہ اور آم۔

(ازمؤلف) بڑے باغ کے مغرب کی طرف راستہ ۱۹۶۲ء سے پہلے موضع ننگل باغباناں کی اشتمال اراضی کی وجہ سے ختم ہو چکا ہے۔

سیر کے سلسلہ میں حضرت بھائی جی نے مزید تحریر فرمایا ہے کہ

''کبھی کبھی حضور کمر میں ایک پٹکا بھی باندھا کرتے تھے ہاتھ میں حضور کے چھڑی ضرور ہوا کرتی تھی جو عموماً موٹے بید کی اور کھونٹی دار ہوا کرتی تھی۔''

☆ ۱- عبارت میں ''نیا گاؤں'' خطوط وحدانی میں دوبار اصل عبارت کا حصہ ہے۔

۲- باغیچہ بطور متروکہ جائداد تقسیم ملک کے بعد بعض پناہ گزینوں کو الاٹ ہوا۔ آموں کے پیڑ پھل دینے کے قابل نہ تھے۔ انہوں نے کاٹ ڈالے۔ ۱۹۶۲ء سے چند سال پہلے حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ (ناظر اعلیٰ و امیر مقامی) نے یہ قطعہ ذاتی طور پر خرید لیا تھا۔

’’حضور کوٹ پہنے بغیر سیر کے واسطے کبھی تشریف نہیں لے جاتے تھے۔ جوتی حضور کی ہمیشہ دیسی ہوتی تھی بوٹ میں نے حضور کو کبھی پہنے نہیں دیکھا ایک دفعہ ایک گرگابی کسی نے حضور کے واسطے بھیجی یا پیش کی تھی مگر اس کے الٹے سیدھے کا حضور کو خیال نہ رہتا تھا اور اس وجہ سے حضور کو تکلیف ہوتی تھی آخر چھوڑ دی تھی۔

حضور سیر میں تشریف لے جاتے تو حضور کے ہمرکاب اکثر مقامی دوست اور مہمان ضرور ہوا کرتے تھے۔حضور سیر میں دینی باتیں فرمایا کرتے تھے۔بعض اوقات نئی تصانیف کے مضامین باتوں باتوں میں سنا دیا کرتے تھے۔دوستوں کے سوالات کے جواب بھی دیا کرتے تھے۔اور اس طرح جاتے اور آتے سارا وقت اسی قسم کی گفتگو میں خرچ ہوا کرتا تھا اور یہ ایک قسم کا شاندار دربار رواں کا نقشہ ہوا کرتا تھا۔حضرت خلیفہ اوّلؓ چلنے میں کمزور تھے۔حضور پُر نور کی رفتار تیز تھی۔مگر تیزی نظر نہ آتی تھی بلکہ ایک وقار اور سنجیدگی لئے ہوئے ہوا کرتی تھی۔حضرت مولوی صاحب لوگوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے ہولے ہولے چلا کرتے تھے اور اکثر حضور کے پیچھے رہ جاتے تھے۔حضور کو معلوم ہوتا تو حضور ان کے انتظار میں ٹھہر جایا کرتے تھے۔حضرت خلیفہ اوّلؓ ہی پر کیا منحصر ہے اور بھی بعض دوست حضور کے ساتھ اور حضور کی باتیں سننے کی غرض سے بجائے چلنے کے دوڑ دوڑ کر ساتھ ہوا کرتے تھے۔

چند مرتبہ جانب شمال کی سیر سے واپسی پر حضور (ہندو) بازار میں سے بھی معہ خدام گذرے ہیں (جو شمالاً جنوباً ہے) جب حضور بازار میں سے گذرتے تو دکاندار کیا ہندو اور کیا سکھ سبھی حضور کے لئے ادب سے کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔اور کوئی کوئی سلام بھی کیا کرتا تھا۔ایک مرتبہ حضور اڈہ خانہ والے بازار میں سے بھی (جو شرقاً غرباً ہے) گذرے تھے۔اس وقت حضور کے ساتھ خدام کی بھاری تعداد تھی اور چونکہ وہ بازار ڈھلوان ہے لہٰذا وہ نظارہ نہایت ہی شاندار اور دلکش تھا (یعنی حضور اپنے مکانات سے سیر کو تشریف لے جانے کے لئے اس بازار کے راستہ گئے تھے)

ایک موقعہ پر غالباً جلسہ کے ایام تھے بوڑ کی طرف حضور سیر کے واسطے تشریف لے گئے تو حضور کے ساتھ بڑی بھیڑ تھی۔گرد و غبار بہت اڑتا تھا۔ چلنا دشوار ہوگیا۔حضور تھوڑی دور جا کر کھلے کھیتوں میں (جہاں آجکل مسجد نور اور اس کے پاس جلسہ گاہ والا میدان ہے) میدانی شکل تھی، فصل نہ تھی، ٹھہر گئے اور اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر بعض دوستوں نے الگ الگ حضور کی خدمت میں حاضر ہونا شروع کیا۔اس دن قادیان سے شمالی جانب ایک بہت بڑی چھاؤنی کا نظارہ تھا۔

ایک زمانہ ایسا بھی آیا تھا کہ حضور مردوں کے ساتھ سیر کرنے کو تشریف نہ لے جاتے تھے بلکہ صرف

مستورات ہی حضور کے ہمرکاب جایا کرتی تھیں۔ سیدۃ النساء حضرت اُمّ المؤمنینؓ ہمرکاب ہوتیں اور شاہزادگان بھی۔ بعض خدام مستورات بھی جایا کرتی تھیں مگر یہ سیر زیادہ تر بسراواں کی طرف قادرآباد (نیا گاؤں) سے آگے نکل کر اونچی زمین۔ میرا۔ تک ہوا کرتی تھی۔

بھائی جی اور آپ کی اہلیہ محترمہ بیان کرتے ہیں کہ عزیز عبدالقادر کو جو ۳۰؍اپریل ۱۹۰۴ء کو پیدا ہوئے تھے دروازہ پر بٹھا دیا جاتا تھا تاکہ حضرت اقدس کے سیر کے لئے تشریف لانے پر بتائے۔ حضور مع حضرت اماں جانؓ تشریف لاتے تو عزیز کہتا ''حجر چھاب آ گئے'' یعنی حضرت صاحب آ گئے۔ اس پر عزیز کی والدہ بھی سیر کے لئے ہمراہ چلی جاتیں اور کئی بار ایسا ہوا کہ حضور شفقت و پیار سے عزیز کے سر کے پیچھے ہاتھ رکھ کر اسے آگے آگے چلائے جاتے۔ اہلیہ محترمہ بھائی جی بیان کرتی ہیں کہ دس پندرہ مستورات سیر میں ساتھ ہوتی تھیں۔

حضرت بھائی جی مزید بیان کرتے ہیں:

ایک مرتبہ حضور بیگمات اور خادمات کے ساتھ باغ میں تشریف فرما تھے۔ غالباً عصر کے بعد کا وقت تھا۔ باغ میں حضور، سیدۃ النساء حضرت اُمّ المؤمنینؓ کے ساتھ ٹہلتے پھرتے تھے کہ یکا یک حضور نے آسمان کی طرف دیکھ کر فرمایا۔ ''جلدی کرو چلو واپس گھر چلیں۔ سخت اندھیری اور بادل آ رہا ہے۔'' سیدۃ النساء حضرت ام المومنین نے عرض کیا۔ کہاں ہے بادل اور کہاں کی اندھیری۔ کچھ بھی تو نظر نہیں آ رہا۔ اتنے میں ایک چھوٹی سی بدلی آسمان پر نمودار ہوئی اور حضور نے سیدۃ النساء حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دکھا کر پھر جلدی واپسی کو کہا۔

مستورات باغ میں ادھر ادھر پھیلی ہوئی تھیں ان کے اکٹھا ہونے میں دیر لگی۔ ادھر بادوباراں کا ایک طوفان عظیم سامنے آ گیا اور ابھی حضور خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب والے باغ ہی میں تھے کہ سخت بارش اور دن کو رات بنا دینے والی آندھی آن پہنچی۔ سیدۃ النساء حضرت اُم المؤمنین کا ہاتھ حضور پُرنور نے پکڑ رکھا تھا اور ان کو لئے آ رہے تھے۔ بارش کے باعث کپڑے شرابور ہو رہے تھے سب سے آگے حضور پُرنور تھے اور پیچھے متفرق متفرق دوسری عورتیں تھیں۔

چونکہ ہم لوگوں کو معلوم تھا کہ حضور بیگمات کے ساتھ سیر کے لئے باغ کی طرف تشریف لے گئے ہوئے ہیں لہٰذا جس کسی سے ہو سکا حضور کو لینے کے لئے باغ کی طرف بڑھے۔ مدرسہ کے لڑکے بھی اس کام کے واسطے دوڑے۔ جب میں حضور کے قریب پہنچا تو حضور نے فرمایا ہم تو اب اللہ کے فضل سے آن

پہنچے ہیں پیچھے عورتیں بہت متفرق ہیں اور خطرہ ہے کہ کوئی اندھیرے کی وجہ سے ڈھاب میں نہ گر جائے ان کی مدد کرو۔ چنانچہ ہم سے جو کچھ ہو سکا مستورات کی اس پریشانی میں ان کی خدمت کی کوشش کی۔ عورتوں کو بہت پریشانی ہوئی بعض کے برقعے اڑ گئے' زیور گر گئے راستہ بھول گئیں۔ میں نے حضور پُرنور اور سیدۃ النساء حضرت اُمّ المؤمنینؓ کو اس جگہ واپس آتے دیکھا تھا جہاں آجکل مرزا محمد اشرف صاحب کا مکان واقع ہے۔ حضرت نانی اماںؓ بھی اس طوفان میں گھر گئی تھیں جن کو لے کر میری اہلیہ والدہ عزیز عبدالقادر راہ بھول گئیں اور کھیتوں میں نکل گئیں۔ اور جب اجالا ہوا تو مولوی غلام رسول صاحب افغان والے مکان کے راستے سے ڈھاب اور کھیتوں میں ہوتے ہوئے (اپنے) گھر لائیں۔ گھر لا کر ان کو کپڑے بدلوائے۔ بستر دے کر گرم کیا اور جو کچھ ہو سکا خدمت کی۔ ادھر گھر میں ان کی تلاش ہوئی۔ باہر نہ ملیں تو گھروں میں سے معلوم کرنا شروع کیا۔ آخر معلوم ہوا کہ قادیانی کے گھر میں بخیریت ہیں مگر یہ واقعہ بہت بعد کا ہے۔

سیر کا مذکورہ بالا واقعہ اہلیہ محترمہ بھائی جی نے خاکسار مؤلف کو از خود سنایا تھا جس میں یہ بھی بتایا تھا کہ بچوں والی خواتین پیچھے رہ گئی تھیں ان کے کپڑے اڑ گئے زیور گم گئے۔ جب گھروں میں حضرت نانی جان کی تلاش ہوئی تو بھائی جی نے اپنے گھر آ کر آواز دے کر پوچھا تو حضرت ممدوحہ نے کہا کہ میں یہاں موجود ہوں اور پھر فوراً دارالمسیح کی طرف روانہ ہوگئیں کہ میری بچی نصرت کو تشویش رہے گی۔ بھائی جی نے فرمایا کہ اس وقت میرا مکان حضرت خلیفہ اولؓ کے مکان کے شمال کی طرف تھا جو حضورؓ نے بعد میں مجھ سے خرید لیا تھا۔

منارۃ المسیح

(منارۃ المسیح کی بنیاد کے وقت میں حاضر تھا۔ دعاؤں میں شریک اور خدمات متعلقہ کی سعادت سے بہرہ ور تھا۔ فالحمدللہ۔ الحمدللہ ثم الحمد للہ) منارۃ المسیح جس کی تعمیر و تکمیل کے ساتھ بہت کچھ بشارات اور ترقیات وابستہ تھیں اور جس کی بنیاد سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود اپنے دست مبارک سے رکھی جو بنیاد کے علاوہ سطح صحن مسجد سے چھ فٹ اوپر تک حضور ہی کے زمانہ میں تیار ہوا۔ اور وہیں رکا پڑا تھا اس کی تعمیر و تکمیل بھی خلافت ثانیہ ہی میں ہوئی۔ منارۃ المسیح کا نقشہ اور تخمینہ سید عبدالرشید صاحب مرحوم برادر صغیر حضرت میر حامد شاہ صاحب سیالکوٹی نے بنایا۔ اینٹوں کے لئے

زمین میاں امام الدین صاحب عرف ماٹا چنے فروش نے دی۔اس کا تخمینہ دس ہزار روپیہ خرچ کا تھا۔ بنیاد نہایت گہری۔لمبی چوڑی اور کنکریٹ وغیرہ کے ذریعہ مضبوط کرائی گئی تھی۔ چھ فٹ سے اوپر کی تعمیر کا کام مکرمی قاضی عبدالرحیم صاحب بھٹی کی زیرنگرانی ہوا۔☆

۳- بٹالہ کی یادگاریں

حضرت بھائی جی نے ۳۰؍جولائی ۱۹۵۳ء کو بٹالہ جاکر اکاون احباب کو جن میں خاکسار مؤلف قادیان سے باہر ہونے کی وجہ سے شامل نہ تھا ذیل کی یادگاریں دکھلائیں:

۱- پلیٹ فارم بٹالہ

اونچے پلیٹ فارم بٹالہ کا مشرقی حصہ جو شرقی واٹر پمپ (جہاں سے انجن پانی لیتے ہیں) سے کوئی پچاس فٹ مغرب کی طرف ہے یہ وہ مقام ہے جہاں بعد میں وصال حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تابوت مبارک لاہور سے آنے والی گاڑی کے ڈبہ سے اتار کر رکھا گیا۔تابوت ساڑھے گیارہ بجے رات گاڑی سے اتارا گیا تھا اور قریباً ایک گھنٹہ یعنی ساڑھے بارہ بجے رات تک پلیٹ فارم پر رکھا رہا۔

۲- آم کا درخت

یہ وہ آم کا درخت ہے جس کے نیچے پلیٹ فارم سے تابوت اٹھا کر لاکر رکھا گیا تھا۔ یہ آم کا درخت اسٹیشن سے باہر سیڑھیاں اتر کر لب سڑک غربی جانب ہے اس درخت کے نیچے تابوت دو گھنٹے کے قریب رکھا رہا۔ پھر تابوت کو چارپائی پر رکھا گیا۔یہیں سے قادیان سے آنے والے مسیح پاک کے پروانوں نے ہاتھوں ہاتھ کندھوں پر قادیان پہنچا دیا۔اس آم کے درخت کے متعلق حضرت بھائی جی کے بیان فرمودہ کی

☆ یہ پیرا الحکم بابت ۱۴، ۲۱؍جنوری ۱۹۴۰ء سے اخذ کیا گیا ہے۔البتہ خطوط وحدانی والی عبارت حضرت بھائی جی کی ایک قلمی تحریر سے زائد کی گئی ہے جو خاکسار مؤلف کے پاس ہے۔سیّد عبدالرشید نام میں سہو ہے۔اصل نام سیّد محمد رشید ہے۔اس کتاب میں دوسری جگہ اس بارے میں قدرے تفصیل درج کی گئی ہے۔قاضی صاحب کے حالات کے لئے دیکھئے اصحاب احمد جلد ششم۔

تصدیق حضرت ڈاکٹر عطر دین صاحب نے بھی فرمائی۔ جو خوش قسمتی سے ۱۹۰۸ء میں بھی اس جگہ تھے۔ اور بٹالہ دیکھنے والے اس حالیہ قافلہ میں بھی شامل تھے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب موصوف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ میں سے ہیں۔

حضرت ام المومنین نور اللہ مرقدھا رتھ میں تشریف لائیں۔ رتھ کے ساتھ حضرت بھائی جی تشریف لائے۔ رتھ ساڑھے نو بجے صبح قادیان پہنچا۔

۳- سرائے مائی اچھراں دیوی

یہ سرائے ریلوے روڈ بٹالہ پر واقع ہے۔ اور رائل فونڈری بٹالہ (کارخانہ ٹوکہ وغیرہ) کے قریب بازار کے مشرقی حصہ میں ہے۔ اس سرائے کے دروازے پر تحریر ہے کہ اس کی بنیاد ۱۵/اگست ۱۸۹۳ء کو رکھی گئی تھی۔ سرائے کا دروازہ مغرب کی طرف سڑک کی طرف کھلتا ہے دروازہ کے اندر داخل ہوتے ہی سیڑھیاں دائیں جانب سے اوپر کو چڑھتی ہیں۔ ایک کمرہ کے سامنے جا کر ختم ہو جاتی ہیں جو دوسری منزل پر ہے وہی وہ کمرہ ہے جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے آخری سفر اپریل ۱۹۰۸ء میں لاہور جاتے ہوئے قیام فرمایا تھا۔ کمرہ تا حال وہی ہے اس میں کوئی ردوبدل نہیں کیا گیا۔ اس کمرہ کی لمبائی ۹"-۱۱ اور چوڑائی ۷"-۱۱ ہے۔ اس سفر میں کل افراد حضور سمیت دس تھے۔ چھ افراد خاندان اور چار خدام۔ یہیں سے حضرت ام المومنینؓ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام علی وال بھی لے گئے تھے۔ (از مولف۔ حضور اور حضرت اماں جان اور پانچ اولاد گویا کل افراد سات ہوئے چھ افراد خاندان کہنے میں سہو ہوا ہے۔)

۴- ذیل گھر بٹالہ

اس کی نچلی منزل تا حال حسب سابق ہے۔ اوپر کی منزل میں نئے کمرے بن گئے ہیں۔ حضرت بھائی جی نے بتایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس عمارت میں بھی قیام فرمایا کرتے تھے۔ لیکن اس جگہ قیام فرمانا ۱۸۹۵ء سے قبل کا ہے۔ حضرت بھائی جی کی آمد ۱۸۹۵ء کے بعد بھی رتھ اسی مکان میں ٹھہرا کرتی تھی۔ نیز بھائی جی نے بتایا کہ محمد اکبر صاحب ٹھیکیدار کا ٹال ذیل گھر کے جنوبی جانب تھا۔ محمد بخش صاحب (جنہوں نے مارٹن والے مقدمہ میں مولوی محمد حسین صاحب کے نیچے سے اپنی چادر کھینچی تھی) محمد اکبر صاحب

موصوف کے بھائی تھے ٹھیکیدار الہ یار صاحب بھی ان کے تیسرے بھائی تھے۔☆

۵- چوک

(آر۔ ایم صاحب بٹالہ کی کچہری کے بڑے گیٹ کے سامنے والا) یہ چوک وہ مقام ہے جہاں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی مارٹن کلارک والے مقدمہ کی تاریخ کے روز بڑا سا جبہ پہن کر ایک ہجوم کے ساتھ (کسی برے منظر کی امید میں) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قادیان سے بٹالہ پہنچنے کے منتظر تھے۔ لیکن دیکھتے کیا ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام یکہ سے ہنستے ہوئے اترے اور آپ کے استقبال کو کپورتھلہ کی جماعت کے افراد موجود تھے۔ جن میں سے چند دوست تو حضرت کو لینے بٹالہ سے باہر قادیان کی طرف انارکلی کے قریب تک آئے ہوئے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس شان سے آتے دیکھ کر مولوی محمد حسین صاحب جل بھن گئے اور اپنے ساتھیوں سمیت وہاں سے چلے گئے۔

۶- فوجی سرائے

یہ وہی سرائے ہے جس کے ایک حصہ میں آجکل ریذیڈنٹ مجسٹریٹ صاحب کی عدالت* ہے۔ اور ایک حصہ میں میونسپل کمیٹی کے دفتر۔ اس کمیٹی کے جنوب مشرقی کونہ کے کمرے کی چھت پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک رات قیام فرمایا کیونکہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب بہادر نے دوسرے روز کی

☆ حضرت میاں محمد بخش صاحبؓ کے تیسرے بھائی حضرت میاں اللہ یار صاحب ٹھیکہ دار مہاجر قادیان تھے۔ حضرت میاں محمد بخش صاحب کے فرزند حضرت مولوی محمد حسین صاحب صحابی ہیں جن کو آسٹریلیا کی اوّلیں مسجد احمدیہ کے سنگ بنیاد رکھنے میں شرکت کی سعادت کا موقع حضرت خلیفۃ المسیح الرابع اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہاں بلوا کر بہم پہنچایا۔ اسی طرح حضور نے آپ کو ۱۹۸۹ء کی لندن کانفرنس پر بھی بلوایا تا احباب آپ کو دیکھ کر زمرہ تابعین میں شامل ہوسکیں۔

* بوقت طبع دوم کتاب ہذا دیکھا گیا کہ فوجی سرائے میں میونسپل کمیٹی کا دفتر موجود ہے۔ البتہ ریذیڈنٹ مجسٹریٹ کا دفتر وہاں سے منتقل ہو چکا ہے جس کی جگہ اسسٹنٹ رجسٹرار کوا پریٹو سوسائٹیز کا دفتر آگیا ہے۔

تاریخ دی تھی۔ صاحب مجسٹریٹ کا نام ڈگلس ینگ* تھا جو بعد میں ''سر'' بھی ہو گئے تھے۔

۷- ڈسٹرکٹ بورڈ ریسٹ ہاؤس☆

(ڈاک بنگلہ) یہ وہ عمارت ہے جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف مقدمہ مارٹن کلارک کی دو روز پیشی ہوئی تھی۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداسپور اس ریسٹ ہاؤس میں قیام فرما تھے۔ ریسٹ ہاؤس کے مشرقی میدان میں سپرنٹنڈنٹ پولیس مع عملہ کیمپوں میں تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام مع اپنے خدام کے بٹالہ پہنچنے کے بعد ریسٹ ہاؤس میں تشریف لے گئے جس میں کہ مقدمہ کی پیشی تھی۔ پادری مارٹن کلارک پہلے ہی اندر تھے۔ ریسٹ ہاؤس کا وہ کمرہ ''عدالت کا کمرہ'' تھا۔ جو عمارت کے شمال مغربی حصہ میں ہے اور جس کمرہ کے شمال اور مغرب میں دونوں طرف برآمدہ ہے وہ اب تک اسی شکل میں ہے۔ حضرت بھائی جی نے بتلایا کہ لمبی میز پر کمرہ میں مسٹر ڈگلس ینگ مشرق کی طرف منہ کر کے تشریف رکھتے تھے۔ دو کرسیاں ڈگلس صاحب کے دائیں اور بائیں میز کے غربی جانب تھیں۔ دائیں طرف والی کرسی

---

* سہو ہوا ہے سر ڈگلس ینگ تقسیم ملک سے پہلے ۱۹۳۵ء کے قریب لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس رہے ہیں۔

ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک والے مقدمہ کی سماعت کیپٹن ڈگلس ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداسپور نے بمقام بٹالہ ۱۰، ۱۲، ۱۳/ اگست ۱۸۹۷ء کو کی تھی۔ اور ۲۳/ اگست کو فیصلہ سنا دیا تھا۔ وہ بعد میں کرنل ہو گئے تھے اور ۱۹۱۵ء کے لگ بھگ جزائر انڈیمان میں بطور کمشنر متعین رہے۔ (اصحاب احمد جلد ہشتم میں حالات حضرت ماسٹر عبدالرحمٰن صاحبؓ سابق مہر سنگھ میں انڈیمان میں تقرری کا ذکر ہے۔ (الفضل ۸/ جنوری ۱۹۱۶ء، بر صفحہ ۲ کالم ۲ میں ماسٹر صاحب کی طرف سے ان کی ملاقات کا ذکر ہے۔)

☆ ۱۹۵۵ء میں ایک شدید بارش سے جو قریباً ساٹھ گھنٹے متواتر برسی تھی مذکورہ ڈاک بنگلہ کا اکثر حصہ گر گیا تھا۔ گرا ہوا میں نے بھی دیکھا تھا۔ سو اسے گرا کر قدرے جنوب کی طرف نئی اور پہلے سے وسیع عمارت تعمیر ہوئی جس میں سب ڈویژنل مجسٹریٹ بٹالہ کا دفتر ہے اور اسی احاطے میں سب ڈویژنل مجسٹریٹ کے دفتر سے شمال مغرب کی طرف تمام مجسٹریٹوں کی عدالتوں کے کمرے تعمیر کئے گئے ہیں۔ (از مؤلف)

پر پادری مارٹن کلارک صاحب تھے اور بائیں والی کرسی حضرت مسیح موعود کو پیش کی گئی۔ سب سے اوّل عبدالحمید کی گواہی ہوئی۔ پھر مولوی محمد حسین صاحب کو بلایا گیا۔ مولوی صاحب جب اندر گئے تو حضرت اقدس کو کرسی پر تشریف رکھے ہوئے دیکھ کر پھنک گئے اور صاحب مجسٹریٹ سے کرسی کی درخواست کی۔ پہلی دفعہ صاحب بہادر نے کوئی جواب نہ دیا تو مولوی صاحب نے پھر اصرار کیا۔ جس پر سخت ذلت نصیب ہوئی۔ اور جواب ملا کہ ''بک بک مت کر سیدھا کھڑا ہو جا۔''

اس کے بعد مولوی صاحب نے جو گواہی دینی تھی دی اور باہر نکلے۔ باہر کمرہ عدالت کے شمالی برآمدہ کی غربی ڈاٹ کے نیچے ایک مسلمان بھائی محمد بخش صاحب کی چادر بچھی ہوئی تھی۔ مولوی صاحب جھٹ اس پر بیٹھ گئے۔ محمد بخش صاحب نے جب دیکھا تو چادر کھینچ لی۔ اور کہا ''جا مولوی میری چادر کیوں پلید کرتا ہے تو تو مسلمان کے خلاف جھوٹی گواہی پادریوں کے حق میں دے کر آیا ہے۔'' جب یہاں بھی ذلت نصیب ہوئی تو پولیس کے کیمپوں کے قریب کسی اردلی کی کرسی رکھی تھی۔ مولوی صاحب اپنی خفت مٹانے کے لئے اس پر براجمان ہوئے۔ چنانچہ جب اردلی نے دیکھا کہ مولوی صاحب افسر سے کرسی کی وجہ سے جھاڑ کھا کر اس کی کرسی پر بیٹھ گئے ہیں تو اس نے بھی اٹھا دیا۔ اور مولوی صاحب نے حضور کے الہام

''اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَّنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ'' [۳۵]

کے متعدد نظارے ایک قلیل مدت میں کئے۔ حضرت اقدسؑ اس روز کمرہ عدالت کے اندر قریباً ڈیڑھ گھنٹہ بیٹھے رہے۔ حضور اقدسؑ کی طرف سے وکیل مولوی فضل الدین صاحب لاہور والے تھے۔ پھر مقدمہ دوسرے روز پر ملتوی ہو گیا۔ اور پولیس کے ذریعہ سے عبدالحمید گواہ کو صحیح گواہی دینے کو کہا گیا۔ چنانچہ عبدالحمید نے دوسرے روز اپنی گواہی دی۔ اور حضرت اقدسؑ کی معصومیت اور اپنے اور پادری مارٹن کے جھوٹا ہونے پر مہر ثبت کر دی۔ یہ واقعہ اگست ۱۸۹۷ء کا ہے دوسرے روز کی تاریخ پر حضرت اقدسؑ کی بریت کی اطلاع دی گئی۔☆ [۳۶]

☆ بوقت طبع اوّل جلد ہذا اخویم چودھری عبدالقدیر صاحب درویش نے خاکسار مؤلف کو بتایا تھا کہ یہ مضمون بدر میں شائع کرنے سے پہلے میں نے دو بار حضرت بھائی جی کو سنا کر تصحیح کروائی تھی۔

۴۔ حضرت اُمّ المؤمنین کے بارے میں

۱۔ ایک اہم روایت

محترم شیخ محمود احمد صاحب عرفانی نے اپنی تصنیف ’’سیرۃ حضرت ام المومنین سیدہ نصرت جہاں‘‘ (حصہ اول ۔صفحہ۲۳۱) میں حضرت نانا جان میر ناصر نواب صاحب اور حضرت ام المومنین کے بارے میں ذیل کی عجیب روایت محفوظ کی ہے:

حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی نے مجھے حضرت میر (ناصر نواب) صاحب کی سیرۃ کا ایک عجیب واقعہ سنایا...... کہ ایک زمانہ میں میں دوکان کیا کرتا تھا۔ جس میں ناشتہ وغیرہ کے کیک، پیسٹری، سوڈا برف، دودھ وغیرہ ہوا کرتا تھا۔ کبھی کبھی حضرت میر صاحب میری دوکان میں تشریف لایا کرتے اور جس چیز کی خواہش کرتے وہ پیش کر دی جاتی۔

بھائی جی کا مذہب تو دراصل مذہب عشق تھا۔ ان کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ سچا عشق تھا۔ اس عشق کی وجہ سے خاندان مسیح موعود کے ہر فرد سے عشق تھا اور ہے ۔ چنانچہ میں نے دیکھا کہ وہ بعض اوقات خاندان مسیح موعود علیہ السلام کے چھوٹے چھوٹے نونہالوں کے ہاتھوں کو بوسہ دے دیا کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کو اس درخت کے پھول اور پھل نظر آتے ہیں جو ہمیشہ ان کی محبت کا نقطہ نظر رہا۔ الغرض اس محبت کی وجہ سے ان کو حضرت میر صاحب کا بڑا ادب اور پاس تھا اور محبت تھی۔ وہ خوشی سے لبریز ہو جایا کرتے تھے جب کبھی حضرت میر صاحب دوکان میں آتے۔ اور اس خوشی میں ہر اچھی سے اچھی چیز اٹھا کر آگے رکھتے چلے جاتے۔ حضرت میر صاحب خود کھاتے اور کبھی اپنے دوستوں کو بھی کھلاتے اور کبھی کبھی موج میں آکر فرما دیا کرتے کہ

’’میاں عبدالرحمٰن! ہم اپنا حق سمجھ کر کھاتے ہیں اور یہ اس لئے کہ ہمارا اور آپ کا تعلق بڑھے۔‘‘

بھائی جی فرماتے تھے کہ اس سے یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ حضرت میر صاحب مفت کھاتے تھے۔ بیشک وہ اس وقت عام خریداروں کی طرح قیمت ادا نہ کرتے تھے۔ مگر جب تک وہ دگنی تگنی خدمت دوسرے

رنگ میں نہیں کر لیتے تھے وہ مطمئن نہ ہوتے تھے۔

بھائی جی کے دل میں ایک سوال ہمیشہ گدگدی لیا کرتا تھا۔ وہ موقعہ کی تلاش میں تھے۔ ایک دن دکان میں تنہا تھے۔ حضرت میر صاحب تشریف لے آئے۔ ان کی طبیعت اس وقت بہت خوش تھی۔ بھائی جی نے جو موقعہ کی تلاش میں تھے، اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر سوال کر دیا۔ حضرت! یہ مقام جو آپ کو حاصل ہوا اس میں کیا راز ہے؟ وہ کون سی بات تھی جو آپ کو اس جگہ پر لے آئی۔؟ حضرت میر صاحب کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔ رقت ان کے گلے میں گلوگیر ہوگئی۔ مگر اس بھرائی آواز میں فرمایا:

''میرے ہاں جب یہ بلند اقبال لڑکی پیدا ہوئی۔ اس وقت میرا دل مرغ مذبوح کی طرح تڑپا اور میں پانی کی طرح بہہ کر آستانہ الٰہی پر گر گیا۔ میں نے اس وقت بہت سوز اور درد سے دعائیں کیں کہ اے خدا! تو ہی اس کے لئے سب کام بنائیو۔ معلوم نہیں اس وقت کیسا قبولیت کا وقت تھا کہ اللہ تعالیٰ اس بیٹی کے صدقے مجھے یہاں لے آیا۔''

یہ روح ہے اس جواب کی۔ ممکن ہے الفاظ میں مرور ایام سے کچھ فرق پڑ گیا ہو۔ بھائی جی جب مجھے یہ واقعہ سنا رہے تھے ان کے چہرے کی ایسی حالت تھی گویا وہ میر صاحب کو سامنے بیٹھے دیکھ رہے ہیں۔ اور ان کی رقت قلب ان کے قلب پر اثر کر رہی تھی۔ اور خود بھائی جی کی بھی اس وقت آواز بھرا آئی اور رقت سے آنکھیں لبریز تھیں۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اُمّ المؤمنین کی پیدائش کا واقعہ ایک غیر معمولی واقعہ تھا۔ اس وقت کوئی خاص گھڑی تھی۔ دعا کی قبولیت کا خاص وقت تھا۔ کیونکہ ایک بڑی پاکیزہ روح آسمان سے لائی جا رہی تھی۔ ملائکہ زمین پر اترے ہوئے تھے جو زمین کو اپنی برکتوں سے مالا مال کر رہے تھے۔ معلوم ہوتا ہے حضرت میر صاحب قبلہ حضرت اُمّ المؤمنین کے متعلق متواتر دعاؤں میں لگے رہے۔ کیونکہ حضرت اُمّ المؤمنین کی شادی سے قبل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہی لکھا کہ

''دعا کرو کہ خدا تعالیٰ مجھے نیک اور صالح داماد عطا کرے۔''

دعاؤں کی یہ کثرت اور میر صاحب جیسے باخدا انسان کی دن رات کی گریہ وزاری جہاں حضرت میر صاحب کی ذاتی سیرت پر ایک بین اثر ڈالتی ہے۔ وہاں حضرت ام المومنین کے مقام کا بھی پتہ دے رہی ہے۔

حضرت اُم المؤمنین کے اعلیٰ روحانی اخلاق

۲- حضرت بھائی جی نے حضرت اُمّ المؤمنین کے اعلیٰ روحانی اور اخلاقی کمال کے بارے بیان کیا:

میں بچہ تھا جب قادیان میں اللہ تعالیٰ مجھے لایا۔ اور اب پچھتّر سالہ بوڑھا ہوں۔ میری قریباً ساٹھ سالہ زندگی ''الدار'' کی ڈیوڑھی کی دربانی میں اور سیدۃ النساء حضرت اُمّ المؤمنین **اعلیٰ اللہ درجا تھا فی الجنۃ** کے قدموں میں گذری۔ میں ملک کے طول وعرض میں مختلف اسفار میں حضرت ممدوحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہمرکاب رہا۔ اس عرصہ میں جو کچھ حسن سلوک، عطایا اور انعامات مجھ غلام پر سیدہ اطہرہؓ کی طرف سے ہوئے وہ میرے لئے احاطہ تحریر میں لانے ناممکن ہیں۔

خدا تعالیٰ نے مجھے غلامی اور یتیم کی حالت میں قادیان کی بستی میں پہنچایا۔ لیکن حضرت اماں جان رضی اللہ عنہا کی توجہات کریمانہ اور احسانات بے پایاں نے مجھے سب غم بھلا دیئے۔ اور وہ اطمینان وسکون اور سہولت وآرام بخشا جو ایک بچہ کو حقیقی ماں کی گود میں بھی میسر نہیں آسکتا۔

میں نے اپنی ساٹھ سالہ زندگی میں جو حضرت ممدوحہ کے قدموں میں گذاری۔ آپ کو بہترین شفیقہ، اعلیٰ ترین اخلاق کی مالکہ۔ ہمدرد وتقویٰ شعار اور خدا تعالیٰ کی راہ میں راستباز پایا اور آج جب کہ دنیا کی یہ محسنہ ہم سے جدا ہوگئی ہیں اپنے لمبے تجربہ کی بناء پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ جس طرح حضرت اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آنحضرت کے اخلاق کا نقشہ **کان خلقه القرآن** ﷺ کے الفاظ میں کھینچا تھا اسی طرح میں حضرت اُمّ المؤمنین سیدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اخلاق کا نقشہ **کان خلقها کخلق المسیح الموعود** کے الفاظ میں کھینچتا ہوں۔ یعنی حضرت اُمّ المؤمنین نصرت جہاں بیگم صاحبہ کے اخلاق وہی تھے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اخلاق تھے اور آپ کی عادات واطوار اور سیرت وکردار وہی تھے جو مسیح پاک علیہ الف الف صلوۃ والسلام کی زوجہ محترمہ کے ہونے چاہئے تھے۔

جب بچپن میں خدا تعالیٰ کے خاص ہاتھ نے مجھے بت پرست قوم سے نجات دے کر نور ایمان واسلام سے منور کیا تو میری حقیقی والدہ جس نے مجھے جنا تھا۔ اپنی مامتا سے مجبور ہوکر ایک سے زیادہ بار مجھے واپس لے جانے کے لئے قادیان آئی۔ لیکن مجھے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت اماں جانؓ کی غلامی اتنی محبوب اور دلپسند تھی کہ میں نے اس کو ہزار آزادیوں اور آراموں پر ترجیح دی۔ اور جب ایک دفعہ میرے والد نے بڑی آہ وزاری والحاح سے مجھے واپسی کے لئے مجبور کرنا چاہا تو میں اس واقعہ کے

مطابق جو حضرت زید مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ان کے والدین کو پیش آیا تھا۔ اپنے مقدس آقا کو جس کی غلامی میں میں تھا چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ اپنی والدہ کو یہ کہا کہ وہ ذرا اس مقدس اور پُرشفقت ہستی کو تو ملے جس کی غلامی پر مومنوں کی تمام جماعت فخر کرتی ہے۔ چنانچہ میری والدہ میری درخواست واصرار پر سیدۃ النساء حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا سے ملاقی ہوئیں۔ اور تھوڑے سے وقت کی ملاقات سے ہی حضرت ممدوحہ کے اخلاق کریمانہ کی والہ وشیدا ہو کر واپس لوٹیں۔ اور اس بات کا اظہار کرتی گئیں کہ اگر میرا بچہ مجھے چھوڑ کر ایک ایسی مشفقہ اور کریمہ ومحسنہ کی غلامی میں آ گیا ہے تو یہ میرے لئے اور میرے خاندان کے لئے کوئی باعث تشویش امر نہیں۔ یہ تھے سیدۃ النساء کے اخلاق فاضلہ۔

بھائی جی کو تبرک قرار دینا

۳- اس وقت صدمہ تازہ ہے اور زخم ہرے ہیں اس لئے جذبات میں کھوئے جانے کے باعث اپنے خیالات کو مجتمع نہیں کر سکتا اور نہ ہی حضرت اماں جان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سیرت کے متعلق سردست تحریر کر سکتا ہوں۔ ہاں ایک دو مختصر واقعات احباب کے سامنے پیش کر دیتا ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا زمانہ نیز لاہور کے مقدس ایام تھے۔ حضور لاہور میں خواجہ کمال الدین صاحب کے گھر میں فروکش تھے۔ ایک دن بعض دوستوں نے مجھ سے حضرت اقدس علیہ السلام کا تبرک حاصل کرنے کی فرمائش کی۔ میں اپنے آقا کی عتبہ عالیہ پر حاضر ہوا۔ دستک دی اندر سے سیدۃ النساء نے فرمایا ''کون ہے'' عرض کی کہ حضور خادم وغلام عبدالرحمٰن قادیانی۔ آنے کی غرض دریافت فرمائی۔ جس پر اس عاجز نے عرض کی کہ مسیح پاک کے تبرک کے حصول کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ حضرت اقدس علیہ السلام کے سامنے کھانا چنا ہوا تھا۔ اور حضور معہ اہل بیت تناول فرما رہے تھے۔ سیدۃ النساء نے طشت آگے سے اٹھایا اور اس حقیر خادم کو عطا کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود کی موجودگی میں فرمایا کہ بھائی جی آپ تبرک مانگتے ہیں؟ آپ تو خود ہی تبرک ہو گئے ہیں۔''

اللہ! اللہ! حضرت ممدوحہ کی نگاہ لطف نے اس حقیر غلام کو غلام ہوتے ہوئے بھی تبرک بنا دیا۔ محترم قارئین کرام! میں اس موقعہ پر آپ سے التجا کرتا ہوں کہ ازارہ کرم اس نوٹ کو پڑھتے ہوئے بھی اور بعد میں بھی دعا کریں...... کہ اللہ تعالیٰ ان الفاظ کو حقیقت میں ہی بنا دے۔

۴- ڈولی اور بیوگی

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال کے بعد جب حضور کا جسد اطہر بٹالہ سے قادیان لایا جا رہا تھا تو اس خادم کی ڈیوٹی حضرت اماں جان رضی اللہ عنہا کے رتھ کے ساتھ تھی۔ حضرت ممدوحہ اس وقت خاموشی کے ساتھ ذکر واذکار اور دعاؤں میں مشغول تھیں اور صبر ورضا کا کامل نمونہ پیش فرما رہی تھیں۔ جب رتھ نہر کے پل پر سے گذر کر آگے بڑھی تو حضرت ممدوحہ نے ایک پُرسوز اور رقت آمیز آواز سے فرمایا۔ ''بھائی جی! پچیّس سال گذرے میری ڈولی اس سڑک پر سے گذری تھی۔ آج میں بیوگی کی حالت میں اس سڑک پر سے گذر رہی ہوں۔ یہ الفاظ آج بھی میرے کانوں میں گونجتے اور درد پیدا کر رہے ہیں۔ میں بچہ تھا جب والدین اور عزیزوں اور رشتہ داروں کو چھوڑ کر قادیان پہنچا۔ لیکن سیدۃ النساء کی شفقت اور مہربانی کی وجہ سے میں نے اور دوسرے احمدی بھائیوں نے کبھی بھی اپنے آپ کو اکیلا اور یتیم نہیں سمجھا تھا۔ اور اس شفیق ہستی کے طفیل ہم نے سب رشتہ داروں کو بھلا دیا تھا۔ لیکن اب جب کہ حضرت ممدوحہ کی وفات کا عبرتناک واقعہ ہوا ہے۔ ہمارے دل غم سے نڈھال ہو گئے ہیں اور ہم اپنے آپ کو پھر یتیم محسوس کرتے ہیں۔

اے خدا! تو اس مبارک وجود کو جس کو تو نے اپنی خدیجہ اور اپنی نعمت قرار دیا۔ جس کو تو نے مقدس خاندان کی بانی بنایا۔ جس کے ذریعے سے تو نے پنجتن پاک کا ظہور فرمایا جس کو تو نے مسیح پاک اور بروز محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کا فخر بخشا۔ اعلیٰ علیین میں مقام بلند وارفع عطا فرما اور اس کے درجات ہر آن بلند فرماتا چلا جا اور اس کی اولاد اور لواحقین پر بھی بے شمار رحمتیں اور فضل فرما۔ آمین ثم آمین [۳۸]

(زیر مضمون سیدۃ النساء حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کا روحانی اور اخلاقی کمال ''مرقومہ'' بزرگ بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانیؓ) ☆

۵- کونسا درود پڑھنا چاہئے

آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:

☆ حضرت بھائی کا یہ مضمون ۱۹۳۹ء میں شائع ہوا۔ اس لئے خطوط واحدانی میں یہ سن تحریر کر دیا گیا ہے تا یہ علم میں آجائے کہ ''آج کل'' سے کیا مراد ہے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے انفاس قدسیہ اورانوار سماویہ کا فیضان عام اپنے اصحاب کومندرجہ ذیل اوقات میں پہنچاتے تھے ۱- سیر صبح ۲- دربارشام ۳-مجلس طعام ۴- بعداز نماز مجلس عرفان ......ایک روزحضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام قادیان کے شمالی جانب موضع بوٹر کی طرف مع خدام سیر کے لئے تشریف لے گئے آپ کا یہ حقیر خادم بھی ساتھ تھا۔مختلف احباب اپنے اپنے سوالات پیش کررہے تھے اورحضوراقدس علیہ السلام کے منہ سے جواباً معارف کے دریا بہہ رہے تھے۔اگرچہ میں کمسن تھا۔لیکن دوسروں کےسوالوں سے مجھے بھی جرأت ہوگئی اور میں نے عرض کیا:

حضور! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تو ہم دورد پڑھتے ہیں۔مگرحضور کے لئے کس طرح دعا کی جائے؟

حضوراقدس علیہ السلام نے نہایت محبت اورتلطف سے بےساختہ فرمایا:

''یہی درود جونماز میں پڑھا جاتا ہے۔ہمیں پہنچتا ہے۔''

جواب باصواب سن کر دل کوتسلی اورروح کواطمینان ہوا......حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عہد سعادت بیت گیا۔ سیدنا ومولانا حضرت نورالدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ......حسب دستور مسجد اقصیٰ میں قرآن کریم کا درس فرمارہے تھے۔ غالباً سورہ جمعہ یا کسی ایسی ہی آیت ...... سے...... مسیح موعود کی مماثلت اورمقام فنائیت فی الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان فرمارہے تھے۔ میرے ذہن میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مذکورہ بالا ارشاد مستحضر تھا۔مجھ سے رہا نہ گیا اور بےاختیار کھڑا ہوگیا۔ حضرت سیدنا خلیفہ اولؓ نے میری طرف توجہ فرمائی اورمیں نے مذکورہ بالا واقعہ عرض کرتے ہوئے حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ

''یہی درود جونماز میں پڑھا جاتا ہے ہمیں پہنچتا ہے۔''

دہرادیئے۔سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنتے ہی فرمایا:

''نیک بختا! ایہہ گل کدھرے چھپوائی وی آ کہ نہیں؟''

''یعنی بچے! یہ ارشاد کسی اخبار میں شائع بھی کرایا ہے یانہیں؟ مجھے ٹھیک یادنہیں۔خیال پڑتا ہے کہ اس حکم کی تعمیل میں لکھ دیا ہوگا...... ہمارے آقا سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مقام بےشک وہی تھا جس کا اظہار آپ نے ان الفاظ میں کیا ہے کہ

''من فرق بینی وبین المصطفی فماعرفنی ومارای.''

نیز ’’وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے۔‘‘☆

۶- مقدمہ ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک

نوٹ از مؤلف: حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک معزز صحابی حضرت عبدالرحمٰن صاحب قادیانی کے قلم سے بعنوانات ذیل یہ مضمون الحکم بابت ۲۱، ۲۸ ؍نومبر ۱۹۳۹ء میں جوبلی کے سال میں شائع ہوا۔ سلسلہ احمدیہ کی تاریخ کا ایک قیمتی ورق ہے۔ آج سے ۴۳ سال قبل ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک کے مقدمے کے چشم دید حالات اور خدا کی قدرت نمائی کے واقعات۔ آپ کی روایات یکجائی طور پر جمع کرنے کی خاطر اس مضمون کی ابتدائی تمہید کا خلاصہ خطوط وحدانی میں ’’کونوا (تا) اوج پر جا پہنچے‘‘ دیا گیا ہے۔

قدرت سے اپنی ذات کا دیتا ہے حق ثبوت
اس بے نشاں کی چہرہ نمائی یہی تو ہے

کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کے حکم الٰہی میں ہزاروں حکمتیں اور برکات ہیں۔ بنی اسرائیل جو اتنے کمزور اور ذلیل، پست اخلاق اور دوں ہمت ہو چکے تھے حضرت موسیٰ ؑ کی صحبت میں بام اوج پر جا پہنچے ہمارے امام ومقتدا سیدنا مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیشہ اپنے ملنے والوں دوستوں اور غلاموں کو تاکید پر تاکید فرماتے:

’’بار بار قادیان آیا کریں۔‘‘

جب کوئی مہمان واپس جانا چاہتا تو فرماتے:

ابھی آپ ٹھہریں۔ ابھی اور ٹھہریں۔ اس صحبت کو غنیمت سمجھیں کیا معلوم پھر ملاقات نصیب بھی ہوگی یا نہیں۔‘‘ احباب اگر کسی ضرورت کا اظہار کرتے اور کہتے کہ فلاں کام ہے اور فلاں حاجت ہے تو بعض اوقات حضور فرماتے:

’’ساری عمر دنیا کے دھندوں اور ضروریات کے حصول میں خرچ کر دی۔ کچھ

☆ حضرت مولوی صاحب کی جولائی ۱۸۹۸ء کی یہ تقریر سوا تین صفحات میں آپ ’’عبدالرحمٰن قادیانی سیکرٹری انجمن ہمدرد اسلام قادیان کی قلم بند کردہ الحکم جلد اوّل نمبر ۱۸، ۱۹ بابت ۶، ۱۳؍جولائی ۱۸۹۸ء میں شائع ہوئی۔

بدر جلد ا نمبر ۲۰ بابت ۲۸؍جولائی ۱۹۵۱ء۔ اس مضمون کے آغاز میں مسلمان استاد سے مہدی کے نشان گرہن کے سننے اور اپنے قادیان آنے کا بھی ذکر ہے۔

عاقبت کی فکر بھی تو کرنی چاہئے۔''

اجازت بھی حضور دیتے تو فرمایا کرتے اور تاکید فرماتے کہ:

''خط لکھتے رہیں یاد کراتے رہیں کیونکہ خط بھی نصف الملاقات ہوتا ہے۔''

الغرض حضور کی دلی خواہش اور سچی آرزو ہوتی کہ لوگ کثرت سے قادیان آیا کریں حضور کی صحبت سے نور فیض پائیں نور ایمان اور معرفت ویقین حاصل کریں۔ خدا پر زندہ ایمان اور گناہ سوز ایمان کے حصول کا واحد ذریعہ بار بار آنا اور صحبت میں رہنا بتایا کرتے۔ جہاں خدا کے نشانوں کی بارش اور تازہ بتازہ کلام الٰہی کا نزول ہوا کرتا۔ خدا کا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اکثر خدا کی وحی سناتا۔ خدا کا کلام پڑھتا اور اس کی باتیں سنایا کرتا۔ جو بعض اوقات اسی دن بعض اوقات دو چار روز میں اور بعض اوقات کچھ عرصہ بعد پوری ہو کر مومنین کے ایمان کی زیادتی وتازگی اور یقین وعرفان کی پختگی کا موجب ہوتیں۔ خدا کی قدرت نمائی کے کرشمے اور علم کامل کے نشانات دیکھنے میں آتے۔ غیب پر مشتمل خبروں اور خدا کی بتائی ہوئی پیشگوئیوں کا پورا ہونا ایک زندہ ایمان اور پختہ یقین کا موجب ہوا کرتا ایسا کہ گویا خدا نے چہرہ نمائی فرما دی۔ اس کے علاوہ بے انداز فیوض، بے حساب برکات حضور کی صحبت میں میسر آیا کرتے۔ مگر اس وقت میں صرف اسی خاص ایک امر کا ذکر کروں گا۔

۲۹؍جولائی ۱۸۹۷ء کا واقعہ ہے کہ حضور نے خواب منذر دیکھا جو حضور کے اپنے الفاظ میں درج کرتا ہوں:

۲۹؍جولائی ۱۸۹۷ء کو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک صاعقہ مغرب کی طرف سے میرے مکان کی طرف چلی آتی ہے اور نہ اس کے ساتھ کوئی آواز ہے اور نہ اس نے کوئی نقصان کیا ہے۔ بلکہ وہ ایک ستارہ روشن کی طرح آہستہ حرکت سے میرے مکان کی طرف متوجہ ہوئی ہے اور میں اس کو دور سے دیکھ رہا ہوں۔ اور جبکہ وہ قریب پہنچی تو میرے دل میں تو یہی ہے کہ یہ صاعقہ ہے مگر میری آنکھوں نے صرف ایک چھوٹا سا ستارہ دیکھا جس کو میرا دل صاعقہ سمجھتا ہے پھر بعد اس کے میرا دل اس کشف سے الہام کی طرف منتقل کیا گیا اور مجھے الہام ہوا

مَاهٰذَآاِلَّا تَهْدِيْدُ الْحُكَّامِ

یعنی یہ جو دیکھا اس کا بجز اس کے کچھ اثر نہیں کہ حکام کی طرف سے کچھ ڈرانے کی کارروائی ہوگی۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوگا پھر بعد اس کے الہام ہوا قَدْاِبْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ۔''[۳۹]

۲۹؍ جولائی کو اللہ تعالیٰ ایک کیفیت دکھاتے ہیں یکم اگست کو ڈپٹی کمشنر امرتسر ایک وارنٹ جاری کرتا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنے والے واقعہ کی قبل از وقت حضور کو اطلاع دے دی تھی۔

حضور نے یہ رؤیاء اور الہامات حسب معمول بتا دیئے۔ اور دوسرے معزز اصحاب و اراکین کے ساتھ میں بھی ان سننے والوں میں سے ایک تھا۔ الہامات سنے' قبل از وقت سنے اور براہ راست خدا کے نبی و رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے سنے علیٰ رؤس الاشہاد سنے، آپ کے لب ہائے مبارک کو ہلتے دیکھا اور آواز کو اپنے کانوں سے سنا۔ ابھی چند ہی روز گذرے ہوں گے کہ گورداسپور سے چوہدری رستم علی صاحب نے کسی احمدی دوست کے ذریعہ اطلاع بھجوائی کہ:

''امرتسر سے حضور کی گرفتاری کے وارنٹ جاری ہو چکے ہیں۔ امرتسر کے ڈپٹی کمشنر کی طرف سے آج ایک تار ملا ہے کہ وہ وارنٹ روک لیا جائے۔ گو وارنٹ ابھی تک کوئی نہیں پہنچا مگر تار سے اتنا پتہ ضرور ملتا ہے کہ وارنٹ جاری کئے جا چکے ہیں کوئی انتظام کر لیا جائے۔''

دوسری طرف ایک دوست نے امرتسر سے آ کر حضرت کے حضور عرض کیا کہ

''میں نے امرتسر سے سنا کہ کسی پادری نے حضور کے خلاف اقدام قتل کا مقدمہ دائر کیا ہے اور کہ وہاں سے وارنٹ گرفتاری بھی جاری ہو گئے ہیں دشمن خوشیاں منا اور حضور کی گرفتاری کا انتظار کر رہے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبل از وقت رؤیا کشف و الہامات کے ذریعہ ایک صاعقہ تہدید حکام اور ابتلاء کی اطلاعات کے ساتھ ہی دو مختلف مقدمات سے اپنے مخلص دوستوں کے ذریعہ اس قسم کی اطلاعات کا ملنا الٰہی کلام اور علام الغیوب ہستی کے قول کی تصدیق تھی۔ حضور پُر نور نے سنت انبیاء کے مطابق ظاہری انتظامات اور ضروری سامانوں کے جمع کرنے کی طرف توجہ فرمائی۔ بعض خدام کو گورداسپور بھیج کر حقیقت حال اور معاملہ کی تفاصیل معلوم کرنے کا انتظام فرمایا۔ چوہدری رستم علی صاحب مرحوم نے امرتسر سے بھی حالات معلوم کرنے کی کوشش کی مگر کوئی تفصیلی اطلاع نہ مل سکی۔ جہاں تک میری یادداشت کام کرتی ہے ہمارے محترم سیکھوانی دوست اس ذیل میں ادھر ادھر کی دوڑ دھوپ میں پیش پیش تھے۔ یا او جلہ کے بھائی جو گورداسپور کے قریب ہونے کی وجہ سے محترم چوہدری صاحب سے ملتے جلتے رہتے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس واقعہ سے کچھ ہی روز پہلے اسی قسم کے ایک معاملہ میں مکرم چوہدری صاحب نے عزیز مکرم چوہدری غلام محمد صاحب کو جو آجکل حافظ صوفی غلام محمد صاحب آف ماریشیس کے نام سے معروف اور مسجد محلّہ دارالرحمت کے امام الصلوٰۃ ہیں خاص طور پر ایک پیغام دے کر بھیجا تھا مگر ان کو راستہ ہی میں

روک لیا گیا۔

الغرض گورداسپور اور امرتسر دونوں جگہ سے باوجود کوشش کے وارنٹ کے متعلق یقینی طور پر کچھ معلوم ہوسکا اور نہ ہی یہ معمہ حل ہوا کہ وارنٹ کے اجراء کے بعد اس کے روکے جانے کے لئے امرتسر کے ڈپٹی کمشنر نے تار کیوں دیا؟ خبر بلا تفصیل ہم لوگوں کے لئے تو متوحش اور تشویشناک تھی مگر حضرت اقدس جن کی ذات والا صفات کے متعلق تھی۔ مطمئن اور حسب معمول ہشاش وبشاش نظر آتے تھے۔ کوئی گھبراہٹ تھی نہ پریشانی۔ فکر دامن گیر تھا نہ اندیشہ وملال۔ حضور حسب معمول مہمات دینیہ میں مصروف، نمازوں میں شریک ہوتے اور دربار بھی اسی آب وتاب سے، اسی شان وشوکت سے لگتا۔ سلسلہ فراہمی اسباب کی سرگرمیوں کے علاوہ اور کوئی خاص رنج وغم یا ہم وحزن کے آثار دیکھنے میں آتے نہ سننے میں بلکہ ذکر ہوتا تو یہی کہا:

> ''ہمارا تو ایسی باتوں سے اپنے رب کے ساتھ اور زیادہ تعلق محبت و وفا بڑھتا ہے۔ اس کی تائید اور نصرت کا یقین ہوتا بلکہ ہم امیدوار ہوتے ہیں کہ اب ضرور کوئی نشان ظاہر ہوگا۔''

اسی روز یا زیادہ سے زیادہ دوسرے ہی دن پھر ایک آدمی گورداسپور سے چوہدری صاحب مغفور کی چٹھی لے کر آیا جس میں اس امر کی وضاحت تھی کہ معاملہ کیا ہے۔ نیز لکھا تھا کہ وہ مقدمہ امرتسر سے گورداسپور آ گیا ہے اور کہ حضور کے نام بجائے وارنٹ گرفتاری کے سمن جاری ہو چکا ہے جو اگلے روز حضور کی بٹالہ میں حاضری کے لئے سپیشل آدمی کے ہاتھ برائے تعمیل بھیجا جا چکا ہے۔ مگر امرتسر سے جاری شدہ وارنٹ کے متعلق پھر بھی کوئی اطلاع نہ آئی کہ وہ کیا ہوا؟

اس تفصیلی اطلاع پر حضور نے پھر بعض دوستوں کو گورداسپور اور لاہور بھیج کر پیروی مقدمہ کے لئے گورداسپور سے شیخ علی احمد صاحب وکیل اور لاہور سے شیخ رحمت اللہ صاحب مرحوم کی معرفت کسی قابل قانون دان کی خدمات حاصل کرنے کا انتظام فرمایا۔ ادھر چوہدری صاحب کے خط کے بعد سرکاری پیادہ بھی سمن لے کر آ گیا اور اگلے دن صبح کو بٹالہ جانے کی تیاری ہونے لگی۔

مقدمہ کی نوعیت یعنی اقدام قتل بجائے خود ایک خطرناک اور مکروہ الزام تھا جس کی مجرد خبر ہی معمولی تو درکنار بڑے بڑے دل گردہ کے لوگوں کے اوسان خطا کر دیا کرتی ہے۔ اور ایسے حالات میں ان کو کچھ سوجھا کرتا ہے نہ ان سے کچھ بن پڑتا ہے۔ اکثر حواس باختہ ہو کر پاگل ہو جاتے اور گھر ان کے ماتم کدہ بن

جایا کرتے ہیں۔مگر یہ مقدمہ نہ صرف یہ کہ اقدام قتل کا مقدمہ تھا بلکہ اس کے ساتھ ہی یہ اضافہ کہ ایک ایسے انگریز پادری کی طرف سے دائر کیا گیا تھا جو علاوہ اپنے اثر ورسوخ اور وسائل واسباب کے حکمران قوم کا فرد' پادری ہونے کے باعث اپنی قوم میں ممتاز حیثیت کا مالک اور واجب الاحترام ہستی مانا جاتا تھا۔اس پر طرفہ یہ کہ صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر خصوصیت سے پادری منش مذہبی آدمی اور کٹر عیسائی مشہور تھے۔ان تمام باتوں کو ملا کر یکجائی غور کرنے سے اس مقدمہ کی نوعیت کتنی مہیب خوفناک اور ڈراؤنی بن جاتی ہے؟ ظاہر ہے۔مگر یہ سب کچھ انہی کے لئے ہوتا ہے جن کا اپنے خدا سے (نہ) کوئی تعلق ہوتا ہے نہ اس پر ایمان۔ جن کو خدا کی محبت و وفا کے چشمہ کا (نہ) ہوتا ہے نہ اس کی صفات کا عرفان۔جن کو خدا کی قدرت پر (نہ) بھروسہ ہوتا ہے نہ نصرت کی امید۔ بلکہ وہ اپنی تدابیر اور کوششوں ہی کو اپنا حاجت روا اور مطلب برار سمجھ بیٹھتے۔ان کی نظر زمینی اور مادی اسباب پر گڑی رہتی ہے۔آسمان سے ان کا کوئی تعلق نہ آسمان والے سے سروکار رہوتا ہے......

سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے مطاع ومتبوع کی کامل محبت اور کامل پیروی سے اللہ کریم نے وہ مقام عطا فرما رکھا تھا کہ حضور نہ صرف خود بھی مشکلات ومصائب کے پہاڑوں اور مخالفت وعداوت کے طوفانوں سے نہ گھبرایا کرتے تھے۔ بلکہ ہمیشہ دوسروں کی تسلی اور سکون وامن کا موجب بھی ہوا کرتے تھے۔یقیناً ہم لوگ ایسی خبروں سے گھبراتے اور خوف کھایا کرتے تھے کیونکہ بشریت ہمارے ساتھ لگی ہوئی تھی۔خدا جانے اب کیا ہوگا؟ مگر جب حضور ہم پر جلوہ افروز ہوتے۔مجلس لگتی' دربار سجتا اور خدا کا کلام ہم پر پڑھا جاتا۔اس کے وعدے دوہرائے جاتے' اس کے حسن واحسان کے تذکرے ہوتے' اس کی قدرت نمائی کی مثالیں کانوں میں پڑتیں۔نشانات یاد دلائے جاتے تو ہمارے خوف امن سے، خطرات تسلیوں سے اور رنج وغم خوشیوں میں تبدیل ہوکر ایمان کی زیادتی اور خدا کی معرفت کے دروازوں کے کھل جانے کا موجب ہوا کرتے۔

برسات کا موسم اور اگست کا مہینہ تھا۔قادیان میں سواری کا کوئی معقول انتظام نہ تھا' بمشکل ایک یکہ کا انتظام ہوسکا۔دوسرے کے لئے کوشش جاری تھی۔مگر وقت پر نہ پہنچا تو سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تو روانہ ہوگئے تا کہ وقت پر پہنچ سکیں۔حضور نے حضرت حکیم الامت مولانا نورالدین اعظم ؓ کو اپنے ساتھ بٹھالیا۔تین غلام ہمرکاب تھے۔شیخ محمد اسمٰعیل صاحب سرساویؓ یا حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب اور یہ عاجز راقم یعنی عبدالرحمٰن قادیانی۔راستہ کیچڑ گارے کے باعث سخت تکلیف دہ اور

دشوار گذار تھا۔ قادیان سے سڑک تک پہنچنے میں تو یکے کو گویا دھکیل یا اٹھا کر ہی لے جانا پڑا۔ سڑک پر پہنچ کر یکے کو تیزی سے چلانے کی کوشش کی گئی۔ یکہ بان کے علاوہ ہم لوگ بھی دائیں بائیں اور پیچھے سے گھوڑے کی مدد کرتے گئے۔ یہ سواری جب انارکلی کے قریب پختہ سڑک پر پہنچی تو کپور تھلہ اور لاہور کے وفا کیش، جان نثار لب سڑک منتظر دیکھے۔ پانچ اصحاب تھے یا سات۔ ایک صاحب کمزور اور معمر تھے ان کو حضرت نے یکہ میں بیٹھا لیا۔ اور باقی ہمارے ساتھ یکہ کے دائیں بائیں اور پیچھے دوڑے ہوئے کچھ آگے پیچھے بٹالہ منڈی میں پہنچے۔ حضرت کی سواری موجودہ شفاخانہ حیوانات کے برابر مقام پر تھی (یہ شفاخانہ اب تک اسی مقام پر قادیان بٹالہ سڑک پر موجود ہے۔ مؤلف) کہ سامنے کے کھلے میدان اور چوک میں جبہ پوش مولوی محمد حسین بٹالوی اپنے دونوں ہاتھ کمر کے پیچھے جبہ کے نیچے کئے خاص انداز میں ٹہلتے اور ایک بھیڑ سڑک کے دونوں کناروں پر کھڑی دکھائی دی جو کسی بُرے منظر اور شیطانی وعدے کے ایفاء کے انتظار میں جمع تھے۔ انہوں نے وارنٹ گرفتاری کی شیطانی پیشگوئی تو سن رکھی تھی۔ مگر خدا کی قدرت کا ہاتھ ان کی نظروں سے اوجھل تھا۔ وہ اس امید پر جمع تھے کہ نعوذ باللہ حضور کو ذلت و رسوائی میں دیکھ کر خوش ہونگے۔ پولیس کی حراست و نگرانی اور ہاتھوں میں کڑیاں ہوں گی۔ مگر جب دیکھا کہ حضور آزاد ہشاش بشاش اپنے غلاموں کے حلقہ میں یکہ سے اترے ہیں۔ پولیس ہے نہ کوئی اہلکار ہیں۔ سبھی غلام و وفادار کوئی ساتھ آئے ہیں تو کوئی تشریف آوری کی انتظار میں تھے۔ ایک دوسرے سے اور دوسرا تیسرے سے بڑھ کر قربان و نثار ہونے کو تیار تھا۔ اس نقشہ کو دیکھ کر وہ غول بیابانی کچھ اس طرح غائب ہوا جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

گورداسپور سے شیخ علی احمد صاحب اور لاہور سے مولوی فضل الدین صاحب وکیل آئے۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب پروانہ شمع نور و ہدایت اور عاشق و فدائے احمد قادیانی جو شاذ ہی کبھی ایسے موقع کو ہاتھ سے دیا کرتے تھے۔ نیز فرشتہ سیرت صالح نوجوان مرزا ایوب بیگ صاحب مغفور۔ شیخ رحمت اللہ صاحب اور بعض اور دوست بھی پہنچے۔ امرتسر سے غالباً دو تین دوست آئے۔ جن میں محترم شیخ یعقوب علی صاحب تراب خوب یاد ہیں۔ قادیان سے چند احباب اور دوسرا یکہ بھی معہ سامان آ گیا تھا۔ حضور سواری سے اتر خراماں خراماں پورے وقار کے ساتھ حلقہ بگوش پروانوں کے حلقہ میں ٹہلتے وکلاء اور آنے والے مہمانوں کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے ڈاک بنگلہ بٹالہ کی طرف بڑھے جہاں صاحب ڈپٹی کمشنر اترا ہوا تھا۔ صاحب کے اردلی نے دور ہی سے آتے دیکھ کر اندر اطلاع کی اور اس طرح فوراً ہی حضور کو اندر بلا لیا گیا۔ انتظار آواز بھی نہ اٹھانا پڑی۔ جبہ پوش مولوی جو منڈی اور اڈہ خانہ کے چوک میں ایک

بھیڑ کو لئے کھڑا اور حسرت ونامرادی کے عذاب میں تلملاتا ہوا کھسک آیا تھا اب اس بنگلہ کا طواف کرتا نظر آیا اور دودو چار چار کر کے اس کے ساتھی بھی وہیں جمع ہونا شروع ہو گئے حتیٰ کہ ہوتے ہوتے پہلے سے بھی زیادہ بھیڑ اور تماش بینوں کا ہجوم ڈاک بنگلہ کے میدان میں جمع ہو گیا۔

ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک پہلے سے صاحب بہادر کے کمرہ میں موجود تھا۔ جس کے رضا کار وکلاء مشیر قانونی حاضر اور گواہ بغض وتعصب اور خودغرضی وخودستائی کے مارے حق وصداقت اور صدق وسداد کو مٹانے کے لئے ادھار کھائے کھڑے تھے۔ حضور کمرہ عدالت میں داخل ہوئے جو ڈاک بنگلہ بٹالہ کے غربی جانب واقع اور جس کے شمال اور غرب میں ورانڈہ موجود ہے۔ کمرہ کے دروازوں پر چِکیں اور پہرہ دار چپڑاسی ادھر ادھر گھومتے دکھائی دیتے تھے۔ حضور کے اندر داخل ہونے کے بعد ہم لوگوں کی جو حالت تھی اس کا اندازہ خدائے علیم وخبیر کے سوا کون کرسکتا ہے۔ دل ہمارے بیٹھے جارہے تھے۔ خون پانی ہوا جاتا اور جسم ہمارے بیم ورجا اور خوف وامید کے خیال سے لرزاں تھے۔ تضرع اور الحاح، عجز وانکسار خود بخود دعاؤں میں رقت اور سوز پیدا کر رہا تھا۔ اور ہر کوئی اپنی اپنی جگہ علیٰ قدر مراتب خدا کے فضل اور اس کی رحمت کے نزول کے لئے دست دعا پھیلا رہا تھا۔ ہم لوگ انہی حالات میں تڑپتے اور بے قرار ہو رہے تھے کہ جبہ پوش کاہن سردار کے نام کی پکار ہوئی اور وہ بایں ریش وعمامہ دوڑتا ہوا بصد شوق داخل کمرہ ہو گیا۔ اس کو داخل ہوئے ابھی چند ہی منٹ گذرے ہوں گے کہ کمرہ عدالت ڈانٹ ڈپٹ اور ایک غضب آلود دہشتناک آواز سے گونج اٹھا جس کی وجہ سے ہمارے زخمی اور رنجور اور صدمہ خوردہ دل اور بھی بیٹھنے لگے۔ آہ۔ خداوندا یہ کیا ماجرا ہے؟ ہر کوئی گھبرا اٹھا اور ورانڈہ کے قریب ہوا۔ ہم لوگوں کو ورانڈہ کے قریب آتے دیکھ کر اردلی نے اشارہ سے روکا اور ساتھ ہی تسلی دی۔ گھبراؤ نہیں۔ پادریوں کے گواہ کی عزت افزائی ہو رہی ہے۔ قریب ہونے پر جو کچھ ہمارے کانوں نے سنا یہ تھا کہ:

''بک بک مت کر۔ پیچھے ہٹ۔ سیدھا کھڑا ہو۔''

اردلی لوگ مزاج شناس ہوا کرتے ہیں۔ حاکموں کے اشاروں پر چلتے اور مرضی وحکم کے مطابق کام کرتے ہیں۔ ہمیں تو اس نے تسلی دے دی اور اس کی تسلی ہی سے ہم لوگ سمجھ گئے کہ اندر جو کچھ ہوا وہ خدا اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دشمن اور پادریوں کے معاون ومددگار گواہ ہی کی خاطر خدمت ہوئی ہے۔ کانوں سے جو کچھ سنا اس کا قرینہ بھی اس بات کا مؤید تھا کیونکہ حضرت اقدس کے بولنے کا موقعہ ہی نہ تھا نہ محل۔ بولا ہوگا تو وہی گواہ جس کو شہادت کے لئے اندر بلایا گیا تھا۔ اتنے میں اردلی نے

موقعہ نکالا۔ اور باہر آ کر سارا واقعہ سنا گیا۔ جس پر ہم لوگوں نے جہاں سجدات شکر اور کلمات حمد کے گیت گائے وہاں بعض حاضرین بھی ہم ہم آہنگ بن گئے۔ اور ہماری ذلت...... دیکھنے کو جمع ہونے والوں کے دل خدا نے کچھ ایسے پھیر دیئے کہ وہی اس ملاں کے چیلے چانٹے اب یہ کہتے سنائی دینے لگے کہ بڑا بے ایمان اور پکا کافر ہے۔ ایک بزرگ مسلمان کے خلاف پادریوں کے لئے جھوٹی گواہی دینے کو آیا۔ تبھی یہ ذلت دیکھی۔ دور ہووے ایسا مردود نا ہنجار۔ ہم تو اس کی شکل سے بیزار اور نام لینے کے روادار ہیں نہ سلام کے۔

اردلی نے جو کچھ بتایا محبت واخلاص اس کے محرک تھے۔ یا کوئی طمع وحرص۔ ہوا کے رخ نے اس کو جرأت دلائی یا صاحب بہادر کے سلوک وطریق نے' مجھے ان باتوں کا علم ہوا اور نہ ہی اس کی مجھے ضرورت تھی۔ جو کچھ اس نے سنایا اس کا خلاصہ مطلب یہ تھا کہ:

''مرزا صاحب جب کمرہ میں داخل ہوئے تو صاحب نے ایک خالی کرسی کی طرف اشارہ کر کے بیٹھنے کو کہا اور آپ کرسی پر بیٹھ گئے۔ ڈاکٹر کلارک بھی صاحب کے پاس کرسی پر بیٹھا تھا۔ مولوی صاحب کو جب آواز پڑی اور جلدی جلدی اندر آئے تو مرزا صاحب کو کرسی پر بیٹھے دیکھ کر جل بھن کر آگ بگولہ ہو گئے۔ دائیں بائیں دیکھا تو کرسی کوئی خالی نہ تھی۔ رہ نہ سکے اور بیساختہ صاحب بہادر سے کہنے لگے کہ مجھے کرسی ملنی چاہئے۔ کیونکہ میرے باپ درباری کرسی نشین تھے۔ اور میں بھی۔ ڈاکٹر مارٹن کلارک نے بھی شفارشاً کہا کہ گواہ ایک معزز مذہبی لیڈر ہے مگر صاحب بہادر نے کہا کہ ہمارے پاس ان کے باپ کے متعلق کوئی ایسی اطلاع ہے نہ ان کے اپنے متعلق۔ صاحب کا یہ جواب سن کر مولوی محمد حسین صاحب اور بھی جھنجلائے اور صاحب کی میز پر ہاتھ رکھ کر کسی قدر آگے کو جھکے اور پھر کرسی کے لئے اصرار کیا۔ صاحب بہادر کو ان کی یہ ادا ناگوار گذری۔ انہوں نے اسے گستاخی سمجھ کر جھڑکیاں دے کر خاموش رہنے، پیچھے ہٹنے اور سیدھا کھڑے ہونے کی غرض سے غصے میں کہا:

''بک بک مت کر۔ پیچھے ہٹ۔ سیدھا کھڑا ہو۔'' چنانچہ اس پر مولانا ٹھنڈے ہو کر سیدھے تیر ہو گئے۔

یہ تو وہ واقعہ تھا جس کی گونج ہم نے کانوں سنی اور تفصیل صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کے اردلی کی زبانی سنی۔ جو موقعہ پر موجود اور چشم دید گواہ تھا۔

اس کے بعد جب گواہی انکی ختم ہوئی تو اردلی کی نگرانی میں باہر بیٹھنے کا حکم ہوا۔ مولانا کچھ وکلاء کی

جرح قدح کے بوجھ کی وجہ سے تشویش میں تھے۔اور کچھ کرسی نشینی کے معاملہ کا شوق گلے کا ہار گلو گیر بن رہا تھا۔گھبراہٹ میں باہر آئے۔آس پاس نظر دوڑائی۔کرسی وغیرہ کوئی نہ پائی۔جھلا کر اردلی سے بولے:۔''کوئی کرسی لاؤ''۔مگر اردلی نے عذر کیا کہ کرسی خالی کوئی نہیں۔ناچار مولانا نے ایک آدمی کا کپڑا لیا اور فرش پر دھرنا مار کر بیٹھ گئے۔مگر وائے شومئ قسمت کہ جس کا کپڑا لے کر بیٹھے تھے اس کو کسی دوسرے نے یہ کہہ کر غیرت دلائی کہ:

''تم پادریوں کے ایسے گواہ کو اپنا کپڑا دیتے ہو جسے صاحب نے بھی جھڑکیاں دے کر سیدھا کر دیا۔ اور تر لے کرنے کے باوجود اسے کرسی نہ دی۔عیسائی اور اردلی ہی تم سے اچھے رہے۔وہ شخص چونکہ بعد میں آیا تھا اس وجہ سے اس بچارے کو ان باتوں کا علم نہ تھا اس کی بات اس کے دل کو لگی۔اور دوڑ کر مولوی صاحب کی طرف جھپٹا۔اپنی چادر ان کے نیچے سے کھینچ کر بولا۔

''مولوی صاحب میں اپنا کپڑا پلید نہیں کرانا چاہتا۔یہ چھوڑ دو۔''

یہ سعید الفطرت غیرت مند شخص میاں محمد بخش نام برادر خورد میاں محمد اکبر صاحب مرحوم ٹھیکیدار بٹالوی تھے جن کو آخر اللہ تعالیٰ نے نور ہدایت سے منور کیا اور دولت ایمان عطا فرمائی۔مولانا کھسیانے ہوئے اور اس کا کپڑا چھوڑ کر کھڑے ہوگئے۔اور ادھر ادھر ٹہلنے لگے۔یہ واقعہ جہاں میرا چشم دید ہے۔وہاں اور بھی کثرت سے اور دوستوں اپنوں اور بیگانوں کا بھی آنکھوں دیکھا سچا اور بالکل ٹھیک وصحیح واقعہ ہے۔

اس کے بعد مولانا ٹہلتے ٹہلتے بنگلہ کی شرقی جانب جانکلے جدھر کپتان پولیس کا ڈیرہ نصب تھا۔کوئی خالی کرسی دیکھ کر بے اختیار لپکے۔اور اس پر جابراجے۔مگر ان کی بدقسمتی کہ کسی پولیس افسر نے دیکھ لیا۔اور فوراً ہی سپاہی کو بھیج کر یہ کہتے ہوئے کرسی خالی کرالی کہ:۔

''صاحب ضلع نے کرسی نہیں دی تو ہم کیوں دیں۔صاحب بہادر دیکھ لیں تو ہمارے سر ہو جائیں۔''

الغرض یہ ایک ہی دن میں ایک ہی مقام پر اور ایک ہی معاملہ میں ہم نے اللہ تعالیٰ کی غیرت وگرفت کے مظاہرے اس کی قدرت وتصرف کے نمونے اور اس کے علم واقتدار کے زندہ وتازہ نشان اپنی آنکھوں دیکھے کانوں سنے اور برسر عام دیکھے سنے۔وہ جس کے علم وفضل کا شہرہ،اثر ورسوخ کا چرچا اور رعب وداب کا غلغلہ ودھاک بندھی ہوتی تھی۔وہ جو گھر سے نکلتا تو معتقدین اور نیازمندوں کے جھنڈ اس کے گرد جمع رہتے،چلتا تو آگے پیچھے اور دائیں بائیں عقیدت کیشوں کا ہجوم وحلقہ بنا رہتا۔لوگ مکانوں اور دکانوں پر کھڑے ہو ہو کر سلام وآداب بجالایا کرتے۔راہرو احترام کے خیال سے راستہ چھوڑ دیا کرتے۔آج

خدا کے ایک پیارے بندے کے مقابل پر آ کر کس حال کو پہنچا' کتنی ذلت اٹھانا پڑی اور کس کس رنگ میں ذلیل وخوار ہوا۔ خدا کی پناہ۔ ان واقعات کی یاد سے ہی رونگٹے کھڑے ہوتے اور جذبات رحم جوش مارنے لگتے ہیں۔

اِنِّـیْ مُھِیْـنٌ مَّنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ کے وعدہ خداوندی کی تکمیل وظہور میں اب اگر کسی کو شک وشبہ باقی ہوتو اپنی جان پر آزما دیکھے۔

سنا کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقابل پر آ کر نمرود جیسا طاقتور بادشاہ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابل پر فرعون جیسا متمرد حکمران اور ہمارے رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابل میں کھڑے ہونے والے صنادید قریش آخرحق کے مقابلہ ومخالفت کی وجہ سے ذلیل وخوار اور تباہ و برباد ہوکر کیفر کردار کو پہنچے۔ مگر آج اس جری اللہ فی حلل انبیاء کے فیض صحبت نے ان تمام واقعات کو حقائق بنا کر گویا تازہ کر دکھایا۔ نہ صرف یہ شنید دید سے بدل گئی۔ بلکہ یقین عین الیقین اورحق الیقین کے مقام پر کھڑا کر کے گویا خدا دکھا دیا۔ **علیہ وعلی مطاعہٖ الصلوۃ و السلام دائماً**۔ آمین۔

اس دن کی کارروائی کے اختتام پُر حضور پرنور سرائے میں تشریف لائے جہاں قیام کا انتظام تھا۔ یہ وہی سرائے ہے جس میں آج کل یعنی ۳۹ء میں ٹاؤن کمیٹی کا دفتر اور ریذیڈنٹ مجسٹریٹ بٹالہ کی کچہری لگتی ہے۔ اس زمانہ میں خالص سرائے تھی۔ حضور پُرنور سرائے کے جنوب مشرقی کونے کی چھت پر تشریف فرما تھے۔☆

عدالتی کارروائی کو حضور نے دوہرایا اور اس کے ساتھ ہی مولوی محمد حسین کے مطالبہ کرسی اور صاحب بہادر کی جھڑکیوں کا ذکر تفصیل سے فرمایا۔ جس سے اردلی کے بیان کی من وعن تصدیق ہوئی اور اس طرح خود خدا نے نبی ورسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے بھی اس واقعہ کے سننے کی عزت وسعادت ہمیں نصیب ہوئی۔

حضور اس واقعہ کا ذکر بار بار فرماتے اور دہراتے رہے۔ اور ساتھ ہی تعجب فرماتے رہے کہ ''دراصل حسد اور بغض کی آگ نے اس سے یہ حرکات کرائیں۔ ہمارا کرسی پر بیٹھنا وہ برداشت نہ کرسکا۔ وہ نہ کرسی مانگتا نہ یہ کچھ ہوتا۔ حقیقت میں خدائی تصرف اور الٰہی ہاتھ نے یہ سب کام کرائے تا خدا کے منہ کی باتیں

☆ بھائی جی نے ہی مضمون میں (۱۹۳۹ء) اس طرح خطوط وحدانی میں دیا ہے۔ گویا ۱۹۳۹ء بوقت تحریر مضمون یہ صورت حال ہے۔

پوری ہو کر تازہ نشانوں سے مومنوں کو قوت و نور حاصل ہو'‘۔اس موقعہ پر کمرہ عدالت سے باہر جو کچھ گذری یعنی کپڑے کا واقعہ، پولیس کی کرسی کا معاملہ' وہ احباب نے عرض کیا تو حضور مسکرائے اور پھر اتنے ہنسے کہ عادت شریف کے مطابق حضور کی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔اور سبحان اللہ سبحان اللہ کہتے ہوئے

اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَّنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ

کے کلام الٰہی کو بار بار یاد فرماتے اور پھر سبحان اللہ سبحان اللہ اور سبحان اللہ کے ورد میں لگے رہے۔

حضرت اقدس نے ایک بات یہ بھی سنائی کہ:

''جرح کے دوران میں ہمارے وکیل یعنی مولوی فضل دین صاحب آف لاہور نے مولوی محمد حسین صاحب پر ایک جرح کرنی چاہی مگر ہم نے اس کی اجازت نہ دی۔ ہمارے وکیل نے اصرار بھی کیا اور کہا کہ وہ تو آپ کی موت کے سامان اور پھانسی کی تیاریوں میں لگا ہوا ہے اور آپ اس کی عزت بچاتے۔اس پر رحم کرتے اور فرماتے ہیں کہ اس میں اس بیچارے کا کیا قصور' تعجب ہے۔''

مگر باوجود وکیل صاحب کے اصرار کے حضور نے اس قسم کی جرح کی اجازت نہ دی اور اس طرح جہاں مولوی محمد حسین کی ذات اور اولاد و نسل پر کبھی نہ ختم ہونے والا احسان فرمایا۔ وہاں آپ نے اخلاق محمدی اور خلق عظیم کی بھی ایسی بے نظیر مثال قائم کر دی جو رہتی دنیا تک چاند اور سورج کی طرح چمکتی اور سنہرے حروف سے لکھی جاتی رہے گی۔مولوی فضل الدین صاحب وکیل باوجود غیر احمدی ہونے کے ہمیشہ اس امر سے اتنے متاثر رہے کہ جہاں اس واقعہ کا ذکر عموماً کرتے رہتے وہاں حضرت کے خلاف کوئی کلمہ سننے کو گوارا نہ کیا کرتے تھے۔

ایسے ذکر اذکار سے فارغ ہو کر نمازیں پڑھی گئیں نماز سے فراغت پا کر حضور نے فرمایا:

''میاں عبدالرحمٰن! آج رات ہم تو یہیں ٹھہریں گے۔ کیونکہ کل پھر مقدمہ کی سماعت ہو گی بہتر ہے کہ آپ قادیان جا کر خبر خیریت پہنچا دیں۔تا کہ وہ لوگ گھبرائیں نہیں۔آپ رات کو ہوشیار رہیں۔ہم بھی انشاءاللہ کل فارغ ہو کر پہنچ جائیں گے۔''

حکم پا کر میں نے سلام عرض کیا۔دست بوسی کا شرف ملا اور میں سفر کو کاٹتا زمین کو لپیٹتا ہوا گویا اڑ کر ہی قادیان پہنچا۔سیدۃ النساء حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور خاندان کی بیگمات و اراکین کی خدمت میں حاضر ہو کر آج کی تمام روئیداد تفصیلاً عرض کی اور حضرت کے ارشاد کے مطابق تسلی و اطمینان دلایا۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے رات کے پہرہ کی خدمت کا بھی موقعہ دے کر نوازا۔**فالحمدللہ علی ذلک**۔

محترم شیخ محمد اسمٰعیل صاحب سرساوی فرماتے ہیں کہ وہ بھی صبح کو بٹالہ گئے اور پھر اسی روز واپس قادیان آئے تھے۔

مقدمہ جیسا کہ فیصلہ سے ظاہر ہے محض ایک سازش کا نتیجہ اور جھوٹ و بناوٹ کا منصوبہ تھا اور جہاں اس سے اس مقدمہ کی پیروی وتائید وحمایت و امداد کرنے والوں کی اخلاقی گراوٹ اور فطری پستی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے وہاں ان کے دین ودھرم کے بطلان، امانت ودیانت کے فقدان اور شرافت ونجابت سے عاری، کورے اور دیوالیہ ہونے کا بھی بین ثبوت ملتا ہے۔ اس سے بڑھ کر بھی بھلا کوئی مظاہرہ سفاہت وکمینگی اور رذالت وجہالت کا دنیا میں ممکن ہوسکتا ہے کہ دین ودھرم کے پیشوا اور حق وحقیقت کے مدعی الکفر ملة واحدة ۞ ایک جھوٹ بنا کر افترا کھڑا کر کے بہتان و بطلان باندھ کر مل بیٹھیں اور ایک ناکردہ گناہ معصوم ومقدس انسان کو قاتل وسفاک گرداننے کی ہر ممکن کوشش، ہر ممکن امداد حتیٰ کہ جھوٹ تک کی نجاست پر منہ مارنے سے بھی پرہیز نہ کیا جائے۔ عیسائی کیا، آریہ کیا، اور کیا نام کے مسلمان سب مل کر ایک کمان سے تیر چلائیں۔ وکالت کریں تو رضا کارانہ ومفت۔ شہادت دیں تو بے بلائے اور عدوات وبغض کے باعث یا حسد کی جلن سے مشتعل ہو کر بلکہ بالکل منتقمانہ رنگ وطریق سے۔ الامان الحفیظ۔ کہاں ادعائے دین ودیانت اور تقویٰ وصیانت اور کہاں ایسے مکروہ اور ننگ انسانیت افعال۔

بہ بیں ایں تفاوت راازکجاست تا بہ کجا

مسل مکمل ہو کر فتوائے موت۔ رسوا کن ضمانت یا کسی اور سزائے سخت کا حکم باقی رہ گیا تھا کہ ارادہ الٰہی اور منشائے ایزدی غالب ہوا۔ نیک دل، پاک فطرت اور عادل حاکم کے دل کو تسلی نہ ہوئی۔ یہ پاکباز انسان اور ایسا ناپاک الزام کرسی عدالت کے صدر کی فطرت نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ دوبارہ تحقیقات کا حکم دیا گیا۔ مفروضہ اور بھیجے گئے قاتل کو پوادر (پادریوں) سے لے کر معتمد افسران پولیس کے سپرد کر دیا گیا اور اس طرح ان پادریوں کے دباؤ اور طمع وخوف سے آزاد ہو کر سچا بیان اور اظہار حق کر دیا۔ حالت نے پلٹا کھایا اور

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۞

کی صداقت ظاہر ہوگئی۔ وہ صاعقہ ستارہ بن گئی۔ مومن امتحان میں کامیاب ہوئے۔ ایمان اور اخلاص میں ان کو ترقی ملی۔ جو مختلف مقامات سے آتے اور اپنی محبت ووفا، ایمان واخلاص کی قربانیاں اپنے آقا کے حضور پیش کرتے اور خدمت گذارتے رہے۔ باعزت بریت ہوئی۔ دشمن روسیاہ، ذلیل وخوار اور ہمیشہ

کے لئے زیر الزام اور زیر ملامت ہوئے۔ اور جس طرح خدائے برتر و بالا نے قبل از وقت اپنے بندے پر اپنا کلام نازل فرمایا تھا بعینہٖ اسی طرح رونما وظاہر ہوا۔ خدا کے علم تام اور قدرت کاملہ کے کرشمے اور عجائب در عجائب نشان وکام دیکھنے میں آئے۔ تہدید حکام کا معاملہ بھی پورا ہوا۔ جو انتظامی رنگ میں صاحب ڈپٹی کمشنر نے ایک نوٹس کی شکل میں حضور کو دیا۔ مگر کلام الٰہی ''ابراء'' بھی اپنی پوری شان وشوکت میں ظاہر ہوا۔ خداوند خدا اپنی قدرتوں اور فعلی شہادتوں اور اپنے کاموں ہی سے اپنی ذات کا ثبوت اور ہستی کے دلائل دیا کرتا اور چہرہ نمائی فرمایا کرتا ہے۔ جو صحبت انبیاء صادقین کے سوا ممکن نہیں۔ ہمیں بھی جو کچھ میسر آیا، نصیب ہوا یا عطا کیا گیا۔ خدا کے مقدس جری اللہ فی حلل الانبیاء ہی کے قدموں کے طفیل، صحبت کی برکت، انفاس قدسیہ اور توجہات کریمانہ ہی کے صدقے سے ملا۔ اور فی زمانہ خدا کو پانے اور اس کی رضا کے حصول کی اگر کوئی راہ ہے تو صرف یہی ایک سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کھڑکی کھلی ہے۔ نور محمدی کے ظہور اور رحمت الٰہی میں داخلہ کا دروازہ ہے تو بس یہی

'' ایں سعادت بزور بازو نیست ''

چوہدری رام بھج صاحب دت ایک مشہور آریہ لیڈر اور وکیل گذرے ہیں۔ وہ بھی عیسائیوں کی طرف سے اس مقدمہ میں مفت پیروی کیا کرتے اور خاص دلچسپی وانہماک اور جوش وسرگرمی سے عیسائیوں کی مدد کیا کرتے۔ میرے محترم بزرگ حبی فی اللہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب جنہوں نے تراب بن کر خدا پایا۔ اور اس کا عرفان پا کر عرفانی کہلائے۔ انہوں نے چوہدری صاحب سے بے تکلفانہ سوال کیا کہ مجھے سمجھ میں نہیں آیا کہ آپ کا اور پادریوں کا جوڑ کیا؟ میں آپ کو اور آپ کی سرگرمیوں کو حیرت واستعجاب سے دیکھا کرتا ہوں۔

چوہدری صاحب نے جواب دیا آپ کو مجھ پر تعجب آتا ہے مگر مجھے اس سے بھی بڑھ کر آپ پر تعجب آتا ہے کہ آپ ہمارے جگر گوشے اور لعل ہم سے چھین اور جدا کر رہے ہیں پھر الٹے اس قسم کے سوال بھی کرتے ہیں۔ اور تعجب بھی اور یہی امر پھر ۱۹۰۸ء کے جلسہ پیغام صلح کے موقعہ پر جو لاہور یونیورسٹی ہال میں منعقد ہوا تھا۔ دہرایا تھا کہ صلح صلح تو آپ کہتے ہیں۔ مگر لخت جگر اور نور نظر ایک ایک کر کے ہم سے لئے جا رہے ہیں۔ ان کی واپسی اور ہمارے نقصان کی تلافی صلح کی شرط اول ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ چوہدری صاحب محترم میرے بزرگ اور موہیال بھائی ہونے کے علاوہ ایک ہی بستی یعنی کنجروڑ دتاں ہی کے رہنے والے تھے اور واقعی میرے تمام بزرگوں کو میری جدائی کا سخت رنج اور بھاری صدمہ تھا۔ مگر افسوس یہ ہے کہ

وہ مجھ سے کوئی بدلہ لینے کی بجائے پادریوں سے بلکہ میرے معصوم آقا پر وار کرتے رہے۔ گناہ گار تھا ان کا تو میں، نہ کہ میرے آقا۔ میرے آقا کب مجھے لینے گئے تھے؟ مجھے لایا تھا تو حضور کے قدموں میں، میرا خدا، نہ کوئی اور۔ پس لڑائی ان کی بنتی تھی تو مجھ سے یا پھر خدا سے۔ مگر دنیا یاد رکھے اور دنیا والے بھی کان کھول کر سن رکھیں کہ فتح دنیا میں ہمیشہ صداقت وراستی اور نیکی و پاکبازی ہی کی ہوتی آئی ہے اور اسی طرح ہمیشہ ہمیش ہوتا چلا جائے گا۔ جھوٹ کا بت اور بطالت کا مجسمہ کبھی حق وصداقت کے مقابل میں قائم رہا' نہ رہ سکے گا۔ لوائے فتح وظفر' ہمت' صداقت وراستی کے خدمت گاروں کے سر رہا ہے۔ جھوٹ اور باطل کے پرستار کیا اور خدمت گذار کیا' ہمیشہ ہی ذلیل وخوار اور نگونسار ہوئے اور ہونگے کیونکہ قانون خدا ازل سے یہی مقدر ہو چکا ہے کہ کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ[۴۲] اور خدا سے بڑھ کر اور کون اصدق اور کس کا قول اقویٰ ہوسکتا ہے؟ چنانچہ اس فرمان خداوندی کی تائید وتصدیق کی بالکل ایک تازہ مثال زندہ کرامات اور چلتی پھرتی تصویر جو واقعہ مندرجہ صدر میں صاف اور سامنے کھڑی نظر آرہی ہے، خود مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا وجود ہے۔ جس نے اپنے علم تیرہ، زہد خشک اور جاہ زوال پذیر کے گھمنڈ پر تعلّی کی اور بڑا بول بول کر کہا کہ میں نے ہی اٹھایا اور اب میں ہی گراؤں گا۔ ☆

۷۔ ایک بھینسے کو مار بھگانا

ایک دفعہ حضرت اقدس بٹالہ تشریف لے جارہے تھے۔ رتھ میں آپ کے عزیز مرزا احسن بیگ صاحب مرحوم بھی ساتھ تھے۔ راستہ میں موضع دوانی وال کے تکیہ کے پاس حضور پیشاپ کے لئے ٹھہر گئے۔ حضور ابھی فارغ نہیں ہوئے تھے کہ ایک بھینسے نے جو بہت جوش میں تھا، حضور پر حملہ کرنا چاہا تو میں نے سونٹے سے مار کر اسے بھگا دیا۔

تقسیم ملک کے بعد حضرت مرزا احسن بیگ صاحب سے حضرت بھائی جی کی خط وکتابت رہتی تھی۔ مجھے بخوبی یاد ہے کہ مرزا صاحب کا نو آمدہ ایک خط بھائی جی نے خاکسار مؤلف کو دکھایا تھا جس میں بھینسے کو بھگانے کے اپنے چشم دید واقعہ کا ذکر کیا تھا۔

☆ اس مضمون کا عنوان ''ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک کے مقدمے کے چشمدید حالات اور خدا کی قدرت نمائی کے واقعات'' اور ''بٹالہ کی یادگاریں'' کے عنوان کے تحت مولوی محمد حسین بٹالوی کی تذلیل کا واقعہ بہت مختصر درج ہو چکا ہے۔

۸- تشحیذ الاذھان انجمن کا قیام اور رسالہ کا اجراء

انجمن تشحیذ الاذھان کا قیام کیسے اور کن حالات میں ہوا حضرت بھائی جی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی بیان کرتے ہیں کہ

۱- انجمن ترقی اسلام، سادھ سنگت، مجالس انصاراللہ وخدام الاحمدیہ، خدام المسیح اور نیشنل لیگ کور وغیرہ تمام مجالس وتنظیمات کی ایک ہی غرض وغایت تھی کہ نوجوان احمدی طبقہ کو حکیمانہ طریق سے پراگندگی وغیرہ سے بچا کر نیک کاموں پر لگا دیا جائے......

۲- انجمن تشحیذ الاذھان کا پہلا اور ابتدائی نام انجمن ہمدردان اسلام تھا۔ جو بالکل ابتدائی ایام اور پرانے زمانے کی یادگار ہے۔ جب کہ سیدنا حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب فضل عمرؓ بمشکل آٹھ نو برس کے تھے۔ آپ کے دینی شغف اور روحانی ارتقاء کی یہ پہلی سیڑھی ہے۔ جو حقیقتہً آپ ہی کی تحریک، خواہش اور آرزو پر قائم ہوئی تھی۔ کھیل کود اور بچپن کے دوسرے اشغال میں انہماک کے باوجود آپ کے دل میں خدمت اسلام کا ایسا جوش اور جذبہ نظر آیا کرتا تھا جس کی نظیر بڑے بوڑھوں میں بھی شاذ ہی ہوتی۔

آپ کی ہر ادا میں اس کا جلوہ اور ہر حرکت میں اس کا رنگ غالب ونمایاں ہے۔ مجھے آپ کی کھیلوں کے دیکھنے اور مشاغل کو جانچنے کا اکثر موقعہ ملتا تھا۔ گھنٹوں آپ مطب میں تشریف لا کر ہم میں بیٹھا کرتے۔ کبھی ٹیمیں بنا کرتیں اور کھیلوں کی تجاویز ہوا کرتیں۔ کبھی فوجیں بنا کر مصنوعی جنگوں کا انتظام ہوتا۔ کبھی ڈاکو اور چوروں کا تعاقب ہوتا۔ ان کی گرفتاری کے سامان ہوتے اور مقدمات سن کر فیصلے کئے جاتے۔ سزائیں دی جاتیں اور کارہائے نمایاں کرنے والوں کو انعام واکرام ملتے۔ تو کبھی بحث ومباحثات اور علمی مقابلوں کا رنگ جما کرتا۔ گرما گرم بحث ہوتی۔ جج مقرر ہوتے اور فاتح ومفتوح کا فیصلہ ہوتا۔ الغرض ایسے ہی مشاغل اور مصروفیتوں کے نتائج میں سے ایک انجمن ہمدردان اسلام کا قیام بھی ہے جو آپ کی خواہش، مرضی اور منشاء کے ماتحت قائم کی گئی۔

اوّل اوّل اس کے اجلاس پرانے اور قدیم مہمان خانہ میں ہوا کرتے اور اس وقت زیادہ سے زیادہ چھ سات ممبر تھے۔ اور یہ زمانہ ۱۸۹۷ء کا تھا۔ ایک منظور کردہ تجویز کے مطابق سیدنا حکیم الامت حضرت مولانا نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ اس انجمن کی سرپرستی قبول

فرمائیں۔ اجلاس میں شریک ہوں اور ہمیں طریق کار بتائیں اور نصائح فرمائیں۔ کرتا دھرتا ان دنوں اس ننھی سی انجمن کا راقم الحروف ہی تھا۔ آپ نے ہماری درخواست کو شرف قبولیت بخشا۔ اجلاس میں تشریف لائے۔ اور سب سے اوّل انجمن کے نام پر لطیف تنقید کی کہ تم لوگوں نے انجمن کا نام ہمدردان اسلام تجویز کیا ہے۔ مجھے اس سے اتفاق نہیں کیونکہ ہمدردی کسی درد کو چاہتی ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ تم لوگ اسلام میں کسی اور درد کا اضافہ کرنا چاہتے ہو۔ اگر درد نہیں تو ہمدردی کیسی؟ نام کی تبدیلی کا حکم دیا۔ سرپرستی قبول فرمائی۔ اور استقلال اور شوق سے کام کرنے نیک نمونہ بن کر دکھانے اور حصول علم وغیرہ کی تاکید فرمائی۔

آپ نے اپنی اس تقریر میں کلمہ طیبہ کی تشریح بیان کی۔ اور بری باتوں سے بچنے اور رضائے الٰہی حاصل کر کے اعلیٰ مقام پانے کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام کے نقش قدم پر چلنے کی تلقین فرمائی۔ اور یہ کہ راستباز لوگوں کی صحبت اختیار کریں۔ لڑائی جھگڑے سے بچیں۔ اتفاق سے رہیں۔ نماز باجماعت اور سنوار کر ادا کریں۔ نیز حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات بیان کئے۔ حرص، چوری، بانکپن، غیبت، چغلی، دوسروں کی حق تلفی، بدعملی، شریر افراد کی صحبت سے احتراز، سستی، لڑائی جھگڑوں، بازار کی مٹھائیوں، خودروی اور خدا سے جنگ کرنے سے بچنے' سادگی اختیار کرنے۔ حق اللہ اور حق العباد کا خیال رکھنے۔ عمل کی نیت سے قرآن شریف پڑھنے سننے۔ محنت کا عادی، باہمت و بلند حوصلہ اور دلیر بننے اور نمونہ بننے۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنے اور دعائیں مانگنے اور اللہ تعالیٰ کو کامیاب کرنے والا یقین رکھنے، استقلال اختیار کرنے کی اور اللہ تعالیٰ سے صلح کرنے کی نصائح آپ نے فرمائیں۔

۳- اسی زمانہ یا پھر کسی اجلاس میں انجمن کا نام تبدیل کر کے انجمن خادم الاسلام تجویز کر دیا گیا۔ حضرت مولانا صاحب! اگرچہ چھوٹے سے چھوٹے لوگوں کی بات بھی توجہ سے سنا کرتے اور مفید مشورے اور نصائح سے دریغ نہ فرمایا کرتے تھے۔ مگر سیدنا فضل عمرؓ کی ذات والا صفات کی وجہ سے ہماری طرف خاص توجہ فرماتے۔ ہماری نگرانی رکھتے۔ اچھی باتوں کی تاکید فرماتے اور غلط راہوں، بری صحبتوں سے بچنے کی تاکید فرمایا کرتے۔ ہماری انجمن کے اکثر اجلاسوں میں شریک ہو کر ہدایات دیتے۔ اور حوصلہ افزائی فرمایا کرتے تھے۔ شروع شروع میں تو ہمارے اجلاس اسی مہمان خانہ کی کوٹھڑی تک محدود رہے۔ مگر رفتہ رفتہ ترقی ہوئی۔ ممبر زیادہ ہو گئے۔ تجربہ کار، تعلیم یافتہ کارکن شریک ہو گئے۔ کام کرتے کرتے کچھ تجربہ

ہو گیا اور حوصلے بھی بڑھ گئے تو اجلاس اس مجلس کے مسجد اقصیٰ میں ہونے لگے جہاں بچوں سے نکل کر بڑے لوگ بھی شریک ہوتے۔ ہماری تقریروں پر جرح قدح اور تنقید کر کے اصلاح کرتے۔ طریق تکلم اور طرز تقریر سکھایا کرتے تھے۔ خادم صاحب بھیروی وغیرہ وغیرہ احباء کے علاوہ حضرت مولانا مولوی شیر علی صاحب بھی ان بزرگوں میں سے ایک تھے۔

اس طرح جہاں ہماری اصلاح ہوئی۔ بیان میں روانی اور کلام میں ترتیب وقوت آئی۔ بزرگوں کی توجہات کا بھی ہماری یہ انجمن مرکز بننے لگی۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ بچوں کی بجائے اب بڑے بوڑھے اور بزرگ زیادہ شرکت فرمانے لگے۔ انجمن کی رونق کے ساتھ ساتھ عزائم بھی بلند ہوتے گئے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اسی ہماری انجمن میں ایک مرتبہ سیّدنا حضرت نورالدین...... رضی اللہ تعالیٰ عنہ شریک تھے۔ ہمارے آقا نامدار سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور نظر۔ لخت جگر نے جن کی شان میں ازل سے خداوند ہمارے خدا نے

مَظْهَرُ الْحَقِّ وَالْعُلَآءِ كَأَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ [۴۳]

کا مقام محمود لکھ رکھا تھا' تقریر فرمائی۔ تقریر کیا تھی علم ومعرفت کا (ایک) دریا اور روحانیت کا ایک سمندر تھا، تقریر کے خاتمہ پر حضرت نورالدین اعظم کھڑے ہوئے۔ اور آپ نے تقریر کی بے حد تعریف کی۔ قوت بیان اور روانی کی داد دی۔ نکات قرآنی اور لطیف استدلال پر بڑے تپاک اور محبت سے مرحبا' جزاک اللہ کہتے' دعائیں دیتے' نہایت اکرام کے ساتھ گھر تک آپ کے ساتھ آ کر رخصت فرمایا۔ یہی وہ انجمن ہے جو ترقی کرتے کرتے آخر ایک دن اس قابل ہوگئی کہ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور سے شرف باریابی نصیب ہوا اور وہ تشحیذ الاذھان کے مقدس نام سے سرفراز ہو کر نمودار ہوئی۔ اس کے اجلاس میں ناغے بھی ہوئے۔ لمبے لمبے وقفے بھی ہوئے۔ اور اس پر فترت کا زمانہ بھی آیا۔ اور (وہ) ایسی غائب ہوئی کہ گویا اس کا وجود ہی معدوم ہوگیا۔ مگر کسی نیک گھڑی' سعید ساعت اور مقدس ہاتھوں اس کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ خدا نے اسے ضائع ہونے سے بچالیا۔

''۱۹۰۳ عیسوی کے اواخر میں سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ (والسلام) نے مجھے اپنے ایک عزیز مرزا محمد احسن بیگ صاحب رئیس کی درخواست پر ان کے کاروبار کے ذیل میں قادیان سے باہر جانے کا حکم دیا۔ میری غیر حاضری میں ہماری یہ انجمن گویا معطل وکالعدم رہی۔ جس کا مجھے سفر میں بھی درد رہتا تھا۔ آخر ۱۹۰۶ء کے نصف ثانی میں مجھے وہیں کسی طرح یہ اطلاع ملی کہ ہماری اس پیاری انجمن کا سیّدنا

محمود کے ہاتھوں دوبارہ احیاء ہوا اوراب کے اس نام کے اس رسالہ کے اجراء کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔ اوراسے حضرت اقدس مسیح موعود الصلوٰۃ والسلام کی منظوری وسرپرستی کا بھی شرف میسر ہے۔اور کہ حضور نے ہی اس کا نام تشحیذ الاذھان تجویز فرمایا ہے۔ مجھے اس خبر سے اتنی خوشی ہوئی کہ میں باغ باغ ہوگیا اورفوراً اس کی ممبری کے لئے یہاں درخواست بھیج دی۔[۴۴]

بھائی جی نے ممبری کی درخواست بھجوانے کے علاوہ حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ کی خدمت میں بھی اس بارہ میں سفارش کے لئے تحریر کیا۔ چنانچہ حضرت مولوی صاحب نے جواباً تحریر فرمایا کہ۔

السلام علیکم ۔ بے ریب تشحیذ الاذھان خوشی کا باعث ہے۔ بڑا جلسہ ہوا۔ آپ کو مبارک ہو۔ میں نے آپ کا ذکر لیکچر میں کیا تھا۔ بڑا لیکچر تھا۔ آپ کا خط میاں محمود کو دے دیا ہے۔ داخلہ اور چندہ زیادہ رکھا تھا۔ میں نے روکا ہے......'' نورالدین ۲۵ر دسمبر ۰۶ء۔[۴۵]

انجمن کے سیکرٹری حافظ عبدالرحیم صاحب نے اس بارے میں آپ کو تحریر کیا:۔

''بجواب فیض شمامہ آنجناب عرض ہے کہ نظامت نے بڑی خوشی سے آپ کا نام ممبروں میں درج کیا ہے۔ گو کمیٹی کو ضرورت پڑی ہے کہ آئندہ ممبروں کو اس نظامت کا ممبر شمار نہ کرے۔ تاہم چونکہ پہلے بانی مبانی اس انجمن کے آپ ہی ہیں اس لئے انجمن نے خاص شکریہ کے ساتھ یہ موقع خاص آپ کو دیا ہے......''[۴۶]

(حضرت مولوی نورالدین صاحب کے مکتوبات بالا کا چربہ بھی اس پرچہ میں درج ہے۔)

۹- پہرہ کا آغاز وانتظام

نوٹ ازمؤلف۔ الحکم بابت ۲۷رمئی ، ۷رجون ۱۹۳۹ء میں یہ مضمون زیرعنوانات (ایک مقدس خدانما وجود) اور (سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام) شائع ہوا۔ یہاں اس کی ابتدائی تمہید درج نہیں کی گئی

حضرت بھائی جی تحریر فرماتے ہیں:

''۔اس پُر آشوب اورفتن زمانہ سے قبل یعنی پنڈت لیکھرام کے واقعہ قتل (بتاریخ ۶رمارچ ۱۸۹۷ء) سے پہلے قادیان میں سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اورحرم سرا پر کسی پہرہ ونگرانی کا انتظام نہ ہوا کرتا تھا۔ ان افواہوں اورخبروں کے باعث جومختلف ذرائع ووسائل سے تواتر کے ساتھ

ہندوؤں خصوصاً آریوں کی سازشوں اور منصوبوں سے متعلق ملتی رہیں ہم لوگ بطور خود ہی چوکس و ہوشیار ہوکر حضور کے مسجد میں تشریف لانے یا سیر وغیرہ کے لئے نکلنے کے اوقات میں زیادہ محتاط رہنے لگے اور ایک قسم کے پہرہ کا سلسلہ جاری کرلیا گیا۔ ہوتے ہوتے ایسی خبریں زیادہ تیز اور گرم ہوتی گئیں۔ ملک کے طول وعرض کے حالات کی تفاصیل' خطوط اور اخبارات کے ذریعہ معلوم ہونے لگیں۔ اور ساتھ ہی قادیان میں اجنبی ، مشکوک اور آوارہ لوگوں کی آمد کا سلسلہ بڑھتا نظر آنے لگا۔ حتیٰ کہ بعض مقامی اشرار کی ٹیڑھی ترچھی آنکھیں ان کے بدارادوں اور منصوبوں کی تصدیق کرنے لگیں۔ دوسری طرف اچانک ایک روز کپتان پولیس نے بھاری جمعیت کنسٹبلوں کے ساتھ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مکانات پر گھیرا ڈال کرناکہ بندی کرلی۔ کسی کو باہر جانے کی اجازت نہ تھی نہ اندر آنے کی۔ بہت دیر تک ہندو ساتھ ہوکر تلاشی کراتے خطوط اور مضامین پڑھتے رہے۔ اس موقعہ پر حضرت اقدس نے جس خندہ پیشانی اور فراخدلی سے پولیس کو اس کے کام میں خود مدددی۔ اور جس طرح اخلاق فاضلہ کا اسوہ حسنہ دکھایا۔ وہ بھی ایک معجزہ سے کم نہ تھا۔

غرض تلاشی کرائی۔ اور ان لوگوں نے کوشش کا کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا۔ اور نہ صرف مخالفانہ بلکہ معاندانہ و جانبدارانہ طریق سے ناخنوں تک کا زور لگایا۔ مگر سوائے حرمان وحسرت اور مایوسی و ناکامی کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔

اتنی گڑبڑ اور اضطراب و ہیجان کے دنوں میں یہ واقعہ پیش آیا کہ شام کی نماز سے فراغت کے بعد جو گرمی کی وجہ سے بالائی حصہ مسجد میں ہوا کرتی تھی۔ پچھلی ایک دوصفوں کے نمازیوں میں بے چینی اور خلجان کے آثار پائے گئے۔ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب سنن سے فارغ ہوکر شہ نشین پر رونق افروز ہوئے۔ دائیں بائیں اور سامنے حضور کے کبار صحابہ اور خدام حلقہ بنا کے بیٹھ گئے تو وہ معاملہ حضرت کے حضور پہنچا۔ بعض دوستوں نے بیان کیا کہ کسی نے پیچھے سے ان پر حملہ کیا اور تھپڑ یا مکہ مار کر بھاگ گیا۔ اور اس کے بھاگ کر سیڑھیوں سے اتر جانے کی آواز بھی ہم نے سنی تھی وغیرہ۔

آثار خطرہ کے موجود تھے وجوہ اس واقعہ کی پیٹھ پر تھے۔ حالات اس خبر کی صداقت پر باور کرنے کے لئے کافی سے زیادہ پہلے ہی جمع ہو چکے تھے۔ طبائع میں تشویش موجود تھی۔ اس واقعہ نے سونے پر سہاگہ کا کام دیا اور متفقہ طور پر خدام وصحابہ نے حضرت اقدس کے حضور اس اہمیت پر زور دیتے ہوئے احتیاطی تدابیر کے لئے درخواست کی۔

انبیاء اور خدا کے رسول علیہم الصلوٰۃ والسلام جو اس دنیا کے عالم اسباب اور رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا[۴۷] کے پُر معرفت قول کے قائل اول ہوتے ہیں گو اسباب کو خدا کی مفید اور کار آمد مخلوق سمجھ کر ان کو موقعہ ومحل کی مناسبت سے جمع بھی کرتے ہیں مگر حقیقتاً ان کا توکل اور بھروسہ صرف اور صرف خدا پر ہوتا ہے۔ تائید ونصرت اور فتح وظفر کے کھلے وعدوں کی موجودگی میں وہ اس طرح دعائیں کرتے اور گڑگڑاتے ہیں کہ دیکھنے سننے والے ان وعدوں کے متعلق شبہات میں پڑ کر سوال کرنے لگتے ہیں۔ ان صالحین اور صادقین واتقیاء کے ساتھ حفاظت وسلامتی کے خدائی وعدے ہوتے ہیں مگر وہ ظاہری سامانوں سے بھی بے پروائی نہیں کرتے۔ کیونکہ خدا کی صفات واسماء کا علم سب سے زیادہ انہی کو دیا جاتا ہے وہ خدا کے غناء ذاتی سے ڈرتے اور عباد شکور ہوتے ہیں۔

حضور پُرنور نے دوستوں کی درخواست کو منظور فرماتے ہوئے اسی موضوع پر ایک مختصر مگر روح پرور تقریر فرمائی اور حکم دیا کہ بہتر ہے احتیاطاً پہرہ کا انتظام کرلیا جائے۔

غرض یہ ہے کہ قادیان میں پہرہ کی تاریخ اور یہ ہیں اس کے اجراء کے وجوہ جس کی ابتداء یوں ہوئی کہ پہرہ کی منظوری دینے کے بعد خود ہی حضور نے فرمایا۔

جو لوگ اس خدمت کے لئے تیار ہوں' آگے آجائیں (یا کھڑے ہوجائیں) ان دونوں میں سے کوئی الفاظ تھے۔ کئی مخلص، سعید اور خوش بخت نوجوان آگے بڑھے' کھڑے ہوئے۔ ہر ایک نے اخلاص سے اپنے آپ کو پیش کیا۔ محبت اور جوش عقیدت سے اس خدمت کا بار اپنے اوپر لیا۔ کئی قبول ہوئے۔ بعض معذور سمجھے جاکر مستحق ثواب مگر پہرہ معاف قرار پائے۔ ہدایات ملیں۔ اور نبی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توجہ اور دعا نصیب ہوئی زہے نصیبہ۔ خوشا وقتے وخرم روزگارے۔

الحمدللہ۔ الحمد للہ۔ ثم الحمدللہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علی الانبیاء و المرسلین میں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان خوش قسمت قبول ہونے والوں میں سے ایک تھا۔ جن کو خدا کے موعود نبی مسیح الخلق جری اللہ فی حلل الانبیاء نے نظر شفقت اور محبت بھری نگاہوں سے دیکھا اور قبول فرمایا۔ یہ کہنا کہ میں پہلے بڑھا یا دوسرا کوئی مجھ سے پیچھے اٹھا، خطرہ سے خالی نہیں۔ کیونکہ یہ باتیں خدا کے فضل پر موقوف ہیں۔ جو دلوں کو جھانکتا اور انسانی قلوب کے نہاں درنہاں حالات کو جانتا اور اس کا فیصلہ سچا اور حقیقی ہوتا ہے۔ کئی چھوٹے بڑے کردیئے جاتے ہیں اور کئی بڑے چھوٹے ہوجایا کرتے ہیں۔ مگر نہیں کہا جاسکتا کہ کوئی ظلم ہوا۔ اس کے سارے کام حق اور حکمت پر مبنی اور سارے فیصلے صحیح علم اور میزان حق سے

ناپ تول کر کئے جاتے ہیں جن کا مدار سراسر فضل الٰہی پر ہوتا ہے۔ وہاں کوئی شیخی کام آسکتی ہے نہ زبانی جمع خرچ۔ دنیا جانتی ہے، بھولی ہے نہ کبھی بھول سکتی ہے اس حقیقت کو کہ جس پتھر کو ردی اور ناکارہ سمجھ کر معماروں نے پھینک دیا آخر وہی خدا کا مقبول اور کونے کا پتھر بنا۔

پس مقام خوف ہے جس کی وجہ سے میں اس ترتیب کے ذکر کو چھوڑتا اور خدا کے سپرد کرتا ہوں کیونکہ تقدم تاخر حقیقی وہی ہے جس پر خدا کی مہر تصدیق ثبت ہو۔ جس کے ہاتھ میں مدارج و مراتب کا فیصلہ ہے اور عمل عامل کی حقیقت و نیت سے واقف و آگاہ ہے۔ کسی نعمت کے ملنے اور خدمت کی توفیق رفیق ہونے کی سعادت پا کر خدا کے حضور جھکنا اور سجدات شکر بجالانا چاہئے۔ کیونکہ مواقع میسر آنا اور کسی خدمت کی توفیق کا ملنا بھی سراسر فضل و احسان ہوتا ہے

قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ ۔[۴۸]

اس پہرہ کا انتظام و نگرانی حضور پُر نور نے مجھ ناکارہ غلام کے ذمہ لگائی جس کا مقصد و مطلب میں اپنی طبیعت کی افتاد اور عقل ناقص کی وجہ سے یہ سمجھا کہ گویا یہ سارا کام تنہا مجھی کو کرنا ہوگا اگرچہ بعض احباب نے پورے اخلاص شوق اور محبت و عقیدت سے اس کام میں میرا ہاتھ بٹایا اور مدتوں میرے ساتھ مل کر اس خدمت کو بجالاتے رہے اور پھر ہم سب نے مل کر کیا۔ جو کچھ کہ ہم لوگ کر سکے۔ غرض اس دن سے ہمارا یہ پہرہ کا کام ایک نظام اور باقاعدگی کے نیچے آکر خوش اسلوبی سے چلنے لگا۔

اس پہرہ کی ابتدائی وجہ کے بیان میں جس واقعہ کا ذکر میں نے کیا ہے اس کی حقیقت کیا تھی، یہ امر چند روز بعد کھلا۔ جب کہ ایک شام کے دربار کے موقعہ پر ایک نامعقول الّو بچے یعنی چغد نے جسے پنجابی میں چڑیل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم پر حملہ کر کے جھپٹ ماری اور صاحب ممدوح کی کلاہ نیچے مرزا نظام الدین صاحب کے مکان موجودہ دفتر نظارت بیت المال کی چھت پر گرادی۔ (یہ دفتر مسجد مبارک سے ملحق جانب مغرب ہے اور بوقت طبع ثانی محاسب ہے۔ مؤلف) مرزا نظام الدین صاحب کے دیوان خانے کے بڑے دروازہ کے باہر ایک بڑ کا پیڑ اور چھوٹے صحن کے انتہائی پچھلی طرف شمال مغربی کونہ میں ایک ببول کا درخت ہوا کرتا تھا۔ مرزا نظام الدین صاحب کے مکانات کے بعض سوراخوں میں دن بھر چھپے رہنے کے بعد الّو بچے ان درختوں کے گویا مالک و منتظم ہوا کرتے تھے اور ان کے شکار کے لئے یہ درخت مورچہ و کمین گاہ کا کام دیا کرتے تھے۔ اس واقعہ اور اس کی کیفیت و اثر نے بزرگوں کے ذہن و خیال کا انتقال پہلے واقعہ کی اصلیت و حقیقت کی طرف پھیر دیا۔ جس کو

ہمارے کسی مظلوم دوست کے تخیل نے ''پر کی ڈار'' بنا کر حالات کی وجہ سے اتنا بڑھا دیا تھا جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک کام کرانا اور لینا تھا جس کے لئے وہ معاملہ ایک وجہ بن گیا۔ ورنہ اس کی حقیقت ایک چغد یا الو بچہ کے حملہ سے زیادہ نہ تھی۔

مصلحت الٰہی کہ اس زمانہ میں سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مکانات بالکل کھلے اور غیر محفوظ ہو رہے تھے۔ مغربی حصہ مکان کی پچاس، پچپن فٹ پرانی کچی دیوار بیت الفکر سے ملحقہ شمالی دالان کے آخری شمالی حصہ سے لے کر خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب مرحومؓ ریٹائرڈ ڈپٹی کمشنر کے مکانات کی حد تک پختہ کرنے کی غرض سے گرائی جا چکی تھی۔ اور وہاں دیوار کی بجائے صرف کپڑے کی چادروں کا پردہ ہوا کرتا تھا۔ اینٹیں چونکہ اس زمانہ میں بٹالہ کے ژادوں کے گدھوں پر آیا کرتی تھیں۔ اور معمار بھی قادیان میں نام ہی کو ملا کرتے تھے۔ اس وجہ سے پردہ وغیرہ کی تکمیل ایک لمبا عرصہ چاہتی تھی۔ جو آہستہ آہستہ ایک خوش نصیب مستری حسن دین صاحب مرحوم سیالکوٹی کی متواتر کئی ماہ کی تگ ودو سے جا کر کہیں پایہ تکمیل کو پہنچی۔ ان حالات میں ظاہر ہے کہ پہرہ وحفاظت کی کتنی شدید ضرورت تھی۔ جس کا اس سے پہلے قطعاً کوئی انتظام نہ تھا۔ اور نہ ہی اس طرف چغد کے پہلے واقعہ تک کسی کی توجہ مبذول ہوئی (**کل امر مرھون باوقاتہ** ، یہ ضرورت اس تحریک سے پوری ہوگئی) ہمارے پہرہ کا دائرہ عمل اور گردش کا محور سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مکانات تھے۔ توجہ اور زور، شکستہ حصہ یعنی مکان کے غربی جانب کے کوچہ کی طرف تھا جو اس زمانہ میں بالکل ایک کھلی گلی تھی۔ موجودہ کوچہ بندی اور صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کے مکانات بہت بعد میں بنے ہیں۔ اس گشت کا سلسلہ احمدیہ چوک' چوک موجودہ شارع دارالانوار۔ چوک موجودہ قصر خلافت تک وسیع ہوا کرتا۔ جس میں بعض غیر احمدی اور غیر مسلم لوگوں کے مکانات بھی آ جاتے۔ عمارات کے لحاظ سے آجکل اس قطعہ آبادی کی شکل اس زمانہ سے بالکل مختلف ہو چکی ہے۔

آریہ اور ہندوؤں کی شورش کا سلسلہ روز افزوں تھا۔ عید قربان قریب آتی جا رہی تھی۔ قادیان اور مضافات میں بعض میلوں کا موسم تھا جن میں گنوار لوگ شریک ہو کر وہ اودھم مچایا کرتے کہ انسانیت مارے شرم کے پانی پانی ہو جاتی۔ آریوں کے کارندے دیہات کے سکھوں میں پھر کر فضا کو مکدر اور مسموم کرنے میں سرگرم تھے۔ چوری اور ڈاکوں کی وارداتیں ہوا کرتیں۔ ان مختلف حالات پر ایک اضافہ یہ ہوا کہ اخبارات اور اشتہارات میں اشارتاً اور پرائیویٹ خطوط میں صراحتاً سیدنا حضرت اقدس کی ذات والا

صفات کونقصان پہنچانے کی دھمکیاں آنے لگیں۔حکومت کی خاموشی اور بے توجہی یہ رنگ لائی کہ ان لوگوں کے حوصلے بڑھ گئے۔اور حضور پُرنور کونعوذ باللہ قربانی کا بکرا وغیرہ ناموں سے یاد کر کے دہشت انگیزی اور درندگی کے ارادوں کا مظاہرہ کرنے لگے۔

حضور اقدس پر تو ان دھمکیوں اور گیدڑ بھبکیوں کا کوئی اثر ہی نہ تھا۔خدا کی حفاظت اور رفاقت کے وعدوں کے پورا ہونے کے دن سمجھ کر حضور نہ صرف خود مطمئن۔خوش اور ہشاش بشاش رہتے۔ بلکہ صحابہ، خدام اور غلاموں کو بھی تسلیاں دیا کرتے۔عید قربان آئی۔ جو حضور نے خدام سمیت تکیہ حسیناں کی بڑ کے نیچے ادا کی۔قربانیاں دیں اور مہمانوں کے واسطے عید سعید کی تقریب کے مناسب حال مختلف کھانے پکائے۔نہایت محبت سے دوستوں کو کھلائے اور اس طرح ہمارے یہ دن خدا کی حمد، عبادت اور دعاؤں میں نہایت خوشی اور اطمینان سے گذرے۔ دشمنوں کے منصوبوں اور سازشوں کو خدا نے ناکام کیا۔ یَعْصِمُکَ اللّٰہُ وَلَوْلَمْ یَعْصِمْکَ النَّاسُ[۴۹] کے خدائی وعدے نہایت شان وشوکت اور جلال کے ساتھ پورے ہوئے۔اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ لاالٰہ الا اللہ۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر و ﷲِ الحمد۔پہرہ تو محض ایک ذریعہ تھا ہم غلاموں کی عزت افزائی کا۔ وہ تو ایک زینہ تھا ہمارے عروج اور علم ومعرفت میں ترقی اور محبت وعقیدت میں زیادتی کا۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ غفلت کی نیند سورہنے اور خراٹے بھر کر رات گذار دینے سے ہزار درجہ بہتر اور مفید تر تھا ہماری بے خوابی وطواف۔خدا نے اپنی حکمتوں کے ماتحت ہم لوگوں کی تربیت اور روحانی اصلاح کے واسطے یہ سامان پیدا کئے تھے ورنہ اپنے بندے کی حفاظت کے لئے نہ خدا ہی اپنی کمزور مخلوق کا محتاج تھا نہ حضور۔

بمفت ایں اجر نصرت ہاد ہندت اے اخی ورنہ
قضائے آسمان است ایں بہر حالت شود پیدا

خاموش سنسان اور اندھیری رات کی گھڑیوں میں اچانک کبھی وہ ماہ کنعان، نور قادیان، جان جہان، دنیا ومافیہا کی روح رواں، ہم پر طلوع فرماتا۔میاں عبدالرحیم۔میاں عبدالعزیز۔میاں غلام محمد۔میاں عبدالرحمٰن نام لے کر محبت بھری، نرم شیریں اور دلکش آواز سے نوازتا اور خود ہماری خبر گیری ودلجوئی فرماتا۔ قربان اس جان جہان کے اور فدا ہو جاؤں اس پیارے نام کے جو مخدوم ہو کر الٹا غلاموں کی خدمت، خبر گیری کرتا۔آقا ہو کر غلاموں کی فکر کرتا اور نوازتا تھا۔ بارہا وہ رحمت مجسم اپنے رہائشی دالان کی غربی کھڑکیوں سے جھانکتا، نظر شفقت ورحمت سے ہمیں نوازتا اور اپنے دست مبارک سے اپنے رومال میں

لپیٹ باندھ کر شیرینی‘ خشک پھل وغیرہ جو بھی ہوتا ہمیں عطا فرماتا۔ اور دیر تک مصروف گفتگو رہ کر خوش وقت فرمایا کرتا۔

بچوں والا گھر، مہمانوں کی آماجگاہ، غریب اور بیکس اور یتامی و بیوگاں کی جائے پناہ خستہ وشکستہ اور مظلوم افسردہ دلوں کا ماویٰ وملجا دنیا بھر میں یہی ایک ’’بڑا گھرانہ‘‘ (بیوت اذن اللہ ان ترفع) تھا۔ بچوں کے تقاضوں۔ضروریات۔مہمانوں کی خدمت اور بیوگان و یتامی اور کمزور لوگوں کی دعوت کے لئے حضور پُرنور کے پاس عموماً مٹھائی اور خشک وتر پھلوں کا ذخیرہ رہا کرتا تھا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ

یَاتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ۵۰

کے ماتحت دور دراز سے تحائف بھجواتے۔خدام مختلف قسم کے پھل اور شیرینیاں لاتے۔بادام، کشمش، اخروٹ، خوبانی اور مغزیات اللہ تعالیٰ بھجواتا۔ ہر موسم کے میوے اور پھل۔حتیٰ کے خشک پیلو کی بوریاں حضور کی خدمت میں آیا کرتیں۔جن کو حضور بڑی فراخی دلی سے بانٹ دیا کرتے۔عطاوسخا میں حضور ایک ابر بہار تھے۔اپنے بیگانے اور چھوٹے بڑے سبھی کو سیراب فرمایا کرتے۔ دریا دلی کا یہ حال تھا کہ بعض اوقات بٹالہ اسٹیشن سے بلٹی لانے والے ہی کو اس چیز کا اکثر حصہ عطا فرما دیا کرتے۔مہمان اور غلام، خادم وخادمات، سائل وفقیر سبھی کو حضورؑ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں میں شریک فرمالیا کرتے تھے۔اسی طرح ہم لوگ بھی مدتوں حضور کی توجہات کریمانہ کے مورد بنے رہتے۔

ابتداً میرے محترم بزرگ ومحسن حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب، بھائی عبدالعزیز صاحب اور میرے ہم نوالہ وپیالہ عزیز مکرم حافظ چوہدری غلام محمد صاحب بی۔اے بعض اور دوست وراقم الحروف اس خدمت پہرہ کی سعادت سے بہرہ ور ہوتے رہے۔اپنا سکول کھل جانے پر بعض مخلص خاندانوں کے بچے جو طلب علم کی غرض سے والدین نے قادیان بھجوائے ہمارے ساتھ ان خدمات میں محبت واخلاص سے شریک ہوا کرتے تھے۔مثلاً مکرم معظم مرزا افضل بیگ صاحب مرحوم آف قصور کے صاحبزادے عزیز مکرم مرزا محمد افضل بیگ صاحب، مرزا محمد جمیل بیگ صاحب، محترم چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔اے موجودہ ناظر اعلیٰ۔مرزا سلطان احمد صاحب عزیزان راجہ محمد اسمٰعیل راجہ محمد اسحاق صاحبان، شیخ احمد دین صاحب ڈنگوی‘ منشی قمر علی صاحب وغیرہ وغیرہ۔کئی شریف سعید اور صالح نوجوان محبت بھرے دل کے ساتھ بصد شوق ان خدمات کو بجالایا کرتے تھے۔

پہرہ کی راتوں میں ایک چیز جو میں نے دیکھی اس کا بیان بھی میرے ذمہ ہے۔ وہ یہ کہ دوران پہرہ

میں اکثر ہم لوگ محسوس کیا کرتے تھے کہ حضور پُر نور رات کا زیادہ حصہ ذکر وفکر اور دعا و نماز میں گذارا کرتے تھے۔ کیونکہ بالکل تھوڑے سے وقت کے سوا عموماً ہمارے کانوں میں گریہ وبکا اور اضطراب والحاح کی آواز' کبھی کچھ پڑھنے اور گنگنانے کی گنگناہٹ۔ کبھی نرم اور دھیمی سی آواز میں سسکیاں لینے اور رقت وسوز سے بلبلانے کی آواز پڑتی رہا کرتی تھی اور بارہا مجھے یاد ہے کہ ایسے موقعہ پر ہم خود بھی کھڑے آمین آمین ''از ماو جملہ جہاں آمین باد'' کی صدائیں کرنے لگتے۔

پہرہ کا ایک دوسرا طریق جو مکانات کی تکمیل کے بعد جاری ہوا یہ تھا کہ حضور پُر نور نے ہمیں اپنے مکانات کے بعض حصوں میں سورہنے کا ارشاد فرمایا۔ جہاں محترم حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب اور یہ خاکسار اول اول دونوں ایک ہی جگہ عشاء کی نماز کے بعد جاتے اور صبح کی نماز کے وقت وہاں سے آجایا کرتے۔ بعد میں دونوں کو الگ الگ حصوں میں بھی رہ کر خدمت پہرہ کا موقعہ ملتا رہا۔ اور یہ تبدیلیاں مکانات کی شکست وریخت اور ترمیم وتنسیخ کی بنا پر ہوا کرتی تھیں۔ اور حسب ضرورت ہم لوگ مختلف حصص مکانوں میں راتوں کو کچھ جاگ کر اور زیادہ سو کر ڈیوٹی دیتے رہے۔ پہرہ کا یہ سلسلہ کم وبیش دو تین سال متواتر جاری رہا۔ اور مختلف دوست اس خدمت کی سعادت پاتے رہے۔ میرے اس پہرہ کا آخری زمانہ وہ تھا جبکہ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے رہائشی دالان کی مرمت صفائی اور پلستروں کا کام جاری ہوا۔ یہی وہ دالان ہے جو بیت الفکر کے شمالی جانب دیوار بدیوار واقع ہے۔ اور جس کے اندر بیت الدعاء کا دروازہ کھلتا ہے بیت الدعاء دراصل اس دالان سے جانب غرب کوچہ کی طرف بڑھا کر بعد میں بنایا گیا ہے مرمت وغیرہ کی وجہ سے حضور اس دالان کو خالی کر کے نچلے حصہ میں تشریف لے گئے جس کے لئے اسی دالان کی شمالی دیوار میں سے سیڑھی کھلتی تھی۔ اور نیچے کا یہ حصہ وہ کوٹھڑیاں اور دالان ہیں جو سیدنا امیر المومنین' حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے حرم اول کے موجودہ مکان کے صحن کے نیچے واقع ہیں (۱۹۳۹ء)☆ میں۔ اس دالان میں لمبے عرصہ تک سوتا رہا۔ حضور نمازوں کے واسطے نیچے سے اوپر پہلے اسی دالان میں تشریف لاتے اور بیت الفکر میں سے ہو کر بیت الذکر یعنی مسجد مبارک میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔

سردی کا موسم تھا اور بستر میرا ہلکا۔ اول اول تو گذر ہو جاتی رہی مگر جب سردی بڑھ گئی۔ دوسری طرف

☆ بھائی جی نے ہی مضمون میں (۱۹۳۹ء) اس طرح خطوط وحدانی میں دیا ہے۔ گویا ۱۹۳۹ء بوقت تحریر مضمون یہ صورت حال ہے۔

دالان میں گچ کا پلستر ہوا تو کمرہ زیادہ ٹھنڈا ہو گیا۔ایک رات کا ذکر ہے کہ سردی کی شدت کے باعث مجھے رات بھر نیند نہ آئی۔کروٹ لے لے کر یا بیٹھے رات گزاری۔پچھلا پہر تھا۔کوئی دو بجے کا وقت ہو گا۔جب تھک کر میں لیٹ گیا۔ابھی چند ہی منٹ ہوئے کہ کھڑکی کھلی اور سیدنا حضرت اقدس دالان میں داخل ہوئے۔مگر میں خلاف معمول کھڑا ہو کر سلام عرض کرنے کے بجائے سکڑا چارپائی پر پڑا رہا۔پہلے عموماً میں کھڑکی کھلنے کی آہٹ پاتے ہوشیار ہو کر اٹھ کھڑا ہوا کرتا تھا۔آج غیر معمولی کوتاہی کی وجہ سے حضور کو توجہ ہوئی۔اور آپ نے میری چارپائی کے قریب ہو کر مجھے غور سے دیکھا اور آہستگی سے اپنی پوستین جو میری چارپائی کے اوپر کھونٹی پر لٹک رہی تھی اتار کر میرے اوپر ڈال دی۔میں مگن پڑا رہا۔ہلا جلا نہ بولا۔حضور تشریف لے گئے۔میں گرم ہوتے ہی گہری نیند سو گیا اور پھر صبح کی اذان ہی سے جاگا۔وضو کیا اور نماز کے لئے مسجد کو جانے کے لئے تیار تھا کہ حضرت اقدس صبح کی نماز کے واسطے اسی کھڑکی سے تشریف لے آئے۔میں نے سلام عرض کیا۔حضور مسکراتے ہوئے میری طرف بڑھے اور فرمایا۔

''میاں عبدالرحمٰن آپ نے تکلف کر کے تکلیف اٹھائی۔بستر کم تھا تو کیوں ہمیں اطلاع نہ دی؟ شرط موت کی لگانا اور رنگ اجنبیت کا دکھانا ٹھیک نہیں۔دو چار روز کی بات ہو تو اجنبیت انسان نباہ سکتا ہے۔مگر عمر کی بازی لگا کر تکلّف و اجنبیت میں پڑے رہنا باعث تکلیف ہوتا ہے۔جب آپ نے گھر بار چھوڑا۔ماں باپ چھوڑے وطن اور قبیلہ چھوڑ کر ہمارے پاس آ گئے تو آپ کی ضروریات ہمارے ذمہ ہیں مگر جب تک ہمیں اطلاع نہ ہو ہم معذور ہیں۔کیا کر سکتے ہیں (مفہوم بالفاظ راقم) میں نے ندامت سے گردن ڈال دی۔سر جھکا لیا اور مجسم صورت سوال ہی بن کر رہ گیا۔☆

صبح کی نماز کے بعد سلام پھیرتے ہی حضرت نے حافظ حاجی حکیم فضل الدین صاحب مرحوم کو یاد فرمایا۔وہ حاضر ہوئے حکم دیا کہ میاں عبدالرحمٰن کے پاس بستر نہیں۔ان کو آج ہی بستر تیار کرا دیں۔ان کو ساتھ لے جائیں جیسا پسند کریں ویسا ہی بنوا دیں۔معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس پہننے کے کپڑے بھی کم ہیں۔ایک دو جوڑے بھی حسب ضرورت بنوا دیں۔حکم کا ملنا تھا کہ حضرت حکیم صاحب نے مجھے بازو سے پکڑ لیا اور ساتھ ساتھ لئے پھرے۔موسم سرما کی وجہ سے دکان کے کھلنے میں دیر تھی' خاص آدمی بھیج کر لالہ سکھ رام کو بلوایا۔دکان کھلوائی اور لگے مجھے کپڑے پسند کرانے۔عمر بھر میں میرے لئے یہ پہلا موقع تھا کہ

☆ پوستین والا یہ واقعہ اختصار سے بھائی جی کی تقریر ''ذکر حبیب'' مندرجہ بدر جلد ۵ نمبر ۱۲ بابت ۲۸ / مارچ ۱۹۵۶ء صفحہ ۵ کالم ۲ میں بھی درج ہے۔

میرے لباس اور بستر کا بننا میری مرضی و پسند پر رکھا گیا۔ اس سے قبل ماں باپ اپنی مرضی و پسند کا بنواتے اور پہناتے تھے اس لئے مجھے اپنی مرضی و پسند کا کوئی علم ہی نہ تھا۔ حضرت حکیم صاحب کو حکم تھا۔ اور اسی کی وہ تعمیل کرنا چاہتے تھے۔ کئی کپڑے میرے سامنے لائے گئے۔ اور ہر بار مجھ سے پوچھا گیا' مگر میں نے ایک چپ سادھ رکھی تھی۔ بار بار کے تقاضوں سے کچھ یاد آ کر میرا دل بھر آیا اور میں زار و قطار رونے لگا۔ یہ حال دیکھ حضرت حکیم صاحب موصوف نے مجبور ہو کر خود ہی بہترین کپڑے بہترین بستر کا انتظام کر کے فوری تیاری کی تاکید کر دی اور میری دلجوئی کرتے ہوئے واپس ساتھ لے آئے۔ شام سے پہلے نہایت اچھا بستر تیار ہو کر آ گیا۔ جو رات کو حضرت نے بھی دیکھا اور بہت خوش ہوئے۔ کپڑے بھی دوسرے تیسرے دن مل گئے۔

سیّدنا حضرت اقدس اکثر نصف رات کے بعد ڈیڑھ۔ دو یا اڑھائی بجے کے قریب نماز تہجد کے لئے آیا کرتے اور اگرچہ حضور نہایت احتیاط کے ساتھ دبے پاؤں تشریف لاتے، نہایت آہستگی سے کھڑکی کھولتے، مگر میں عموماً حضور کی تشریف آوری پر چوکس ہو جایا کرتا۔ چند مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ میں جاگنے کے بعد پھر سو گیا اور اذان کی آواز بھی مجھے بیدار نہ کر سکی تو حضرت نے صبح کی نماز کے واسطے آتے ہوئے مجھے بھی جگا دیا۔

اس زمانہ کی یاد سے میرے دل پر ایک نہایت گہرا اور پائیدار اثر یہ بھی ہے کہ حضور پُر نور نہایت محنت کش واقع ہوئے تھے۔ علاوہ تحریر و تصنیف کے سخت دماغی کام کے عموماً حضور اپنے سارے ہی کام خود اپنے ہاتھوں کیا کرتے تھے۔ نہ صرف یہی بلکہ دوسروں کے کام بھی کر دیا کرتے تھے۔ حضور بڑے شب بیدار تھے۔ عشاء کے بعد بہت دیر تک میں جاگتا مجھے انتظار ہوتی کہ حضور تشریف لائیں گے۔ کیونکہ حضرت کا معمول تھا کہ دو ایک مرتبہ ضرور پہلے حصہ رات میں بھی اوپر تشریف لایا کرتے تھے۔ میں نیند سے مغلوب ہو کر سو جاتا اور حضور موم بتیاں جلا کر لکھنے میں مصروف رہتے۔ پھر میں ابھی غلبہ نیند سے خراٹے بھرا کرتا تھا کہ حضور بیدار ہوتے تھے خدا ہی جانے کہ حضور سوتے کس وقت تھے۔ میں نے حضور کو اتنا قریب رہ کر بھی جب دیکھا جاگتے ہی دیکھا۔ خدا کے پیارے مسیح اور مقرب رسول سیدنا حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حسن و احسان کے واقعات، پیاری ادائیں اور دلربا روحانی باتیں بے شمار، بے انداز اور ان گنت ہیں جو رہتی دنیا تک بیان ہوتی، لکھی اور پڑھی سنی جاتی رہیں گی۔ ہر دوست، ہر مرید اور ہر خادم و غلام کے ساتھ حضور کے ایسے گہرے روحانی تعلقات تھے کہ ہم میں ہر ایک یہی سمجھتا کہ جتنا تعلق محبت و مروت

اور احسان و کرم حضور کو مجھ سے ہے دنیا میں کسی دوسرے سے نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ ہر عقیدت کیش آپ کے لئے انتہائی قربانی تک کے لئے ہر وقت تیار و کمر بستہ رہتا۔

میں شامت اعمال سے اس مرحلہ پر اس مقدس دالان کے پہرہ کی ڈیوٹی کے دوران میں بیمار ہوگیا۔ بخار آنے لگا۔ کچھ عرصہ تو میں نے کسی پر ظاہر بھی نہ کیا۔ مگر جب حالت نازک ہوگئی اور میں چلنے پھرنے بلکہ اٹھنے بیٹھنے تک سے معذور ہو گیا تو اس مقدس ڈیوٹی سے بھی محروم ہوگیا۔ یہی وہ سخت اور شدید بیماری تھی جس کا ذکر میں اپنے ابتدائی حالات کے دوران میں کر چکا ہوں۔ اور جن کو موقر اخبار الحکم نے شائع کر دیا تھا۔ جو مجھے موت کے منہ تک لے جا چکی تھی۔ زندگی کی کوئی رمق باقی نظر نہ آتی تھی۔ اور موت میرے سر پر منڈلاتی دکھائی دے رہی تھی۔ آخر سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توجہات اور دعاؤں کے طفیل اللہ تعالیٰ نے مردے کو زندہ کرنے کا معجزہ دکھایا۔

دنیا گواہ ہے۔ اپنے اور بیگانے سبھی جانتے ہیں کہ:

۱۔ حضور پُر نور کو مہمانوں سے کس قدر محبت تھی اور حضور کتنا چاہتے تھے کہ آئے ہوئے مہمان جلد واپس نہ جائیں۔ بلکہ جس قدر زیادہ ممکن ہو ٹھہریں اور صحبت میں رہیں۔

۲۔ حضور کو کتنی خواہش اور تڑپ تھی کہ لوگ آئیں، حضور کی صحبت سے فیض پائیں۔ خدا کی باتیں سنیں اور تازہ نشان دیکھیں اور اس غرض کے لئے حضور نے ایک دعوت عام دے رکھی تھی۔ اخراجات سفر۔ اوقات کے حرجانے۔ اخراجات طعام و قیام کے برداشت کرنے کا اعلان بھی کر رکھا تھا۔ اور یہاں تک فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی صحت نیت اخلاص اور صاف دلی سے ہماری صحبت میں چالیس دن ٹھہرے تو ضرور وہ خدا کا زندہ نشان اور ہماری صداقت کی تازہ شہادت پائے گا۔ اگر نہ پائے تو وہ خدا کے حضور بری الذمہ۔

۳۔ حضور کے مکانات۔ صحن اور کمرے کوٹھڑیاں کس قدر صحابہ و خدام اور ان کے بیوی بچوں سے بھری رہتی تھیں اور کوئی کونہ بھی خالی دکھائی نہ دیا کرتا تھا۔ گھر کے اندر گنجائش نہ رہتی تو کرایہ کے مکان مہیا فرماتے۔ اور ان کی ضروریات پورے تعہد و التزام کے ساتھ وہیں پہنچانے کا انتظام فرماتے۔

القصہ یہی وہ غرض تھی اور یہی مقصود جس کے لئے حضور پُر نور نے نور دین سے محبت کی۔ اس کو گھر میں رکھا اور اپنے قریب کیا۔ جس سے اس کے نور میں جلا پیدا ہوئی۔ وہ عرفان میں بڑھا اور آخر کار اس منبع نور میں غوطہ لگا کر

فنافی النور اور نور علیٰ نور

ہوگیا اور پھر کبھی آپ سے جدا نہ ہوا۔

عبد کریم کو اپنایا، نوازا اور مقام کریم پر اس کو جگہ دی۔ تا مادی، سفلی اور نیچر یانہ خیالات سے آزاد، خالی اور یک سو ہو کر اپنی قیافہ شناس نظر اور دور بین نگاہوں سے اس نور الٰہی، مظہر خدا اور حق نما وجود کے ظاہر و باطن اور حال و قال کا قریب ہو کر مشاہدہ کرے اور شاہد ناطق بنے۔ وعلیٰ ھذا اپنوں کو بھی اور بیگانوں کو بھی، مسافروں کو بھی اور مہمانوں کو بھی کبھی اپنی خدا نما صحبت میں رکھنا چاہتے، کبھی اپنی خلوت اہلی اور پرائیویٹ زندگی اور کبھی اپنی جلوت، مجلسی اور پبلک زندگی کے حالات کے دیکھنے کے مواقع مہیا فرماتے رہتے۔ اپنی معاشرت کے پہلوؤں پر غور کرنے اور اپنے مختلف اخلاق پر نظر عمیق ڈال کر حقیقت حال تک پہنچنے کے سامان بہم پہنچاتے تھے کیونکہ آپ کا وجود حقیقتاً خودی و دوئی سے دور ایک آلہ خدا نمائی تھا اور رضا اپنے پورے جلال کے ساتھ حضور پر نور پر سایہ افگن اور جلوہ کناں تھا

آں خدائے کہ از و خلق جہاں بے خبراند
برمن او جلوہ نمود است گر اہلی بپذیر

ہمارا یہ پہرہ بھی حقیقتاً اسی خدا نمائی کی کوششوں کی ایک کڑی تھی۔ جس کے ذریعے بیسیوں نوجوانوں کو حضور کے کمالات روحانی و اخلاقی اور حضور کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی روشنی میں تعلق باللہ اور زندہ اور گناہ سوز ایمان کے حصول کی سعادت نصیب ہوئی ورنہ وہ

نورخدا جو ٹھیک وقت پر آسمان سے اترا

اور خدا کی وہ آخری راہ جو خدا سے خلق خدا کو ملانے کے لئے پیدا کی گئی اس کا نہ صرف خدا حافظ تھا بلکہ خدا نے اس کے وجود کو دنیا و مافیہا کی حفاظت کا موجب اور ایک تعویذ بنا کر بھیجا تھا اس کو ہم کمزور، نوجوان، ناتجربہ کار بچوں کی حفاظت اور پہرہ کی کیا ضرورت؟

حقیقت یہی ہے کہ حضور نے خدا نمائی کی مختلف راہوں کو اختیار کیا اور کوئی طریق نہ چھوڑا کہ دنیا محروم رہے۔ اپنوں کو قریب اور قریب سے قریب تر کیا۔ بیگانوں کو بھی بلایا اور پُرزور دعوتیں دیں۔ اور اپنی طرف سے حق نمائی کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ یہ سبھی کچھ کیا تا خلق خدا قریب سے قریب ہو کر خدائی نور اور قدرت و جلال۔ خدا کا تازہ کلام اور اس کے زندہ نشان دیکھے۔ اور زندہ ایمان حاصل کر سکے۔ جس کے بعد گناہ کی زندگی پر ابدی موت آتی اور انسان حیات نو پا کر

يَآاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۵۱

کا مورد ہوکر اپنے خدا میں گم ہو جاتا اور مقام رضا حاصل کر کے ابدی زندگی کا وارث بن جاتا ہے۔

اللھم صلی علی محمد و علی خلفاء محمد و بارک و سلم انک حمید مجید۔

از ما و جملہ جہاں آمین باد [۵۲]

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۱۳؍اپریل ۱۹۰۳ء کو دربارشام میں فرمایا:

''ایک جانور آج کل کے موسم میں شام کے بعد مسجد مبارک کے شہ نشین احباب پر حملہ کیا کرتا ہے۔ اس کے متعلق فرمایا کہ کوئی ایسی تدبیر کی جاوے کہ ایک دفعہ یہ اس جگہ پکڑا جاوے۔ پھر ہم اسے چھوڑ ہی دیں گے۔ مگر ایک دفعہ پکڑا جانے سے اتنا ضرور ہوگا کہ پھر وہ کبھی آئندہ اس جگہ اس طرح حملہ کرنے کا ارادہ نہ کرے گا۔ ہر جانور کا یہ قاعدہ اور اس کے اندر یہ خاصیت ہے کہ جس جگہ سے اسے ایک دفعہ ٹھوکر لگتی ہے اور (وہ) مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے۔ اس جگہ کا پھر وہ کبھی قصد نہیں کرتا۔'' [۵۳]

گویا واقعہ لیکھرام کے بعد قریب کے عرصہ کا واقعہ چغد کے حملے کا ہے اور چغد کے حملے کئی سال تک ہوتے رہے۔

۱۰- مدرسہ تعلیم الاسلام کا اجراء

حضرت بھائی جی کے اس مضمون مندرجہ الحکم بابت ۷،۱۴؍جون ۱۹۳۸ء میں آپ سے استفسارات کر کے خطوط وحدانی میں اضافہ کیا گیا ہے۔ (مؤلف)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ معلوم کر کے صدمہ ہوا کہ مقامی آریہ سکول میں مسلمان طلبہ کو گمراہ کرنے کے لئے اسلام پر اعتراض کئے جاتے ہیں۔ سو حضور نے اپنا مدرسہ جاری کرنے کا ارادہ فرمایا۔ اور ۱۵؍ستمبر ۱۸۹۷ء کو اشتہار کے ذریعہ اور پھر جلسہ سالانہ پر چندہ کی تحریک فرمائی چنانچہ ۱۸۹۸ء کی ابتداء میں مدرسہ تعلیم الاسلام کا اجراء عمل میں آیا۔ بھائی جی بیان کرتے ہیں کہ:

''آریہ مڈل سکول کے مدرسوں کے تعصب اور تنگ نظری سے تنگ آ کر جب ہمارے بچوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔ اور وہ ہر وقت گندے اعتراضات، دلآزار حرکات اور توہین آمیز سلوک نہ برداشت کر سکے تو حضرت اقدس کے حضور شکایت پہنچی۔ حضور نے توکلاً علی اللہ دعا و استخارہ اور مشورہ کے بعد اپنا سکول کھولے جانے کا فیصلہ فرما دیا۔ سکول کے باقاعدہ کھلنے سے (ہفتہ عشرہ) قبل ہی میں نے ادھر ادھر سے چھوٹے چھوٹے بچوں کو گھیر سنبھال کر بٹھانا اور پڑھانا شروع کر دیا تھا اور جو جس لائق ہوتا اس کی لیاقت

کے مطابق ہی دوسری یا تیسری جماعت اس کو پڑھانا شروع کر دیتا۔ اوراسطرح گویا اپنے سکول کا سب سے پہلا استاد یا ماسٹر میں بنا۔ سکول نے با قاعدگی اختیار کی۔ بڑے لڑکے بھی پڑھنے لگے۔ تو بڑے بڑے ماسٹر بھی آ گئے (اور میں بھی ان کے ساتھ سالہا سال تک بطور مدرس کام کرتا رہا۔ یہ ابتدائی مدرسہ موجودہ دفتر بیت المال والی جگہ تھا جو کہ مسجد مبارک کے مغرب کی طرف اور مسجد مبارک سے مسجد اقصیٰ کو جانے والے راستہ کے جنوب کی طرف ملحق ہے اس وقت یہ کچا مکان تھا اور مرزا نظام الدین صاحب وغیرہ کی ملکیت تھا۔ اب یہ امر میرے علم میں نہیں کہ ان سے مدرسہ کے لئے کیونکر حاصل ہو گیا تھا۔)

(بوقت طبع دوم کتاب ہٰذا دفتر بیت المال کی جگہ دفتر محاسب ہے۔) (مؤلف)

۱۱- جلسہ اعظم مذاہب لاہور

حضرت بھائی جی نے ذیل کا انمول مضمون تقسیم ملک سے پہلے خود خاکسار کو دیا تھا کہ اسکی نقل کر کے رکھ لوں۔ اور نقل کی تصحیح کر کے اور قدرے اضافہ کر کے اس پر اپنے دستخط بھی ثبت فرمائے تھے۔ غالباً بعد تقسیم ملک آپ کی طرف سے یہ کسی اخبار میں شائع ہو گیا تھا۔ (مؤلف)

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھو الناصر

جلسہ اعظم، مذاہب لاہور

''یہ وہ مضمون ہے جو سب پر غالب آئے گا۔[۵۴] اللہ اکبر خربت خیبر''[۵۵]

۱- سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جوش تبلیغ اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے لگن اور دھن کی کیفیت کا بیان انسانی طاقت سے باہر ہے۔ اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ [۵۶]۔ حضور کا منصب و کام ہی خداوند عالم نے اسلام کو تمام دوسرے مذاہب پر غالب کر دکھانا مقرر فرمایا ہے اور جن خواص کو یہ خدمات تفویض ہوا کرتی ہیں ان کے لئے

بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ ۔[۵۷]

کا حکم الٰہی ہمیشہ قائم ہوتا ہے۔ حضور پُر نور نے حق تبلیغ کی ادائیگی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اور نہ ہی کوئی

فروگذاشت کی۔ دن کیا رات حضور کو یہی فکر رہتی اور حضور کوئی موقع تبلیغ کا ہاتھ سے جانے نہ دیا کرتے۔ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، خلوت میں اور جلوت میں۔ الغرض ہر حال میں اسی فکر اور اسی دھن میں رہتے۔ چنانچہ حضور پُر نور کے سوانح کا ہر ورق اور حیات طیبہ کا ہر لمحہ بزبان حال میرے اس بیان کا گواہ اور شاہد عادل ہے۔ لمبے مطالعہ اور حضور کی تصنیف کی گہرائیوں کو الگ رکھ کر اگر حضور کے صرف ایک دو ورقہ اشتہار پر ہی بہ نیت انصاف، تعصب سے الگ ہو کر نظر ڈالی جائے جو حضور نے ۹ ر ستمبر ۱۸۹۰ء کو شائع فرمایا تو یقیناً میرے اس بیان کی تصدیق کرنا پڑے گی۔ اور حضور کی اس سچی تڑپ اور خلوص نیت ہی کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ بھی ہر رنگ میں آپ کی غیر معمولی تائید و نصرت فرماتا۔ اور غیب سے سامان مہیا فرما دیا کرتا اور حضور خدا کے اس فضل و احسان کا اکثر تحدیث نعمت کے طور پر یوں ذکر فرما دیا کرتے کہ

''خدا کا کتنا فضل و احسان ہے کہ ادھر ہمارے دل میں ایک خواہش پیدا ہوتی ہے یا کوئی ضرورت پیش آتی ہے اور ادھر اللہ تعالیٰ اس کو پورا کرنے کے سامان مہیا کر دیتا ہے۔''

۲۔ ۱۸۹۶ء کے نصف دوم کا زمانہ تھا کہ اچانک ایک اجنبی انسان سادھو منش بھگوے کپڑوں میں ملبوس' شوگن چندر نام وارد دارالامان ہوا۔ اور جلد ہی ہماری مجالس کا ایک بے تکلف رکن نظر آنے لگا۔ ایک آدھ دن سیدنا حضرت حکیم الامت مولانا مولوی نورالدین صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں شریک ہوا۔ تو دوسرے ہی روز وہ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار شام اور صبح کی سیر میں شامل ہو کر حضور کی خاص توجہات کا مورد بن گیا۔ کیونکہ وہ شخص اپنے آپ کو حق کا متلاشی اور صداقت کا طالب ظاہر کرتا ہوا اپنی روحانی پیاس بجھانے کے لئے آسمانی پانی کی تلاش میں دور و نزدیک، قریہ بہ قریہ بلکہ کو بکو سرگرداں پھرتا ہوا قادیان کی مقدس بستی میں اپنے مدعا و مقصود کے حصول کی امید لے کر آیا اور کچھ لے کر ہی لوٹنے کی نیت سے پہنچا تھا اور اس کی نیک نیتی ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ باوجود بالکل غیر ہونے کے بہت جلد اپنا لیا گیا۔ وہ صرف سادھو تھا جو بھگوے کپڑوں میں اپنا فقر و حاجات چھپائے تھا اور نہ ہی کوئی ایسا سوالی، جس کو دام و درہم کی ضرورت اور روپیہ پیسے کا لالچ قادیان میں تقسیم ہوتے خزائن کی خبریں یہاں کھینچ لائی ہوں بلکہ وہ واقعہ میں متلاشی حق اور طالب صداقت تھا۔ ورنہ خدا کا برگزیدہ مسیح الزمان جس کی فراست کامل جو ہر شناس تھی اور جو خدا کے عطا فرمودہ نور سے دیکھا کرتا تھا یوں اس کی طرف ملتفت نہ ہو جاتا۔

۳۔ شوگن چندر ایک تعلیم یافتہ اور معقول انسان تھا جو گورنمنٹ میں کسی اچھے عہدہ پر فائز تھا۔ بعض

حوادث نے دنیا کی بے ثباتی کا ایک نہ مٹنے والا خیال اس کے دل ودماغ پر مستولی کر دیا۔اس کی بیوی اور بچے بلکہ خویش واقارب تک اس سے جدا ہوگئے اور وہ یکہ وتنہا رہ گیا۔دل ودماغ میں پیدا شدہ تحریک نے اندر ہی اندر پرورش پائی۔ذاتی چیزوں کے اثرات نے اس کے خیالات کی رو کا رخ کسی غیر فانی اور قائم بالذات ہستی کی تلاش کی طرف پھیر دیا۔جس سے متاثر ہوکر اس نے ملازمت چھوڑ کر ترک دنیا اور تلاش حق کا عزم کرلیا۔اور سادھو بن کر جا بجا گھومنے اور ڈھونڈنے میں مصروف ہوگیا۔نہ معلوم کتنا عرصہ پھرا اور کہاں کہاں گیا۔اور اس نے کیا کچھ دیکھا اور سنا جس کے بعد اس کو کسی نے ہمارے آقا ومولا، ہادی وراہ نمائے زمان کا پتہ دیا۔اور قادیان کی نشان دہی کی جس پر وہ صدق دلانہ اخلاص وعقیدت سے پہنچ کر حصول مقصد ومدعا کی کوشش میں مصروف ہوگیا۔حضور کی صحبت میں رہ کر وہ فیوض پانے لگا۔ اور ہوتے ہوتے ایسا گرویدہ ہوا کہ اس کی ساری خوشی تسلی واطمینان حضور کی صحبت اور کلمات طیبات سے وابستہ ہوگئے۔جس کی وجہ سے وہ یہیں ٹک جانے پر آمادہ ہوگیا۔مگر اللہ تعالیٰ کو اس کے ذریعے اپنا ایک نشان ظاہر کرنا منظور اور ایک کرشمہ قدرت دکھانا مطلوب تھا۔جس کے لئے اس ذات بابرکات نے اتنے تغیرات کئے اور ذرات عالم پر خاص تصرفات فرمائے اور اس شخص کو قادیان پہنچایا۔جو کبھی لالہ پھر مسٹر اور بالآخر سوامی شوگن چندر کے نام سے موسوم ہوا۔

۴- مہمان نوازی کا خلق شیوہ انبیاء ہے اور حضور پُرنور کو اس خلق میں کمال حاصل تھا۔اس کے ساتھ ہی ساتھ حسن سلوک اور احسان ومروت میں حضور اپنی مثال صرف آپ ہی تھے۔تالیف قلوب کے وصف عظیم کے ساتھ ہمدردی وخیر خواہی خلق کا جذبہ حضور میں بے نظیر وعدیم المثال تھا اور ان تمام خصائل حسنہ اور فضائل کے علاوہ حق وصداقت اور علم وحکمت کے خزائن حضور کے ساتھ تھے جو حضور کے تعلق باللہ اور مقبول بارگاہ ہونے کی دلیل تھے اور ان حقائق کے ساتھ ہی ساتھ خدا سے ہم کلامی کا شرف اور قبولیت دعا کے نمونے ایسی نعماء تھیں جن سے کوئی بھی نیک فطرت اور پاک طینت متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ اور درحقیقت یہی وہ چیزیں ہیں جن کو ناواقف دنیا نے جادو اور سحر کے نام لے کر حضور پُرنور سے دنیا جہان کو دور رکھنے کی ناکام سعی کی ہے......سوامی شوگن چندر بھی ان کرامات کا شکار ہوئے اور جس چیز کی ان کو تلاش تھی۔اور دنیا میں وہ چیز ان کو کہیں بھی نہ ملی تھی آخر خدا کی خاص حکمت کے ماتحت ان کو قادیان میں وہ کچھ مل گیا جن کی انہیں جستجو تھی اور وہ کچھ انہوں نے یہاں دیکھا جو دنیا جہان میں انہوں نے نہ دیکھا تھا نہ سنا۔وہ خوش تھے اپنی خوش بختی پر کہ ان کو جس چیز کی خواہش اور تلاش تھی آخر خدا نے عطا کر دی۔مگر ہمارے

آقائے نامدار اس سے بھی کہیں زیادہ خوش تھے۔ خدا کے اس فضل پر کہ اس نے حضور کی ایک دلی خواہش کے پورا فرمانے کے لئے سوامی شوگن چندر کا وجود پیدا فرما دیا ہے۔

۵- دیرینہ خواہش تھی کہ مذاہب عالم کی ایک کانفرنس ہو جس میں حضور کو قرآن شریف کے فضائل وکمالات اور معجزات ومحاسن اسلام بیان کرنے کا موقع ملے۔ ہر ایک مذہب کا نمائندہ اپنے مذہب کی خوبیاں بیاں کرے تا اس میدان مقابلہ میں اعلاء کلمتہ اللہ ہو۔ اسلام کی برتری اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا اظہار ہو......سو حضور کی اس خواہش کو پورا کرنے کے لئے اللہ کریم نے سوامی صاحب کو قادیان پہنچایا۔ جنہوں نے حضور کی اس تجویز کو حق وباطل میں امتیاز کا حقیقی ذریعہ و سچی کسوٹی یقین کر کے اس کے انعقاد کے لئے اپنی خدمات پیش کیں اور پھر ہمہ تن سعی بن کر اس کام میں لگ گئے۔ ہندو اور پھر گیروے لباس کی وجہ سے بھی اور علم وتجربہ کے باعث بھی ان کو ہندوؤں کے ہر خیال اور ہر طبقہ میں رسوخ میسر آتا گیا۔ اور ان کی تجویز پر غور کیا جانے لگا۔ اور اس کام کے لئے ایک حرکت پیدا ہوگئی۔ مرکزی ہدایت۔ صلاح اور مشورے ان کے لئے پیش آمدہ مشکلات کا حل بنتے اور اس بیل کے منڈھے چڑھ جانے کی خاطر ان کی ہر رنگ میں مدد اور حوصلہ افزائی کی جاتی رہی۔ کبھی وہ خود بطریق احتیاط قادیان آتے اور کبھی خاص پیامبروں کے ذریعہ ان کی ضروریات کا انتظام کیا جاتا رہا اور اس طرح ہوتے ہوتے مطلوبہ کانفرنس کے قیام کی جھلک نظر آنے لگی۔ حضور پُر نور کی راہنمائی میں ایک ڈھانچہ تیار کیا گیا۔ اور کام کرنے والے آدمیوں اور اخراجات کے کثیر حصہ کا انتظام حضرت اقدس کی طرف سے دیکھ کر اس ڈھانچہ میں زندگی کے آثار بھی نمودار ہو گئے اور اس طرح سوامی شوگن چندر صاحب نے گویا حضور کی اس دینی خواہش کے پورا کرنے میں ایک غیبی فرشتہ کا کام کیا۔

۶- آخر خدا خدا کر کے بڑی مشکل گھاٹیوں کو عبور کرنے اور بے آب وگیاہ جنگلوں کو طے کرنے کے بعد اس جلسہ یعنی جلسہ اعظم مذاہب کے انعقاد کی تاریخوں کا بھی اعلان ہو گیا۔ جو ۲۶ لغایت ۲۸ ردسمبر ۱۸۹۶ء مقرر ہوئیں۔ اور ٹاؤن ہال لاہور میں اس کے انعقاد کا اعلان کیا گیا۔ ایک کمیٹی معززین اور رؤساء کی جس میں علم دوست اصحاب شامل تھے۔ ترتیب پا چکی تو اس اطلاع پر سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اتنی خوشی ہوئی جیسے دنیا جہان کی بادشاہت کسی کو مل جائے۔ تب حضور نے اس جلسہ کے واسطے مضمون لکھنے کا ارادہ فرمایا مگر مصلحت الٰہی سے حضور کی طبیعت ناساز ہوگئی اور یہ سلسلہ کچھ لمبا بھی ہو گیا مگر چونکہ جلسہ کی تاریخیں قریب تھیں اور اندیشہ تھا کہ مضمون رہ ہی نہ جائے۔ حضور نے بحالت بیماری

وتکلیف ہی مضمون لکھنا شروع فرمادیا۔ اور چونکہ حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم مغفور رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان ایام میں کسی ضرورت کے ماتحت سیالکوٹ جاکر بیمار ہوگئے۔ اوران کی بیماری کی اطلاعات سے اندیشہ تھا کہ وہ جلسہ پر نہ پہنچ سکیں گے اس پر بھی سوچ بچار اور مشورہ کے بعد فیصلہ ہوا کہ حضور کا مضمون خواجہ کمال الدین صاحب پڑھیں چنانچہ اس فیصلہ کے ماتحت یہ تجویز کی گئی کہ

(الف) حضور کا مضمون جسے محترم حضرت منشی جلال الدین صاحب نقل کرتے تھے۔ کتابت کے طریق پر لکھا جائے تاکہ خواجہ صاحب کو پڑھنے میں دقت نہ ہو۔ اور حضرت پیر جی سراج الحق صاحب نعمانی کے سپرد یہ کام کیا گیا۔ مگر حضور پُرنور کے پھر بیمار ہونے کی وجہ سے جب مضمون کی تیاری میں وقفہ پڑ گیا تو دو اصحاب نے مل کر اس کو مکمل کیا۔

(ب) اس مضمون میں جس قدر آیات قرآنی' احادیث یا عربی آیات آئیں وہ علیحدہ خوشخط لکھوا کر خواجہ صاحب کو اچھی طرح سے رٹا دی جائیں تاکہ جلسہ میں پڑھتے وقت کسی قسم کی غلطی یا رکاوٹ مضمون کو بے لطف و بے اثر ہی نہ بنادے۔

۷- حضور پُرنور کا یہ مضمون خوشخط لکھا ہوا صبح کی سیر میں لفظاً لفظاً سنایا جایا کرتا تھا۔ اور حضور کی عام عادت بھی یہی تھی کہ جو بھی کتاب تصنیف فرمایا کرتے یا اشتہار و رسائل لکھا کرتے ان کے مضامین کو مجلس میں بار بار دھرایا کرتے تھے۔ اتنا کہ باقاعدہ حاضر رہنے والے خدام کو وہ مضامین عموماً ازبر ہو جایا کرتے تھے۔ ان ایام کی سیر عموماً صبح قادیان کے شمال کی جانب موضع بٹر کی طرف ہوا کرتی تھی اور اس مضمون کے سننے کی غرض سے قادیان میں موجود اصحاب و مہمان قریباً تمام ہی شوق اور خوشی سے شریک سیر ہوا کرتے جن کی تعداد تخمیناً بیس یا پچیس تک ہوا کرتی تھی۔ مضمون کے بعض حصوں کی تشریح بھی حضور چلتے چلتے فرماتے جایا کرتے تھے۔ یہ تحریر وتقریر نئے نئے نکات، عجیب در عجیب معارف اور ایمان افروز حقائق ودلائل کی حامل ہوا کرتی تھی۔ ان دنوں کی سیر صبح میں جس کے لئے حضور باوجود بیماری اور ضعف کے نکلا کرتے تھے' بعد میں معلوم ہوا کہ مولوی ابوسعید محمد حسین بٹالوی کے بعض جاسوس بھی حضور کے اس مضمون کو سن کر ان کو رپورٹ پہنچایا کرتے تھے۔ چنانچہ حضور کے مضمون کی اکثر آیات جن کو حضور نے موقع ومحل پر موتیوں کی لڑی کی طرح سجا کر ان سے استنباط فرماتے ہیں مولوی صاحب نے اپنے مضمون میں یکجا جمع کر دی ہیں جن کا وہاں ربط ہے نہ موقع ومحل اور جوڑ۔

۸- جناب خواجہ کمال الدین صاحب مضمون کو پڑھا کرتے۔ پڑھنے کے طریقوں کی مشق کیا کرتے

اور انکی کوشش ہوا کرتی کہ پڑھنے کے طریق و بیان میں کوئی جدت پیدا کریں۔ جس سے سامعین زیادہ سے زیادہ متاثر ہوسکیں۔ آیات قرآنی ‘احادیث یا عربی الفاظ وفقرات کو از بر کرنے کی کوشش کیا کرتے۔ قدرت نے خواجہ صاحب کو جہاں اردو خوانی میں خاص ملکہ دیا تھا وہاں آیات قرآنی کی تلاوت میں باوجود کوشش کے بہت کچھ خامی پائی جاتی تھی۔ جسے خواجہ صاحب محنت وشوق کے باوجود پورا کرنے سے قاصر تھے۔ مزید برآں انہی ایام میں بعض ان کے ہمراز دوستوں کی زبانی معلوم ہوا کہ دراصل خواجہ صاحب کو مضمون کی بلند پائیگی ، کمال ونفاست اور عمدگی کے متعلق بھی شکوک تھے جن کا اثر ان کے طرز ادا و بیان پر پڑنا لازمی تھا۔ اور عجب نہیں کہ یہ بات سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تک بھی جا پہنچی ہو۔

۹- جلسہ سے چند ہی روز قبل اللہ تعالیٰ نے حضور کو الہاماً اس مضمون کے متعلق بشارت دی کہ ’’یہ وہ مضمون ہے جو سب پر غالب آئے گا۔‘‘ [۵۸] اور اس کی مقبولیت دلوں میں گھر کر جائے گی اور یہ کہ یہ امر بطور ایک نشان صداقت ہوگا۔ چنانچہ حضور پُر نور نے ۲۱ر دسمبر ۱۸۹۶ء کو ایک اشتہار بعنوان ’’سچائی کے طالبوں کے لئے ایک عظیم الشان خوشخبری‘‘ لکھ کر کاتب کے حوالہ کیا اور مجھ ناچیز کو یاد فرما کر یہ اعزاز بخشا اور فرمایا کہ

’’میاں عبدالرحمٰن ! اس اشتہار کو چھپوا کر خود لاہور لے جاؤ۔ اور خواجہ صاحب کو (جو کہ ایک ہی روز پہلے انتظامات جلسہ کے لئے لاہور بھیجے گئے تھے) پہنچا کر ہماری طرف سے تاکید کر دینا کہ ’’اس کی خوب اشاعت کریں۔ ضرورت ہوتو وہیں اور چھپوالیں۔ ہماری طرف سے ان کو خوب اچھی طرح تاکید کرنا کیونکہ وہ بعض اوقات ڈر جایا کرتے ہیں۔ بار بار اور زور سے یہ پیغام پہنچا دینا کہ ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ لوگوں کی مخالفت کا خیال اس کام میں ہرگز روک نہ بنے۔ یہ انسانی کام نہیں کہ کسی کے روکے رک جائے گا۔ بلکہ خدا کا کام ہے جو بہر حال پورا ہوکر رہے گا۔‘‘

۱۰- اشتہار قریباً آدھی رات کو تیار ہوا اور میں اسی وقت لے کر پیدل بٹالہ کو روانہ ہوگیا۔ ۲۲ر دسمبر ۱۸۹۶ء کی دوپہر کے قریب لاہور پہنچا۔ جناب خواجہ صاحب اس زمانہ میں لاہور کی مشہور مسجد ’’مسجد وزیر خاں‘‘ کے عقب کی ایک تنگ سی گلی میں رہا کرتے تھے جہاں میں ان کو تلاش کر کے جا ملا اور اشتہارات کا بنڈل اور حضور کا حکم کھول کھول کر سنا دیا بلکہ بار بار دہرا بھی دیا۔ خواجہ صاحب نے بنڈل اشتہارات کو کھولا اور مضمون اشتہار پڑھا اور میں نے دیکھا کہ چہرہ ان کا بجائے بشاش اور خوش ہونے کے افسردہ و اداس سا ہوگیا اور مجھ سے مخاطب ہوکر فرمانے لگے۔

''میاں! حضرت کو کیا علم کہ ہمیں یہاں کن مشکلات کا سامنا ہو رہا ہے اور مخالفت کا کتنا زور ہے۔ان حالات میں اگر یہ اشتہار شائع کیا گیا تو یہ تو ایک تودہ بارود میں چنگاری کا کام دے گا اور عجب نہیں کہ نفس جلسہ کا انعقاد ہی ناممکن ہو جائے۔موقع پر موجودگی اور حالات کی پیچیدگی سے آخر ہم پر بھی کوئی ذمہ داری آتی ہے۔اچھا جو خدا کرائے انشاءاللہ کریں گے۔'' آخر بہت سوچ بچار' صلاح مشوروں اور اونچ نیچ، اتار چڑھاؤ کی دیکھ بھال کے بعد دوسری یا تیسری رات کے اندھیروں میں بعض غیر معروف مقامات پر چند اشتہار چسپاں کرائے جن کا عدم و وجود یکساں تھا کیونکہ غیر معروف مقامات کے علاوہ وہ اشتہار اتنے اونچے لگائے گئے تھے کہ اول تو کوئی دیکھے ہی نہیں اور اگر دیکھ پائے تو پڑھ ہی نہ سکے۔

۱۱- میں نے دیکھا اور سنا بھی کہ سیدنا حضرت اقدس کے اصل مضمون کا جو حصہ خواجہ صاحب قادیان سے اپنے ساتھ لاہور لاتے تھے اس کا مطالعہ اور آیات قرآنی کی تلاوت کی مشق کا سلسلہ بھی جاری تھا خواجہ صاحب کے لاہور چلے آنے کے بعد جو جو حصہ مضمون تیار ہوتا جاتا اس کی نقل ان کو لاہور تک پہنچائی جاتی رہی اور یہ سلسلہ ۲۵/دسمبر ۱۸۹۶ء کی شام تک جاری رہا۔یا شاید ۲۶/دسمبر کی رات تک بھی۔

۱۲- جلسہ خدا کے فضل سے ہوا۔بہتر جگہ اور بہتر انتظام کے ماتحت ہوا۔اور واقعی سخت مخالفتوں کے طوفان اور مشکلات کی کٹھن اور خطرناک گھاٹیوں کو عبور کرنے کے بعد ہوا۔بڑی بڑی روکیں کھڑی کی گئیں۔طرح طرح کے حیلے اور باریک در باریک چالیں چلی گئیں۔مگر بالآخر ہنود و یہود اور ان کے معاون و مددگاروں کا خیبری قلعہ ٹوٹا اور بعینہٖ وہی ہوا جس کا نقشہ ''الہام الٰہی'' ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ خَرِبَتْ خَیْبَرُ [۵۹]'' میں بیان ہوا تھا۔دشمنوں نے ٹاؤن ہال نہ لینے دیا۔تو اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی بہتر سامان کر دیا۔اور اسلامیہ ہائی سکول اندرون شیرانوالہ دروازہ کی وسیع اور دومنزلہ عمارت' لمبے چوڑے صحن' بڑے بڑے کمروں۔ہال کمرہ و گیلریوں کو ملا کر ایک بڑی عظیم الشان عمارت جو ایک بڑے اجتماع کے لئے کافی اور موزوں تھی خدا نے دلا دی۔۲۶/دسمبر کا روز جلسہ کا پہلا دن تھا۔حاضری حوصلہ افزا نہ تھی۔سیدنا حضرت اقدس مسیح پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مضمون کے لئے ۲۷/دسمبر کا دن اور ڈیڑھ بجے دوپہر کا وقت مقرر تھا۔خدا کی قدرت کا کرشمہ اور اس کے خاص فضل کا نتیجہ تھا کہ حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحبؓ وفور عشق و محبت سے بے تاب ہو کر والہانہ رنگ میں وقت سے پہلے لاہور پہنچ گئے۔جن کی تشریف آوری سے ہم لوگوں کے لئے خاص تسکین اور خوشی کے سامان اللہ تعالیٰ نے بہم پہنچا دیئے۔

۱۳- حالات کی ناموافقت، جوشِ مخالفت اور قسما قسم کی مشکلات نیز وقت کی ناموزونیت کے

باعث خطرہ تھا اورفکر دامن گیر تھا کہ جلسہ شاید حسب دلخواہ بارونق نہ ہو سکے گا۔مگر شان ایزدی کہ خلق خدایوں کھچی چلی آ رہی تھی کہ جیسے فرشتوں کی فوج دھکیلے لا رہی ہو۔اوران کی تحریک کا اتنا گہرا اثر ہوا جس سے مخلوق کے دل بدل گئے اوران کے قلوب میں بجائے عداوت ونفرت کے عشق ومحبت بھرگئی۔مخالفوں کی مخالفت نے کھاد کا کام دیا اورروکنے اورمخالفت کرنے والوں کے غوغا نے لوگوں کی توجہ کواس طرف پھیر دیا۔لوگ کشاں کشاں تیز قدم ہوہوکر جلسہ گاہ کی طرف بڑھے اورہوتے ہوتے آخرنوبت یہاں تک پہنچی کہ صحن اوراس کے تمام بغلی کمرے اور ہال بھرگیا۔اوپر کی گیلریوں میں تل دھرنے کوجگہ نہ رہی اورہجوم اس قدم بڑھا کہ گنجائش نکالنے کوسمٹنا اورسکڑنا پڑا۔

دسمبر کی تعطیلات کی وجہ سے جا بجا جلسے' کانفرنسیں اورمیٹنگیں ہورہی تھیں۔لوگوں کی مصروفیات ،ان کے دنیوی کاموں میں انہماک اور مادی فوائد کے حصول کی مساعی کی موجودگی میں ایک خالص مذہبی جلسہ اورکانفرنس میں اس کثرت ہجوم کو دیکھنے والا ہرکس وناکس اس منظر سے متاثر ہوکراس حاضری وکامیابی کوغیرمعمولی' خاص اورخدائی تحریک وتصرف کا نتیجہ کہنے پر مجبور تھا اورنہ کسی ہندوکواس سے انکار تھا' نہ ہی سکھ اورآریہ سماجی کو۔نہ مسلمان کواس سے اختلاف تھا۔عیسائی' یہودی یا دیوسماجی کو بلکہ ہرفرقہ وطبقہ کے لوگ آج کے اس خارق عادت جذب اور بےنظیر کشش سے متاثر اوردل ان کے سچ مچ مرعوب ہوکرنرم تھے۔دیکھنے اور سننے میں فرق ہوتا ہے۔اس تقریب کی تصویر الفاظ میں ممکن نہیں۔مختصر یہ کہ وہ اجتماع اپنے ماحول کے باعث یقیناً عظیم الشان' بےنظیر اورلاریب غیرمعمولی تھا۔

۱۴- مضمون کا شروع ہونا تھا کہ لوگ بے اختیار جھومنے لگے اوران کی زبانوں پر بے ساختہ سبحان اللہ اورسبحان اللہ کے کلمات جاری ہوگئے۔سنا ہوا تھا کہ علم توجہ اورمسمریزم کے ساتھ ایک معمول سے تو یہ کچھ ممکن ہوتا ہے مگر ہزاروں کے ایک ایسے مجمع پر جس میں مختلف قوئی' عقائد اورخیال کے لوگ جمع تھے۔اس کیفیت کا پیدا ہوجانا یقیناً خارق عادت اورمعجزانہ تاثیر کا نتیجہ تھا۔یہ درست ہے کہ حضرت مولانا مولوی عبدالکریمؓ صاحب کوقرآن کریم سے ایک عشق تھا اوراللہ تعالیٰ نے ان کی آواز میں بھی لحن داؤدی کی جھلک پیدا کررکھی تھی۔نیز وہ ان آیات ومضامین کے ربط اورحقائق سے متاثر ہوکرجس رقت' سوز اورجوش سے تلاوت فرماتے ،آپ کا وہ پڑھنا آپ کی قلبی کیفیات اورلذت وسرور کے ساتھ مل کر سامعین کومتاثر کئے بغیر نہ رہتا تھا۔مگراس مجلس کی کیفیت بالکل ہی نرالی تھی۔اورکچھ ایسا سماں بندھا کہ اول تا آخر آیات قرآنی کیا اوران کی تشریح وتفسیر کیا ، سارا ہی مضمون کچھ ایسا فصیح و بلیغ ، مؤثر اوردلچسپ تھا کہ نہ مولانا

موصوف کے لہجہ میں فرق آیا نہ جوش ولذت ہی پھیکے پڑے۔ معارف میں فراوانی کے ساتھ عبارت کی سلاست وروانی اور مضمون کی خوبی وثقاہت نے حاضرین کو ایسا ازخود رفتہ بنادیا جیسے کوئی مسحور ہو۔ میں نے کانوں سنا کہ ہندو اور سکھ بلکہ کٹڑ آریہ سماجی اور عیسائی تک بے ساختہ سبحان اللہ سبحان اللہ پکار رہے تھے۔ ہزاروں انسانوں کا یہ مجمع اس طرح بے حس وحرکت بیٹھا تھا جیسے کوئی بت بے جان ہوں اور ان کے سروں پر اگر پرندے بھی آن بیٹھتے تو تعجب کی بات نہ تھی۔ مضمون میں روحانی کیفیت دلوں پر حاوی تھی۔ اور اس کے پڑھنے کی گونج کے سوا سانس تک لینے کی آواز نہ آتی تھی۔ حتی کہ قدرت خداوندی سے اس وقت جانور تک خاموش تھے۔ اور مضمون کے مقناطیسی اثر میں کوئی خارجی آواز رخنہ انداز نہیں ہو رہی تھی۔ کم وبیش متواتر دو گھنٹے یہی کیفیت رہی۔

افسوس کہ میں اس کیفیت کے اظہار کے قابل نہیں۔ کاش میں اس لائق ہوتا کہ جو کچھ میں نے دیکھا اور سنا اس کے عکس کا عشر عشیر ہی بیان کر سکتا۔ جس سے اس علمی معجزہ ونشان کی عظمت دنیا پر واضح ہو کر خلق خدا کے کان حق کے سننے کو اور دل اس کے قبول کرنے کو آمادہ وتیار ہوتے جس سے دنیا جہان کے گناہ‘ معاصی اور غفلتیں دور ہو کر ہزاروں انسان قبول حق کی توفیق پاتے۔

۱۵- ساڑھے تین بج گئے۔ وقت ختم ہو گیا۔ جس کی وجہ سے چند منٹ کے لئے اس پر لذت وسرور کیفیت میں وقفہ ہوا۔ اگلا نصف گھنٹہ مولوی مبارک علی صاحب سیالکوٹی کے مضمون کے لئے تھا انہوں نے جلدی سے کھڑے ہو کر پبلک کے اس تقاضا کو کہ ’’یہی مضمون جاری رکھا جائے۔‘‘ نیز ’’کسی اور کی جگہ اسی مضمون کو وقت دیا جائے۔‘‘ ’’اس مضمون کو مکمل اور پورا کیا جائے۔‘‘ اپنا وقت دے کر پورا کر دیا بلکہ اعلان کیا کہ ’’میں اپنا وقت اور اپنی خواہش اس قیمتی مضمون پر قربان کرتا ہوں۔‘‘ چنانچہ پھر وہی پیاری‘ مرغوب اور دلکش ودل نشین داستان شروع ہوئی۔ اور پھر وہی سماں بندھ گیا۔ چار بج گئے مگر مضمون ابھی باقی تھا اور پیاس لوگوں کی بجائے کم ہونے کے بڑھتی جارہی تھی۔ سامعین کے اصرار اور خود منتظمین کی دلچسپی کی وجہ سے مضمون پڑھا جاتا رہا۔ حتیٰ کے ساڑھے پانچ بجے گئے۔ رات کے اندھیرے نے اپنی سیاہ چادر پھیلانی شروع کر دی اور اس طرح مجبوراً یہ نہایت ہی میٹھی اور پر معرفت اور مسرت بخش مجلس اختتام کو پہنچی اور بقیہ مضمون ۲۹؍دسمبر کے لئے ملتوی کیا گیا۔

کوئی دل نہ تھا جو اس لذت وسرور کو محسوس نہ کرتا ہو۔ کوئی زبان نہ تھی جو اس کی خوبی وبرتری کا اقرار واعتراف نہ کرتی اور اس کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان نہ تھی۔ ہر کوئی اپنے حال اور قال سے

اقرار واعتراف کر رہا تھا کہ واقعی یہ مضمون سب پر غالب رہا۔ اور اپنی بلندی' لطافت اور خوبی کے باعث اس جلسہ کی زینت وروح رواں ہے اور جلسہ کی کامیابی کا ضامن ہے۔ نہ صرف یہی بلکہ ہم نے اپنے کانوں سنا اور آنکھوں دیکھا کہ کئی ہندو اور سکھ صاحبان مسلمانوں کو گلے لگا لگا کر کہہ رہے تھے کہ

''اگر یہی قرآن کی تعلیم اور یہی اسلام ہے جو آج مرزا صاحب نے بیان فرمایا ہے تو ہم لوگ آج نہیں تو کل اس کو قبول کرنے پر مجبور ہوں گے۔ اور اگر مرزا صاحب کے اس قسم کے ایک دو اور مضمون سنائے گئے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام ہی ہمارا مذہب ہوگا۔''

۱۶- آج کا جلسہ ۲۷؍دسمبر برخاست ہوگیا۔ لوگ گھروں کو جا رہے تھے۔ جلسہ گاہ کے دروازہ پر میں نے دیکھا کہ اس کے دونوں طرف دو آدمی کھڑے سیدنا حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہی اشتہار تقسیم کر رہے تھے جو حضور پُرنور نے میرے ہاتھ خاص تاکیدی احکام کے ساتھ بھجوایا تھا تاکہ معروف مقامات پر چسپاں کیا جائے۔ اور جلسہ سے پہلے ہی پہلے کثرت سے شائع کیا جائے۔ بلکہ یہ بھی تاکید تھی کہ یہ تھوڑا ہے۔ ضرورت کے مطابق لاہور ہی میں اور طبع کرا لیا جائے تاکہ قبل از وقت اشاعت سے اس خدائی نشان کی عظمت کا اظہار ہو۔ جس سے سعید روحیں قبول حق کے لئے تیار ہوں مگر ہوا یہ کہ خواجہ کمال الدین صاحب کے خوف کھانے کی وجہ سے پہلے دنیا جہان نے خدائی نشان کی عظمت کا مشاہدہ کیا اور اس کے غلبہ کا اقرار واعتراف اور بعد میں ان کو وہ اشتہار پہنچایا گیا جو کئی روز قبل چھاپا اور اچھی طرح شائع کرنے کو بھیجا گیا تھا۔ چنانچہ جب سیدنا حضرت اقدس مسیح پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواجہ صاحب کی اس کمزوری وکوتاہی کا علم ہوا تو حضور پرنور بہت خفا ہوئے اور کئی دن تک ...... جب بھی اس نشان الٰہی کا ذکر ہوا کرتا یا بیرونجات سے اس کامیابی کے متعلق رپورٹیں ملتیں۔ ساتھ ہی خواجہ صاحب کی اس کمزوری پر اظہار سننے میں آیا کرتا تھا۔

مضمون کی قبولیت اور پبلک کے اصرار وتقاضا سے متاثر ہو کر مینجنگ کمیٹی کا اجلاس خاص منعقد ہوا۔ اور اس میں یہ قرارداد پاس کی گئی کہ حضرت مرزا صاحب کے مضمون کی تکمیل کے لئے مجلس اپنے پروگرام میں ایک دن بڑھا کر ۲۹؍دسمبر کا چوتھا دن شامل کرتی ہے۔

حضور کے مضمون کی غیر معمولی قبولیت غیروں کو کب بھاتی تھی؟ مولوی محمد عبداللہ صاحب نے ایزادئی وقت کی اس خصوصیت اور اہمیت کو کم کرنے کے لئے کوشش کر کے اپنے لئے بھی وقت بڑھائے جانے کی کوشش کی۔ چنانچہ نصف گھنٹہ ان کے لئے بھی بڑھا دیا گیا۔ مگر دوسرے روز خود تشریف ہی نہ لائے اور اپنا

وقت مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے لئے وقف کر دیا۔ جس کی وجہ سے ظاہر ہے عیاں راچہ بیاں۔ مگر خدا کی شان حاضری اتنی حوصلہ شکن تھی کہ جلسہ گاہ کے بھر جانے کے انتظار ہی انتظار میں وقت گذرنے لگا۔ نہ مجلس کل کی طرح پُر رونق ہو نہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کھڑے ہوں۔ آخر بہت انتظار کے باوجود جب وہ خواہش پوری ہوتی نظر نہ آئی تو بادل ناخواستہ مجبوراً کھڑے ہوئے اور جو کچھ لکھا تھا پڑھ دیا۔ اور زیادہ وقت لینے کے باوجود نہ خود خوش ہوئے نہ پبلک نے کوئی داد دی۔

۱۷- ۲۹؍دسمبر کی صُبح کو ساڑھے نو بجے کارروائی جلسہ شروع ہونے والی تھی۔ دسمبر کا اخیر، سردی کی شدت اور وقت اتنا سویرے کا تھا کہ لوگ ضرورت سے فراغت پاسکیں تو درکنار۔ اتنی سویرے تو عام طور پر شہروں کے لوگ جاگنے کی عادی نہیں ہوتے۔ فکر تھی، اندیشہ تھا کہ شاید حاضری بہت ہی کم رہے گی۔ اور اس طرح آج وہ لطف شاید نصیب نہ ہوگا۔ مگر خدا کے کام اپنے اندر ایک غیر معمولی جذب اور مقناطیسی کشش رکھتے ہیں جسے کوئی طاقت روک ہی نہیں سکتی۔ انسان اگر غفلت اور سستی دکھائیں تو وہ فرشتوں سے کام لیتا ہے۔ چنانچہ سویرے ہی سویرے ٹھٹھرے ہوئے اور سردی سے سمٹتے اور سکڑتے ہوئے خلق خدا جھنڈ کے جھنڈ اور جوق در جوق اس کثرت اور تیزی سے آئی کہ ستائیس کی دوپہر بعد کا نظارہ بھی مات پڑ گیا۔ اور جلسہ نہایت شوکت اور عظمت اور خیر و خوبی سے جاری ساری اور پھر نہایت کامیابی وکامرانی سے اختتام پذیر ہوا۔ اور اس طرح حضور پرنور کا مضمون دنیا و جہان پر علیٰ رغم انوف الاعداء اپنے غلبہ، خوبی، کامیابی، اور عظمت وحقانیت کا سکہ بٹھا کر علمی دنیا کے لئے ہمیشہ قائم رہنے والا نشان بن کر آسمان دنیا پر سورج اور چاند کی طرح چمکنے لگا۔ دوست تو درکنار دشمن بھی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکے۔ اپنے اور بیگانے، پبلک اور منتظمین غرض ہر شعبہ میں اسی مضمون کا چرچا اور زبانوں پر حق جاری تھا۔ اخبارات نے مقالے لکھے اور اس صداقت کا اقرار واعتراف کیا۔ منتظمہ کمیٹی نے اپنی طرف سے اس اقرار کو رپورٹ متعلقہ میں درج کر کے اظہار حقیقت کیا۔ سچ ہے چڑھے چاند چھپے نہیں رہ سکتے۔ اور اس کا انکار بیوقوفی اور شب کوری کی دلیل ہوتا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے قبل از وقت اپنے مقدس ومقبول بندے سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ جو کچھ فرما دیا تھا وہ ہو کر رہا۔ خدا کی بات پوری ہوئی اور دنیا کی کوئی طاقت، کوئی تدبیر، کوئی مکر اور حیلہ خدائی کلام کے پورا ہونے میں روک نہ بن سکا۔

۱۸- رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب شائع ہوئی۔ اور منتظمہ کمیٹی جس کے اراکین ہر مذہب وملت کے ممبر اور اپنے طبقہ کے ذمہ دار لوگ تھے، کی طرف سے اس کے خرچ وصرف سے شائع ہوئی۔ تمام وہ

مضامین جو اس جلسہ میں پڑھے گئے یا اس کے واسطے لکھے گئے۔ اس میں من وعن درج کئے گئے تا کہ دنیا اس مذہبی دنگل اور میدان مقابلہ میں آنے والے سبھی کو یکجا دیکھ کر غور اور فیصلہ کر سکے۔ نیز حق و باطل میں تمیز کر سکے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ تا یہ امور قرآن کریم کی عظمت، اسلام کی حقانیت، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت اور سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خدا کے مقرب ومقبول بندے اور اس کے بلائے بولنے والے اور اس کے سچے نبی ورسول ہونے کے لئے بطور شاہد قائم دائم رہیں۔

حضور پُر نور کا یہی وہ مضمون ہے جو اردو میں ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' کے نام سے اور انگریزی میں ''ٹیچنگز آف اسلام'' کے سرنامہ وعنوان کے ماتحت بارہا ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں شائع ہو کر دنیا جہان کی روحانی لذت وسرور کے سامان اور ہدایت کے راستہ آسان کرتا اور نہ صرف یہی بلکہ دنیا کی کئی اور زبانوں میں بھی چھپ کر شائع ہوتا چلا آ رہا ہے۔

۱۹- یہ رپورٹ شائع ہوئی اور خدا کی خدائی گواہ ہے کہ ہزارہا انسانوں نے جو کچھ جلسہ میں دیکھا اور سنا تھا وہی کچھ رپورٹ میں درج ہوا۔ وہی مضامین جو نمائندگان مذہب نے لکھے اور سنائے اور پھر انہوں نے اصل یا نقل منتظمہ کمیٹی کے حوالے کئے ٹھیک ٹھیک اور بالکل وہی اور بعینہٖ طبع ہوئے تھے، مگر کیا کہا جائے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو اور ان کی عقل ودانش کو کہ انہوں نے رپورٹ کی اشاعت پر یہ واویلا شروع کر دیا کہ ان کے نام سے جو مضمون اس میں طبع کر دیا گیا ہے وہ درحقیقت ان کا ہے ہی نہیں۔ مولوی صاحب کی غرض وغایت اس الزام تراشی سے ظاہر ہے کہ مقابلہ میں شکست کی ذلت کو جو چھپانا تھی۔ حالانکہ ان کی یہ حرکت عذر گناہ بدتر از گناہ اور اپنے ہاتھوں اپنی خاک اڑانے کے مترادف تھی۔ یہ امر منتظمین سے پوشیدہ نہ تھا۔ منتظمین نے مولوی صاحب کے اس واویلا اور غوغا کو درخور اعتناء ہی نہ سمجھا۔ اس طرح مولوی صاحب کی پردہ داری کی بجائے اور بھی زیادہ پردہ دری ہوتی۔ ورنہ اگر حقیقت یہی تھی جس کا ان کو گلہ تھا تو کیوں نہ اپنا اصل مضمون شائع کر کے منتظمین کے اس فریب اور دھوکہ کو الم نشرح کر دکھایا۔

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

۲۰- سوامی شوگن چندر صاحب جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اس عظیم الشان نشان صداقت کے اظہار کے سامان پیدا کئے۔ جلسہ کی تمام تر کارروائی کے دوران میں اور پھر رپورٹ کی اشاعت تک تو ملتے ملاتے اور آتے جاتے رہے پھر نہ معلوم وہ کیا ہوئے اور کہاں چلے گئے۔ گویا خدائی قدرت کا ہاتھ انہیں

اس خدمت کی غرض سے قادیان لایا تھا اور پھر پہلے کی طرح غائب ہوگئے۔☆

حضرت منشی جلال الدین صاحب بلانوی اور حضرت پیر جی سراج الحق صاحب نعمانی رضوان اللہ علیہم دونوں بزرگوں کے ہاتھ کا نقل کردہ حضرت اقدس کا وہ مضمون جن پر سے حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحبؓ نے اس جلسہ میں پڑھ کر سنایا تھا۔ آج تک میرے پاس محفوظ ہے۔ مگر چونکہ اس مقدس اور قیمتی امانت کی حفاظت کا حق ادا کرنے سے قاصر ہوں لہٰذا قومی امانت سمجھ کر اس کو سیدنا قمرالانبیاء حضرت صاحبزادہ عالی مقام مرزا بشیر احمد صاحب سلمہ، ربہٗ کے سپرد کرتا ہوں۔ جو ایسے کاموں کے احق اور اہل ہیں تاکہ قائم ہونے والے قومی میوزیم میں رکھ کر اس کو آنے والی نسلوں کے ایمان وایقان کی مضبوطی و زیادتی اور عرفان میں ترقی کا ذریعہ بنا سکیں۔ فقط

عبدالرحمٰن قادیانی
۲۰؍جولائی ۱۹۴۲ء*

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم
وعلٰی عبدہ المسیح الموعود
خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ
مکرم ومحترم مہتہ شیخ بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بہ تعمیل ارشاد روایات متعلقہ جلسہ مہوتسو رجسٹر نمبر ۱۱۴ صفحہ ۱۷۸ کتب خانہ صدر انجمن احمدیہ نقل کرکے حاضر خدمت ہیں۔ اصل کاغذات متعلقہ مورخہ ۲؍جنوری ۱۹۴۶ء کو

☆ (اضافہ بوقت طبع دوم) الفضل جلد ۳ نمبر ۳۷ بابت ۱۶ ستمبر ۱۹۱۵ء میں ور عنوان ''خبریں'' یہ خبر درج ہے:
''سوامی شوگن چندر جی اچاریہ جو ایک تعلیم یافتہ سادھو تھے۔ بڑے قابل، صوفی منش، بے تعصب اور علم دوست، افسوس کہ ۱۷؍اگست کو دہلی میں بعمر ۶۷ (ستاسٹھ) سال انتقال کر گئے۔ دھرم مہوتسو والا مشہور ومعروف مضمون ''اسلام کی فلاسفی'' (یعنی اسلامی اصول کی فلاسفی۔ ناقل) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہی کی استدعا پر لکھا تھا جو خدا کے فضل سے دیگر مضامین کے مقابلہ میں سب سے زیادہ مکمل، موثر، مقبول وغالب رہا۔''

* طبع اوّل میں اس مضمون کو غیر مطبوعہ بتایا گیا ہے جو سہو تھا۔ دراصل حضرت بھائی جی نے یہ مضمون تقسیم ملک سے پہلے نقل کرکے رکھ لینے کے لئے خاکسار کو دیا تھا اور بعد تقسیم ملک اسے شائع فرما دیا۔

ریل گاڑی میں گم ہو گئے ہیں۔

۱۵- جلسہ مہوتسو سوامی شوگن چندر کے اشتہار جو (محمد الدین ۴۶-۶-۲۳) بمقام لاہور منعقد ہوا تھا۔ سوامی شوگن چندر رسالہ فوجی میں ہیڈ کلرک تھا اور منشی (مرزا) جلال الدین صاحب (کا) ہمنشیں اور صحبت یافتہ تھا۔ منشی صاحب فرماتے تھے کہ اس کے عیال واطفال فوت ہو گئے اس لئے نوکری چھوڑ کر فقیر بن گیا۔

۱۶- جلسہ کا مضمون (اسلامی اصول کی فلاسفی) پڑھے جانے سے پہلے مخفی رکھا گیا تھا۔ حضرت صاحب نے منشی جلال الدین صاحبؓ کو اس کی کاپی لکھنے پر مامور فرمایا۔ اور فرمایا کہ منشی صاحب کا خط مایقرء ہوتا ہے اس لئے آپ ہی اس کو لکھیں۔ چنانچہ منشی صاحب نے وہ مضمون اپنی قلم سے لکھا۔

۱۷- منشی صاحب فرماتے تھے کہ حضرت صاحب نے فرمایا کہ میں نے اس مضمون کی سطر سطر پر دعا کی ہے۔

۱۸- مضمون کے لکھے جانے اور پڑھے جانے کے وقت مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار تھے اس لئے مضمون پڑھنے کے لئے خواجہ کمال الدین صاحب کو تیار کیا جا رہا تھا لیکن خواجہ صاحب انگریزی خواں تھے۔ قرآن شریف عربی لہجہ میں پڑھ نہ سکتے تھے۔ آخر وقت پر مولوی عبدالکریم صاحبؓ نے پڑھ کر جلسہ پر لاہور میں سنایا۔

۱۹- میں محمد دین جلسہ پر حاضر نہیں ہو سکا تھا۔ میرے حلقہ پٹوار میں (تین چار حصہ میں تقسیم تھی) چھ سات امسلہ تقسیم زیر کار تھیں جن کی وجہ سے مجھے رخصت نہ مل سکی۔ اس لئے منشی جلال الدین صاحب حاضر ہوئے تھے۔ انہوں نے سنایا کہ اللہ تعالیٰ کی تائید معجزانہ رنگ میں ہوئی۔ سردی کے موسم کے باوجود کسی شخص کو کھانسی یا چھینک نہ آئی۔ ہمہ تن گوش ہو کر لوگوں نے سنا۔ آخر سکھوں نے مسلمانوں کو چھا مار کر اٹھایا اور مبارکبادیں دیں۔ اور یہ کہا کہ

''جے کدے مرزا ایہو جیہا اک مضمون ہور دوَ۔ تاں مسلمان ہی ہونا پئو۔''

(یعنی اگر مرزا ایسا ہی مضمون اور دیوے گا تو ہم کو مسلمان ہی ہونا پڑے گا)۔ نیز منشی صاحب نے فرمایا کہ جانور یعنی پرندوں پر بھی الٰہی تصرف تھا کہ چڑیا تک کی بھی کوئی آواز سنائی نہ دی۔

محمد الدین ۴۶-۶-۲۳

۲۰- حضرت صاحب نے اس مضمون کے متعلق ماہ اگست ۱۸۹۶ء یعنی جلسہ سے چار ماہ قبل

اشتہار دیا۔

''خربت خیبر۔ بالا رائے۔ سب پر غالب آئے گا۔'' [۲۰]

الہامات شائع کئے۔ لاہور میں خواجہ کمال الدین صاحب نے تشہیر بعد میں کی جس پر حضرت صاحب ناراض ہوئے۔

۲۱- اشتہار مذکور منشی جلال الدینؓ نے اپنے ایک دوست اور ہمعصر سردار بہادر مردان علی خاں رسالدار میجر پنشنر رسالہ نمبر۱۲ ساکن☆ کو دیا۔ اور تبلیغ بھی کی۔ جب پیشگوئیوں کے وقوع اور مضمون کی کامیابی سردار مردان علی خاں نے پڑھی تو کہا۔ ''ہن مرزے دی چڑھ بھی۔'' کہ اب مرزا لوگوں پر اپنا غلبہ بڑھ چڑھ کر پیش کرے گا۔ اور لوگ حجت ملزمہ (کے*) آگے سرنگون ہو جائیں گے۔

نقل مطابق اصل ہے ۲۶-۲۵-۶-۲۳ محمد الدین بقلم خود

اشتہار تبلیغ حصہ پنجم صہ ۷۶-۷۷ کے حاشیہ میں سوامی شوگن چندر کے اشتہار کا ذکر ہے۔ جو غالباً اگست ۹۶ء میں سوامی صاحب نے مشتہر کیا تھا۔

۲۶-۴۵-۶-۲۲-محمد الدین
(یعنی ۱۳۲۵ھش۔ مؤلف)☆☆

۱۲- عید قربان ۱۹۰۰ء اور خطبہ الہامیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

☆ ساکن کو دیا۔ والا مقام اصل میں خالی ہوگا یا مؤلف ہذا سے پڑھا نہیں گیا ہوگا۔ مؤلف کو یاد نہیں۔ خطوط وحدانی کے الفاظ ''کا'' اور ''کی'' خاکسار مؤلف کی طرف سے ہیں۔

* یہ لفظ از خاکسار مؤلف ہے۔

☆☆ حضرت اقدسؑ نے ۲۱ر دسمبر ۱۸۹۶ء کو جلسہ سے چند دن پہلے اشتہار دیا تھا، نہ کہ چند ماہ پہلے۔ اس اشتہار میں سوامی جی کے اشتہار کا ذکر آتا ہے لیکن ان کے اشتہار کی تاریخ کا وہاں ذکر نہیں۔ اصل الفاظ الہامات کے لئے احباب اشتہار حضرت اقدسؑ یا تذکرہ کی طرف رجوع فرمائیں۔

ھوالناصر

عیدقربان ۱۹۰۰ءاورخطبہ الہامیہ

الحمدللہ ۔ الحمدللہ ۔ ثم الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ ۔ لقد جاء ت رسل ربنا بالحق۔

اللہ تعالیٰ کا خاص بلکہ خاص الخاص فضل ہے کہ مجھ ناکارہ نالائق کو لطف وکرم سے نوازا۔ اور سراسراحسان سے اٹھا کر اپنے برگزیدہ اورحبیب جری اللہ فی حلل الانبیاء کے قدموں میں لاڈالا۔ ۱۹۰۰ء کے مندرجہ عنوان نشان کے ظہور کے وقت بھی مجھ غلام کو حضوری کا شرف میسر تھا۔اس طرح اس روز کے علمی معجزہ کو آنکھوں دیکھنے اور کانوں سننے کی سعادت نصیب ہوئی۔

وذالک فضل اللہ علینا وعلی الناس ولکن اکثر الناس لایشکرون۔

۲- عید کے پہلے دن یعنی حج کے روز سیدنا حضرت اقدس کی طرف سے چاشت کے وقت یہ اعلان کرایا گیا کہ قادیان میں موجود تمام دوستوں کے نام لکھ کر حضرت کے حضور پیش کئے جائیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے محض فضل اور رحم سے یہ دن حضور پُرنور کے لئے دعاؤں کی قبولیت کے واسطے خاص فرما کر حضور کو اذن دیا تھا اور حضور خدا کے اس انعام میں اپنے خدام کو بھی شریک فرمانا چاہتے تھے ورنہ ۹۵ء سے اس دن تک پانچ چھ سالہ فیض صحبت کی سعادت سے بہرہ ور ہونے کی وجہ سے میں کہہ سکتا ہوں کہ اس دن کے سوا حضور کی طرف سے اس قسم کا اعلان پہلے کبھی ہوتا میں نے نہ دیکھا نہ سنا تھا۔ یوں تو دعاؤں کے لئے ہم لوگ اکثر لکھتے اور عرض کرتے رہا کرتے تھے اور بعض اصحاب حسب ضرورت وحاجت اکثر روزانہ اور متواتر ہفتوں بھی حضرت کے حضور دعاؤں کی درخواستیں بھیجا کرتے تھے۔ حضور کی مجلس کے دوران میں بھی کبھی کبھی احباب التجاء دعا کرتے جس کے جواب میں عموماً تو حضور فرمایا کرتے۔ ’’انشاء اللہ دعا کروں گا یاد دلاتے رہیں۔‘‘ اور کئی بار ایسا بھی ہوا کرتا تھا کہ ادھر کسی نے دعا کے لئے عرض کیا ادھر حضور نے دست دعا اللہ تعالیٰ کے حضور بڑھا کر اس کے لئے دعا کردی۔ جس میں حاضرین مجلس سبھی شریک ہو جایا کرتے۔تحریری درخواست ہائے دعا کے جواب میں بعض دوستوں کو حضور خود دست مبارک سے جواب تحریراً بھی دیا کرتے تھے مگر اس یوم الحج کے روز تو ضرور کوئی خاص ہی فضل الٰہی تھا جس میں حضور نے ازراہ شفقت تمام خدام، احباب اور مہمانوں کو شامل کرنے کے لئے خاص طور سے اعلان کرایا تھا۔

۳- اس اعلان کا ہونا تھا کہ جہاں یکجائی فہرست میں ہر کسی نے دوسرے سے پہلے اپنا نام لکھانے کی کوشش کی۔ وہاں فرداً فرداً بھی رقعات اور عرائض بھیجنے کی سعی کی۔ ایک فہرست حضرت مولانا مولوی نورالدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیر قیادت تیار ہوئی تھی۔ اور میرا خیال ہے کہ اسی طرح بعض دوستوں نے اور بھی دو ایک فہرستیں تیار کر کے اندر بھجوائی تھیں۔ کتنے رقعات اور عرائض فرداً فرداً حضرت کے حضور پہنچائے گئے ان کا حساب اللہ تعالیٰ کو ہے کیونکہ ہر شخص کی خواہش تھی کہ میرا عریضہ پہلے اور حضرت کے اپنے ہاتھ میں پہنچے۔ چنانچہ اس کوشش میں اس روز حضور کی ڈیوڑھی کیا اور مسجد مبارک کی طرف سے سیڑھیاں کیا خدام سے اٹی رہیں اور بچوں اور خادمات نے بھی دوستوں کے عریضے اور خطوط پہنچانے میں جو احسان کیا وہ اپنی جگہ قابل رشک کام تھا۔

اس زمانہ میں عیدین کے موقعہ پر بھی دارالامان میں بیرونجات سے آنے والے احباب کی وجہ سے خاص چہل پہل ہو جایا کرتی تھی اور جلسہ کا سا رنگ معلوم دیا کرتا تھا۔ رقعات اور عرائض کا سلسلہ بہت زیادہ لمبا ہو گیا۔ اور بچوں اور خادمات کے بار بار جانے کی وجہ سے حضور کی توجہ الی اللہ میں خلل اور روک محسوس ہوئی تو حکم دیا گیا کہ اب کوئی رقعہ حضرت کے حضور نہ بھیجا جاوے۔ الغرض دن اونچا ہونے سے لے کر ظہر تک اور ظہر کے بعد سے عصر اور شام بلکہ عشاء کی نماز تک سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام دروازے بند کئے دعاؤں میں مشغول اپنی جماعت کے لئے اللہ کے حضور التجائیں کرتے رہے اسلام کی فتح اور خدا کے نام کے جلال و جمال کے ظہور۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت اور احیاء وغلبہ اسلام کے لئے نہ جانے کس کس رنگ میں تنہا سوز و گداز سے دعائیں کرتے رہے۔ یہ امر دعائیں کرنے والے جانتے ہیں یا جس ذات سے التجائیں کی جائیں وہ جانتا ہے۔ لوگوں نے جو کچھ سنا وہ آگے سنا دیا۔ یا قیاس کر لیا ورنہ حقیقت یہی تھی کہ خدا کا برگزیدہ جانتا تھا یا پھر خود خدا جس سے وہ مقدس کچھ مانگ رہا تھا۔

۴- دوسرا دن عید تھا۔ اللہ تعالیٰ نے کل کی دعاؤں کو سنا اور نوازا۔ اس روز کی تنہائی کے راز و نیاز کو قبول فرمایا۔ اور حضور کو بشارتیں دیں جن کے نتیجہ میں حضور کی طرف سے حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحبؓ و حضرت مولانا مولوی نورالدین صاحبؓ اور بعض اور احباب خاص کو یہ ارشاد پہنچا کہ آج ہم کچھ بولیں گے اور عربی زبان میں تقریر کریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عربی میں نطق کی خاص قوت عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے لہٰذا آپ لکھنے کا سامان لے کر مسجد میں چلیں۔ اس خبر سے قادیان بھر میں مسرت و انبساط کی

ایک لہر دوڑ گئی اور ہماری عید کو چار چاند لگ گئے۔عید کے موقعہ پر اکثر شیخ رحمت اللہ صاحب مرحوم حضرت کے حضور نیا لباس پیش کیا کرتے تھے۔اور مدت سے ان کا یہ طریق چلا آ رہا تھا۔اس روز اس لباس کے پہننے میں کچھ تاخیر ہوگئی۔یا سیدنا حضرت اقدس ہی خدا کے موعود فضل کے حصول کی سعی وکوشش میں ذرا جلد تشریف لے آئے۔وہ لباس آج پہنچا نہ تھا اور حضور تیار ہو کر مسجد مبارک کی سیڑھیوں کے رستے اتر کر مسجد اقصیٰ کو روانہ ہو لئے تھے۔مسجد مبارک کی کوچہ بندی سے ایک یا دو قدم ہی حضور آگے بڑھے ہونگے کہ وہ لباس حضرت کے حضور پیش ہوگیا۔اور حضور پُر نور خلاف عادت شیخ صاحب کی دلجوئی کے لئے واپس الدار کولوٹے۔اندرون بیت تشریف لے جا کر یہ لباس زیب تن فرمایا۔اور پھر جلد ہی واپس مسجد اقصیٰ میں پہنچ کر حسب معمول مخدومنا حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتداء میں نماز عید ایک خاصے مجمع سمیت ادا فرمائی۔مگر خطبہ عید حضرت اقدس نے خود دیا۔

۵- سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خطبہ اردو میں پڑھا جس کے آخری حصہ میں خصوصیت سے جماعت کو باہم اتفاق اور اتحاد اور محبت ومؤدت پیدا کرنے کی نصائح فرمائیں اور پھر اس کے بعد حضور نے حضرات مولوی صاحبان کو خاص طور سے بیٹھ کر لکھنے کی تاکید کی اور فرمایا کہ

''اب جو کچھ میں بولوں گا وہ چونکہ ایک خاص خدائی عطا ہے لہٰذا اس کو توجہ سے لکھتے جائیں تا کہ محفوظ ہو جائے ورنہ بعد میں میں بھی نہ بتا سکوں گا کہ میں نے کیا بولا تھا۔(ماحصل فرمان بالفاظ قادیانی)

چنانچہ حضرت مولانا مولوی نورالدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو دور بیٹھے ہوئے تھے اپنی جگہ سے اٹھے اور قریب آ کر سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دائیں جانب حضرت مولانا مولوی عبدالکریم رضی اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیٹھ گئے۔حضور اقدس اس وقت اصل ابتدائی مسجد اقصیٰ کے درمیانی دروازہ کے شمالی کونہ میں ایک کرسی پر شرق رو تشریف کبیر فرما تھے اور حاضرین کا اکثر حصہ صحن مسجد میں۔مکرمی محترم حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی ☆ اور عاجز راقم بھی پنسل کاغذ لے کر لکھنے کو بیٹھے۔کیونکہ مجھے خدا کے فضل سے حضور کی ڈائری نویسی کا ازحد شوق تھا* اور حضرت شیخ صاحب اپنے اخبار الحکم کے لئے لکھنے کے عادی ومشاق تھے پہلی تقریر یعنی خطبہ عید حضور نے کھڑے ہو کر فرمائی تھی جس کے بعد

☆ پیرانمبر۵ میں بدر میں ''عرفانی کبیر'' کے الفاظ چھوٹے ہوئے ہیں اور ان کی جگہ نقطے ڈالے ہوئے ہیں۔

* وہاں یہ جو الفاظ ہیں ''ڈائری نویسی کا ازحد شوق تھا''۔بدر میں ''ازحد'' کی بجائے سہواً ''ازخود'' درج ہے۔

حضور کے لئے خاص طور سے ایک کرسی بچھائی گئی۔اس پر حضور تشریف فرما ہوئے اور جب عرض کیا گیا کہ لکھنے والے حاضر و تیار ہیں تو

۶۔ حضور پُر نور اسی کرسی پر بیٹھے گویا کسی دوسری دنیا میں چلے گئے معلوم دینے لگے حضور کی نیم وا چشمان مبارک بند تھیں۔اور چہرہ مبارک کچھ اس طرح منور معلوم دیتا تھا کہ انوار االٰہیہ نے ڈھانپ کر اتنا روشن اور نورانی کر دیا تھا کہ جس پر نگہ ٹک بھی نہ سکتی تھی۔اور پیشانی مبارک سے اتنی تیز شعاعیں نکل رہی تھیں کہ دیکھنے والی آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں۔حضور نے گونہ دھیمی مگر دلکش اور سریلی آواز میں جو کچھ بدلی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔فرمایا

یاعباد الله فکروافی یومکم هذا یوم الا ضحے فانه اودع اسراراً لأُولِی النهی......

لکھنے والے لکھنے لگے جن میں خود میں بھی ایک تھا مگر چند ہی فقرے اور شاید وہ بھی درست نہ لکھے گئے تھے لکھنے کے بعد چھوڑ کر حضور کے چہرہ مبارک کی طرف ٹکٹکی لگائے بیٹھا اس تبتل وانقطاع کے نظارہ اور سریلی دلوں کے اندر گھس کر کایا پلٹ دینے والی پر کیف آواز کے لطف اٹھانے لگ گیا۔تھوڑی دیر بعد حضرت شیخ صاحب بھی لکھنا چھوڑ کر اس خدائی نشان اور کرشمہ قدرت کا لطف اٹھانے میں مصروف ہو گئے لکھتے رہے تو اب صرف حضرت مولوی صاحبان دونوں جن کو خاص حکم تھا کہ وہ لکھیں۔

لکھنے میں پنسلیں استعمال کی جا رہی تھیں۔جو جلد جلد گھس جاتی تھیں جب ایک گھس جاتی تو دوسری اور پھر تیسری بدل بدل کر لکھا جاتا تھا۔مجھے یاد ہے کہ پنسل تراشنے اور بنا بنا کر دینے کا کام بعض دوست بڑے شوق ومحبت سے کر رہے تھے۔مگر نام ان میں سے مجھے کسی بھی دوست کا یاد نہ رہا تھا۔ایک روز اس مقدس خطبہ الہامیہ کے ذکر کے دوران میں مکرم ومحترم حضرت مولانا مولوی عبدالرحیم صاحب درد نے بتایا کہ وہ بھی اس عید اور خطبہ الہامیہ کے نزول کے وقت موجود تھے اور لکھنے والوں کو پنسلیں بنا کر دیتے رہے تھے۔

۷۔ بعض اوقات حضرت مولوی صاحبان کو لکھتے میں پیچھے رہ جانے کی وجہ سے یا کسی لفظ کے سمجھ نہ آنے کے باعث یا الفاظ کے حروف مثلاً الف اور عین، صاد وسین یا تاء اور طوت وغیرہ وغیرہ کے متعلق دریافت کی ضرورت ہوتی۔تو دریافت کرنے پر سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عجیب کیفیت ہوتی تھی اور حضور یوں بتاتے تھے جیسے کوئی نیند سے بیدار ہو کر یا کسی دوسرے عالم سے واپس آ کر بتائے۔اور وہ دریافت کردہ لفظ یا حرف بتانے کے بعد پھر وہی حالت طاری ہو جاتی تھی۔اور انقطاع کا یہ عالم تھا کہ ہم لوگ یہ محسوس کرتے تھے کہ حضور کا جسد اطہر صرف یہاں ہے روح حضور پُر نور کی عالم بالا میں

پہنچ کر وہاں سے پڑھ یا سن کر بول رہی تھی ۔ زبان مبارک چلتی تو حضور ہی کی معلوم دیتی تھی مگر کیفیت کچھ ایسی تھی کہ بے اختیار ہو کر کسی کے چلائے چلتی ہو۔ یہ سماں اور حالت بیاں کرنا مشکل ہے۔ انقطاع، تبتل، ربودگی یا حالت مجذوبیت و بے خودی ووارفتگی اور محویت نامہ وغیرہ الفاظ میں سے شاید کوئی لفظ حضور کی اس حالت کے اظہار کے لئے موزوں ہوسکے۔ ورنہ اصل کیفیت ایک ایسا روحانی تغیر تھا جو کم از کم میری قوت بیان سے تو باہر ہے کیونکہ سارا ہی جسم مبارک حضور کا غیر معمولی حالت میں یوں معلوم دیتا تھا جیسے ذرہ ذرہ پر اس کے کوئی نہاں در نہاں اور غیر مرئی طاقت متصرف وقابو یافتہ ہو۔ لکھنے والوں کی سہولت کے لئے حضور پرنور فقرات آہستہ آہستہ بولتے اور اکثر دہرا دہرا کر سناتے تھے۔ خطبہ الہامیہ کے نام سے جو کتاب حضور نے شائع فرمائی یہ بہت بڑی ہے۔ ۱۹۰۰ء کی عید قربان کا وہ خاص خطبہ مطبوعہ کتاب کے ۳۸ صفحات تک ہے باقی حصہ حضور نے بعد میں شامل فرمایا۔

۸- یہ جلسہ اور مجلس ذکر لمبی ہوئی اور نماز کا وقت آ گیا۔ کیونکہ حضور پُر نور نے جب یہ خطبہ عربی ختم فرمایا تو دوستوں میں اس کے مضمون سے واقف ہونے کا اشتیاق اتنا بڑھا کہ حضور نے بھی آخر پسند فرمایا کہ حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحبؓ اس کا ترجمہ لوگوں کو سنا دیں۔ چنانچہ مولانا موصوف نے خوب مزے لے لے کر اس تمام خطبہ کا ترجمہ اردو میں اپنے خاص انداز اور لب ولہجہ میں سنا کر دوستوں کو محظوظ اور خوش وقت فرمایا اور یہ کیفیت بھی اپنے اندر ایک خاص لطف، سرور اور لذت روحانی رکھتی ہے۔ اور ترجمہ ابھی غالباً پورا بھی نہ ہوا تھا کہ اچانک کسی خاص فقرہ سے متاثر ہو کر یا اللہ تعالیٰ کے خاص القاء کے ماتحت سیدنا حضرت اقدس کرسی سے اٹھ کر سجدہ میں گر گئے۔ اور اسی طرح سارا مجمع تھوڑی دیر کے بعد حضور کے ساتھ خدائے بزرگ وبرتر کے اس عظیم الشان ''نشان'' کے عطیہ کے لئے آستانہ الوہیت پر گر کر جبین نیاز ٹکائے اظہار تشکر و امتنان کرتا رہا۔ **فالحمدللہ ! الحمدللہ ثم الحمدللہ علیٰ ذلک۔**

۹- سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خواہش فرمائی کہ اس خدائی نشان کو لوگ یاد کرنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ حضور کے ارشاد کی تعمیل میں خطبہ الہامیہ کی اشاعت کے بعد بہت سے دوستوں نے اس کو یاد کرنا شروع کیا۔ بعض نے پورا یاد کرلیا تو بعض نے تھوڑا۔ مگر ان دنوں اکثر یہی شغل تھا اور ہر جگہ ہر مجلس میں اسی خطبہ یعنی خطبہ الہامیہ کے پڑھنے اور سننے سنانے کی مشق ہوا کرتی تھی۔ بعض روز شام کے دربار میں کوئی کوئی دوست بھری مجلس میں حضرت اقدس کے سامنے یاد کیا ہوا سنایا بھی کرتے تھے اور اس طرح خدا کی اس نعمت کا چرچا رہتا تھا۔ میں نے بھی تین چار صفحات یاد کئے تھے۔

۱۰- سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وجود باجود دنیا جہان بلکہ ہفت اقالیم سے بھی کہیں بڑی نعمت، خدا کا خاص انعام اور فضل واحسان تھا۔ کیونکہ وہ خدانما تھا جس کو دیکھتے ہی خدا کی عظمت وجلال کا کبھی نہ مٹنے والا اثر دل ودماغ پر ہوتا اور خدا کی خدائی پر یقین پیدا ہوا کرتا تھا۔ جس کی مجلس خدا کے تازہ بتازہ کلام سننے کا مقام اور اس کلام کو پورا ہوتے دیکھنے سے خدا کے کامل علم اور اس کی کامل قدرت پر یقین ہونے کی جگہ اور دلوں میں نور، علم وعرفان بھرنے کا ذریعہ ہوا کرتی تھی۔ روح کی تازگی، ایمان کی مضبوطی، قلوب کی صفائی اور اذہان کی جلا کے سامان اس مجلس میں جمع ہوا کرتے تھے۔ تزکیہ نفوس کے سامان اس میں ملتے اور محبت الٰہی کی آگ پیدا ہو کر دنیا کی محبت کو سرد کر دیا کرتی تھی۔ چنانچہ اس تازہ نشان نے بھی جماعت میں ایک روحانی تغیر پیدا کر دیا۔ اور سالکین کے لئے منازل ایقان وعرفان کو آسان کر دیا تھا۔ اور ایک خاص روحانی انقلاب کا یہ نشان الٰہی پیش خیمہ تھا۔ جس کی اہمیت گہرے غور وتدبر سے ہمیشہ نمایاں ہوتی رہے گی۔

عید کے روز حضور کے اس خطبہ یعنی خطبہ الہامیہ کے پڑھے جانے اور حضور پُر نور کو نطق کی خاص طاقت وقوت عطا کئے جانے سے یوم الحج کے روز کی دعاؤں کی قبولیت کا یقین گویا مشاہدہ میں بدل گیا تھا۔ کیونکہ یہ دنوں چیزیں باہم بطور لازم وملزم کے تھیں۔

یہ عید اپنی بعض کیفیات کے لحاظ سے تاریخ سلسلہ کا ایک اہم ترین واقعہ اور ایک خاص باب ہے جس کی گہرائیوں میں جتنے بھی غوطے لگائے جائیں گے اتنے ہی زیادہ سے زیادہ قیمتی، انمول اور بے مثال موتی ملیں گے۔ مبارک وہ جن کو ان کے حصول کی توفیق رفیق ہو۔ اور سلامتی ہو ان پر جو ان کو حاصل کر کے خدمت سلسلہ اور خدمت خلق میں صرف کریں۔

اللھم صل علی محمد و ال محمد وبارک وسلم انک حمید مجید

امین امین ثم امین

عبدالرحمٰن قادیانی ۲۸؍جولائی ۱۹۴۶ء

۱۳- داغ ہجرت کا الہام

حضرت بھائی جی تحریر فرماتے ہیں:

''داغ ہجرت کا الہام بھی تو ہے''۔ یہ وہ الفاظ ہیں جو میں نے سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود

علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے بلا واسطہ، براہ راست سُنے اور پچاس برس سے میرے دل ودماغ میں محفوظ ومنقوش چلے آرہے ہیں۔ اور آج بھی جب میں عالم خیال میں اس مجلس میں ہوتا ہوں تو ان پاک کلمات کی گونج میرے کان محسوس کرنے لگتے ہیں۔

جب ''مقدمہ، دیوار'' والی دیوار کی وجہ سے جماعتی کاموں میں روک بڑھنے لگی مہمانوں کومختلف قسم کی تکالیف کا سامنا ہوا۔ فرائض دینی کی ادائیگی میں مشکلات حائل ہوئیں۔ مقدمہ لمبا ہوتا گیا تو سیدنا حضرت اقدس مسیح پاک علیہ الف الف صلوٰۃ والسلام نے احباب سے مشورہ سے یہ تجویز فرمائی کہ ضلع کے حاکم اعلیٰ کے پاس ایک وفد بھیج کر اپنی مشکلات وتکالیف پیش کر کے ان کے ازالہ کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ جماعت کے معزز احباب کی ایک فہرست مرتب کی گئی جس میں بڑے بڑے زمیندار، تجار اور ملازمت پیشہ اصحاب شامل تھے۔ اوران سب کو اطلاعات بھجوائی گئیں۔ تا کہ وہ وقت وتاریخ مقررہ پر پہنچنے کے لئے تیار ہوسکیں۔

حسن اتفاق سے صاحب ضلع کے دورہ کا اعلان ہوا۔ جس میں ایک یا دو دن کا مقام ہرچووال متصل قادیان کے نہری بنگلہ پر مقرر تھا۔ علم ہونے پر حضور نے اس مقام پر وفد کے پیش ہونے کی تجویز کو پسند فرمایا۔ اطلاعات بھجوانے پر وفد کے احباب تاریخ مقررہ سے پہلے قادیان پہنچ گئے اور حضور سے ملاقات کی سعادت کے بعد ہدایات لے کر صاحب ڈپٹی کمشنر کی ملاقات کے لئے وفد بہ سرکردگی حضرت حافظ حاجی حکیم فضل الدین صاحب بھیروی یکوں پر سوار ہوکر ہرچووال کے نہری بنگلہ پر گیا۔ قافلہ کی ترجمانی کے لئے متفقہ طور پر محترم حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب ایڈیٹر اخبار الحکم منتخب کئے گئے۔ جنہیں اس زمانہ میں عموماً ایسی خدمات کی سرانجام دہی کا شرف میسر تھا۔ اور ضرورت کے وقت اعلیٰ احکام اور افسران پولیس وسول کو جماعتی وانفرادی معاملات کے سلجھانے اور بنانے بنوانے میں وہ اپنی مثال آپ ہی تھے۔ اور وہ گویا وفد کی زبان تھے۔

وفد گیا اور غیر متوقع طور پر جلد لوٹ آیا جس کی وجہ سے اہالیان قادیان حیرت میں تھے۔ فوراً ہی سیدنا حضرت اقدس علیہ السلام کے حضور وفد کی واپسی کی اطلاع دی گئی اور حضور بہت جلد گول کمرہ میں تشریف فرما ہوئے۔ جہاں معزز ممبران وفد عرض حال کی غرض سے جمع تھے۔

میں وفد کے ساتھ نہ تھا۔ لہٰذا میں نے جو کچھ سنا اور دیکھا اس کا خلاصہ اور مفہوم یہ ہے کہ

حضرت کے حضور عرض کیا گیا کہ ابھی ہم لوگ بنگلہ سے کافی فاصلہ پر تھے کہ صاحب بہادر نے دیکھ کر

بڑبڑانا شروع کر دیا۔ بہت کچھ بولا اور غیض وغضب کا مظاہرہ کیا۔

''تم لوگ ہم پر رعب ڈالنے آئے ہو۔ ہم تم کو خوب جانتے ہیں۔ تمہیں سیدھا کر دیا جائے گا۔ ابھی چلے جاؤ ورنہ گرفتار کر لئے جاؤ گئے۔'' اور سپر نٹنڈنٹ پولیس کو جوان کے ساتھ ہی دورہ پر تھا کہا کہ ان لوگوں کا انتظام ہونا چاہئے۔ یہ بہت دلیر ہو گئے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

سیدنا حضرت اقدس دستار مبارک کا شملہ دہن مبارک کے سامنے کئے یہ باتیں سنتے رہے۔ میں نے دیکھا کہ حضور کے رخ مبارک پر گہرے رنج کے آثار نمایاں ہو رہے تھے۔ افسوس کہ اس وقت کی کیفیت کو لفظوں میں بیان کرنے کی مجھ میں طاقت نہیں۔ ورنہ اس اداسی، غم اور حزن کا جو نقشہ اور سماں میرے دماغ میں ہے وہ بہت زیادہ ہے۔ یہ سب کچھ حضور کو اپنی ذات کی وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ مخلص۔ معزز اور پیارے مہمانوں کے ساتھ بدسلوکی کی وجہ سے تھا۔ جو حضور کے حکم بلکہ اشارہ پر اپنے کاروبار کو چھوڑ کر لبیک کہتے ہوئے حاضر خدمت ہوئے تھے۔ مہمانوں کے ساتھ حضور اقدس کا حسن سلوک کوئی چھپی لکی بات نہیں۔

وفد کے بیانات سننے کے بعد میں نے دیکھا کہ لمحہ بھر کے لئے حضور پُرنور کسی گہری سوچ میں خاموش رہے۔ اور پھر حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

مولوی صاحب! اس صورت میں تو ہمارا کام رک جائے گا۔ کیونکہ جب ہمارے لئے امن ہی نہ ہوگا تو کام کیسے چلے گا۔ مہمانوں یا مذہبی تحقیق کرنے والوں کے واسطے آرام، سہولت اور آزادی نہ رہی تو ہمارے ہاں آئے گا کون۔ کیونکہ ڈپٹی کمشنر کا ایسا رویہ ہمارے مخالفوں کو اور بھی دلیر بنا دے گا۔ پہلے ہی وہ ہمارے مہمانوں کو بات بات پر تنگ کرتے اور ٹوکتے رہتے ہیں۔ یہ تو اخلاص ہے ہمارے دوستوں کا کہ وہ مخالفوں کی بدخلقیوں اور سختیوں کو برداشت کر لیتے ہیں۔

اسی سلسلہ میں حضور نے ایک دلسوز اور رقت آمیز لہجہ میں فرمایا:

''مولوی صاحب! داغ ہجرت کا الہام بھی تو ہے۔'' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے لئے بھی ہجرت مقدر ہے۔''

حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان کلمات طیبات کو سن کر حضرت حکیم الامت مولانا نورالدین صاحب نے عرض کیا کہ حضور! بھیرہ میں ہمارے اپنے مکانات موجود ہیں۔ وہاں ہر طرح آرام اور سہولت رہے گی۔ اس طرح چوہدری حاکم علی صاحب نمبردار چک پنیار ضلع گجرات نے بھی اپنے وطن کی پیشکش کی اور وہاں کی سہولتوں کا ذکر کیا۔ ایسے ہی غالباً کسی تیسرے مخلص دوست نے بھی پیش کش کی۔

مگر سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے کسی قدر سکوت کے بعد فرمایا:

''اچھا جب اذن ہوگا''

اس تاریخی واقعہ پر آج نصف صدی سے زائد عرصہ گذرتا ہے جن اصحاب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زبان مبارک سے ''داغ ہجرت'' [۶۱] کا الہام سنا وہ اب غالباً چند ہی بزرگ زندہ ہوں گے۔

میرا منشاء اس تاریخی واقعہ کو بیان کرنے سے یہ ہے کہ یہ تفصیل بھی مستقل طور پر تاریخ سلسلہ میں محفوظ ہو جائے اور قادیان کے وہ احباب جن کو اس خدائی تقدیر کے ماتحت داغ ہجرت لگ چکا ہے وہ ہجرت کے اصل مقصد کو سمجھیں۔ بیشک الٰہی قانون **من یھاجر فی سبیل اللہ یجد فی الارض مراغما کثیرا وسعة** [۶۲] کے ماتحت خدا تعالیٰ نے ایسے مہاجرین کے کئی قسم کی وسعت اور آرام عطا کیا ہے۔ لیکن ہجرت سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور ہمارے موعود خلیفہ اور امام کی غرض یہ نہ تھی۔ بلکہ اصل غرض اعلائے کلمۃ اللہ تھی۔ اور ان روکوں اور مشکلات کو اٹھانا تھی جو اشاعت وترقی دین کی راہ میں حائل تھیں۔ یا جن کے حائل ہونے کا امکان تھا۔ آئندہ اللہ تعالیٰ زیادہ وسعتیں اور مراغماً کثیراً عطا فرمائے گا۔ لیکن یہ سبھی کچھ تبھی بابرکت ہوسکتا ہے جبکہ اصل غرض ہجرت یعنی اشاعت دین مدنظر رہے۔

اسلام کے دور اول میں انصار ومہاجرین کے اخلاص پر اللہ تعالیٰ نے **رضی اللہ عنھم ورضوا عنه** کی مہر تصدیق ثبت کردی تھی ہمیں بھی ان کے نقش قدم پر چلنا چاہئے۔ جنگ بدر کے لئے نکلتے وقت ایک انصاری نے کہا کہ یا رسول اللہ! شاید حضور کا اشارہ اس معاہدہ کی طرف ہے جو حضور کی مدینہ میں تشریف آوری سے پہلے ہم نے کیا تھا۔ اس وقت ہم حضور کے مقام کو نہیں پہنچانتے تھے۔ یا رسول اللہ! ہم آپ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی۔ آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی۔ اور دشمن آپ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ ہماری لاشوں کو روندتا ہوا آگے نہ بڑھے۔

میں بھی اس وقت کے انصار کی زبان بن کر یہ الفاظ دوہراتا ہوں کہ

''جب تک یہ الٰہی امانت ہمارے پاس رہی اور جہاں تک ہم سے ہوسکا ہم نے خدمت کی۔ اب حکمت الٰہیہ کے ماتحت یہ امانت آپ کے سپرد ہے۔ نہ صرف سیدنا خلیفۃ المسیح الثانی والمصلح الموعود کی ذات ستودہ صفات بلکہ حضرت ام المؤمنین ......ونسل سیدہ خواتین مبارکہ اور جملہ افراد خاندان سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام بھی اس امانت میں شامل ہیں اس کا حق ادا کرنا آپ لوگوں کے ذمہ ہے۔ پس دیکھنا اسے اپنی جانوں سے عزیز رکھنا اور کسی قربانی سے دریغ نہ کرنا۔'' (مختصراً آپ کا مضمون بدر جلد ا

نمبر ا بابت ۷؍مارچ ۱۹۵۲ء میں بھی درج ہے)

ایڈیٹر بدر محترم مولوی برکات احمد صاحب راجیکیؓ بی اے نے حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ کے ایک مکتوب سے یہ اقتباس نقل کیا ہے:

''جب مرزا امام دین (صاحب) وغیرہ نے دیوار کھڑی کردی تھی۔اس وقت مقدمہ سے قبل اتفاقاً ڈپٹی کمشنر گورداسپور اور ڈی۔ایس۔پی کا دورہ ہرچووال میں ہوا۔ان کا کیمپ نہر کو پار کرکے کوٹھی میں تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک ڈیپوٹیشن ان کے پاس بھیجا۔اس میں پچاس کے قریب احباب شریک تھے۔حضرت حکیم فضل الدین صاحب عملاً امیر تھے۔اور مجھ کو گفتگو کرنے کا ارشاد تھا۔ان ایام میں حکام سے ملنے کا کام مجھ سے لیا جاتا تھا بوجہ اخبار نویس ہونے کے۔(ہم) بین الظہر والعصر وہاں گئے۔ اس وقت وہ اپنے کیمپ میں تھا۔کوٹھی پر نہ تھا۔دوسرے لوگ بھی جمع تھے۔مگر وہ لوگ اہل معاملہ تھے جن کی تاریخیں تھیں۔ہم سب اکٹھے ادھر کو بڑھے۔میں، حکیم فضل الدین، چوہدری حاکم علی صاحب اور بعض اور دوست آگے تھے، باقی سب پیچھے تھے۔ڈپٹی کمشنر صاحب کے قریب پہنچ کر ابھی میں نے یہ کہا تھا کہ ہم قادیان سے آئے ہیں اور کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔اسے پہلے سے سب حالات معلوم تھے۔اور دراصل یہ دیوار ایک سازشی تحریک تھی۔جس میں حکومت کا ہاتھ پیچھے تھا۔اس پر وہ سخت جوش میں آ کر غصہ سے بڑھا۔اور کہا تم مجھ پر رعب ڈالنے آئے ہو۔میں خوب جانتا ہوں۔اور ابھی تمہارا انتظام کرنے والا ہوں۔(میں یہ مفہوم لکھ رہا ہوں۔عرفانی) اور (ڈپٹی) سپرنٹنڈنٹ پولیس کو مخاطب کر کے کہا کہ ان لوگوں کا بندوبست کرنا چاہئے۔اور بڑے جوش سے کہا:

''چلے جاؤ ورنہ گرفتار کر لئے جاؤ گے''

میں نے کہا۔آپ، جو ہم عرض کرنا چاہتے ہیں سن تو لیں۔اس پر (وہ) غضبناک ہوگیا۔اور ہم واپس آ گئے۔اور حضرت اقدس علیہ السلام سے سب قصہ کہہ دیا۔آپ کو جماعت کی تکلیف کی وجہ سے تکلیف تھی۔ڈپٹی کمشنر کی اس بے رخی پر افسوس ہوا۔اس سلسلہ میں آپ نے اس خیال کا بھی اظہار فرمایا کہ ہم کو اگر یہاں پر امن سے کام نہ کرنے دیا جائیگا تو ہم کو تو کام کرنا ہے۔(ہم کسی اور جگہ چلے جائیں گے۔انبیاء کے لئے ہجرت بھی کرنی پڑتی ہے۔اور ہمیں بہت عرصہ ہوا کہ ''داغ ہجرت'' الہام ہوا تھا۔شاید اس کا وقت آ گیا ہے۔پھر ہجرت کے مقام پر بھی کچھ گفتگو ہوئی۔مجھے یہ اچھی طرح یاد ہے کہ چوہدری حاکم علی صاحب نے اپنے گاؤں میں جانے کی تجویز کی تھی۔بہر حال اس موقعہ پر ''داغ ہجرت'' کا ذکر ہوا تھا۔

ڈپٹی کمشنر کا نام مجھے اس وقت یاد نہیں ۔ پچاس برس کا زمانہ گذر گیا ہے ۔''

محترم ایڈیٹر صاحب بدر کو حضرت منشی محمد دین صاحب ساکن کھاریاں (درویش مقیم قادیان) نے بھی یہ واقعہ بتایا اور بیان کیا کہ میں بھی اس وفد میں شامل تھا اور حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی بھی ۔

۱۴- سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور ایک مردانہ ہمت عورت

۱- تیرہ کے عدد کو عام طور پر برا اور منحوس سمجھا جاتا ہے۔ مسلمانوں میں بھی تیرھویں صدی کے متعلق کچھ ایسی روایات اور حالات کا ذکر پایا جاتا ہے کہ ان کے خیال سے بھی دل کانپ اٹھتا ہے اور بدن پر رعشہ نمودار ہونے لگتا ہے۔ ان احوال کا تصور اتنا زہرہ گداز اور روح فرسا ہوتا ہے کہ خدا کے فضل کی امید اور اس کی تائید ونصرت کا سہارا نہ ہوتا تو روحانی دنیا کا تو گویا خاتمہ ہی تھا۔

تیرھویں صدی کا آخری نصف گویا خدا کی جگہ شیطان کی حکومت کا زمانہ اور کفر وشرک ، گناہ وفسق ، عیاری ومکاری اور روحانی فساد کا زمانہ تھا۔ دہریت کا غلبہ، مادیت کا زور، اور بے دینی کا چرچا تھا۔ شیطانی طاقتیں اپنے سارے لاؤلشکر سمیت حق کو مٹانے ، روحانیت کو دبانے اور صداقت کو دفنا دینے پر تلی ہوئی تھیں ۔ دجال کا ظہور ہو کر تسلط پاتا جا رہا تھا۔ ہر جگہ اڈے قائم کر کے بندوں کو خدا سے پھیرنے کے سامان جمع کئے جاتے ۔ مشن کھول کر دانہ بکھیر کر ایسے جال بچھائے جاتے کہ بھولے بھالے نوجوان آسانی سے ان کا شکار ہو کر متاع ایمان تک سے محروم ہو جاتے ۔ ان کے پادری' ان کے منادا پنے رنگ میں کام کرتے تو عورتیں اپنے طریق پر ۔ سکولوں میں ماسٹر تو ہسپتالوں میں ڈاکٹر کہیں نرسیں تو کہیں (nuns) تھیں ۔ الغرض ہر سو چاردانگ عالم میں انہی کا شہرہ' انہی کا چرچا اور انہی کا غلبہ نظر آتا تھا۔ کوئی شہر ان سے خالی تھا نہ کوئی قصبہ باقی ۔ بلکہ قریہ بہ قریہ اور دیہہ بہ دیہہ یہ صیاد اپنے شکار کی تاک میں رہا کرتے ۔ کہیں یہ شکار کے پیچھے کہیں شکار ان کے پیچھے پھرتے ۔ کیونکہ دنیا کے کئی دکھوں کا درماں ان کے ہاں اور کئی بیماریوں کی دوا اس زمانہ میں انہی کے پاس ملا کرتی تھی ۔

ڈنگہ نامی ایک چھوٹا سا قصبہ ضلع گجرات (پنجاب) میں واقعہ ہے۔ اکثریت مسلمانوں کی ہے جو عموماً زراعت پیشہ مزدوری پیشہ اور مفلوک الحال' غربت زدہ لوگ تھے کیونکہ اس زمانہ میں اراضیات زیادہ تر بارانی وبنجر تھیں ۔ نہر کا کوئی انتظام نہ تھا دوسرے بڑے بڑے شہروں اور قصبات ودیہات کی طرح یہ مقام بھی پوادر ومنا دکی خاص توجہات کا مرکز بنا ہوا تھا اور لوگ چونکہ اس دور کی تہذیب واخلاق اور تعلیم ومذاق

سے بے بہرہ اور کورے تھے۔ لہٰذا عیسائی مشن اور چرچ ان کو مہذب و با اخلاق بنانے، زیور تعلیم سے آراستہ کر کے با مذاق بنانے کی غرض سے وہاں پہنچا۔ مشن قائم ہوا۔ سکول جاری کیا۔ ہسپتال کھولا۔ وعظ ونصیحت اور تبلیغ و وصیت کا سلسلہ جاری ہوا۔ ہوتے ہوتے اس کا سکہ جم گیا۔ کام چل نکلا۔ نوجوان طبقہ پر ڈورے ڈالے جانے لگے۔ کوئی دقیقہ حصول مقصد کا اٹھا نہ رکھا گیا سارے ذرائع اور تمام وسائل پوری عقلمندی سے استعمال کئے جاتے رہے اور اس طرح اندر ہی اندر نئی پود پر گویا ان کا اب قبضہ وتصرف ہوگیا۔ نوجوانوں کو ایسی کچھ چاٹ لگی کہ خود بخود کھچے چلے آتے۔ بے بلائے جمع رہتے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ روکے نہ رکتے نہ ہٹائے ہٹتے۔ ''جادو وہ جو سر پر چڑھ کر بولے''۔ ایک پارٹی بن گئی جس نے والدین اور رشتہ داروں کو چھوڑنا منظور کر لیا مگر پادری صاحبان کی کوٹھی، گھر یا مکان و بیٹھک کو چھوڑنا پسند نہ کیا۔ کئی نے والدین کو کھلے نوٹس دے دیئے۔ کئی چپکے سے گھروں کو چھوڑ وہیں پہنچ گئے جہاں منادوں نے اشارہ کیا۔ بڑے بڑے معزز گھرانے بگڑنے لگے۔ کہیں لڑکوں کی خرابی کا رونا تھا تو کہیں لڑکیوں کے بگڑنے کا۔ غرض ایک طوفان تھا جس کی زد میں کئی شریف گھرانوں کی عزت و ناموس کے تابوت بہتے اور ڈوبتے دکھائی دے رہے تھے۔ سید، مغل، پٹھان، شیخ کا استثناء تھا نہ امیر و غریب کا۔ کئی گھرانے میرے علم میں ہیں اور کئی نام میرے سامنے ہیں مگر میں اس وقت صرف ایک دو ہی کا ذکر کرتا ہوں۔

صوبیدار سردار امام بخش کے گھرانے میں بھی سیندھ لگی۔ نہایت ہی خفیہ رنگ میں، نامعلوم راہوں سے یہ دجالی کو برا ان کے خاندان تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ شاہنواز کا پوتا، علی محمد کا اکلوتا احمد دین بھی ڈس لیا گیا۔ زہر تیز تھا ایسا کہ اس کے اتر جانے کی کوئی امید ہی نہیں تھی۔ بیمار جاں بلب اور منٹوں ہی کا مہمان تھا۔ قافلہ تمام زنجیریں توڑ، روکیں اٹھا، رخت سفر باندھ کر کسی جانب بھاگ نکلنے کا فیصلہ کر چکا تھا اور اس گھرانے کے جل کر تو وہ خاک ہو جانے میں کسر اب صرف ایک دیا سلائی دکھا دینے ہی کی رہ گئی تھی۔ خدا نے رحم کیا۔ کوئی نیکی آڑے آئی۔ کسی کے ہاتھ کا دیا کام آیا۔ احمد دین نے راز فاش کر دیا۔ سازش کا انکشاف ہوگیا جس کے نتیجہ میں یہ خود بھی بچا اور کئی ساتھوں کے بچاؤ کا موجب بنا۔ اگرچہ اکثر بدنصیب اب بھی نہ بچ سکے اور نکل ہی گئے۔

اس خاندان میں احمدیت پہنچ چکی تھی۔ کاسر الصلیب مسیحائے زماں نام کا سایہ اور علم کلام کا چرچا تھا۔ صوبیدار صاحب کے صاحبزادے شیخ مولا بخش صاحب بیعت وایمان کے زیور سے آراستہ ہو کر دارالامان سے روحانی رشتہ جوڑ چکے تھے۔ اور یگانے بیگانوں کو اس نور سے منور کرنے اور اس چشمہ شیریں

پر لانے میں ساعی وکوشاں تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اس زہر کا تریاق کہاں ملتا ہے اور ایسے روحانی مریضوں کو جام شفا کس جگہ سے میسر آ سکتا ہے۔ اس سازش کا بھانڈا پھوٹتے ہی انہوں نے اپنے عزیز کو اس مکدر فضا اور مسموم آب و ہوا سے نکال کر دارالامان پہنچایا۔ جہاں پہنچتے ہی زہر اترنے لگا۔ بیمار چنگا ہوتا گیا اور خدا کا فضل ہے کہ آج تک زندہ سلامت نور ایمان سے منور اسی در کا گدا دھونی رمائے پڑا ہے۔ اللہ کرے عاقبت بھی محمود ہو۔ آمین۔

اسی محلّہ میں بلکہ اسی کوچہ میں سردار صاحب کے زیر سایہ ایک شخص عبداللہ نام قوم کے مراثی اور پیشہ کے پٹواری کا بیٹا محمد دین نام بھی اس مرض میں مبتلا اور اسی صیاد کا صید ہو کر عیسائیت کے گڑھ گوجرانوالہ پہنچایا جا چکا تھا۔ محمد دین میں قوت دافع کی بجائے قبولیت کی استعداد اور جذب کا مادہ غالب تھا۔ اس نے عیسائیت کا اثر قبول کیا۔ اور ایسا گہرا رنگ پکڑا کہ جس کا اثر جانا کچھ آسان نہ تھا۔ والدین اور بھائی بہنوں سے جدا ہو کر وہ ایسا غائب ہوا کہ کچھ عرصہ تو پتہ نہ ہی چلا کہ گیا کہاں اور ہے کدھر۔ مدت بعد جب اس کی خبر ملی تو اس کی حقیقی ماں جو اس کے فراق میں بھی بے قرار، اس کی جدائی سے بے چین، رات دن رونے دھونے میں بسر کیا کرتی تھی مامتا سے مجبور، غیرت کے مارے مسلمانی کے نام اور ناموس کے بچانے کی نیت سے کمر ہمت باندھ نیت سادھ کر کھڑی ہوئی۔

خاوند سے بصد منت اجازت لے کر گوجرانوالہ پہنچی جہاں اس کا لخت جگر اور نور نظر نہ معلوم کتنے پردوں اور سخت اوٹوں کے پیچھے چھپا کر رکھا ہوا تھا۔ اس کی ہمت، اس کا اصرار، اس کا استقلال، حصول مقصد میں اس کا معاون بنا۔ اس کے دل میں امتا اور مامتا کے ساتھ ایک درد تھا، تڑپ تھی اور ایک سچی خواہش۔ زبان صاف تھی۔ اور مافی الضمیر کے بیان پر قادر جس سے سنگدل صیاد بھی موم ہو گئے اور اس طرح وہ مدت سے بچھڑے ہوئے بیٹے کو ملنے میں کامیاب ہو گئی۔

درد ہجر و فراق سے چور، فلاکت زدہ اور محزون ایک حقیقی ماں اور بیٹے کی ملاقات کا منظر ہر آنکھ دیکھ اور ہر دل محسوس کر سکتا ہے جس نے آغوش مادر کی لذت چکھی اور اس کی محبت اور لطف سے حصہ پایا ہو۔ ان تفاصیل کو چھوڑتا اور قصہ مختصر کرتا ہوں۔ ماں نے دل کھول کر بھڑاس نکالی۔ گویا کلیجہ نکال کر بیٹے کے سامنے رکھ دیا اور انتہائی کوشش کی، سارا زور لگایا۔ کوئی طریق نہ چھوڑا بیٹے کو سمجھانے اور اس کا دل نرم کرنے کا۔ مگر بے سود۔ یہ وہ نشہ ہی نہ تھا جسے ترشی اتار دے زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد...... ناچار دل کو تھامے یوں تسلی دیتی ہوئی بولی۔ اچھا زندہ رہو۔ پھر ملوں گی۔ ملنے کی راہ تو کھل گئی۔

یہ ملاقات ہوئی تو بے نتیجہ نکل گئی۔ مگر وہ مردانہ ہمت مایوس ہوئی نہ تھکی۔ بلکہ اس کے دل میں امید کی ایک جھلک اور کامیابی کی ایک شعاع پیدا ہوگئی۔ اور وہ بجائے اداس و ناشاد واپس جانے کے ایک خوشی اور امید بھرا دل لے کر واپس ہوئی۔ گھر پہنچی حال احوال لیا دیا۔ مگر گھر اسے کھانے کو دوڑتا تھا۔ اس کی دلچسپی کی ایک ہی چیز تھی مگر گھر اس سے بھی محروم ہو چکا تھا ناچار کچھ عرصہ بعد تھوڑا وقفہ دے کر وہ پھر وہیں پہنچی جہاں اس کی آنکھ کا تارا اور دل کا سہارا قید فرنگ میں اسیر و محبوس ایک آزاد زندگی بسر کر رہا تھا۔ گو نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات اور امید وہی موہوم تھی۔ محمد دین اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہ سرکا بلکہ اور زیادہ سخت اور سیاہ دل ہو کر ہدایت سے دور اور کفر سے بھرپور ہو چکا تھا۔ اس کے حیا کی چادر پھٹ کر پارہ پارہ اور زبان کی قینچی اور زیادہ تیز ہوگئی تھی اور اس طرح اس کی ماں اگرچہ اب کے بھی بظاہر ناکام اور بے نیل و مرام واپس ہوئی مگر اس کے دل میں ایک چیز تھی جس کی وجہ سے وہ پُر امید تھی۔

پھیلاں (فضل بی بی۔ فضل بیگم یا فضل النساء) خود ایک سیدھی سادی مسلمان، نماز روزہ کی پابند عورت تھی۔ ملکی رواج کے مطابق کچی پکی اور میٹھی روٹی کتابیں اس نے سنی ہوئی تھیں۔ ساتھ ہی قادیان کا نام اور سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پیغام بھی شیخ مولا بخش صاحب کے ذریعہ سے اس کے کان میں پہنچ چکا تھا۔ شیخ احمد دین صاحب کے قادیان پہنچ کر دجالی فتنہ سے محفوظ ہو جانے کا چرچا بھی وہ سن چکی تھی۔ نیز دوڑ دھوپ اور کوشش کے علاوہ دُعا کا نسخہ بھی اس کو مل چکا تھا۔ خدا، اس کے رسول اور اپنے دین یعنی اسلام کے لئے اس کے دل میں ایک غیرت اور حمیت موجود تھی۔ وہ اپنی نمازوں میں رو رو کر دعائیں کرتی اور خدا سے مدد مانگنے میں مصروف رہنے لگی۔

کرنا خدا کا ایسا ہوا کہ خدا نے اس کی سن لی۔ اس کی آہ وزاری اور اضطرار پر رحم کیا اور ایسے سامان پیدا کر دیئے جن سے ''پھیلاں'' کے مقصد کے حصول کی راہیں کھل گئیں۔ اس کے دل کی آگ نے بخار بن کر محمد دین پر حملہ کیا۔ اس کی قلبی جلن اور سوزش پہلے محرقہ بن کر اسے جلاتی رہی اور آخر سل اور دق کی صورت میں اس پر مسلط ہوگئی۔ علاج معالجے اور ڈاکٹری تدابیر بیکار رہیں اور جب حالت نازک سے نازک ہوگئی تو مجبور ہو کر محمد دین کی ماں کو اطلاع دی گئی۔ وہ پہنچی اور لڑکے کو نیم جان پایا۔ منت خوشامد کر کے اپنے لڑکے کو گھر لے جانے کی اجازت حاصل کی جس کے لئے مشن پہلے ہی تیار اور کسی بہانہ کے انتظار میں تھا۔ عورت کے سر احسان رکھا اور محمد دین کی گویا لاش ہی اس کے حوالے کی۔ جس کو لے کر وہ گھر پہنچی۔ علاج معالجہ اور مقدور بھر اس کی خدمت کی۔ جس سے وہ کچھ سنبھلا اور مرض میں بھی افاقہ ہوا۔ جب وہ

چلنے پھرنے کے قابل ہوا تو اس کی ماں نے شیخ مولا بخش صاحب کے پاس اس کے نشست و برخاست کا انتظام کیا۔ جہاں سلسلہ بحث مباحثہ اور سوال و جواب ہوا کرتے۔ مرض اس کے دونوں سخت تھے جسمانی بھی اور روحانی بھی۔ جسمانی مرض کا وقفہ عارضی اور وقتی تھا تو روحانی بیماری اس درجہ تک ترقی کر چکی تھی کہ شیخ صاحب کے بس کی نہیں تھی۔ حالات کا مطالعہ کر کے شیخ صاحب نے ''پھیلاں'' کو یہی مشورہ دیا کہ جس طرح ہو سکے لڑکے کو لے کر قادیان پہنچے۔ جہاں روحانی اور جسمانی دونوں امراض کے مکمل علاج کے اللہ کریم نے سامان مہیا کر رکھے ہیں۔

عورت کے دل کو لگی ہوئی تھی۔ ذات برادری گلی محلے بلکہ شہر بھر میں وہ منہ چھپائے پھرتی اور ذلت، بدنامی اور رسوائی کے خیال سے گھر سے نکلتی ہی کم تھی۔ شیخ صاحب کا مشورہ اس کے دل لگا' بات اس کی سمجھ میں آ گئی اور اس نے سفر کی تیاری کر کے بیٹے کو علاج کی غرض سے اس سفر کے لئے رضامند کر لیا۔ گاڑی میں بیٹھ، بیٹے سمیت دوسرے ہی دن بٹالہ اور وہاں سے بذریعہ یکہ قادیان پہنچ گئی۔ لڑکے کو مہمان خانہ یا مطب میں ٹھہرا کر خود حضرت اقدس کے دولت سرائے میں گئی۔ اور ساری کہانی اپنی زبانی حضرت کے حضور بالتفصیل عرض کر کے چین لیا۔

مقربان بارگاہ عالی۔ خاصان حضرت تعالیٰ۔ مقبولان حق تعالیٰ۔ محبوبان حضرت والا جنہیں الہ العالمین اپنے علم کامل اور قدرت تام سے خلعت رسالت و نبوت عطا فرماتا، تبلیغ تزکیہ اور تطہیر ان کا منصب مقرر کرتا۔ اور ان کو اعلیٰ خلق عظیم قائم کر کے اعلیٰ اخلاق، ستودہ صفات اور زیور حسنات دے کر دنیا جہان کے لئے اسوہ اور نمونہ بنا کر بھیجتا ہے ان کا ہر خلق انتہائی کمال اور ان کی ہر ادا عدیم المثال رنگ اپنے اندر رکھتی ہے۔ ان کی ظاہر و باطن میں یگانگت اور قول و فعل میں مطابقت ہوتی ہے۔ جو کچھ ان کے دل میں ہوتا ہے وہی زبان پر آتا ہے اور جو کچھ وہ کہتے ہیں وہی کر کے بھی دکھاتے ہیں۔ ان کے قول و فعل میں تضاد ہوتا ہے نہ ان کے ظاہر و باطن میں اختلاف۔ خدا کا وہ تعلق محبت جو ان کے دل کی گہرائیوں میں ہوتا ہے اس کا اثر و رنگ ان کے جوارح اور اعمال میں عیاں ہوتا ہے۔ خدا کے رسولوں کی جو محبت اور ان کی جو عزت اور عظمت ان کے قلوب میں موجزن ہوتی ہے وہ ان کی تحریر میں نمایاں اور تقریروں میں بیان ہوتی رہتی ہیں۔ علیٰ ہذا خلق خدا اور بنی نوع انسان کی سود و بہبود ہمدردی و بھلائی کے لئے جو جذبات ان کے دل و دماغ میں پنہاں ہوتے ہیں اپنے عمل سے ان کو منصۂ شہود پر لاتے اور ''معدوم'' کو معرض وجود میں لا کر ''از عمل ثابت کن آں نورے کہ در ایمان تست'' کی نظیر مثال اور نمونہ پہلے خود قائم کیا کرتے ہیں کیونکہ یہی

وہ لوگ ہیں جو سابق بالخیرات اورقول انا اول المؤمنین'' کہنے میں احق اور اولیٰ ہوتے ہیں ۔ میرے آقا سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فداہ نفسی نے اپنے محبوب مقتدا سیدنا المصطفیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی محبت کی ، اتنا تعلق بڑھایا ، ایسی الفت کی اور اتنا پیار کیا کہ فنائیت کے مقام پر پہنچ کر ''من تو شدم تو من شدی'' کا مصداق بن گئے اور کامل پیروی ، کامل اطاعت کر کے اپنے آپ سے گم اور اپنے مطاع میں ایسے فنا ہوئے کہ گویا ایسی ذات بابرکات کا ظہور ہے ۔ وہی علم ، وہی عرفان ، وہی نور اور وہی ایمان ، وہی اخلاق ، وہی اطوار اور وہی حسن ، وہی جمال ؎

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

کی شان اور وہی مقام ہے ۔ میں اپنی طرف سے نہیں بلکہ وہی کہتا ہوں جو خدا نے بتایا اور رب الافواج نے آسمان سے کہا اور خدا سے بڑھ کر کون حقیقت حال سے واقف اور اپنے بندوں کے مقام سے آگاہ ہوسکتا ہے ۔ وہی آپ کو ''جری اللہ فی حلل الانبیاء''[۶۳] کے نام سے یاد فرماتا ہے اور درحقیقت یہی آپ کی صحیح تعریف اور یہی آپ کا اصل مقام ہے ۔

غرض اللہ کریم نے حضور پُرنور کو اپنے آقا ومطاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت و پیروی اور محبت وغلامی کے باعث اتنا منور کیا کہ نور ہی بنا دیا اور اتنا فیض بخشا کہ سرچشمہ فیوض کر دیا ۔ آپ کا ہر خلق کامل اور ہر ادا پیاری تھی ۔ ''زہے خلق کامل زہے حسن تام'' ۔ مگر اس موقع پر میں حضور کے جس خلق اور جس ادا کا ذکر کرنا چاہتا ہوں وہ حضور کی صفت دلجوئی ودلداری ہے جو آپ کے اوصاف میں خاص طور سے نمایاں تھی ۔ اس کا فیض اس کثرت ووسعت سے جاری رہتا کہ حضور کی زندگی میں اس کی سینکڑوں بلکہ ہزاروں مثالیں پائی جاتیں ہیں ۔ بلکہ میں تو اس یقین پر علیٰ وجہ البصیرت قائم ہوں کہ حضور کی صحبت کا فیض یافتہ ہر خوش نصیب حضور کی اس صفت کی زندہ دلیل اور سچی مثال ہے ۔ کیونکہ میرے ذوق میں حضور کی مجلس کا وہ مسلم ومشہور خاصہ اثر اور نتیجہ کہ کتنا ہی کوئی رنج وغم سے چور انسان مغموم ومہموم بشر اور شدائد ومصائب کے پہاڑ تلے دبا ہوا بالکل افسردہ پژمردہ بندہ جب بھی حضرت کا چہرہ دیکھ پاتا ۔ حضور کی مجلس میں پہنچ جاتا تو تمام رنج وغم اس کے دور اور ہم وحزن اس کے کافور ہو جاتے اور ایک سکینت ہوا کرتی تھی جو نامعلوم طریق پر افسردہ دلوں پر نازل ہو کر ان کی افسردگی کو تازگی سے بدل دیتی تھی ۔ ایک طمانیت ہوا کرتی تھی ۔ جو اندر ہی اندر خستہ جانوں کی خستہ حالی وپستگی کو تازگی ورونق دے کر خوش حال وخورسند بنا دیا کرتی تھی ۔

دنیا کے ہرغم کا علاج اور ہر رنج کی دوا گویا سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دیدار صحبت اور مجلس تھی۔ ایسا معلوم ہوا کرتا تھا کہ حضور کا وجود باجود گویا امن وعافیت کا ایک حصار ہے جس کی پناہ لینے والا ہر خوف سے بےخوف اور ہر بلا کی زد سے محفوظ ہوگیا۔ حضور کی ذات والا صفات کے فیوض وبرکات کی ادنیٰ سی مثال موجودہ روشنی اور تہذیب وتمدن کی مناسبت سے یہ بھی دی جاسکتی ہے کہ حضور پُرنور کی مثال ایک عظیم ترین پاور ہاؤس یا خزانہ نور کی تھی جس کے سوئچ کے آف سے اَون ہوتے ہی ساری ظلمتیں کافور ہوکر نور کا ظہور ہو جایا کرتا تھا اور یہ ساری کیفیات، ساری تاثیرات اور سارے ثمرات حضور کے اسی وصف، اسی خلق اور اسی جذبہ کا نتیجہ وثمرہ تھے۔ جو حضور کے قلب سلیم وحلیم میں خالق فطرت کی طرف سے حضور کو ودیعت کیا جا چکا تھا اور حضور نہایت فیاضی اور فراخدلی سے ابر بہار کی مانند ہمیشہ اس کا استعمال فرماتے اور فیض جاری رکھا کرتے تھے۔ چنانچہ حضور کی صحبت ومجلس کا یہ اثر، ثمرہ اور نتیجہ اسی خلق عظیم کی لطیف روحانی برقی لہروں اور شعاعوں کا اثر تھا جو حضور کے دل سے نکل کر صحبت پانے والوں اور ہم نشینوں کو متاثر کیا کرتی تھیں۔

یہ تو تھا مخفی، غیر مرئی اور نامعلوم اثر حضور کے اس خلق وجذبہ کا جو حضور کے دل کی گہرائیوں میں ایک حسن پنہاں اور لعل بدخشاں کی طرح حضور کی کان قلب میں موجود تھا۔ ظاہر میں اس کا کیا اثر تھا' عملاً حضور اس قوت سے کتنا کام لیتے تھے۔ اور خلق خدا سے کیونکر پیش آیا کرتے تھے، افسوس میں عاجز ہوں اس کے بیان سے اور قاصر ہوں اس کے اظہار سے۔ گنگ محض ہوں طاقت گویائی نہیں کہ اس کے عشر عشیر کا بھی بیان کرسکوں کوتاہ قلم بلکہ کوتاہ دست ہوں اتنا کہ اس حقیقت وکیفیت کا شائبہ بھی سطح قرطاس پر نہیں لا سکتا۔ دلداری ودلجوئی کرنے میں حضور مادر مہربان سے کہیں زیادہ مہربان اور شفیق سے شفیق باپ سے کہیں بڑھ کر شفیق تھے۔ خلق خدا کی ایسی دلداری فرماتے اور اتنی دلجوئی کیا کرتے تھے کہ کیا کوئی ماں باپ کسی عزیز ترین اکلوتے کی بھی کرسکیں گے۔ دنیا میں ایسا کون ہے جو دوسروں کا غم اٹھائے۔ بیگانوں کا درد بانٹے اور ان کے مصائب وآلام اپنے گلے ڈال لے؟ مگر میرے آقا سچ مچ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ غمزدوں کے غم اٹھاتے' رنجوروں کے رنج خود سہتے' اپنی جان پر بوجھ ڈالتے اور ان کو رنج وغم سے آزاد کردیا کرتے تھے۔ کتنا ہی کوئی مفلوک الحال اور درد وغم سے نڈھال ہوتا حضور اس طرح دلداری فرماتے، ایسی دلجوئی کرتے کہ وہ رنج وغم کو بھول جاتا۔ غریب سے غریب اور ناتواں وکمزور بھی حضرت کو اپنا ہمدرد، غمخوار اور بہی خواہ سمجھ کر حاضر ہوتا بےتکلف عرض حال کرتا اور حضور کے لطف وکرم سے حصہ پاتا۔ کتنی طویل کہانی،

بے معنی قصہ بے محل راگ اور بے ہنگام بانگ کوئی کہتا چلا جاتا، حضور سنتے اور سنتے نہ روکتے نہ ٹوکتے بلکہ اس طرح توجہ فرماتے جس سے اس کی دلداری و دلجوئی ہوتی۔ کتنی ہی کوئی چھوٹی چیز۔ ادنیٰ سی خدمت، معمولی سا ہدیہ کوئی پیش کرتا۔ مٹھی بھر بیر' ایک دو گنے یا چند بھٹے مکی کے حتیٰ کہ حقیر ترین رقوم کو یوں قبول فرماتے، اتنا نوازتے اور پیش کرنے والے کا اس طرح شکریہ ادا فرماتے جیسے کسی نے بھاری خزانہ یا نعمتوں کا انبار پیش کر دیا ہو۔ کیونکہ حضور کی نظر درہم و دینار اور نذر و نیاز سے دور آگے نکل کر اس دل اور اس کی نیت و اخلاص اور محبت و پیاس پر پڑا کرتی تھی جس سے وہ چیز پیش کی جاتی۔ غلطی پر گرفت و سختی کی بجائے لطف فرماتے۔ چشم پوشی کرتے۔ اور الٹا دلجوئی فرما کر نوازتے دل بڑھاتے غلطی سے کسی نے قیمتی چیز ضرورت کا سامان گرا دیا پھینک دیا یا بگاڑ دیا تو ناراضگی و سرزنش کی بجائے ایسا طریق اختیار فرماتے کہ اس کو ندامت و شرمندگی سے بھی بچا لیتے اور دلجوئی و دلداری بھی فرما دیتے۔ میرے سامنے حقائق اور واقعات ہیں۔ دل و دماغ میں بکثرت اس کی مثالیں ہیں اور ان سب سے بڑھ کر میری آنکھوں میں وہ صورت اور قلب کے اندر وہ موہنی صورت جلوہ فگن ہے جو نذر و نیاز اور تحفے تحائف لے کر اتنا خوش نہیں ہوتی جتنا خلق خدا کی ضرورت میں دے کر یا اس کی حاجت پوری کر کے یا اس کی خدمت یا مدد کرنے اور سلوک فرمانے سے قیمتی سے قیمتی چیز اپنے خدا کے نام پر خالصتاً للہ ایتاء ذی القربیٰ کے طریق پر دینے میں بھی کبھی حضور کو دریغ نہ ہوتا تھا حتیٰ کہ کستوری اور مشک جیسی قیمتی نایاب اور اشد ضروری ادویہ جن کی موجودگی خود حضرت والا کی اپنی ذات کے لئے لازمی ہوا کرتی، خندہ پیشانی، فراخ دلی اور کشادہ دستی سے بلا امتیاز مذہب و ملت، بلا لحاظ اپنے اور پرائے، بغیر حساب دیا کرتے اور دے کر بے انتہا خوشی بشاشت اور مسرت پایا کرتے تھے اور ان چیزوں کا بہترین مصرف، انتہائی قیمتی اور حقیقی قدر اسی عمل میں پاتے کہ وہ چیز حضور کے محبوب و مطلوب اور مقصود کی مخلوق کے کام آ گئی۔ اس کی حاجت روائی ہو گئی اور اس کی ضرورت پوری ہو گئی۔

نہ صرف اسی پر بس تھی بلکہ اکثر ایسا بھی ہوا کرتا کہ حضور کسی غلام اپنے خادم یا مخلص دوست مرید کی خواہش محسوس کر کے اس کی کسی حرکت' عمل یا طرز کلام سے خدا داد فراست اور نور علم سے یا کسی خدائی تحریک سے تصرف کے ماتحت علم پا کر بعض چیزیں بطریق دلداری و دلجوئی خود بخود ان کے پیش فرما دیا کرتے تھے۔

مجھے اس بات کا صدمہ اور انتہائی رنج ہے کہ میں ان ساری کیفیات کے اظہار و بیان سے عاجز ہوں،

نہ ہی مجھ میں طاقت ہے اور نہ ہی یہ مختصر مضمون ان باتوں کا متحمل۔ ورنہ حضور کے اخلاق کا یہ حصہ اور حضور کے حسن وخوبی کا یہ پہلو ضخیم کتاب بلکہ کئی مجلدات میں بھی نہیں سما سکتا۔ کیونکہ اس کے مختلف پہلوؤں میں بے انداز تفاصیل اور لاتعداد مثالیں اور واقعات موجود ہیں۔قصہ مختصر یہ کہ

دل بدست آور کہ حج اکبر است

کے مقولے کی صحیح تصویر اور عملی نقشہ آنحضرت صلی اللہ وعلیہ وسلم کے بعد اگرچہ لاکھوں کاملوں نے دنیا کے سامنے رکھا۔مگر ان سب سے بڑھ کر یہی کامل ومنفرد ہستی تھی۔جس کی نظیر چودہ سو سال میں دوسری جگہ نظر نہیں آ سکتی۔

پھیلاں میاں محمد دین کی والدہ کی ہمت میں مردانگی اور جواس میں فرزانگی تھی' بات کرنے کا طریق، مافی الضمیر کے ادا کرنے کی توفیق اس کے رفیق تھے۔اس طریق اور ایسے رنگ میں اس نے اپنی مصیبت اور درد دل کا اظہار کیا کہ حضرت کو اس کے حال پر رحم آ گیا۔حضور نے اس کی دلجوئی فرمائی۔سہارا اور تسلی دی جس سے اس کو ڈھارس بندھ گئی۔اور مقصود اسے نزدیک نظر آنے لگا۔اور اب وہ دھرنا مار دھونی رما کر ہی حضور کے در پر بیٹھ گئی۔

حضرت نے ان کے قیام وطعام کا انتظام فرمایا۔ جسمانی علاج کے لئے حضرت نورالدین اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تاکید فرما دی اور روحانی مرض کے استیصال کی طرف حضور نے خود توجہ دینی شروع فرمائی۔ اکثر ظہر کی نماز کے بعد اور پھر شام کی نماز کے بعد دربار لگتا۔میاں محمد دین کو بلوالیا جاتا۔اور ان کو اپنے اعتراض وشبہات پیش کرنے کا موقعہ دیا جاتا جن کے جوابات سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام خود دیا کرتے اور میاں محمد دین کو نہایت محبت' نرمی اور توجہ سے حضور سمجھایا کرتے اور ان کے ایک ایک شبہ واعتراض کا حل فرمایا کرتے۔ اس سلسلہ نے طول پکڑا اور غالباً کئی ماہ تک ناغے اور وقفوں کے ساتھ جاری رہا۔مگر چند ہی روز میں یہ بات کھل گئی کہ محمد دین کی نیت بخیر نہیں اور اس میں طلب حق اور تحقیق کی خواہش بھی موجود نہیں۔ وہ کسی مجبوری کے ماتحت محض دفع الوقتی کرتا اور کسی موقعہ کی تاک میں رہتا ہے۔ایک بات کے متعلق وہ خود اقرار کرتا ہے کہ حل ہوگئی مگر دوسرے وقت اسی پر اڑ بیٹھتا۔ صبح کو تسلیم کرتا' مان لیتا اور شام کو انکار اور انکار پر اصرار کرنے لگتا۔بعض اوقات اتنی ضد، ہٹ اور کج بحثی پر اتر آتا کہ صاف معلوم ہوتا کہ شرارت اور خباثت کا مظاہرہ کر رہا ہے۔

مگر حضور مصلحت اور حکمت سے نظر انداز کر کے چشم پوشی فرماتے اور ٹال کر گفتگو روک دیا کرتے۔

اس کے دل کا زنگ اور کفر وانکار کی سیاہی اتنی سخت گہری اور میلی ہو چکی تھی جس کے دور کرنے کے لئے لمبے مجاہدہ، غیر معمولی محنت اور بھاری توجہ کی ضرورت تھی۔ اس کے دل کی زمین اتنی خشک اور ایسی سنگلاخ ہو چکی تھی کہ کوئی دلیل کارگر ہوتی تھی نہ برہان۔ اس کی فطرت کج اور سینہ سیاہ تھا جس پر کوئی دوسرا رنگ چڑھ جانے کی گنجائش ہی باقی نظر نہ آتی تھی۔ وہ کنویں کی ایک کوری ٹنڈ بن چکا تھا۔ جو کبھی ادھر لڑھک جاتی اور کبھی ادھر اور اس طرح اس کے تلون کے باعث اس کا کوئی اعتبار ہی نہ رہا تھا۔

روحانی مرض کی طرح اس کے جسمانی مرض کا بھی یہی حال تھا۔ اس میں بھی اتار چڑھاؤ کا غیر متناہی سلسلہ اور مدوجزر رہا کرتا تھا۔ کبھی تو حالت اس کی سنبھل جاتی۔ اور وہ بھلا چنگا نظر آنے لگتا۔ اور کبھی وہی پہلی حالت عود کر آیا کرتی۔ اور وہ بالکل مردہ بن کر رہ جاتا۔ اور گھڑی پل کا مہمان نظر آنے لگتا۔ اس کی ماں نہایت ہوشیاری سے اس کی نگرانی رکھتی اور حالات کا مطالعہ کرتی رہتی تھی۔ اس کے تلون، کج بحثی اور ضد اور شرارت کے حالات سے متاثر ہو کر وہ گھبرا جایا کرتی۔ اس کے دل میں خوف و ہراس پیدا ہو جاتا کہ مبادا حضرت ناراض ہو کر تنگ آ کر اس کی بدنیتی معلوم کر کے ہمیں دھتکار ہی نہ دیں۔ جواب ہی نہ دیدیں۔ اور اکثر چلایا کرتی اور رودھو کر جہاں بیٹے کو سمجھایا کرتی وہاں وہ حضرت کے حضور بھی بصد منت والحاح درخواستیں کرتی، التجائیں کرتی کہ حضور نے خدا کے لئے دستگیری فرمائی ہے۔ محمد دین کی بدزبانی، شرارت اور سختی کو خیال میں نہ لائیں۔ خدا کے واسطے رحم کر کے چشم پوشی فرمائیں۔ درگذر کریں۔ اور اس کے ہاتھ نہ چھوڑیں۔ ''ایک مرتبہ کلمہ پڑھاویں۔ پھر چاہے مرجائے مجھے اس کا غم نہیں۔ فکر ہے تو یہی کہ کافر نہ مرے۔''

بات دراصل یہ تھی کہ والدہ اس کی اسے علاج کرانے کے وعدہ سے لائی تھی اور وہ بھی اسی خیال سے رضامند ہو کر اس کے ہمراہ چلا آیا تھا کہ حضرت مولانا نورالدین اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام نامی اور اسم گرامی طبی دنیا کے بلند ترین مناراور شہرت کے عالی مقام پر نمایاں طور سے کندہ ہو چکا تھا۔ ورنہ اگر اسے یہ وہم بھی ہوتا کہ اس کی ماں اس کی روحانی بیماری کے علاج کو مقدم سمجھ کر قادیان لا رہی ہے تو یقیناً وہ موت کو اس پر ترجیح دیتا۔ اور اپنے گھر یا گوجرانوالہ سے باہر ایک قدم بھی نہ اٹھاتا۔ کیونکہ حقیقت یہی تھی کہ اس کفر وشرک کا زہر اس کے جسم کے رگ وپے میں اس طرح سرایت کر چکا، اس کے خیالات پر قبضہ وتصرف پا چکا تھا۔ اور کفارہ مسیح کا خون کچھ ایسا اس کے گوشت پوست میں رچ کر جزو بدن ہو گیا تھا کہ ان چیزوں کا اس کے جسم وجان سے نکالنا یا خیالات سے دور کرنا قریباً ناممکن ہی ہو چکا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب اسے یہ علم

ہوگیا کہ اس کی جسمانی بیماری کے علاج کے ساتھ ساتھ اس کی روحانی امراض کی بیخ کنی کے بھی سامان ہیں اور دلائل اور براہین ایسے قوی، کفر شکن اور لاجواب ہیں جن کے جواب کی اس میں تاب ہے نہ برداشت تو اس نے اس سے بچنے کی کوشش کی۔ کبھی اس نے بیماری کا عذر کر کے مجلس میں آنے سے گریز کیا تو کبھی ضد، کج بحثی اور بدزبانی کر کے بات سننے سے پرہیز کیا۔ پہلو بدلتا رہتا۔ موقع ٹال دیا کرتا۔ اور یہاں تک بھی شرارت کرتا کہ بدزبانی گستاخی اور بے ادبی پر اتر آتا کہ شاید یہی راہ اس کی نجات اور قادیان سے بچاؤ کی ہو جائے۔ حضور ناراض ہو کر نکال دیں۔ یا کوئی طیش میں آ کر مار بیٹھے تو غرض پوری اور مدعا حاصل ہو جائے۔

دوسری طرف اس نے خفیہ خفیہ بٹالہ کے عیسائیوں سے جوڑ توڑ اور ساز باز کرنا شروع کر دیا۔ ان کی امداد کی امید پر اور زیادہ دلیر، بے باک اور نڈر ہو کر گستاخی اور شرارت میں بڑھنے لگا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ دو تین مرتبہ قادیان سے بھاگ کھڑا ہوا تا بٹالہ پہنچ کر قلعہ بند اور محفوظ ہو جائے۔ مگر اپنی مرادنہ ہمت ماں کی ہوشیاری، چستی اور بہادری کی وجہ سے ہر مرتبہ اپنے مقصد میں ناکام اور حیلوں میں نامراد رہا۔ اور کبھی بھی قادیان سے باہر نہ نکل سکا۔

مصلحت الٰہی سے روحانی اور جسمانی دونوں طبیب کامل تھے۔ اس کی لمبی بیماری سے نہ گھبرائے نہ تھکے اس کی بے اعتدالیوں اور بدپرہیزیوں سے اکتائے نہ مایوس ہوئے۔ بلکہ پورے استقلال، تحمل اور ضبط سے اس کے علاج میں لگے رہے۔ گالی گلوچ کی پرواہ کی۔ نہ شرارت و گستاخی کی۔ پورے صبر و چشم پوشی اور درگذر سے کام لے کر اس کے گند دھوتے، ناسور صاف کرتے اور محبت سے مرہم پٹی کرتے رہے نہ کسی طمع کی امید سے، نہ کسی خدمت وسلوک کے خیال اور اجر و جزا کی رجا پر، محض خالصاً للہ، محض اس کی بھلائی کی نیت اور اس خیال سے کہ شاید چنگا ہو کر خدا کے غضب کی آگ سے نجات پا جائے۔ کفر و شرک کی مار اور نبیوں کی توہین کی لعنت سے بچ سکے۔

پھیلاں، سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حسن واحسان اور عطا وسخا اور اخلاق کریمانہ کو دیکھتی اور اپنے لڑکے کی کرتوتوں کے خیال سے مری جا رہی تھی۔ ندامت اور شرم سے اس کا سر جھکا رہتا اور ہر وقت حضور کی رحمت و شفقت کے گیت گاتی، دعائیں دیتی رہتی تھی۔ اس کی بے قراری واضطرار دیکھا نہ جاتا تھا۔ جس دلی تڑپ اور منت و سماجت سے وہ عورتوں اور مردوں اپنے اور بیگانوں سے دعاؤں کے لئے التجا کیا کرتی تھی اس کا نقش آج تک دماغ میں قائم اور دل میں موجود ہے۔ اس کی

تمنا، اس کی آرزواور یہی اس کی خواہش ہوا کرتی تھی کہ ''اس کا بیٹا توبہ کرے اور سچے دل سے ایک بار کلمہ پڑھ لے پھر چاہے دوسرے ہی دن مر جائے۔ مرے تو مسلمان ہو کر۔ کافر نہ مرے۔''

محمد دین پڑھا لکھا میٹرک پاس نوجوان تھا۔ قادیان میں رہتے کئی ماہ گذر چکے تھے۔ حضرت نورالدین اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مطب میں اس کی رہائش اور نشست و برخاست تھی۔ جہاں ہر رنگ' ہر مذاق اور ہر مذہب وملت کے لوگ آیا کرتے۔ امیر غریب کا کوئی امتیاز نہ تھا نہ مسلم غیر مسلم کا۔ ہر قسم کا کھلا درویشانہ دربار تھا۔ جو سبھی کے واسطے یکساں و برابر کھلا رہتا تھا۔ کوئی آتا کوئی جاتا کسی کو روک تھی نہ ٹوک۔ محمد دین کو ہر قسم کی آزادی تھی کوئی پابندی یا نگرانی جماعت کی طرف سے اس پر ہرگز نہ تھی۔ البتہ اس کی ماں اس کے حالات وعادات کی واقف وراز دار ہونے کی وجہ سے اس کی نقل وحرکت کی نگرانی عقلمندی وہوشیاری سے ضرور کیا کرتی تھی۔ باقی بول چال گفتگو اور بات چیت کی اسے کسی سے بھی روک نہ تھی۔ لمبے عرصے تک رہنے کی وجہ سے نہ صرف مقامی لوگ اس سے واقف اور وہ ان سے آشنا ہو چکا تھا بلکہ مضافات قادیان اور گورداسپور بٹالہ وغیرہ کے لوگوں سے بھی اس کے تعلقات ہو چکے تھے۔ صحت جسمانی اس کی بہتر ہو رہی تھی بلکہ مطب میں رہ کر وہ طب کا مشتاق اور نسخہ جات کی تلاش ودھن میں رہنے لگا۔ اور اس طرح وہ خود نیم حکیم تو ضرور بن گیا تھا۔

ایک روز جون کے مہینہ میں کڑکتی دھوپ اور شدت دوپہر کے وقت جبکہ ہم دو تین آدمی موجودہ موٹر گیراج والے دالان میں جہاں اس زمانہ میں حضرت کا پریس ضیاء الاسلام نام ہوا کرتا تھا۔ دوپہر کی تلخی اور دھوپ کی حدت کاٹ رہے تھے، اچانک خلاف معمول، غیر متوقع طور پر مائی پھیلاں نہایت پریشان اور گھبراہٹ واضطرار کی حالت میں آئی۔ اس کا اضطراب ودرد کچھ ایسا تھا کہ ہمارے دل رحم سے بھر گئے اور ہم اس کی طرف ہمہ تن گوش بن کر متوجہ ہوئے۔ وہ روتی جاتی تھی اور بات کے ساتھ ساتھ جلد جلد اپنے دامن کو سنبھالتی جا رہی تھی۔ ایک کونہ کو پکڑتی اور چھوڑ دیتی پھر دوسرا پکڑ کر ٹٹولتی اور چھوڑ دیتی حتیٰ کے تیسرے یا چوتھے کونہ کو ٹٹول کر اس نے گرہ کھولنی شروع کی۔ چونکہ وہ بیک وقت تین طرف متوجہ تھی۔ ۱- گریہ وزاری، آہ وبکا ۲- مصیبت کی کہانی کا بیان ۳- اور دامن کی گرہ کشائی اس وجہ سے ہمارے پلے تھوڑا ہی کچھ پڑا اور اس کی پوری بات ہماری سمجھ میں نہ آسکی۔ حتیٰ کہ گرہ سے کھول کر ایک اٹھنی اس نے اپنی انگلیوں میں تھامی اور بصد لجاجت ہم میں سے ہر ایک کی طرف ہاتھ بڑھایا کہ لے لو اور میرے بیٹے کو کہیں سے پکڑ لاؤ۔ وہ بھاگ گیا ہے۔ بہت تلاش کی سر مارا، مگر وہ ہاتھ نہیں آیا۔ وہ گیا

بٹالے۔ اگر کفرستان میں پہنچنے میں وہ کامیاب ہوگیا تو میرا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ میں زندہ ہی مرمٹوں گی وغیرہ۔

پھیلاں کی بات اب کچھ ہماری سمجھ میں آئی۔ مطلب اس کا سمجھ کر اسے حضرت کے حضور عرض کرنے کا مشورہ دیا گیا چنانچہ وہ دوڑی گئی۔ حضرت آرام فرمارہے تھے۔ اس کی تکلیف اور بے قراری کی تاب نہ لاکر حضور آپ بے قرار ہوکر کھڑے ہوگئے مطلب پاکر حکم بھیجا۔

''فوراً جاؤ۔ محمد دین جہاں کہیں ملے پکڑ لاؤ۔''

اور خود اس کو تسلی دی۔ اطمینان دلایا۔ حوصلہ کرو۔ گھبراؤ نہیں۔'' یہ بیٹا تمہارا جانہیں سکتا آجائے گا۔'' ہم لوگ حکم پاتے ہی کھڑے ہوگئے جو جس حال میں تھا بھاگ نکلا۔ کوئی سر سے ننگا بھاگا' کوئی پیر سے۔ ہر کسی کو یہی خیال تھا کہ وہ پیچھے نہ رہ جائے۔ گرمی کا خیال نہ دھوپ کی پرواہ۔ مارا مار کرتے ہوئے دوڑے۔ تھوڑی دور ایک آگے لگتا اور کچھ دور جا کر دوسرا اس کی جگہ لے لیتا۔ اور اس طرح ادلتے بدلتے موڑ تک پہنچے۔ نہر پر پہنچے آخر وڈالہ بھی آ گیا۔ مگر محمد دین کا پتہ نہ لگا۔ حکم ہمارے آقا کا تھا اور قوت بھی ہمیں وہیں سے مل رہی تھی۔ تکان معلوم ہوئی نہ گرمی، بلکہ امید بھرے دل سے ہمارے قدم برابر آگے ہی آگے بڑھتے چلے گئے اور زمین ہمیں لپٹتی معلوم دے رہی تھی۔ امیر اس قافلہ کے مخدومی محترم بھائی عبدالرحیم صاحب اور شیخ عبدالعزیز صاحب (نومسلم) ایک صاحب چوہدری نورالدین نام اور خاکسار راقم عبدالرحمٰن قادیانی۔ یہ چار نام تو مجھے ایک اور ایک دو کی طرح یاد ہیں۔ ایک صاحب اور کے متعلق مجھے شبہ ہے مگر ان کا نام یاد آتا ہے نہ اتا پتا۔

پورے چھ میل کی سرگرم دوڑ کے بعد جبکہ ہم لوگ وڈالہ سے اس پار کی ریت کے بلند ٹیکروں پر پہنچے' امید کی شعاع اور جھلک ہمیں نظر آئی اور ایک مجسمہ کو ہم نے محمد دین فرض کر کے زیادہ تیزی سے دوڑنا شروع کیا۔ جوں جوں ہم اس بت کے قریب ہوتے گئے ہمارا خیال یقین سے بدلتا گیا۔ حتیٰ کہ جب ہم پوری شناخت کی حدود میں داخل ہوکر حق الیقین تک پہنچ گئے اور محمد دین نے بھی تاڑ لیا کہ اب وہ پکڑا گیا۔ بھاگنے اور چھپ جانے کی کوئی راہ نہ پاکر سڑک چھوڑ کر ایک طرف ہوکر رفع حاجت کے طریق پر بیٹھ گیا۔ اور دیر تک بیٹھا رہا۔ غالبًا اس کا گمان یہ تھا کہ ہم لوگوں نے اسے پہچانا نہیں اور اس طرح راستہ سے ایک طرف ہوکر گویا وہ ہم سے پوشیدہ ہوگیا ہے۔

ہم لوگ کنویں پر پہنچ کر رک گئے جہاں ایک پختہ کمرہ کے علاوہ سڑک کے کنارے اور کنویں کے گرد توت کے چند سایہ دار درخت لگے ہوئے تھے اور قادیان سے بٹالہ جانے والی سڑک کے بائیں جانب یہ

مقام واقعہ ہے نام اس کا مجھے معلوم نہیں ۔موقعہ کے لحاظ سے یہ جگہ دیوانی مال کے تکیہ اور وڈالہ کے قریباً وسط میں واقع ہے۔ہم نے میاں محمد دین کی انتظار کی مگر وہ اٹھنے ہی میں نہ آئے ۔مجبور ہو کر خود حاضر ہوئے اور عرض معروض کر کے اٹھایا جہاں وہ محض بہانہ بنائے بیٹھے تھے۔ بہت سخت کرخت بولے اور ہم سب کو ڈانٹ ڈپٹ کرنے لگے۔ گالی گلوچ اور سب وشتم کے علاوہ دھمکیوں کا بھی انبار لگا دیا۔مگر ہماری طرف سے نرمی ،حکمت ،منت ،سماجت اور خوشامد درآمد کا سلوک پا کر آخر نرم تو ہو گئے مگر لوٹنے کی بجائے آگے ہی بڑھنے پر ضد اور اصرار رہا۔

بہزار منت ولجاجت ، پیار سے ، دلاسہ سے' نرمی سے' گرمی سے کہہ سن کر مٹھی چاپی اور خدمت وحکمت سے واپسی پر رضا مند کیا۔ تو تکان کا عذر اور پیدل نہ چل سکنے کا بہانہ بنا کر بیٹھ رہا۔ ٹالنے اور وقت گذارنے کی کوشش کرتا رہا۔اور اس دوران میں ہم نے محسوس کیا کہ اس کی آنکھیں بار بار بٹالہ کی طرف اٹھتی تھیں جیسے کسی کی انتظار ہو۔اس خطرہ کو بھانپ کر ہم نے اسے پیٹھ پر اٹھایا' کہیں پیدل چلایا۔ایک چادر کے کونے پکڑ کر اس کے لئے سایہ اور دھوپ سے بچاؤ کا انتظام کیا اور اس طرح بصد مشکل اس کو وڈالہ تک لے چلے ۔ پیچھے مڑ کر جو کسی نے دیکھا تو ایک یکہ آتا دکھائی دیا جس کو دیکھ کر بیم ورجا اور خوف امید یکجا جمع ہو گئیں۔خطرہ یہ تھا کہ بٹالہ مشن کے ساتھ اس کی ساز باز تھی مبادا وہی لوگ اس کی تلاش اور استقبال کو آتے ہوں ۔ کیونکہ اس کے بھاگ نکلنے کا طریق وضع اور ہئیت ترکیبی کسی منصوبہ وسازش کا پتہ بتا رہی تھیں ۔ اسی کشمکش میں وہ یکہ قریب ہوا اور خدا کے فضل سے ہماری امید خطرہ پر غالب ہوئی ۔ یکہ میں بمشکل ایک سواری کی گنجائش تھی ۔میاں محمد دین کو اس میں بٹھایا مگر چونکہ وہ لوٹنے پر رضا مند نہ تھا۔ اچھی طرح جم کر بیٹھتا نہ مضبوطی سے پکڑتا تھا۔خطرہ اس کے گر کر چوٹ کھانے کا تھا۔جس کی اس میں تاب تھی نہ سکت ۔ ناچار یکہ والے کو کہہ سن کر ایک کو اس کے ساتھ بٹھایا تا محمد دین کو تھامے رہے اور باقی پیدل یکہ کے ہمراہ خدا کے فضل سے کامیاب و بامراد خوش وخرم لوٹے ۔ قادیان پہنچے ۔ ماں اس کی راہیں تکتی انتظار میں تھی ۔خدا کا شکر بجالائی اور دوڑ کر حضرت کے حضور اس کی واپسی کی اطلاع اور خوشی کا مژدہ سنایا۔ حضور پُر نور خوش ہوئے ۔ دعائیں دیں اور محمد دین کے ساتھ زیادہ نیک اور زیادہ محبت کے سلوک کی تاکید فرماتے ہوئے تشریف لے گئے ۔محمد دین کو ملامت کی نہ کچھ جتایا۔فرمایا تو صرف یہ کہ

''آپ کو اگر سیر کا خیال تھا تو ہم سے کہتے ہم خود اس کا انتظام کر دیتے ۔آپ نے بے فائدہ تکلیف پائی اور زحمت اٹھائی ۔ ماں کی تکلیف کا بھی آپ کو خیال نہ آیا وغیرہ ۔''

اس طرح پھر سے ایک مرتبہ خدا نے محمد دین کو گویا کفر کے غار سے بچا کر دارالامان پہنچا دیا۔ اور وہ اچھی طرح رہنے لگا۔

خدا کے فضل نے جوش مارا۔ رحمت الٰہی کے دروازے کھل گئے۔ حضرت کی توجہات مقبول ہوئیں۔ دم مسیحائی میں تاثیر آئی۔ اس روحانی مردے کی زندگی کے سامان ہونے لگے۔ اس کی طبیعت نے پلٹا کھایا۔ کفر کا زنگ اور شرک کی میل دھلنے لگی۔ اور ہوتے ہوتے آخر خدا نے وہ دن دکھا دیا جب کلام ربانی

اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ [۶۴]

کی تاثیر نے اپنا اثر دکھایا۔ محمد دین کے دل کے جندرے کھل گئے۔ خدا کے فرشتوں نے اس کے سینے کو چاک کر کے غلاظت نکال کر ایمان کا نور بھر دیا۔ اور اس نے صدق دل اور انشراح صدر سے خدا کی توحید اور رسول کی رسالت کا کلمہ پڑھ کر کفر سے بیزاری اور اسلام کا اعلان کر دیا۔

پھیلاں نے سجدات شکر کئے اور خدا کی حمد کے گیت گائے۔ ہر طرف سے مبارک صد مبارک کی صدائیں بلند ہوئیں...... روحانی مردوں کے زندہ ہونے کا مطلب اور يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ [۶۵] کی عملی تفسیر اور زندہ نمونہ آنکھوں نے دیکھ لیا۔

مسلمان ہو کر بھی ماں بیٹا کچھ دن رہے۔ محمد دین نماز پڑھتا اور مسلمانی اعمال بجالاتا رہا اور وہ اب دل سے مسلمان تھا۔

آخر حضرت کی اجازت سے پھیلاں اسے اپنے وطن لے گئی۔ وہاں بھی وہ مسلمان ہی تھا۔ عیسائی پادری اب اس سے مایوس ہو چکے تھے۔ کیونکہ وہ قادیان سے روحانی زندگی اور ایمان کا نور پا چکا تھا۔ اس طرح کچھ عرصہ وہ خوش وخرم رہا۔ آخر بیماری نے پھر زور پکڑا۔ غلبہ کیا اور چند روز کی بیماری کے بعد وہ بحالت اسلام اس دنیا سے کوچ کر گیا۔

شیخ احمد دین صاحب ڈنگوی بعد میں میرے نسبتی بھائی بنے۔ اس طرح مجھے قصبہ ڈنگہ سے ایک تعلق ورشتہ ہو گیا۔ پھیلاں اور اس کا لڑکا بھی چونکہ میرے ان بزرگوں کے پڑوسی تھے اس وجہ سے ان حالات کا تفصیلی علم ہوا جسے میں نے امانت سمجھ کر پہنچا دینا ضروری سمجھ کر لکھ دیا ہے۔ یہ واقعہ ۱۹۰۰ عیسوی سے قبل کا ہے۔

ایک امر جس کا ذکر اس واقعہ کی مناسبت اور مضمون کی مطابقت کے باعث اسی جگہ مناسب وموزوں تھا مجھ سے لکھنا رہ گیا ہے وہ یہ ہے کہ:

سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت سے مشرف ہونے والے بزرگ اس امر سے واقف اور بخوبی آگاہ ہیں کہ حضور پُرنور کی خدمت برکت میں جب کوئی صاحب بیعت کی نیت سے حاضر ہوتے' درخواست بیعت کرتے تو عموماً حضور ان کو قبول فرما کر فوراً ہی بیعت لے لیا کرتے۔ مگر بعض لوگ جب حضرت کی خدمت میں پہنچتے ، بیعت کی درخواست کرتے تو حضور ان کو انتظار میں رکھتے اور ......''آپ کچھ روز ٹھہریں کچھ دن اور صبر کریں۔'' فرما دیا کرتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا کہ حضور کو ان کے متعلق کچھ تردد ہے' انشراح نہیں جس کی وجہ سے حضور ان کے اصرار کے باوجود بھی ان کا معاملہ تعویق ہی میں ڈالے رکھا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بعض واقعات ایسے بھی دیکھنے میں آیا کرتے تھے۔ کہ کوئی صاحب بیعت کے لئے پیش ہوئے' حضور نے ان کو قبول فرما کر بیعت لے لی اور کوئی ایسا شخص بھی اس بیعت میں شامل ہو جایا کرتا جس کو حضور نے حالت انتظار میں رکھا ہوتا۔ گو ایسا شخص بظاہر حضرت کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے کر اپنے آپ کو احمدیت میں داخل بھی سمجھ لیا کرتا۔ مگر بعض دفعہ بعد کے واقعات سے جو کچھ ظاہر ہوا کرتا ان سے غلاموں کے ایمان میں تازگی اور عرفان میں زیادتی ہو جایا کرتی تھی۔ اور ہم لوگوں پر ان واقعات کے نتیجہ میں یہ اثر غالب تھا کہ حضور کا فرمان''اتقوا فراسة المومن '' کن حقائق کا مظہر ہے۔ اور یہ حقیقت ہماری سمجھ میں آجایا کرتی تھی کہ اللہ کریم بعض اشخاص اور امور کے متعلق اپنے فضل سے حضور کو خاص طور سے علم عطا فرما دیا کرتا تھا' جس کی وجہ سے بعض لوگوں کی بیعت لینے میں تردد و تامل فرماتے ہیں۔

اسی طرح اسلام سے مرتد ہونے والے عیسائیوں کے متعلق جو دوبارہ اسلام کی طرف لوٹنا چاہتے یا لوٹتے حضور کا قول حضور کی رائے اور فراست کا چرچا اور شہرہ جماعت میں عام ہے۔ مگر بعض خوش بخت ، نیک نہاد یقیناً اس ذیل میں بھی مستثنیٰ ہیں۔ جن کو حضور پرنور نے قبول فرمایا اور ان کو خصوصیت سے نواز کر شرف قرب بخشا۔ چنانچہ انہی پاک نفسوں کی طرح اللہ تعالیٰ کے اس رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے باوجود شدید روحانی بیماری میں مبتلا ہونے اور روحانی موت مر چکنے کے محمد دین کو بھی لاعلاج نہ سمجھا اور خدا کے عطا کردہ علم سے اس کے نیک انجام سے آگاہ ہو کر ہی اس کے لئے اتنی سخت محنت لمبا مجاہدہ اور اپنا قیمتی وقت صرف کیا تھا ورنہ حضور یقیناً اس پر اپنا سارا وقت خرچ نہ کرتے جس کے لئے خود خدا فرماتا ہے۔

اَنتَ الشَّیخُ الْمَسِیحُ الَّذِیْ لَایُضَاعَ وَقْتُہٗ ۲۶

پس حضور نے محمد دین کے انجام نیک اور اس کی سعادت ہی کی وجہ سے اس کی توجہ فرمائی۔ اس کے

گند دھوئے اور نور ایمان سے منور فرما کر روحانی زندگی کی نعمت سے مالا مال فرمایا تھا۔ اور یہی وہ ''احیا موتی اور مردوں کا جی اٹھنا ہے۔'' جس کا ذکر خدا کے کلام میں انبیاء ومرسلین کی نسبت وارد ہے۔ [۴۷] بھائی جی فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ مسماۃ پھیلاں احمدی ہو چکی تھی یا نہیں۔

۲- حضرت مفتی محمد صادق صاحب رقم فرماتے ہیں:

مخدوم ومکرم حضرت شیخ عبدالرحمٰن صاحب قادیانی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کے بعض چشم دید حالات اخباروں میں شائع کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی صحت اور عمر میں برکت دے اور اس نیکی کے عوض انہیں جزائے خیر دے۔ آمین

حال میں انہوں نے اخبار الحکم میں ایک نیک اور بہادر عورت بنام پھیلاں ساکن ڈنگہ کے حالات لکھے ہیں جس کا بیٹا محمد دین عیسائی ہو گیا تھا اور وہ بڑی ہمت کر کے بیٹے کو قادیان لائی۔ وہ بھاگ جاتا پھر لے آتی۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے اسے توفیق دی اور وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر مسلمان ہوا۔

ان دنوں میں میں لاہور دفتر اکاؤنٹنٹ جنرل میں ملازم تھا۔ اور مزنگ میں ایک کرایہ کے مکان میں رہتا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام خود اس محمد دین کو مسائل سمجھاتے۔ اور اسلام کے خلاف اس کے شبہات مٹاتے۔ ایک دفعہ بائیبل کی کسی آیت کی تفسیر پر اس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اختلاف کیا۔ حضور نے فرمایا اس کا فیصلہ آسان ہے۔ ہم مفتی صاحب کو لکھتے ہیں کہ اس آیات کی اصل عبرانی معہ لفظی ترجمہ کے ہمیں بھیج دیں۔ اس کے پڑھنے سے صاف ہو جائے گا کہ اس آیت کا مفہوم کیا ہے۔

سو حضور نے مجھے خط لکھا اور حکم فرمایا کہ اس آیت کا اصل اور لفظی ترجمہ کر کے حضور کو بھیج دوں۔ وہ خط مجھے دفتر میں ملا۔ گرمی کا موسم تھا۔ دفتر سے فارغ ہو کر میں شام کے قریب مکان پر پہنچا۔ کھانا کھا کر اور نمازیں پڑھ کر میں لیمپ روشن کر کے بیٹھ گیا۔ عبرانی بائیبل نکال کر اس آیت کی عبرانی لکھی۔ پھر ایک ایک لفظ کو لغت وغیرہ کی کتابوں سے دیکھ کر ہر لفظ کا مطلب اور مفہوم الگ الگ لکھنا شروع کیا۔ اور اس کام میں اس طرح لگا رہا کہ مجھے کچھ معلوم نہ ہوا کہ رات گزر گئی اور کام اس وقت ختم ہوا جب صبح اذانوں کی آواز آئی اور دفتر جا کر میں نے وہ خط ڈاک میں ڈال دیا۔

حضور نے مجھے یہ نہ لکھا تھا کہ محمد دین کے ساتھ ترجمہ آیت پر اختلاف ہوا ہے۔ صرف یہی لکھا تھا کہ

اصل عبرانی اور لفظی ترجمہ لکھ دو۔ اس کے بعد اتفاق ایسا ہوا کہ مجھے جلد قادیان آنے کا موقعہ ملا۔ تب مجھے سب حال معلوم ہوا۔ اور یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ میری تحریر جب یہاں پہنچی کہ اس سے ثابت ہوا کہ وہی ترجمہ اور تفسیر درست تھی جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کرتے تھے۔ اور اس بارے میں محمد دین کا شبہ دور ہوا اور (اس کی) تشفی ہوگئی۔

اس وقت پھیلاں سے ملنے اور بات کرنے کا مجھے بھی اتفاق ہوا۔ اور اس کے منہ سے ایک کلمہ نکلا جس کو میں کبھی بھول نہیں سکتا۔ ایک دن وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اندرون خانہ سے آ رہی تھی کہ مجھے کوچہ بندی میں ملی۔ اس کے چہرہ پر بشاشت اور تبسم تھا اور (وہ) مجھے بے اختیار کہنے لگی:

> ''پہلے نبیوں کے جو حالات ہم سنتے ہیں مجھے تو خیال آتا ہے کہ مرزا صاحب انہی میں سے ایک نبی ہیں۔ ان کا خلق، ان کی باتیں، ان کا کام سب نبیوں کی طرح ہے''۔

میں نے کہا بالکل ٹھیک ہے۔ وہ عورت پڑھی لکھی نہ تھی۔ اس نے براہین (احمدیہ) اور دیگر کتابیں اور الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نہ پڑھے تھے۔ مگر زیرک اور نیک اور سلیم الفطرت تھی۔ حضور کے حالات مشاہدہ کر کے بے اختیار اس کی طبیعت پر یہ اثر تھا کہ میں اللہ تعالیٰ کے ایک نبی کو دیکھ رہی ہوں۔ [۶۸]

۱۵- صحابہ کی جان نثاریاں

حضرت بھائی جی لکھتے ہیں:

(انبیاء سے بڑھ کر کوئی شخص صفات الٰہیہ سے واقف نہیں ہوتا وہ ''برتوکل زانوئے اشتر بہ بند'' پر عمل پیرا ہوتے ہوئے رعایت اسباب کا پورا خیال رکھتے ہیں۔ خلاصہ)

یہی طریق ہمارے سید و مولیٰ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تھا اور اسی منہاج پر حضور ہمیشہ کاربند تھے۔ بیماری میں علاج معالجہ اور دوائی درمن کی فراہمی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتے۔ ڈاکٹر وطبیب اور وید و حکیم سے مشورہ فرماتے۔ پوری کوشش اور سعی بلیغ فرماتے۔ مقدمات میں وکیل مختار اور منشی متعدی یا دوسرے قانون دانوں سے مشورہ فرماتے اور نہایت ہوشیار جرنیل کی طرح بھروسہ ہر قسم کا کسی سفلی سامان پر تھا نہ دوائی درمن پر۔ کسی وکیل منشی پر ہوتا نہ کسی حاذق حکیم پر۔ آپ جہاں موحد کامل تھے

وہاں متوکل کامل بھی۔علیہ الصلوٰۃ والسلام عنّا وَعن الخلق اجمعین۔آمین۔

مقدمہ کرم دین کے نام سے ایک مقدمہ جماعت میں معلوم ومشہور ہے۔اس مقدمہ کے دوران میں منشی کرم علی صاحب کاتبؓ کی شہادت کی ضرورت محسوس ہوئی۔(جوتقسیم ملک کے بعد پاکستان میں وفات پاچکے ہیں۔مؤلف) ستمبر یا اکتوبر ۱۹۰۳ء کا ذکر ہے کہ حسب معمول نماز مغرب کے بعد حضور اپنی کشتی نما مسجد مبارک کی بالائی چھت پر رونق افروز تھے۔دربار اپنی پوری شان اورتاب پر تھا۔کبار صحابہ اورخدام وغلام ہر طبقہ درطبقہ کے جمع تھے۔اگلے روز مقدمہ مذکور کی تاریخ پیشی تھی۔ضروریات اورانتظام سفر کے متعلق صلاح ومشورے جاری تھے کہ اچانک حضور کوکوئی خیال پیدا ہوا۔منشی کرم علی صاحب کو یادفرمایا۔ احباب نے عرض کی۔حضوروہ تو گوجرانوالہ گئے ہوئے ہیں۔فرمایا:

''ہمیں توان کی ضرورت ہے کل کی پیشی میں ان کی شہادت کرانے کا خیال ہے۔''

حاضرین نے عرض کیا۔حضور عشاء کا وقت ہوگیا ہے۔گاڑی کوئی جاتی نہیں۔وہ کل نہیں پہنچ سکتے۔ اگلی تاریخ پران کی شہادت ہوجائے گی۔حضور پرنور نے پھرفرمایا۔

''کوئی صورت ان کے آنے کی ممکن ہوتو بہتر ہے وہ کل ہی پہنچ جائیں شاید حاکم پھر موقعہ نہ دے کیونکہ مخالفت پر تلا ہوا ہے۔''

مگر دوستوں نے پھر وہی عرض کیا جو پہلے کہہ چکے تھے۔باوجود اس کے حضور نے پھر پہلے فرمان کو دہرایا اورضرورت کی شدت بیان فرمائی۔

میں ابھی بچوں میں ہی شمار ہوا کرتا تھا۔حضور کا فرمان باربار میرے کانوں میں بھی پڑا اوردل کے اندر بیٹھتا گیا۔بزرگوں اوردوستوں کا جواب بھی سنا اورمیں اس پرغور میں مصروف تھا۔آخر تیسری مرتبہ جب حضرت نے شدت ضرورت کا اظہار فرمایا تو مجھ سے نہ رہا گیا اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ایک بات ڈال کر مجھے انشراح بخش دیا تھا۔میں نے جرأت کی اورکھڑا ہوکر عرض کیا۔حضور!منشی کرم علی صاحب پہنچ سکتے ہیں مگر بعد دوپہر پہنچیں گے۔میرا کھڑا ہوکر حضور کا لفظ زبان پر لانا تھا کہ حضرت جو شاید پہلے ہی مجھے دیکھ رہے تھے میری طرف متوجہ ہوگئے اورساری مجلس پرایک سناٹا چھا گیا۔فرمایا:

''ہاں میاں عبدالرحمٰن بیان کروکہ وہ کیسے آسکتے ہیں؟'' میں نے عرض کیا'' حضور میں ابھی بٹالہ چلا جاؤں گا وہاں سے یکہ مل گیا تو بہتر ورنہ کوشش کروں گا کہ راتوں رات امرت سر پہنچ کر وہاں سے صبح کی

نماز کے قریب لاہوراور گوجرانوالہ کو جانے والی گاڑی میں بیٹھ کر گوجرانوالہ آٹھ بجے پہنچ جاؤں۔اوراس طرح ان کو لے کر گورداسپور حاضر ہو جاؤں۔

میرا یہ بیان سن کر حضور بہت خوش ہوئے اورفرمایا۔رات کا وقت ہے اکیلے جانا مناسب نہیں۔میاں فتح محمد آپ میاں عبدالرحمٰن کے ساتھ چلے جائیں۔امرتسر سے آپ لوٹ آئیں۔میاں عبدالرحمٰن آگے اکیلے چلے جائیں گے۔ذرا ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں''......حضور مجلس میں سے اٹھ کر نیچے تشریف لے گئے اور جلد ہی واپس تشریف لاکر مٹھی بھر روپے میرے ہاتھ میں دیئے اورفرمایا۔''جاؤ اللہ حافظ! ہم گورداسپور میں کل آپ کا انتظار کریں گے''ہم نے دست مبارک کو بوسہ دیا اور آنکھوں پر رکھ کر رخصت ہوئے۔

چوہدری فتح محمد صاحب جوآجکل نظارت علیا پر فائز ہیں اس زمانہ میں طالب علم تھے (بوقت طبع دوم وفات پا چکے ہیں۔مئولف) مضبوط اور چست وچاق،مخلص جوشیلے اورایک فدا کار نوجوان تھے۔ہم دونوں فوراً پہلے قادیان کے ایک یکہ بان کے ہاں گئے اورکوشش کی کہ وہ ہمیں زیادہ نہیں تو بٹالہ ہی پہنچا دے مگراس کی لیت ولعل کو ہم برداشت نہ کر سکے۔کیونکہ ہمارا ایک ایک منٹ قیمتی تھا۔رات اندھیری تھی۔ہم دونوں پیدل بھاگتے دوڑتے قریباً ڈیڑھ گھنٹہ میں بٹالہ پہنچے۔یکہ بانوں کے ساتھ بات چیت کی اور اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا کہ ایک یکہ بان جو امرتسر ہی کا تھا اتفاقاً مل گیا اس کے ساتھ کرایہ طے کر کے اس کو تیاری کے لئے کہا اور خود عشاء کی نماز میں مصروف ہو گئے۔ہم نماز سے فارغ ہوئے اور وہ اتنے میں تیار ہو گیا۔سوار ہو کر

سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا ھٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ ۙ۝۶۹

پڑھتے ہوئے امرتسر کو روانہ ہوئے رات اندھیری تھی۔اور یہ علاقہ خطرناک۔عموماً چوری ڈاکہ کی وارداتیں ہوا کرتیں۔یکہ بان آگے اور ہم دونوں پیٹھ جوڑ کر دائیں بائیں ہوشیار و چوکس چلتے گئے۔راستہ میں دو جگہ خطرہ معلوم ہوا دائیں بائیں سے ظلماتی آدمی اٹھے اور بڑھے۔مگر ہم تینوں خدا کے فضل سے چوکس تھے۔گھوڑا گاڑی خاصی تیز تھی ہم تک کوئی نہ پہنچ سکا۔اور ہم بخیریت وقت پر امرتسر کے اسٹیشن پر پہنچ گئے۔خدا کا شکر کیا۔میں ٹکٹ لے کر اندر چلا گیا۔اور چوہدری صاحب محترم یکہ بان کے ساتھ شہر کو۔

تھوڑی دیر میں گاڑی آئی اور میں بیٹھ کر وہی قرآنی دعا پڑھتا ہوا لاہور اور لاہور سے گوجرانوالہ پہنچا۔

گاڑی سے اتر دوڑتا ہوا شہر گیا۔منشی صاحب کا پتہ جس مکان کا تھا وہاں گیا۔مگر جواب ملا کہ وہ تو صبح ہی چلے گئے ہیں۔کہاں گئے ہیں؟ اس سوال کے جواب میں ایک دوسرے مکان کا پتہ دیا گیا۔مارامارا

وہاں پہنچا مگر افسوس! منشی صاحب وہاں بھی نہ ملے۔ لوٹ کر پہلے مکان پر آیا، ماجرا بیان کیا تو انہوں نے کہا تو پھر وہ لمبانوالی چلے گئے ہوں گے۔

وہ کدھر ہے؟ کیونکر پہنچوں؟ گھر والوں نے جواب دیا۔ وزیر آباد یا گکھڑ کو جانے والے کسی یکہ میں بیٹھ کر راہوالی کے برابر اتر جانا۔ وہاں سے سیدھا راستہ لمبانوالی کو جاتا ہے یہ مقام گوجرانوالہ سے براستہ سڑک چار میل ہوگا۔ میں نے ان کے بات سنی‘ کچھ نہ سنی اور یکوں کے اڈہ کو دوڑا جہاں ایک یکہ سواریاں لے کر روانہ ہونکلا تھا۔ میں نے دوڑ کر اس سے کہا کہ فلاں جگہ تک مجھے بھی لے چلو۔ اس نے انکار کیا اور کہا کہ سواریاں پوری ہیں اور جگہ نہیں۔ میں نے چونکہ ضروری جانا تھا۔ کچھ خوشامد کی اور کہا کہ گکھڑ کا کرایہ لے لو اور لے چلو میں پٹڑی پر پیر ٹکا کر ہی گذر کر لوں گا۔ پیسوں کے لالچ نے اس کو کچھ مجھ پر مہربان کر دیا۔ اور اس طرح میں اس یکہ میں بیٹھ کر راہوالی تک پہنچا۔ یکہ سے اتر کر پیسے اس کے حوالے کر دیئے۔ میری ایک کھونڈی (بانس کی لکڑی جس کا ایک سر گول مڑا ہوا تھا) یکہ بان کے ہاتھ میں تھی۔ جس سے وہ گھوڑے کو مار مار کر ہانکتا آیا تھا۔ بوجھ زیادہ اور گھوڑا کمزور تھا۔ نیز میری خاطر وہ کچھ جلدی پہنچانے کی بھی کوشش کرتا آ رہا تھا۔

پیسے دے کر میں نے اپنی لکڑی مانگی تو وہ اڑ گیا۔ لکڑی اسے پسند آ گئی تھی اور نیت اس کی بدل چکی تھی۔ میری جلدی اور ضرورت کو اس نے بھانپ لیا تھا۔ اور جانتا تھا کہ یہ شخص ایک منٹ بھی اپنا وقت ضائع نہ کرے گا۔ میں لکڑی مانگوں وہ انکار کرے۔ وہ وقت ایسا تھا کہ ایک منٹ کی تاخیر بھی لاکھ کروڑ لکڑی کی قیمت سے کہیں زیادہ تھی۔ میری غرض اور مقصد ہی فوت ہوتا تھا۔ آخر میں نے اس کشمکش میں پڑ کر اس سعادت سے محروم رہنا پسند نہ کیا اور وہ پیاری لکڑی جو عموماً سفری تنہائی میں میری رفیق اور ضرورت میں بہترین ہتھیار تھا قربان کر کے لمبانوالی کو دوڑنے لگا۔

اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی۔ زمین لپٹتی گئی یا سورج ہی تھما رہا۔ میں گاؤں میں پہنچا۔ منشی صاحب کا مکان دریافت کر کے آواز دی۔ منشی صاحب میری آواز پہچان کر ننگے سر اور ننگے پاؤں دروازہ پر آئے۔ میں نے جلدی میں مقصد و غرض بتائی اور فوراً آ جانے کو کہا۔ صد ہزار شاباش اور دین و دنیا میں بھلا ہو اس خوش نصیب انسان کا۔ شاید ایک منٹ بھی نہ لیا ہوگا کہ پگڑی جوتی اور ایک کپڑا لے کر نکل آئے اور میرے ساتھ واپس گوجرانوالہ اسٹیشن کو دوڑنے لگے۔ دونوں دوڑے اور خوب دوڑے۔ واپسی پر منشی صاحب ایک پگڈنڈی کے راستہ سیدھے اسٹیشن گوجرانوالہ کو آئے اور اللہ کا احسان ہوا کہ ادھر ہم پہنچے ادھر گاڑی

آ گئی ۔ جلدی سے ٹکٹ لئے اور خدا کے نام پر سوار ہو کر شکر بجالاتے ہوئے گورداسپور کو روانہ ہو گئے ۔ جہاں خدا کا اولوا العزم نبی ورسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہماری انتظار میں تھا۔ الحمد للہ۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ یہ مہم محض خدا کے فضل سے سر ہوئی۔ سیدنا حضرت اقدس کے حضور سرخروئی نصیب ہوئی۔ حضور خوش ہوئے اور تبسم فرماتے ہوئے جزاک اللہ، جزاک اللہ فرماتے اور دعائیں دیتے رہے۔

اس کے علاوہ اسی مقدمہ کے دوران میں ایک رات بعد نماز عشاء گیارہ بجے رات کو حکم ہوا تھا کہ شیخ فضل الٰہی صاحب نمبر دار فیض اللہ چک کی ضرورت ہے۔ برسات کے ایام اور اندھیری راتیں۔ ڈھاب، تالاب پانی سے اٹے پڑے تھے۔ راستے غائب' سڑکیں گم تھیں۔ مگر خدا تعالیٰ نے اس موقع پر بھی خارق عادت رنگ میں مدد فرمائی اور شیخ صاحب کو لے کر وقت پر پہنچ گئے تھے۔

تعمیل ارشاد میں انہوں نے بھی جس محبت وایثار کا نمونہ دکھایا۔ قابل رشک' صد آفرین اور لائق صد داد ہے۔ خدا غریق رحمت کرے۔ آمین

ایک مرتبہ سردار فضل حق صاحب کی ضرورت پیش آئی تھی۔ اسی مقدمہ کی ذیل میں قادیان سے دھرم کوٹ گیا۔ وہ نہ ملے۔ بٹالہ واپس آیا نہ ملے۔ امرتسر گیا۔ وہاں بھی نہ ملے۔ آخر ترنتارن جا کر کچہری کی ایک کوٹھڑی میں سے ہاتھ آئے۔ اسی طرح کے بعض اور بھی سفر ہیں۔ جو انشاء اللہ کبھی پھر سہی۔

میں جہاں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے کام میں کس طرح غیر معمولی رنگ اور خارق عادت طریق پر سرانجام پہنچانے کے سامان پیدا کر دیا کرتا ہے۔ سورج ان کے لئے تھم جاتا تھا۔ اور زمین لپٹ جایا کرتی تھی۔ وہاں یہ بھی بتانا مقصود ہے کہ حضور پُر نور کو غلام بھی خدا نے کیسے اطاعت گذار اور فدائی عطا فرمائے ہوئے تھے۔ جو راتوں کو بھی دن سمجھتے اور ہر لحظہ تیار بر تیار رہا کرتے تھے

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

ایسے موقعوں پر جبکہ اللہ تعالیٰ کی غیر معمولی تائید اور خارق عادت نصرت کے سامان ہو جایا کرتے تو حضور اکثر بطور شکر گزاری یہ فرمایا کرتے تھے۔ ''خدا کا کتنا فضل ہے کہ ہمیں ہر قسم کے آدمی عطا فرما رکھے ہیں۔'' اور حضور سب سے بڑھ کر عبد شکور تھے۔

میں ہمیشہ اس واقعہ کو یاد کر کے خود بھی حیران ہوا کرتا ہوں اور جاننے سننے والے بھی تعجب ہی کیا کرتے کہ یہ ناممکن کام کیونکر ممکن ہو جایا کرتے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے:

''رعایت اسباب لازمی ہے مگر ان پر انحصار رکھنا شرک اور ان کو ترک کر دینا ناشکری۔'' اور آپ جو

کچھ فرماتے اس کے مطابق عمل کر کے دکھا دیا کرتے تھے۔

اللھم صلی علیه و علیٰ مطاعه دائماً ۔ آمین

۱۶- فنانشل کمشنر کی قادیان میں آمد پر استقبال

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے ایک مضمون میں روایتوں کے جمع کرنے میں خاص احتیاط کی ضرورت کے بارے توجہ دلاتے ہوئے بتایا ہے کہ ایک دوست کی روایت میں فنانشل کمشنر کو کمشنر بتایا گیا اور یہ بھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام خود فنانشل کمشنر کے استقبال میں شریک ہوئے تھے۔ حالانکہ یہ درست نہیں۔ قادیان سے باہر استقبال کرنے کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اور خواجہ کمال الدین صاحب وغیرہ کو بھجوادیا تھا اور جو استقبال قادیان کے اندر یعنی ریتی چھلہ کے میدان میں ہوا تھا اس میں بھی حضرت اقدس علیہ السلام خود شریک نہیں ہوئے تھے۔ اس روایت کی تصحیح بعد میں مکرمی بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی نے الفضل ۳؍اپریل ۱۹۴۱ء میں کر دی تھی۔

حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب کی طرف سے تصحیح

۱- ایک دوست کی روایت الفضل میں شائع ہوئی اس کی تصحیح میں حضرت بھائی جی تحریر کرتے ہیں کہ فنانشل کمشنر نہ کہ کمشنر کی آمد پر

''حضور پُر نور خود استقبال کے لئے تشریف نہیں لے گئے تھے۔ بلکہ اپنے خاندانی طریق کے مطابق اپنے بڑے صاحبزادے سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب سلمہ ربہ کو ان کے استقبال کے لئے قادیان کی حد پر بھیجا تھا۔ جو مع اور چند معززین کے گھوڑوں پر سوار ہو کر تشریف لے گئے تھے۔

''دارالفتوح۔ ریتی چھلہ۔ کے بڑ والے میدان میں پہلے طلباء کی قطاریں تھیں۔ جن کے ساتھ ان کے اساتذہ اور ہیڈ ماسٹر صاحب تھے۔ دروازہ کے پاس جماعت احمدیہ کے مقامی اور بیرونجات کے شرفاء و معززین کھڑے تھے۔ مگر اس موقعہ پر بھی سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام موجود نہ تھے۔ گیارہ بجے کے قریب صاحب بہادر اپنے کیمپ پر پہنچے اور صاحب بہادر کی خواہش پر عصر کے بعد حضور نے اپنے معزز مہمان کو شرف ملاقات بخشا تھا۔ حضور جب تشریف لے گئے تو صاحب بہادر نے خیمہ کے دروازہ پر حضور کا استقبال کیا اور حضور کی واپسی پر بھی خیمہ سے باہر تک حضور کو رخصت کرنے آئے۔ ان واقعات کا

میں بھی چشم دید گواہ ہوں۔ مفصل پھر انشاء اللہ'' ۴۷

۲- مجوزہ بالا تصحیح کے بعد ذیل کا مضمون حضرت بھائی جی نے مفصل تحریر فرمایا:

''صاحب موصوف ۲۱/ مارچ ۱۹۰۸ء کو گیارہ بجے قبل دوپہر کے قریب اپنے کیمپ میں پہنچے جو تعلیم الاسلام ہائی سکول کے لئے خرید کردہ اراضی کے وسیع میدان میں لگایا اور سجایا گیا تھا۔ اس کام کی تکمیل، ترتیب اور خوبی کا سہرا ہمارے محترم بزرگ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب ایڈیٹر الحکم کے سر رہا۔ جن کو سلسلہ کی طرف سے اس خدمت پر مامور کیا گیا تھا۔ خیمہ گاہ کے جنوبی سرے پر ایک خوبصورت دروازہ کھڑا کیا گیا تھا اور اس پر خوش آمدید۔ ویلکم۔ لکھا گیا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں ان دنوں حضرت مولانا مولوی شیر علی صاحب کا مکان واقع ہے۔ خیمے۔ سڑکیں اور روشیں شمال کی جانب' دور پرے نور ہسپتال کی جگہ تک بلکہ اس سے بھی کچھ اور آگے تک پھیلی ہوئی تھیں۔

''صاحب بہادر کے استقبال کے لئے سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی خاندانی روایات وطریق پر اپنے بڑے صاحبزادے سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب ایدہ اللہ کو بھیجا۔ جن کے ہم رکاب جناب خواجہ کمال الدین صاحب سیکرٹری صدر انجمن احمدیہ اور خواجہ جمال الدین صاحب گھوڑوں پر سوار ہو کر قادیان کی حدود تک جانب مشرق گئے۔ اور صاحب بہادر کو اپنے ساتھ لے کر دارالفتوح کے کھلے اور وسیع میدان میں پہنچے جو اس زمانے میں ریتی چھلہ کہلاتا اور بالکل کھلا پڑا تھا۔ جہاں تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کے طلباء اپنے اساتذہ اور ہیڈ ماسٹر حضرت مولوی شیر علی صاحب بی۔ اے کی زیر نگرانی ایک نظام وترتیب کے ساتھ قطاروں میں اپنا جھنڈا تھامے اور عوام اور پبلک ایک بے ترتیب ہجوم کی صورت میں جمع تھے۔

''جناب بہادر نے ہیڈ ماسٹر صاحب تعلیم الاسلام ہائی سکول سے سکول کے متعلق بعض امور دریافت فرمائے۔ پھر طلباء کا سلام لیتے ہوئے قطاروں میں سے خوشی وبشاشت سے گزرتے ہوئے دروازہ میں داخل ہوئے اور خیمہ کے قریب کے تیار شدہ خوبصورت چبوترہ پر پہنچے۔ جہاں سلسلہ عالیہ احمدیہ کے معززین اور شرفاء مقامی اور بیرونی جماعتوں کے نمائندگان نے آپ کا استقبال کیا۔ اس موقعہ پر جناب مولوی محمد علی صاحب ایم اے ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز نے تمام دوستوں کا نام بنام تعارف کرایا۔ جو کم وبیش ساٹھ اصحاب تھے۔ اس تعارف کے بعد سیکرٹری صاحب صدر انجمن احمدیہ نے سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ والسلام کی طرف سے صاحب بہادر کو پیغام دعوت دیا۔

''صاحب بہادر نے دوران گفتگو میں خود سیدنا حضرت اقدس کی ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ اور فرمایا کہ اگر مرزا صاحب کو تکلیف نہ ہو تو مجھے آپ کی ملاقات سے بہت خوشی ہوگی۔ حضور کو جب اس خواہش کی اطلاع پہنچی تو حضور نے فرمایا:

''وہ ہمارے مہمان بلکہ معزز وممتاز مہمان ہیں۔ ان کو تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ ہم خود ان کے خیمہ میں جا کر ان سے ملاقات کریں گے۔''

''دعوت کی قبولیت کی اطلاع بعد میں جناب صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کی معرفت آ چکی تھی۔ جس کی تیاری کے انتظامات حضرت حاجی حافظ حکیم فضل دین صاحب مرحوم کے سپرد ہوئے۔ اور اس طرح شام کا کھانا اس سارے قافلے کا خیموں میں پہنچایا گیا۔

سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بعد نماز عصر پانچ بجے، صاحب بہادر کی ملاقات کو تشریف لے گئے۔ حضور کے ہمرکاب عشاق وخدام کا ہجوم تھا۔ مگر منتظمین کی خواہش اور کوشش یہ تھی کہ ملاقات کے وقت زیادہ ہجوم نہ ہو۔ چنانچہ حضرت اقدس کے ہمرکاب ملاقات کیلئے صرف بعض اصحاب اور بعض عزیز ہی خیمہ کے اندر گئے تھے۔ یہ وہی ملاقات ہے جس میں حضور اور فنانشل کمشنر کے درمیان ......گفتگو ہوئی تھی (ایک سیاسی پارٹی میں شمولیت کے بارے میں۔ لیکن حضور نے اس امر کو پسند نہ فرمایا تھا)......سیدنا امیر المومنین حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الثانی ......اس گفتگو کی تفصیل وتشریح اکثر بیان فرمایا کرتے ہیں۔

''قبلہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب جو اس چشمہ نور اور شمع وہدایت کے عاشق صادق اور پروانہ واقع ہوئے تھے حضور کے ساتھ ہی ساتھ خیمہ کے دروازہ تک جا پہنچے۔ مگر خیمہ میں داخل ہونے سے قبل دروازہ کے کچھ دور ہی سیدنا حضرت مسیح پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دست مبارک کی چھڑی جو گھر سے باہر ہمیشہ حضور کے ہاتھ میں ہوا کرتی تھی حضرت مفتی صاحب کو دے دی جسے لے کر حضرت مفتی صاحب وہیں کھڑے ہو گئے۔ اور اس طرح اپنے آقا کے ہمرکاب اندر جانے کی زبردست خواہش کو حضور کے حکم وامر پر قربان کر کے حضور پُر نور سے بار بار سنے ہوئے مقولہ **الامر فوق الادب** کی تعمیل اپنے عمل سے کر دکھائی۔

''صاحب بہادر سیدنا حضرت اقدس کو خیمہ کی طرف تشریف لاتے دیکھ کر اٹھے اور دروازہ پر حضور کا استقبال کیا۔ پہلے حضور کو بٹھایا پھر خود بیٹھے اور سلسلہ کلام اردو میں جاری ہو گیا۔ اس طرح کسی ترجمان اور درمیانی واسطہ کی ضرورت باقی نہ رہی۔

''آدھ گھنٹہ سے زیادہ پون گھنٹہ کے قریب یہ سلسلہ گفتگو جاری رہا۔جس کے بعد حضور واپس تشریف لے آئے۔ اور واپسی کے وقت بھی صاحب بہادر خیمہ سے باہر تک خود حضور کو پہنچانے کے واسطے نکلے اوراس طرح مہمان ومیزبان خوش خوش ایک دوسرے سے رخصت ہوئے۔

''موقر اخبار الحکم نے اس موقعہ پر ایک خاص پرچہ شائع کر کے اور بدر نے اپنی اشاعت ۱۹۰۸-۳-۲۶ میں اس تقریب کے مفصل حالات شائع کئے تھے۔

خاکسار عبدالرحمٰن قادیانی بقلم خود'' ☆

۱۷- تکلف سے دور ہونا

(بیان بھائی جی) حضرت اقدس کی زندگی کا ایک نمایاں پہلو یہ تھا کہ آپ کو تکلف اور بناوٹ سے اپنے آپ کو ممتاز ظاہر کرنے کی عادت نہ تھی۔ آپکی ہرحرکت وسکون سے اس بات کی شہادت ملتی تھی۔ ایک دفعہ آپ چولہ بابا نانکؒ جی کے زیارت کیلئے مع چند خدام ڈیرہ بابا نانک تشریف لے گئے۔

☆ الفضل جلد ۲۹ نمبر ۳۲ مورخہ ۹ رفروری ۱۹۴۱ء (صفحہ ۴، ۵)

الفضل نمبر ۳۳ نمبر ۲۹ مورخہ ۱۱ رفروری ۱۹۴۱ء (صفحہ ۶) میں حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کی رقم کردہ تصحیح شائع ہوئی ہے۔ صاحب موصوف کی آمد کے بارے الحکم جلد ۱۲ نمبر ۲۲ مورخہ ۲۶ مارچ ۱۹۰۸ء میں بھی حاکم موصوف کی آمد وغیرہ کے حالات تفصیل سے درج ہیں اس کے مطابق تحصیلدار ملک قادر بخش نے کیمپ کے انتظامات میں مدد دی تھی۔ ان تصیحات سے مفید اضافہ ہوا ہے۔

الحکم و بدر کے ان شماروں سے معلوم ہوتا ہے کہ فنانشل کمشنر کے ہمراہ مسٹر کنگ ڈپٹی کمشنر ضلع گورداسپور مہتمم صاحب بندوبست۔ مسٹر سنگھا افسر مال ضلع گورداسپور اور تحصیلدار بٹالہ بھی آئے تھے۔

مدرسہ تعلیم الاسلام کے لئے خرید کردہ زمین کو خیموں اور ڈیروں کے لئے صاف کیا گیا۔ دروازہ پر سنہری حروف سے ویلکم (welcome) لکھا گیا۔ اور وہاں سے خیمہ تک دورویہ پھول کے گملے رکھے گئے۔ دوسرے روز فنانشل کمشنر صاحب کی قادیان سے روانگی ہوئی۔

''صاحب بہادر'' کے الفاظ تقسیم برصغیر سے پہلے ہندوستانی اور برطانوی حکام کے لئے عام طور پر استعمال ہوتے تھے۔ اخبارات میں بھی اور سرکاری شائع کردہ اعلانات وغیرہ میں بھی۔

وہاں ایک بڑ کے درخت کے نیچے کپڑے بچھا کر حضور مع احباب جماعت بیٹھ گئے۔ جب قصبہ کے لوگوں کو آپ کی آمد کا علم ہوا تو ملاقات کے لئے آئے۔ چونکہ آپ کی مجلس بزرگانہ سادگی کا ایک نظارہ تھی۔ اور آپ کے مقدس وجود کے لئے کوئی نمایاں جگہ نہ بنائی گئی تھی۔ اس لئے بہت سے لوگوں کو دھوکہ لگا کہ مولوی محمد احسن صاحب مسیح موعود اور پرگنہ بٹالہ کے گورو ہیں۔ اور وہ ان سے مصافحہ کرنے لگے۔ لیکن پھر مولوی صاحب کے بتانے پر وہ حضرت اقدس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس قسم کے واقعات آپ کی زندگی میں کئی دفعہ ہوئے۔ [۷۳]

۱۸- دنیوی آرام کے لئے کوئی خاص رعایت نہ چاہنا

(بیان بھائی جی) حضرت اقدس کی زندگی کا یہ بھی ایک نمایاں پہلو تھا کہ آپ دنیوی آرام وسہولیات میں اپنے لئے کوئی خاص رعایت نہ چاہتے تھے۔

ایک دفعہ قادیان کے قصابیوں نے کوئی خطرناک شرارت کی۔ اس پر حضرت اقدس علیہ السلام نے حکم دیا کہ ان سے اس وقت تک گوشت خریدنا بند کر دیا جائے جب تک کہ وہ اپنی اصلاح نہ کر لیں۔ چنانچہ اس ارشاد کے مطابق سب احباب نے گوشت ترک کر کے دال کھانا شروع کر دی۔ اور آپ خود بھی دال سبزی استعمال فرمانے لگے۔ ایک دن حضرت مولوی سرور شاہ صاحب نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک بکری ہے۔ حضور اس کو اپنے استعمال میں لائیں۔ یہ سن کر حضور نے فرمایا کہ میرا دل اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ ہمارے دوست ہمارے کہنے پر دالیں کھائیں اور ہمارے گھر میں گوشت پکے۔ [۷۴]

۱۹- مایوسی سے دشمنی

(بیان بھائی جی) جہاں تک میں نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی کا مطالعہ کیا ہے۔ آپ مایوسی کے بہت بڑے دشمن تھے۔ آپ کی مجلس اور صحبت میں بیٹھنے والا شخص امید اور امنگ سے بھر جاتا تھا۔ آپ کے ہشاش بشاش چہرے کے دیکھنے سے ہی سالہا سال کے غم اور کلفتیں دور ہو جاتی تھیں۔ حضور فرمایا کرتے تھے کہ انسان کی فطرت میں خدا تعالیٰ نے گناہوں پر غالب آنے کا مادہ رکھا ہے۔ پس خواہ انسان اپنی بدیوں اور بداعمالیوں سے کیسا ہی گندہ ہو گیا ہو۔ اس کے لئے مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ وہ جب بھی نیکی کی طرف جھکنا چاہے گا اس کی نیک فطرت اس کے گناہوں پر غالب آ جائے گی۔ جیسے پانی کے

اندر آگ کو بجھانے کی خاصیت ہے۔ پس پانی خود خواہ کتنا ہی گرم ہوجائے یہاں تک کہ وہ جلانے میں آگ کی طرح ہوجائے۔ پھر بھی اگر آگ پر ڈالا جائے تو وہ آگ کو بجھادے گا۔ اس عمدہ نکتہ سے حضور نے کتنے ہی مایوسی کے شکار انسانوں کو مایوسی کے گڑھے سے نکال کر امید اور ترقی کی بلند چٹان پر کھڑا کردیا۔[۷۵]

۲۰- حضرت اقدس کے عہد مبارک میں بعض خدمات اور سلسلہ کے لٹریچر میں ذکر

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

۱- ضمیمہ انجام آتھم میں تین سو تیرہ صحابہ میں ۱۰۱ نمبر پر ''شیخ عبدالرحمٰن صاحب نومسلم قادیان'' مرقوم ہے۔ فائل وصیت میں آپ کی ایک تحریر میں درج ہے کہ اس سے مراد میں ہوں اور خاکسار سے بھی آپ نے یہی بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ابھی بعد قبول اسلام میری ڈنگہ میں شادی نہیں ہوئی تھی۔ شادی ہوئی ہوتی تو ممکن ہے بعض دوسروں کی طرح مع اہلیہ کا اندراج ہوتا۔

۲- حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بمقدمہ کرم دین سفر جہلم کے رفاقت کرنے والوں میں ''ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب قادیانی نومسلم'' آپ کا نام درج ہے۔[۷۶]

۳- بشمول حضرت بھائی جی نومسلم احمدیوں کی طرف ایک اشتہار بعنوان ''قادیان اور آریہ سماج'' شائع کیا گیا جس کے جواب میں آریہ سماج کی طرف سے ایک گالیوں بھرا اشتہار شائع کیا گیا۔ یہ جوابی اشتہار حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے کتاب ''نسیم دعوت'' تصنیف کرنے کا موجب بنا۔[۷۷]

۴- جلسہ آریہ سماج وچھووالی' لاہور منعقدہ دسمبر ۱۹۰۷ء میں بھی آپ نے شرکت کی تھی۔

۵- بعض اور خدمات کا دیگر مقامات میں ذکر ہوا ہے۔ ان کے علاوہ بارہا آپ کو بٹالہ سے ڈاک تار لانے اور لے جانے' لنگر خانہ کے لئے آٹا فراہم کرنے کی توفیق حاصل ہوئی۔

آپ کی قلمی خدمات

حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیان کی قلمی خدمات کا آغاز حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد مبارک میں جولائی ۱۸۹۸ء سے ہوا، جو آپ کی وفات تک جاری رہا۔ مناظرہ منصوری اور عدالتی مقدمات اور ۱۹۲۴ء کے سفر یورپ کی طویل' جامع اور مستند رپورٹیں آپ کے قابل رشک قوت حافظہ پر شاہد ہیں۔ آپ کے سلسلہ احمدیہ کے بارے میں مضامین تاریخی، روح پرور، بیش قیمت اور نہایت مستند، ناقابل فراموش اور آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ آپ کی سفر یورپ کی ڈائریاں تو بزرگان سلسلہ سے مفید خوشنودی حاصل کر چکی ہیں۔ آپ کا حافظہ آخر عمر تک بہت اچھا رہا۔ البتہ تقسیم ملک کے بعد آپ کے شائع شدہ مضامین آپ کے اپنے تحریر کردہ نہیں۔ بوجہ تقاضائے عمر آپ دوسروں کو تفصیل بتا کر لکھواتے رہے۔ اس لئے ان میں آپ کے قلمی مضامین جیسی روانی وغیرہ نہیں۔

حضرت اقدس علیہ السلام کے کلمات طیبات کے محفوظ کرنے کی سعادت جو وصال کے قریب آپ کو حاصل ہوئی' اس کا خصوصی ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

کلمات طیبات محفوظ کرنا

(الف) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ۱۱؍دسمبر ۱۹۰۳ء کی تقریر آپ ''ماسٹر شیخ عبدالرحمٰن صاحب قادیانی'' نے قلمبند کی۔ (البدر ۱۶؍دسمبر ۱۹۰۳ء صفحہ ۳۷۴ میں شائع ہوئی)

(ب) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وصال سفر لاہور میں ہوا۔ (جس کا آگے ذکر آتا ہے۔) حضور' بھائی جی کو ساتھ لے گئے تھے۔ اس سفر کے دوران آپ کو حضرت اقدس علیہ السلام کے کلمات طیبات محفوظ کرنے کا موقعہ میسر آیا۔ آپ کچھ عرصہ اخبار الحکم کے اسسٹنٹ ایڈیٹر بھی رہے تھے۔ ان کلمات طیبات کی اشاعت میں ذیل کے الفاظ درج ہیں:

۱- ''عبدالرحمٰن قادیانی سب ایڈیٹر لاہور''
۲- ''مرتبہ عبدالرحمٰن قادیانی اسسٹنٹ ایڈیٹر''
۳- ''الحکم کے اسسٹنٹ ایڈیٹر کا لکھا ہوا''
۴- ''عبدالرحمٰن قادیانی''

۱- حضرت اقدس علیہ السلام کا لاہور میں وصال ہوا۔ سفر لاہور کے راستہ میں امرتسر ریلوے اسٹیشن پر وہاں کے احمدی احباب سے گفتگو بہ عنوان ''کلمات طیبات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام'' [۷۸]

۲- بہ عنوان بالا لاہور میں ۳۰/اپریل اور یکم مئی ۱۹۰۸ء کے ملفوظات۔ [۷۹] مرکزی لائبریری قادیان میں موجود ایک جلد میں ذیل کے بہت مدھم الفاظ پڑھے جاتے ہیں۔ ''اسسٹنٹ ایڈیٹر''

۳- ''کلمات طیبات حضرت امام الزمان سلمہ الرحمٰن''۔ ۲/مئی ۱۹۰۸ء کو بعد عصر مسٹر محمد علی جعفری ایم۔ اے وائس پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور ملاقات کے لئے آئے۔ حضرت اقدس نے اپنی گفتگو میں مسلمانوں کی حالت، مسلمانوں اور نواب صدیق حسن خاں کے مخالفانہ سلوک، اپنی صداقت تائیدات الٰہیہ اور حضرت شہزادہ عبداللطیف صاحب کی شہادت پر روشنی ڈالی۔ [۸۰]

۴- ''کلمات طیبات......'' ۳/مئی ۱۹۰۸ء۔ ایک دہریہ سے ملاقات۔ [۸۱]

۵- ''کلمات طیبات......'' ۳مئی/۱۹۰۸ء۔ اجلاس دوم۔ اس دہریہ سے ملاقات کے بعد ایک اور ملاقات فرمائی۔ پھر اپنے احباب میں حضرت اقدس آئے تو دلائل وفات مسیح کے دریافت کئے جانے پر حضور کی تقریر۔ [۸۲]

۶- ''تکمیل التبلیغ واتمام الحجۃ'' کے زیر عنوان حضرت بھائی جی لکھتے ہیں کہ پنجاب کے صدر مقام لاہور کے چیدہ، معزز اور تعلیم یافتہ مسلم رؤساء کو دعوت طعام پر جمع کر کے تبلیغ کا موقعہ بہم پہنچایا گیا تھا۔ ۱۶مئی/۱۹۰۸ء کو اس تقریب سے ایک روز پہلے رات کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طبیعت چند دست آ جانے سے بہت کمزور ہوگئی تھی اور یہ امید نہ رہی تھی کہ ارادہ کے مطابق حضرت اقدس تقریر فرما سکیں گے۔ چنانچہ حضرت اقدس نے حضرت مولانا نورالدین صاحب کو حکم دیا کہ ان معزز مہمانوں کو کچھ سنا دیں۔ ابھی حضرت مولانا صاحب نے اپنی تقریر کا ابتدائی حصہ شروع ہی کیا تھا کہ حضرت اقدس خود تشریف لے آئے۔

''(آپ نے برابر ڈھائی گھنٹہ تک بڑی پُرزور، پرتاثیر اور جامع تقریر فرمائی۔)

۱۷/مئی کو اس تقریر کے روز صبح جب حضور بیدار ہوئے تو یہ الہام ہوا کہ ''**انی مع الرسول اقوم** [۸۳] (کہ میں خود اپنے رسول کے ساتھ اس کی تائید ونصرت کے واسطے کھڑا ہوں) آدھ گھنٹہ پہلے آپ کی طبیعت کیسی تھی احباب کو معلوم ہے۔ واقعی آدھ گھنٹہ بعد آپ کا کھڑا ہونا اور اتنی لمبی، جامع اور پُرجوش تقریر فرمانا خارق عادت اور خدا کی خاص تائید ونصرت ہی کا نتیجہ تھا۔ یہ نظارہ مومنوں

کے ایمان کی تازگی اور اخلاص کی ترقی کا موجب ہوا۔ یہ آخری تبلیغ تھی ۔(مراد جلسہ کی صورت میں پبلک تبلیغی تقریر۔)

بارہ بجے آپ نے فرمایا۔ اگر آپ لوگ چاہیں تو میں اپنی تقریر بند کر دوں ۔آپ کھانا کھا لیں ۔ مگر آپ کی تقریر میں وہ دلربائی اور قوت جذب اور تاثیر خدا نے بھر رکھی تھی کہ لوگوں کو اس روحانی لذت نے جسمانی کھانے سے بھی بے پرواہ کر رکھا تھا۔تمام معزز سامعین نے یک زبان ہوکر کہا کہ نہیں آپ تقریرفرماویں۔ہم وہ کھانا تو روز کھاتے ہی ہیں آج روحانی غذا ہی سہی ۔سوحضرت اقدس نے اپنی تقریر ایک بجے کے بعد ختم کی ۔

آخر پر حضور نے فرمایا کہ

> ''یادرکھو جو مجھ سے مقابلہ کرتا ہے ۔ وہ مجھ سے نہیں بلکہ اس سے مقابلہ کرتا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے...... گورنمنٹ سے (اس کے ادنیٰ چپڑاسی کی) ہتک کرنے والے یا(اس کی بات) نہ ماننے والے کوسزا ملتی ہے اور باز پرس ہوتی ہے تو پھر خدا کی طرف سے آنے والے کی بے عزتی کرنا ،اس کی بات کی پرواہ نہ کرنا ، کیونکر خالی جاسکتا ہے۔''[۸۴]

۷- ''حضرت اقدس کی آخری تقریر۔کلمات طیبات ......'' حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وصال ۲۶رمئی ۱۹۰۸ءکوصبح ہوا۔۲۵رمئی کوعصر سے پہلے حضرت اقدس ''پیغام صلح'' کے لکھنے میں مصروف تھے۔ اس وقت کسی دوست نے ایک غیر احمدی مولوی صاحب کا عقیدہ حضرت عیسیٰ کی سولی کے بارے میں پیش کیا تو حضور نے اس کا مدلل جواب بیان کیا۔

حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی اس جواب کوتحریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''یہ حضرت اقدس کی زندگی میں آپ کی آخری تقریر ہے ۔ جو آپ نے بڑے زور اور خاص جوش سے فرمائی ۔ دوران تقریر میں آپ کا چہرہ اس قدر روشن اور درخشاں ہوگیا تھا کہ نظر اٹھا کر دیکھا بھی نہیں جا تا تھا۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تقریر میں ایک خاص اثر اور جذب تھا۔ رعب ، ہیبت اور جلال اپنے کمال عروج پر تھا۔بعض خاص خاص تحریکات اور موقعوں پر حضرت اقدس کی شان دیکھنے میں آئی ہوگی جو آج کے دن تھی ۔[۸۵]

۸- ''آخری وحی'' کے بارے میں حضرت بھائی جی کا نوٹ:

آخری وحی ۱۷رمئی ۱۹۰۸ءکی ہے ۔[۸۶]

۹۔ ’’حضرت مسیح موعود کی آخری باتیں‘‘ کے عنوان کے تحت بعض باتیں الحکم میں شائع ہوئی تھیں۔ ان میں سے ’’آخری تحریر‘‘ کے بارے میں ’’توضیح واصلاح‘‘ حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب نے بھجوائی جواس وقت محمود آباد اسٹیٹ۔ڈاکخانہ نبی سر(سندھ) میں تھے۔

اسے درج کرتے ہوئے حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی ایڈیٹر الحکم نے تحریر کیا ہے کہ ’’آخری تحریر‘‘ کا الحکم میں ایسے طور پر ذکر ہوا ہے کہ جس سے تاریخی غلط فہمی پیدا ہوسکتی ہے۔’’حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی نے (جو)...... حضرت اقدس علیہ السلام کے سفر لاہور میں الحکم کے نمائندہ خصوصی کی حیثیت سے حاضر خدمت تھے۔آخری تحریر کے بارے بغرض توضیح تحریر کیا ہے۔

’’توضیح واصلاح‘‘

’’(’’آخری تحریر‘‘ کے ماتحت مندرجہ سطور سے) معلوم ہوتا ہے کہ نہ پڑھی جانے والی تحریر ۲۵رمئی کو لکھی گئی تھی۔حالانکہ وہ واقعہ ۲۶رمئی ۱۹۰۸ء کی صبح کا ہے۔اور حضور کے وصال سے ایک آدھ گھنٹہ قبل کا ہے۔

’’ان سطور سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ گویا حضور ۲۵رمئی کی شام کو بیمار بھی تھے۔حالانکہ اصل (بات) یہ ہے کہ سیدنا حضرت مسیح پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وہ تکلیف جس سے حضور کا وصال ہوا ۲۵رمئی (کو) بعد نماز عشاء ہوئی تھی۔یہ درست ہے کہ حضور نے حالت مرض میں قلم دوات منگا کر کچھ رقم فرمایا۔مگر وہ (واقعہ) ۲۶رمئی ۱۹۰۸ء بعد نماز فجر بلکہ وصال سے ایک آدھ گھنٹہ قبل کا ہے۔

’’میں بھی چونکہ حاضر خدمت تھا اور تکلیف کی ابتداء ہی میں حضور نے ازراہ کرم وذرہ نوازی حضرت حافظ حامد علی صاحب کے ذریعہ یاد فرما کر خدمت کا موقعہ دیا۔لہٰذا جہاں تک میری یادداشت کام کرتی ہے اور حافظہ کام کرتا ہے مجھے یہی یاد ہے......‘‘ [۸۷]

۱۰۔ حضرت اقدس کے وصال کے ایک روز پہلے کی تکمیل کردہ تصنیف ’’پیغام صلح‘‘ ۲۱رجون ۱۹۰۸ء کو لاہور میں سنائی گئی۔[۸۸]

۱۱۔ ’’ارشادات‘‘ حضرت خلیفۃ المسیح الاول بابت ۱۰رجون ۱۹۰۸ء۔[۸۹]

۱۲۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۹رستمبر ۱۹۰۱ء کو اپنے ’’اشتہار مفید الاخیار‘‘ میں توجہ دلائی تھی کہ جماعت احمدیہ میں کم ازکم سو افراد ایسے اہل فضل وکمال ہوں کہ سلسلہ احمدیہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کے ظاہر کردہ نشانات اور دلائل قویہ کا ان کو علم ہو اور مخالفین پر ہر ایک مجلس میں بوجہ احسن اتمام حجت کرسکیں اور ان

کے مفتریانہ اعتراضات کا جواب دے سکیں اور ان کے وساوس سے نجات دے سکیں۔ سو جماعت کے تمام لائق اہل علم اور دانشمند احباب ۲۴؍ دسمبر تک تمام کتب کا مطالعہ کر کے تیاری کر لیں۔ ان سے دسمبر کی تعطیلات میں تحریری امتحان لیا جائے گا۔ اور کامیاب ہونے والے افراد اس لائق ہونگے کہ ان میں سے بعض کو دعوت حق کے لئے مناسب مقامات پر بھیجا جائے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے ۱۶؍ جولائی ۱۹۰۸ء کو درس قرآن مجید کے موقعہ پر احباب کو توجہ دلانے کے لئے اس اشتہار کی اشاعت کرنے کی تاکید فرمائی تا احباب دسمبر میں امتحان دے سکیں اور فرمایا:

''احباب توجہ کریں اور عبدالرحمٰن پوری توجہ کرو۔''[۹۰]

۲۱- ایک ابتلاء باعث اصطفاء

بیان حضرت بھائی جی:

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت کا ایک ممتاز پہلو یہ تھا کہ آپ اپنے خاندان کے اس حصہ کے ساتھ بھی جو ہمیشہ آپ کے مخالف اور درپے آزار رہتا تھا، حسن سلوک اور مہربانی فرماتے تھے۔ اپنے خاندان کے اس مخالف حصہ کے ایک فرد محترم مرزا محمد احسن بیگ صاحب رضی اللہ عنہ رشتہ میں حضرت اقدس کے بھانجے تھے اور بچپن میں ہی دینی رجحان اور حضرت اقدس کے ساتھ عقیدت رکھتے تھے۔ انہوں نے جب ہوش سنبھالا تو راجپوتانہ کی ریاست کوٹہ میں اراضی خریدی۔ جس کی آبادی اور انتظام وانصرام کے لئے انہوں نے حضرت اقدس سے عرض کی کہ مجھے بھائی عبدالرحمٰن صاحب کی مدد کی ضرورت ہے۔ تو حضور نے مجھے فرمایا کہ آپ پانچ سال کے لئے وہاں چلے جایئے۔ چنانچہ دسمبر ۱۹۰۳ء میں میں والدہ صاحبہ، اہلیہ صاحبہ اور برادر نسبتی احمد دین صاحب سمیت قادیان سے کوٹہ چلا گیا۔

اگرچہ کوٹہ میں سیر وتفریح اور شکار کے اکثر مواقع ملتے۔ اور مرزا محمد احسن بیگ صاحب اور میرا بہت سارا وقت شکار گاہوں میں شیر۔ چیتے۔ بھیڑیئے۔ سؤر اور ہرنوں وغیرہ کے شکار میں صرف ہوتا تھا اور بیسیوں دفعہ میں نے ان کا شکار کیا۔ لیکن حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی جدائی اور وطن والوں سے دوری بار بار مجھے بیتاب اور پریشان کرتی لیکن محترم مرزا محمد احسن بیگ صاحب کی خواہش پر اور تحریر کرنے پر حضرت اقدس علیہ السلام یہی ارشاد فرماتے کہ

''میاں عبدالرحمٰن! ہماری خوشی چاہتے ہو تو وہیں بیٹھے رہو۔''

سوحضور کے ارشاد کی تعمیل میں اس دور دراز علاقہ میں میں پڑا رہا۔ اس عرصہ میں مجھے صرف تین چار دفعہ قادیان آنے کا موقعہ میسر آیا۔

چار سال بعد آخر دسمبر ۱۹۰۷ء میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی تقریب پیدا کر دی جو مجھے حضرت اقدس علیہ السلام کے قدموں میں لانے اور پھر ۲۷؍مئی ۱۹۰۸ء تک حضور اقدس کی آخری خدمت بجالانے کا موجب ہوئی۔

اس تقریب کی تفصیل یہ ہے کہ میں نے شیر کے دو بچے پکڑ کر پال رکھے تھے جو چوپال میں پنجرے میں بند تھے۔ ایک روز اطلاع ملی کہ چوپال میں ایک شیر آ گیا ہے۔ یہ علاقہ غیر آباد جنگلات پر مشتمل تھا۔ ایک بھیڑ کو جو قریب تھی وہ پکڑ کر لے گیا۔ میں اور مرزا صاحب اس کے تعاقب میں گئے۔ میں نے بندوق سے جو مرزا صاحب نے مجھے پکڑا دی تھی اس پر فائر کیا جس سے اس کا دایاں بازو ٹوٹ گیا۔ اس پر اس نے مجھ پر حملہ کر کے میری بائیں ٹانگ کو منہ میں پکڑ لیا۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا کہ اس کا بازو ناکارہ ہو گیا تھا۔ ورنہ وہ آتے ہی مجھے تھپڑ مارتا جس سے بچنا ناممکن تھا۔ میرا پاؤں پکڑتے ہی ہمارے شکاری کتے آن پہنچے اور انہوں نے شیر پر جھپٹا مارا اور اسی دھینگامشتی میں اس نے میری ٹانگ کو چھوڑ دیا۔ اور کتوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ یہ سانحہ اس قدر اچانک ہوا تھا کہ مرزا صاحب گھبرا گئے اور ان سے فائر نہ ہو سکا۔ چونکہ اب بھی میں نے فوراً اُٹھ کر گولی داغی جو اس کے دماغ میں لگی اور وہ ہمیشہ کی نیند سو گیا۔

میری ٹانگ شدید زخمی تھی۔ مجھے چارپائی پر لے جانے لگے۔ تو میں نے بہ اصرار اسی چارپائی پر شیر کی لاش بھی رکھوالی۔ والدہ صاحبہ اس واقعہ کی خبر سن کر پہلے ہی حواس باختہ ہو چکی تھیں۔ میرے ساتھ شیر کی لاش دیکھ کر ان کے اوسان اور بھی خطا ہو گئے۔ لیکن میں نے ان کو تسلی دی کہ شیروں کے بچے ہی شیروں کا مقابلہ کرتے ہیں۔

میری اہلیہ صاحبہ اپنے وطن ڈنگہ (ضلع گجرات) گئی ہوئی تھیں۔ میرے برادر نسبتی احمد دین صاحب مجھے وہاں لے گئے۔ دو تین ماہ کے علاج سے بفضلہ تعالیٰ میں صحت یاب ہو گیا۔ اور میں قادیان واپس آ گیا۔ اس دفعہ نہ مرزا محمد احسن بیگ صاحب نے مجھے روکا اور نہ یوں ہوا کہ انہوں نے مجھے روکنا چاہا ہو اور حضرت اقدس علیہ السلام نے مجھے وہیں ٹھہرنے کا ارشاد فرمایا ہو۔ میری واپسی کے بعد قریب کے عرصہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام لاہور تشریف لے گئے اور مجھے بھی ساتھ لے گئے۔ اور اسی سفر میں حضرت اقدس کا وصال ہوا۔

محترم مرزا محمد احسن بیگ صاحب سے میرا پانچ سال کا معاہدہ ہوا تھا۔اس کی رو سے میری یہ میعاد دسمبر ۱۹۰۸ء میں ختم ہوتی تھی۔اگر یہ حادثہ پیش نہ آتا تو نہ اس وقت مجھے قادیان واپس آنا نصیب ہوتا۔نہ حضور کے اس آخری سفر میں قرب اور خدمت کی توفیق رفیق ہوتی۔

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ اند
زیر آں گنج کرم بنہادہ اند☆

۲۲- حضرت اقدس کا آخری سفر لاہور اور وصال و تدفین

بھائی جی کا بیان جس میں خطوط وحدانی کے الفاظ خاکسار مؤلف نے آپ سے استفسار کر کے درج کئے تھے ذیل میں درج ہے:

''حضرت اقدس جب آخری سفر پر لاہور تشریف لے جانے لگے تو مجھ غلام کو بھی از خود ہمرکابی کا شرف بخشا۔بعد میں میری اہلیہ گھر میں اکیلی تھیں ان کا خط آنے پر میں نے اجازت طلب کی تا ان کا انتظام کر آؤں لیکن حضور نے میرا جانا مناسب خیال نہ فرمایا۔اس طرح حضور کے ارشاد کی تعمیل سے مجھے ایک نہایت ہی قابل رشک موقعہ مل گیا۔''

بھائی جی نے اجازت کے لئے ذیل کا عریضہ لکھا تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ نصلی علی رسولہ الکریم

آقائی مولائی فداک روحی ایدکم اللہ تعالیٰ!السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

حضور قادیان سے حضور کی خادمہ کا آج ہی خط آیا ہے کہ رات کے وقت ہمیں تنہائی کی وجہ سے خوف آتا ہے کیونکہ جس مکان میں رہتا ہوں وہ بالکل باہر ہے لہٰذا اگر حکم ہو اور حضور اجازت دیں تو میں جا کر ان کو کسی دوسرے مکان میں تبدیل کر آؤں یا اگر حضور کے دولت سرائے میں کوئی کوٹھڑی خالی ہو تو وہاں چھوڑ آؤں جیسا حکم ہو تعمیل کی جاوے۔حضور کی دعاؤں کا محتاج خادم در عبدالرحمٰن قادیانی ۱۴/مئی ۱۹۰۸ء

اس پر حضور نے رقم فرمایا:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ابھی جانا مناسب نہیں۔لکھ دیں کہ کسی شخص کو یعنی کسی عورت کو رات کو

☆ تفصیل حضرت بھائی جی سے معلوم کرنے کے علاوہ الحکم جلد ۴۱ نمبر ۱۸، ۱۹ بابت ۷-۱۴/جون ۱۹۳۸ء (صفحہ ۱۹ کالم ۱، ۲) سے مکمل کیا گیا ہے۔

سلا لیا کریں۔ یا مولوی شیر علی صاحب بندوبست کردیں کہ کوئی لڑکا آپ کے گھر میں سورہا کرے۔

مرزا غلام احمد [۹۱]

مزید آپ نے بیان فرمایا:

''جب حضور کو وصال کی تیاری کا فرمان ملا۔ اور رحلت کا یقین ہوگیا۔ اس وقت بھی حضور نے ذرہ نوازی فرمائی اور نام لے کر یاد فرمایا۔ اور حافظ حامد علی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے ذریعہ جو اس وقت پہرہ پر تھے (رات کو) مجھ ناکارہ غلام کو بازیابی کی عزت بخشی (رات کو زیادہ تکلیف ہوگئی تھی) رات بھر بلکہ اس وقت تک جب حضور کی روح مبارک رفیق اعلیٰ کے وصال کے لئے بےقرار ہوکر پرواز کرگئی مجھے خدمت قرب کا فخر عطا فرمایا (اس عرصہ میں مجھے حضور کا جسم مبارک دبانے کا موقعہ ملا) اور اس طرح اپنا بنا لینے کے بعد حضور نے مجھے نہ چھوڑا نہ جدا کیا۔ میری بدقسمتی کہ درد دل اور خون جگر کھانے کو پیچھے رہ گیا۔ اور مجھ سے حق رفاقت ادا نہ ہوسکا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون''۔ [۹۲]

ایک مضمون میں آپ لکھتے ہیں:

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال کے بعد جب حضور کا جسد اطہر بٹالہ سے قادیان لایا جارہا تھا تو اس خادم کی ڈیوٹی حضرت اماں جان رضی اللہ عنہا کے رتھ کے ساتھ تھی (جس میں خاندان حضرت مسیح موعود کی ایک دو اور خواتین بھی تھیں۔ میں بطور پہرہ دار اور خادم رتھ کے ساتھ پیدل تھا) حضرت ممدوحہ اس وقت خاموشی کے ساتھ ذکر و اذکار اور دعاؤں میں مشغول تھیں اور صبر و رضا کا کامل نمونہ پیش فرما رہی تھیں۔ جب رتھ نہر کے پل پر سے گذر کر آگے بڑھی تو حضرت ممدوحہ نے ایک پُرسوز اور رقت آمیز آواز سے فرمایا۔ بھائی جی! پچّیس سال گذرے میری ڈولی اس سڑک پر سے گذری تھی۔ آج میں بیوگی کی حالت میں اس سڑک پر سے گذر رہی ہوں۔''

(بدر بابت ۲۸/اپریل ۱۹۵۲ء۔ صفحہ ۲ کالم ۶ - خطوط وحدانی کے الفاظ حضرت بھائی جی سے استفسار کرکے زائد کردہ ہیں۔)

حضرت بھائی جی بیان کرتے ہیں کہ حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کی خدمت میں ایک درخواست لکھی گئی تھی کہ ان کی بطور خلیفہ بیعت کرنے کو ہم تیار ہیں۔ اس پر میں نے بھی دستخط کئے تھے۔

حضرت مفتی محمد صادق صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جنازہ لاتے ہوئے ریل گاڑی میں میں نے حضرت میر محمد سعید صاحب حیدرآبادی کی نوٹ بک میں اس بارہ میں درخواست دیکھی جس پر

نو احباب کے دستخط تھے۔ان میں ''عبدالرحمٰن صاحب'' کا نام شامل ہے۔۹۳ استفسار پر بھائی جی فرماتے ہیں کہ یہ میرا نام ہے۔☆

حضرت خلیفہ اوّلؓ کے انتخاب اور نماز جنازہ کے بعد حضرت اقدس کا جسد اطہر تدفین سے پہلے آخری زیارت کے لئے اس مکان کے درمیانی کمرہ میں رکھا گیا تھا جو بہشتی مقبرہ کے شمال مغرب کی طرف ہے حضور کا چہرہ مبارک دکھانے کے لئے مجھے مقرر کیا گیا۔

جسد اطہر اس چارپائی پر رکھا ہوا تھا جو لاہور سے ساتھ لائی گئی تھی۔ اور اسی پر جسد اطہر بٹالہ سے قادیان تک لایا گیا تھا۔ میں اس کمرہ میں اس چارپائی کے شمال میں حضور کے سر مبارک کی طرف زمین پر بیٹھ گیا۔ پہلے مردوں نے اور پھر مستورات نے زیارت کی۔ احباب صحن کی طرف مغربی دیوار کے جنوبی حصہ میں لگے ہوئے دروازہ سے صحن میں آ کر کمرہ کے اندر آتے اور زیارت کر کے کمرہ کے شمالی دروازہ سے باہر نکلتے جاتے۔

(از مؤلف) آج ۱۲؍ستمبر ۱۹۶۰ء کو خاکسار کے عرض کرنے پر حضرت بھائی جی، ان کی اہلیہ محترمہ نیز مکرم مرزا مہتاب بیگ صاحب سیالکوٹی (سابق مالک احمدیہ درزی خانہ قادیان جواب پاسپورٹ پر ڈیڑھ ماہ سے آئے ہوئے ہیں) تشریف لے گئے اور جنازہ والا کمرہ دکھایا۔ اہلیہ صاحبہ بھائی جی نے بتایا کہ جنازہ مبارک کمرہ کی جنوبی دیوار کے دونوں مغربی دروازوں کے درمیان رکھا ہوا تھا صحن میں داخل ہونے والا دروازہ جو مغربی دیوار کے جنوبی حصہ میں ہے۔ بھائی جی اور مرزا صاحب نے پہچانا آجکل، وہ بند ہے۔ ڈاٹ اور دروازہ کی شکل میں موجود ہے۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ میں جنازہ کے موقعہ پر حضرت میر حامد شاہ صاحبؓ وغیرہ کے ہمراہ سیالکوٹ سے آیا تھا۔

حضرت بھائی جی کی اہلیہ محترمہ نے بھائی جی کی موجودگی میں بیان کیا کہ اس کمرہ میں حضرت اقدس کا چہرہ مبارک دکھلانے کے وقت حضرت ام المومنینؓ اس مکان کے صحن کے جنوب مغربی حصہ میں خواتین کے مجمع میں زمین پر تشریف فرما تھیں میں وہاں پہنچی تو فرمایا بیٹی تمہیں مبارک ہو تمہارا خاندان متبرک ہو گیا ہے۔ تمہارے میاں کی گود میں حضرت مسیح موعود کا سر تھا حضور کی وفات ہوئی۔ اندر جا کر اپنے میاں کے

☆ خاکسار مؤلف نے ماسٹر عبدالرحمٰن صاحبؓ سابق مہر سنگھ کے حالات میں (اصحاب احمد جلد ہفتم صفحہ ۱۲۰ میں) حوالہ ہذا میں ان کو مراد لکھا ہے جو سہو ہے جو ''جالندھری'' کے طور پر معروف تھے، نہ کہ ''قادیانی'' کے طور پر۔ حقیقتاً اس سے مراد حضرت بھائی جی ہیں جو قادیانی کہلاتے تھے اور ماسٹر بھی عرصہ تک رہے ہیں۔

پاس بیٹھو۔ اس وقت مستورات زیارت کر رہی تھیں۔ عبدالقادر کے ابّا نے پردہ کی خاطر سر سے کپڑا آگے کیا ہوا تھا۔ میں حضور کی زیارت کر کے پھر باہر آ گئی تو پھر حضرت اماں جانؓ نے فرمایا کہ جا کر اپنے میاں کے پاس بیٹھو۔ اس پر میں دوبارہ اندر گئی لیکن پھر زیارت کر کے باہر چلی آئی۔ اس پر حضرت اماں جانؓ نے مجھے کہا کہ اپنے میاں سے کھانے کا پوچھو اور پاس بیٹھو۔ میں نے عرض کیا کہ کھانا پوچھنے کا یہ کونسا موقعہ ہے۔ پھر میں اندر آ گئی اور بیٹھ گئی تو عبدالقادر کے ابّا نے مجھے باہر حضرت اماں جانؓ کے پاس جا کر بیٹھنے کو کہا۔ میں نے کہا کہ وہ آپ کے پاس بیٹھنے کو کہتی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اب تعمیل حکم میں کچھ دیر بیٹھ لیا ہے، اب آپ ان کے پاس بیٹھیں۔ چنانچہ میں اماں جانؓ کے پاس چلی گئی۔

خاکسار مؤلف عرض کرتا ہے کہ یہ امر حضرت اماں جانؓ کے حسن اخلاق کا مظہر ہے کہ اپنے سب سے بڑے صدمہ کے وقت بھی دوسروں کی ذرا سی تکلیف کا بھی خیال رکھتی ہیں۔

بھائی جی فرماتے ہیں کہ حضور کے وصال تک میں حضرت اقدس کے چہرہ مبارک کی طرف ٹکٹکی لگائے دیکھ رہا تھا میرا دھیان ایک ہی طرف تھا اس لئے مجھے معلوم نہیں آیا بوقت وصال حضور کا سر مبارک میری گود میں تھا یا نہیں۔

حضرت بھائی جی مزید بیان فرماتے ہیں کہ زیارت ختم ہونے پر صحن میں جنازہ نکال کر وہاں سے صحن کے مشرقی دروازہ سے نکالتے ہوئے جائے تدفین پر لے جایا گیا۔ بوقت تدفین حفاظت کی خاطر قاضی عبدالرحیم صاحبؓ بھٹی نے جو اس کام کے انچارج تھے پکی اینٹوں سے ڈاٹ بنوائی۔ حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کو علم ہوا تو پکی اینٹوں کے لگانے کو آپ نے ناپسند فرمایا۔ لیکن چونکہ شام کا وقت ہو چکا تھا اور باغ کے گھنے، گنجان درختوں کی وجہ سے تاریکی میں اور بھی اضافہ ہو گیا تھا اس لئے قاضی صاحب نے اس ڈاٹ کو ویسا ہی رہنے دیا۔☆

☆ مؤلف ''لاہور۔ تاریخ احمدیت'' حضرت شیخ عبدالقادر صاحبؓ سابق سوداگرمل نے اپنی تالیف میں ان مستری صاحبان کا بیان شائع کیا ہے جنہوں نے تدفین کا کام کیا تھا کہ پکی ڈاٹ نہیں بنائی گئی تھی۔
حضرت بھائی جی عبدالرحمٰن صاحب نے تدفین کے بارے بیان کیا ہے کہ مزار میں ڈاٹ لگائی گئی تھی۔ تدفین کرنے میں عملاً شامل افراد زندہ تھے ان سے محترم مولوی محمد یعقوب صاحب طاہر (ہیڈ زود نویس ربوہ) نے مکمل تحقیقات کی تھی جس سے ثابت ہوا کہ ڈاٹ نہیں لگائی گئی تھی۔ اس ساری تفصیل کے لئے دیکھئے لاہور تاریخ احمدیت (مؤلف حضرت شیخ عبدالقادر صاحب سابق سوداگرمل) طبع اوّل ۱۹۶۶ء (حاشیہ صفحہ ۶۵ تا ۶۷)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب فرماتے ہیں:

''محترم بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی نے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک پرانے اور مخلص صحابی ہیں اور حضور کے ہاتھ پر ہندو سے مسلمان ہوئے تھے، مجھ سے بیان کیا کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے آخری سفر میں لاہور تشریف لے گئے اور اس وقت آپ کو بڑی کثرت کے ساتھ قرب وفات کے الہامات ہو رہے تھے تو ان دنوں میں نے دیکھا کہ آپ کے چہرہ پر ایک خاص قسم کی ربودگی اور نورانی کیفیت طاری رہتی تھی۔ ان ایام میں حضور ہر روز شام کے وقت ایک قسم کی بند گاڑی میں جو فٹن کہلاتی تھی۔ ہوا خوری کے لئے باہر تشریف لے جایا کرتے تھے اور حضور کے حرم اور بعض بچے بھی ساتھ ہوتے تھے جس دن صبح کے وقت حضور نے فوت ہونا تھا اس سے پہلی شام کو جب حضور فٹن میں بیٹھ کر سیر کے لئے تشریف لے جانے لگے تو بھائی صاحب روایت کرتے ہیں کہ اس وقت حضور نے مجھے خصوصیت کے ساتھ فرمایا:

''میاں عبدالرحمٰن! اس گاڑی والے سے کہہ دیں اور اچھی طرح سمجھا دیں کہ اس وقت ہمارے پاس صرف ایک روپیہ ہے وہ ہمیں صرف اتنی دور تک لے جائے کہ ہم اسی روپیہ کے اندر گھر واپس پہنچ جائیں۔''

(روایات بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی)

چنانچہ حضور تھوڑی سی ہوا خوری کے بعد گھر واپس تشریف لے آئے۔ مگر اسی رات نصف شب کے بعد حضور کو اسہال کی تکلیف ہوگئی۔ اور دوسرے دن صبح دس بجے کے قریب حضور اپنے مولیٰ اور محبوب ازلی کے حضور حاضر ہو گئے۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضور کے وصال کا واقعہ اس وقت پچاس سال گذرنے پر بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے گویا میں حضور کے سفر آخرت کی ابتدا اب بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں مگر اس وقت مجھے اس واقعہ کی تفصیل بتانی مقصود نہیں بلکہ صرف یہ اظہار مقصود ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام دنیوی مال و متاع کے لحاظ سے بعینہ اس حالت میں فوت ہوئے جس میں آپ کے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا تھا۔ حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت اپنی آخری بیماری میں جو کہ مرض الموت تھی جلدی جلدی مسجد سے اٹھ کر اپنے گھر تشریف لے گئے اور جو تھوڑا سا مال وہاں رکھا تھا وہ تقسیم کر کے اپنے آسمانی آقا کے حضور حاضر ہونے کیلئے خالی ہاتھ ہو گئے۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود نے بھی اپنی زندگی کے آخری دن اپنی جھولی جھاڑ دی تا کہ اپنے آقا کے حضور خالی ہاتھ ہو کر حاضر ہوں۔ بیشک اسلام دنیا کی

نعمتیں حاصل کرنے اوران کے لئے مناسب کوشش کرنے سے نہیں روکتا۔ بلکہ قرآن خود حسنات دارین کی دعا سکھاتا ہے مگر انبیاء اوراولیاء کا مقام فقر کا مقام ہوتا ہے جس میں یہ پاک گروہ صرف خدا کا نوکر بن کر قوت لایموت پر زندگی گذارنا چاہتا ہے۔اس لئے نبیوں کے سرتاج حضرت افضل الرسل خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم نے دین ودنیا کا بادشاہ ہوتے ہوئے بھی اپنے لئے فقر کی زندگی پسند کی اور ہمیشہ یہی فرمایا کہ الفقر فخری۔[۹۴] یعنی فقر کی زندگی میرے لئے فخر کا موجب ہے‘‘[۹۵]

۲۴- حضرت اقدس کی نماز جنازہ اور بیعت خلافت اُولیٰ والے مقامات

بہشتی مقبرہ کے ملحق بڑے باغ میں جس مقام پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز جنازہ ادا کی گئی اور جہاں حضرت حکیم نورالدین صاحب کی خلافت کی بیعت ہوئی۔ان مقامات سمیت سارے قطعہ کی تعیین ایک دائرہ کی شکل میں حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی نے بعد تقسیم ملک کی تھی۔آپ روزانہ کئی گھنٹے اکیلے رمبہ کے ساتھ اس قطعہ کا گھاس پھوس صاف کرتے تھے۔اوراس دائرہ کو پختہ اینٹوں سے آپ نے حلقہ بند کردیا تھا۔صدرانجمن احمدیہ اورایک ذیلی تنظیم نے حلقہ بندی کے لئے رقمی مدد کی تھی۔آپ نے ایک بورڈ اس بارے میں وہاں آویزاں کیا تھا وہ تو اب باقی نہیں۔اس پر قدرے زیادہ تفصیل تھی لیکن سیمنٹ کی پختہ تحریر بھی آپ نے قائم کی تھی۔وہ موجود ہے جس پر رقم ہے:

بروایت حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی مقام ظہور قدرت ثانیہ یعنی وہ مقام (نشان زدہ درختوں کے درمیان) جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال کے بعد جماعت احمدیہ نے متفقہ طور پر خلافت اولیٰ کی بیعت کی تھی۔

حضرت سیٹھ محمد غوث صاحب حیدرآبادی کی بہشتی مقبرہ میں ۲۹/دسمبر ۱۹۵۰ء کو تدفین ہوئی۔نماز جنازہ سے پہلے حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی موسس و مدیر الحکم نے پُرنم آنکھوں کے ساتھ احباب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔اس وقت میری آنکھوں کے سامنے ۲۷/مئی ۰۸ء کا دن ہے جبکہ ٹھیک اسی میدان میں ہمارے آقا اور محسن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جنازہ رکھا گیا تھا اور یہی وہ میدان تھا جس میں ہم نے خلافت اولیٰ کی بیعت کی تھی......

’’سیٹھ محمد غوث گذشتہ بیالیس سال میں وہ پہلے خوش قسمت انسان ہیں جن کا جنازہ آج ٹھیک اس جگہ اوراسی حلقہ میں پڑھا جارہا ہے جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جسد اطہر رکھا گیا تھا۔اور جنازہ پڑھا

گیا تھا۔ خدا تعالیٰ کے بیشمار فضل ہوں محترم بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی پر جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس حلقہ زمین کو محدود کرنے کی توفیق دی۔ میں اس امر کی تصدیق کرتا ہوں کہ ٹھیک اسی جگہ حضور علیہ السلام کا جنازہ پڑھا گیا تھا۔‘‘[۹۶]

حضرت عرفانی صاحب نے ایک سٹول یا کرسی پر کھڑے ہوکر باآواز بلند یہ شہادت دی تھی۔ خاکسار مؤلف بھی حاضر تھا۔ اس وقت سے بالعموم جنازے وہیں پڑھے جاتے ہیں۔

عہد خلافت اولیٰ کی بعض خدمات

۱- بعد وصال ’’پیغام صلح‘‘ کا سنایا جانا

’’پیغام صلح‘‘ شام کو مکمل ہوئی اور دوسرے روز حضور کا وصال ہوا۔ تھوڑے دنوں بعد مسلم اور ہندو لیڈروں کے ایک اجتماع میں اس تصنیف کے سنائے جانے کی رپورٹ الحکم بابت ۱۸؍ جولائی ۱۹۰۸ء میں حضرت بھائی جی کی مرتبہ شائع ہوئی۔

۲- بعد وصال حضرت اقدس اولیں جلسہ سالانہ

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب (عرفانی) نے الحکم میں یہ تحریک کی تھی کہ اس اولیں جلسہ سالانہ کو کامیاب ومفید بنایا جائے۔ اجتماع کثیر ہو اور اخراجات کے لئے کافی رقم جمع کی جائے۔ ایک ہزار افراد پچیّس روپے فی کس دیں یا جمع کریں تو بہت سی رقم جمع ہوسکتی ہے۔[۹۷] اس تحریک پر حضرت بھائی شیخ عبدالرحمٰن صاحب قادیانی نے بھی ارادہ ظاہر کیا کہ وہ جلسہ سالانہ پر پچیّس روپے جمع کر کے پیش کریں گے۔[۹۸] (اس زمانہ کے حالات اور سکہ کی قیمت کے لحاظ سے پچیّس روپے بہت بڑی رقم تھی)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد مخالفین ومعاندین کا خیال تھا کہ جماعت احمدیہ انتشار و پراگندگی کا شکار ہو جائے گی۔ ان کو شرمندگی نصیب ہوئی۔ اس جلسہ سالانہ کے لئے محکمہ ریلوے کی طرف سے رعایتی ٹکٹ منظور ہونے کی وجہ سے مہمان بکثرت آئے۔ رعایتی ٹکٹ کے حصول کے لئے مرکز سے اڑھائی ہزار سارٹیفکیٹ جاری ہوئے۔

بٹالہ اسٹیشن پر ایک استقبالیہ کمیٹی متعین کی گئی جو مہمانوں کا استقبال کر کے ان کی سواری اور سامان کی

روانگی کا انتظام کرے۔ اس انتظام سے مہمانوں کو بہت آرام ملا۔ مہمانوں کی متوقع کثرت کے مقابل مکانات کی بھاری قلت کے باعث ڈیڑھ سوفٹ لمبا اور بیس فٹ چوڑا ایک نیا چھپر تیار کرانا تجویز ہوا۔ جس کا اہتمام حافظ عبدالرحیم صاحب اور شیخ عبدالرحمٰن قادیانی نے جس قابلیت اور محنت سے بہت ہی تھوڑے عرصہ میں کیا وہ نوجوانوں کے لئے قابل تقلید ہے۔ ان دونوں نوجوانوں کے سپرد مکانات کا انتظام تھا۔ جس دوڑ دھوپ سے انہیں کام کرنا پڑا وہ انہی کا حصہ تھا۔ جلسہ کی حاضری دو تین ہزار کے درمیان تھی۔ ضلع گورداسپور اور ارد گرد کے دیہات کے لوگ اس کے علاوہ تھے۔ ۹۹

۳- مناظرہ منصوری

منصوری پہاڑی بستی میں پانچ چھ افراد احمدی تھے۔ منشی عزیز الرحمٰن صاحبؓ ☆ کی تبلیغ سے ایک مسلم تاجر کے دو بیٹے سلسلہ احمدیہ سے منسلک ہوگئے۔ والد نے ان بیٹوں کو ہر طرح سے تنگ کیا۔ دکان سے نکال دیا۔ وہ وہاں سے بھاگ کر اپنے وطن سہارنپور جا پہنچے۔ والد نے وہاں نصف شب کو پہنچ کر لاٹھی وغیرہ سے پٹائی کی اور چھری دکھائی۔ ان کے استقامت دکھلانے پر والد نے کہا کہ میری ساری جائیداد لے لو۔ جس طرح چاہو عیش وعشرت کرو لیکن احمدی نہ بنو۔ گویا فسق و فجور کی ان کو اجازت دے دی لیکن وہ قادیان چلے آئے۔

فریقین میں مباحثہ ہونا منشی عزیز الرحمٰن صاحب نے نومبر ۱۹۰۹ء میں طے کیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ سے عرض کیا گیا۔ آپ خاموش رہے۔ توجہ اور دُعا اور استخارہ پر حضور نے دیکھا کہ ناصر شاہ بلاتا ہے کہ میرے مکان کے اندر آ جاؤ۔ اور بھی کئی دوستوں نے مبشرات دیکھیں۔ جناب مولوی محمد علی صاحب کو امیر قافلہ بنا کر حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ اور حضرت حافظ روشن علی صاحب کو روانگی کی ہدایت فرمائی۔

☆ بدر کی رپورٹ میں درج ہے کہ حضرت سیّد عزیز الرحمٰن صاحب مہاراجہ کپورتھلہ کے ملازم ہیں اور حضرت مولوی عبدالرحیم صاحبؓ نیّر اور حضرت قاضی محمد عبداللہ صاحبؓ بھٹی کے خُسر ہیں۔ محلّہ دارالفضل قادیان میں سیّد صاحب حضرت میاں فضل محمد صاحبؓ ہرسیاں والوں کے ہمسایہ تھے یعنی سیّد صاحب کا مکان میاں صاحب کے مکان کے متصل جانب شمال نور ہسپتال سے حضرت نواب محمد علی خاںؓ کی کوٹھی دارالاسلام کو جانے والی سڑک پر واقع تھا۔ منصوری سے اس خاندان کے ایک فرد کے سوا باقی سب نہایت مخلص اور سلسلہ کے وفادار ثابت ہوئے۔

اور چونکہ تار آیا تھا کہ کتابیں اور زودنویس ساتھ لایا جائے۔ اس لئے حضرت بھائی ''شیخ عبدالرحمٰن صاحب قادیانی مختار عام صدرانجمن'' کو بھی ساتھ بھجوایا۔ روانگی کے وقت ملاقات کیلئے حاضر ہونے پر خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ نے چند قدم تک چل کر دعائے مسنون کے ساتھ مشایعت فرمائی۔ حضرت غلام رسول صاحب راجیکیؓ بھی ارشاد پر حضرت حکیم محمد حسین صاحب مریم عیسیٰ کے ساتھ پہنچے اور ارشاد کے مطابق دہلی سے حضرت میر قاسم علی صاحب بھی۔

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کو بلانے پر انہوں نے کہا کہ یہ غلطی کی گئی کہ وفات وحیات مسیح پر مباحثہ رکھا۔ ان کے مطالبہ پر تار کے ذریعہ غیراز جماعت صاحبان نے (اس زمانہ کے لحاظ سے معقول رقم) دس روپے بھجوائے لیکن وہ نہیں آئے۔ احمدیوں کو منصوری کے علماء نے حقارت سے کہا کہ احمدیوں نے بی۔اے، ایم اے بلا لئے۔ کوئی عالم بلایا ہوتا۔ اس پر عربی میں مباحثہ کرنے کو کہا گیا جس سے ان علماء نے انکار کیا۔

ان چھ علماء میں سے ایک مدرس مدرسہ مظاہر العلوم اور حضرت میر قاسم علی صاحب کے درمیان وفات وحیات مسیح پر پہلے روز مباحثہ ہوا۔ ان مدرس صاحب نے نصف گھنٹہ تقریر کی۔ اور میر صاحب نے جنہیں اسلامی اخبار ابوالمناظرین کے لقب سے ملقب کرتے ہیں' تین گھنٹے جوابی تقریر کی۔ دوسرے روز انہی دونوں میں صداقت مسیح موعود پر مناظرہ ہوا۔

معاہدہ کے مطابق فریقین نے ایک ایک زودنویس لانا تھا۔ پھر دونوں فریق کے صدر صاحبان جلسہ نے قلمبند کردہ تقریروں پر دستخط کرنے تھے لیکن غیراز جماعت کے صدر جلسہ بغیر اطلاع منصوری سے چلے گئے۔ اور غیراز جماعت لوگ کہنے لگے کہ ہمارا زودنویس قلمبند نہیں کر سکا تو حضرت بھائی جی کی قلمبند کردہ تحریر پر دستخط کرنے کو کہا تو ٹال مٹول کر دیا۔

غیراز جماعت مناظر اور ان کے ایک ساتھی عالم نے تسلیم کیا کہ بھائی جی نے تقریریں ٹھیک قلمبند کی ہیں اور ان کی تعریف کی۔ اس مناظر کے ایک ساتھی مولوی صاحب نے میر قاسم علی صاحب کو مخاطب کر کے اپنے مناظر کی نااہلیت کا اقرار کیا اور میر صاحب کے بارے میں کہا کہ

> ''آپ کی تقریر ماشاء اللہ بہت قابل تعریف تھی۔ آپ کا ہر لفظ لوگوں کے دلوں پر نقش ہوگیا......ایسی ہی تقریریں سامعین کے واسطے فائدہ مند ہوسکتی ہیں۔''

حضرت مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر بدر اپنی اس رپورٹ میں تحریر کرتے ہیں کہ کسی شخص کے حقیقی

اخلاق کا علم سفر میں رفاقت سے ہوتا ہے۔ اپنے تمام رفقاء سفر کے حسن اخلاق کا ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ:۔

''شیخ عبدالرحمٰن صاحب قادیانی نہ صرف زودنویسی کے کام میں بےنظیر ثابت ہوئے ہیں'' جس کے لئے انہیں ساتھ لیا گیا تھا بلکہ ''دیگر خدمات میں بھی انہوں نے نہایت مستعدی اور ہوشیاری سے کام کیا۔ اس کے علاوہ علمی ضروریات میں بھی اپنی یادداشتوں سے مدد دی۔''

۱۹؍نومبر کو نماز جمعہ سے پہلے ہم واپس آکر حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ واقعات مباحثہ عرض کئے۔ لنگر میں کھانا ہمارے واسطے تیار تھا۔ کھانا کھا کر نماز جمعہ میں شامل ہوئے۔ شام کی دعوت بھی لنگر میں تھی۔ دوسرے دن صبح والدہ عبدالحی (یعنی حرم حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ) نے ہماری دعوت کی۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔[۱۰۰]

۴۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب کی مشایعت و استقبال

۱۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب زیارت دیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ تبلیغ اور مصرو دنیائے عرب کے نظام تعلیم کے مطالعہ کے اغراض سے باجازت حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل و حضرت اُمّ المؤمنین ۲۶؍ستمبر ۱۹۱۲ء کو قادیان سے روانہ ہوئے۔

روانگی سے ایک روز پہلے حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب اور منشی چراغ دین صاحب کی تحریک پر ایک الوداعی جلسہ کیا گیا۔ اس میں احباب قادیان کے اجتماع میں حضرت صوفی غلام محمد صاحب بی۔اے (بعدہ مجاہد ماریشس) کی تلاوت کریم کے بعد محترم شیخ محمود احمد صاحب (عرفانی) نے طلباء کی طرف سے اور حضرت ماسٹر عبدالرحیم صاحب نیرّ نے اساتذہ کی طرف سے ایڈریس پیش کئے۔ اور دو طلباء نے اپنی نظمیں پڑھیں۔

جناب شیخ محمود احمد صاحب نے اس سفر کی غرض و غایت بیان کی۔ اور پھر حضرت نیرّ صاحب نے اپنی تقریر میں بتایا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول کے ایام علالت میں ایک دن میں نے گھبرا کر بہت دعا کی تو خواب میں حضرت خلیفہ اولؓ کو دیکھا کہ حضرت میاں بشیرالدین محمود احمد صاحب کو پکڑے ہوئے ہیں اور فرماتے ہیں کہ:

''یہ پہلے بھی اول تھے۔ اب بھی اول ہیں۔'' تب سے ایک خاص تغیر میری طبیعت میں نیکی کا اور آپ سے تعلق پیدا کرنے کا ہے ہم سب کے لئے دعا کی درخواست ہے۔

حضرت صاحبزادہ صاحب نے اپنی تقریر میں دعا سے مدد کرنے کی تاکید کی کہ یہی کامیابی کی کلید ہے۔ اور فرمایا کہ میرے دل میں مدت سے خواہش تھی کہ مکہ معظّمہ جو خدا کے بڑے پیاروں کی جگہ ہے وہاں جا کر دعائیں کروں کہ مسلمان اس وقت بہت ذلیل ہو رہے ہیں۔ اے خدا اس قوم نے تجھ کو چھوڑا۔ نہ دین رہا نہ دنیا۔ ان کی اصلاح کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ اس مقام پر تو نے حضرت ابراہیم کو وعدہ دیا تھا اور ان کی دعا کو شرف قبولیت بخشا۔ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کو قبول کیا تھا۔ آج پھر وہی دعائیں ہمارے لئے قبول فرما اور اہل اسلام کو عزت اور ترقی عطا کر۔ جب ہماری دعائیں ایک حد تک پہنچیں گی تو وہ قبول ہوں گی۔ دشمن زبردست ہے اور ہم کمزور۔ مگر ہمارا محافظ بھی بڑا زبردست ہے۔

حضرت خلیفہ اول نے ایک مختصر تقریر میں فرمایا کہ آجکل مسلمانوں نے خدا تعالیٰ کو چھوڑا ہے۔ ان میں اصلاح نہیں۔ خدا تعالیٰ نے بھی انہیں چھوڑ دیا ہے۔ اس جلسہ کا اصل مدعا یہ ہے کہ دعا بہت کی جائے ...... پھر اجتماعی دعا ہوئی۔

قادیان سے بہت سے احباب بٹالہ اور کچھ لاہور تک اور حضرت شیخ عبدالرحمٰن صاحب قادیانی اور (حضرت شیخ) عبدالعزیز صاحب (نومسلم) بمبئی تک مشایعت کے لئے گئے۔ حضرت نانا جان میر ناصر نواب صاحب بھی وہاں پہنچ کر شریک سفر ہو گئے۔

۲۔ حضرت صاحبزادہ صاحب مع حضرت نانا جان ۶ رجنوری ۱۹۱۳ء کو بمبئی واپس پہنچے آپ کے استقبال کے لئے حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب مع محترم بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی بمبئی پہنچے۔ ۱۲ رجنوری کو لاہور وارد ہونے پر چھ صد کے قریب احباب لاہور نے بڑے اخلاص سے استقبال کیا۔ وہاں حضرت مفتی محمد صادق صاحب اور محترم شیخ محمود احمد صاحب (عرفانی) بھی پیشوائی کے لئے پہنچے۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے وہاں اتحاد و اتفاق کے بارے تقریر فرمائی۔ احباب امرتسر کے اصرار پر آپ وہاں اترے اور تقریر کی۔ پھر دو بجے بعد دوپہر آپ بٹالہ پہنچے۔ پختہ اطلاع آنے پر حضرت اُمّ المؤمنین دوسری بار اپنے فرزند سے ملاقات کے لئے بٹالہ تشریف لے گئیں۔

حضرت خلیفہ اوّل بے حد خوش تھے۔ آپ کے ارشاد پر دونوں مدارس میں تعطیل کی گئی۔ طلبہ اور احباب نہر تک استقبال کے لئے پہنچے۔ حضرت خلیفہ اول ؓ باوجود ضعف کے بیرونِ قصبہ دور تک تشریف لے گئے۔ آپ کے ارشاد پر احباب نے مسجد نور میں صلوٰۃ الحاجۃ ادا کر کے حضرت صاحبزادہ صاحب کے لئے

دعائیں کیں۔ پھر حضرت صاحبزادہ صاحب نے حالات سفر میں تبلیغی حالات بیان کئے۔
مشایعت کے سفر میں بھائی جی کی ہمراہی سے حضرت صاحبزادہ صاحب کو کافی سہولت میسر آئی (بحوالہ مکتوبات اصحاب احمد جلد ا صفحہ ۳۲، ۳۳) ۔ حضرت صاحبزادہ صاحب کی مراجعت پر پیشوائی کے لئے بھی بھائی جی نے حضرت خلیفہ اولؓ سے اجازت حاصل کر لی تھی۔ یہ بات پیش کر کے کہ میں وہاں سے سستا تجارتی مال خرید لوں گا۔ جس سے میرا کرایہ نکل آئے گا۔

۵- تائید خلافت

ا- خلافت اولیٰ کے ایام میں ایک طبقہ نے متواتر کوشش کی کہ آئندہ خلافت کا قیام نہ ہو۔ خلافت اولیٰ کے دوران ہی ان صاحبان نے ''انجمن اشاعت اسلام'' قائم کر کے لاہور میں کام شروع کر دیا اور ''پیغام صلح'' کے نام سے وہاں سے اخبار بھی جاری کیا۔ حضرت خلیفہ اول نے ان کے منصوبوں کے خلاف بھرپور کام کیا تا خلافت کا نظام مستحکم ہو۔ حضور کے وصال سے پہلے مخفی ٹریکٹ بھی اس طبقہ کی طرف سے شائع کئے گئے اور وصال کے قریب ٹریکٹ جماعتوں کو بھجوا کر انتخاب خلافت سے روکا گیا۔
حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی خلافت کے مؤیدین میں سے تھے۔ اور عجیب فدائیت کا رنگ رکھتے تھے۔ انجمن انصاراللہ نے اس فتنہ کا مقابلہ کیا تھا۔ مثلاً جواباً ''اظہار حقیقت'' مورخہ ۲۸ ؍نومبر ۱۹۱۳ء اس انجمن کے شائع کردہ ٹریکٹ پر چالیس ممبران میں نمبر ۲۹ پر آپ کا نام ''عبدالرحمٰن قادیانی۔ قادیان'' مرقوم ہے۔

۲- قیام خلافت ثانیہ پر مسجد نور میں اولیں بیعت ہوئی۔ اس موقعہ پر حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی بھی اول المومنین میں سے تھے۔ ہمیشہ آپ کو استحکام خلافت ثانیہ کے لئے بھرپور گوناگوں خدمات سرانجام دینے کی سعادت حاصل ہوئی۔

۳- کوئی پون صد بزرگان بشمول حضرت نواب محمد علی خاں صاحب۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیراحمد صاحب۔ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب۔ حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشیدالدین صاحب اور حضرت مولوی شیر علی صاحب اور حضرت ''شیخ عبدالرحمٰن صاحب قادیانی'' کی طرف سے ایک ''اعلان'' اس عنوان سے کیا گیا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ وفات پا گئے ہیں۔ دوسرے روز حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب خلیفہ قرار پائے۔ قریباً دو ہزار افراد نے بیعت کی۔ آپ نے

مختصر تقریر فرمائی۔ جنازہ پڑھایا۔ تدفین ہوئی۔ جو احباب حاضر نہ تھے وہ بیعت کر لیں۔ تقریر اور الفاظ بیعت بذریعہ اخبارات شائع کئے جائیں گے۔[۱۰۲]

۴- ایک بڑے سائز کا اشتہار بہ عنوان ''شرائط بیعت'' (حضرت نواب) ''محمد علی خاں'' (صاحب) اور (حضرت مولوی) ''شیر علیؓ'' (صاحب) کی طرف سے ۲۱/ مارچ ۱۹۱۴ء کو غیر مبائعین کی ناجائز باتوں کی تر ادید میں شائع کیا گیا۔ ایک غلط اور ناجائز بات یہ تھی جس کی تردید میں الفاظ بیعت بھی درج کئے گئے کہ شرائط بیعت میں ایک شرط یہ ہے کہ فلاں شخص کو منافق سمجھا جائے۔

اس اشتہار کی پشت پر افراد خاندان حضرت اقدس۔ علماء۔ گریجویٹس۔ سرکاری عہدہ داران۔ ایڈیٹران۔ صدر صاحبان وسیکرٹری صاحبان اور معززین وتجار کی طرف سے (نمبر ۳ بالا کی طرح) یہ اعلان درج ہے کہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفہ منتخب ہوئے وغیرہ وغیرہ ''معززین وتجار'' کی فہرست میں ''شیخ عبدالرحمٰن صاحب'' کا اسم گرامی بھی درج ہے۔ (اشتہار کالم ۵)

۵- ایک عجیب توارد کا ذکر کیا جاتا ہے جو ہر قسم کے تصنع اور تخیل کے اثر سے بکلی پاک ہے۔ آغاز خلافت ثانیہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ دار المسیح میں حضرت سیدہ ام ناصر صاحبہؓ والے حصہ میں ایک کمرہ میں ڈاک ملاحظہ فرماتے تھے اور احباب حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے مردانہ کی طرف سے وہاں آجاتے تھے۔ اس وقت وہاں سے آنے کا انتظام تھا۔ بعد میں نہیں رہا۔ (یہ جگہ ایک دفعہ حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب فاضل امیر جماعت قادیان نے مردانہ میں خاکسار مؤلف کو دکھائی تھی) ایک روز اس بالا خانہ میں حضور اس روز کی ڈاک ملاحظہ فرمارہے تھے۔ اس وقت غیر مبائعین کی کارروائیاں اپنے عروج پر تھیں۔ حضور نے حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی کا موصولہ خط بعد ملاحظہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کو پڑھنے کے لئے دیا۔ جس میں مرقوم تھا کہ مجھے حضور کی ارفع شان کے متعلق ''لولاک لماخلقت الافلاک'' الہام ہوا ہے۔ یہ بیان کر کے حضرت بھائی جی نے بتایا کہ حضرت راجیکی صاحب کا مکتوب پڑھتے ہی حضرت عرفانی صاحب نے میرا وہ رقعہ جھپٹا مار کر چھین کر حضور کی خدمت میں پیش کر دیا جو میں نے وہاں بیٹھے لکھا تھا اور عرفانی صاحب نے دیکھ لیا تھا۔ میں نے لکھا تھا کہ آج رات مجھے پُر رعب وشوکت اور پُر جلال وہیبت آواز میں ''لولاک لماخلقت الافلاک'' کا الہام ہوا ہے۔ جس میں حضور کی طرف اشارہ تھا اور نظارہ دکھایا گیا تھا کہ تشتت وافتراق حضور کی برکت سے تغیر پذیر ہو کر کم ہو جائے گا اور مغلوب ہو جائے گا۔☆

۶- قیام خلافت ثانیہ کے ایک ماہ کے اندر ۱۲/اپریل ۱۹۱۴ء کو قادیان میں جماعت کے نمائندگان کی شوریٰ بلائی گئی۔ بھائی جی بھی ان نمائندگان میں شامل تھے۔ اس شوریٰ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے خلفاء کے کام کی تفصیل بیان کی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی وصیت کا ذکر کیا۔ اور معترضین کے اعتراضات کے جواب دیئے۔ اس فیصلہ کے متفقہ فیصلہ کے مطابق صدر انجمن احمدیہ کے ایک قاعدہ کی ترمیم مجلس معتمدین نے ذیل کے الفاظ کے ذریعہ کی:

''ہر ایک معاملہ میں مجلس معتمدین اور اس کی ماتحت مجلس یا مجالس اور صدر انجمن احمدیہ اور اس کی کل شاخہائے کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفہ ثانی کا حکم قطعی اور ناطق ہوگا۔''*

اس شوریٰ سے قبل حضرت نواب محمد علی خاں صاحب نے حضرت بھائی جی کو احمدیہ جماعتوں میں بھجوایا تا بعض برسر اقتدار ممبران صدر انجمن احمدیہ کی پیدا کردہ باتوں کے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی پیش کردہ تجاویز پیش کریں اور قاعدہ کی مذکورہ بالا ترمیم کے بارے میں جماعتوں کے صدر صاحبان کی آراء مرکز میں بھجوائیں۔ چنانچہ بھائی جی نے پشاور تک کی تمام جماعتوں میں پہنچ کر اس خدمت کو بطریق احسن انجام دیا۔ اور واپس آ کر جماعتوں کے اخلاص اور خلافت سے وابستگی کے حالات بھی سنائے۔[۱۰۳]

۷- خلافت اور تائید خلافت ثانیہ کے بارے میں حضرت بھائی جی نے متعدد مضامین رقم فرمائے۔

☆ بھائی جی کا ایک مفصل مضمون ''خلافت ثانیہ کی صداقت وعظمت'' (اور) ''ربع صدی پیشتر کا ایک غیر مطبوعہ تاریخی ورق'' کے دوہرے عنوانات سے الحکم جلد ۴۲ نمبر ۲۱، ۲۲ بابت ۷، ۱۴/اکتوبر ۱۹۳۹ء میں شائع شدہ مضمون میں **لولاک لما خلقت الافلاک** کے بارے عجیب توارد کا ذکر ہے۔ حضرت مولانا غلام رسول صاحبؓ راجیکی کی صحت کی کمزوری کی وجہ سے ان کے لئے دعا کی خاطر حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحبؓ کی زیر صدارت یہ حصہ سنایا گیا۔ رپورٹ بدر ۲۷/جولائی ۱۹۵۳ء میں درج ہے۔

* الحکم جلد ۱۸ نمبر ۹-۱۰ بابت ۲۱/اپریل ۱۹۱۴ء و الفضل جلد ۱ نمبر ۴۵ (ب) بابت ۲۰/اپریل (صفحہ ۱۵، ۱۶) میں مندرجہ قریباً دوصد نمائندگان کی فہرست میں بھائی جی کا نام نامی نویں نمبر پر ہے۔ یہ اجلاس مسجد مبارک میں زیر صدارت جناب مولوی محمد احسن ہوا تھا۔ اس روز کی حضور کی تقریر ''منصب خلافت'' کے نام سے طبع ہوئی اس روز کی کارروائی کی روئداد اور جماعت احمدیہ کے اس وقت کے جملہ مبلغین کی مساعی کا ذکر بھائی جی کی طرف سے اس کتاب کے سرورق میں تین صفحات میں درج ہے۔

جونہایت مفید اور ایمان افزا ہیں اور اس بارے میں حالات پر روشنی ڈالتے ہیں مثلاً

ایک دردمندانہ پکار۔[۱۰۴]

ایک مقدس نما وجود۔[۱۰۵]

خلافت ثانیہ کی صداقت وعظمت[۱۰۶]

خلافت ثانیہ کا قیام (الحکم جوبلی نمبر دسمبر ۱۹۳۹ء)۔اس کا کچھ حصہ بدر ۱۴، ۲۸/ مارچ و ۳ یا ۳۰/اپریل ۱۹۵۲ء میں شائع ہوا۔ پھر ۱۹۵۷ء میں خلافت ثانیہ کے خلاف خروج کے وقت یہ مضمون نظارت دعوۃ وتبلیغ قادیان نے ایک کتابچہ کی شکل میں شائع کیا۔

اللہ تعالیٰ ہمارے آقا کی منزل ومقصود کو قریب اور آسان کردے۔[۱۰۷]

۸- ''باران رحمت''[۱۰۸] مؤلف ہذا کے علم کے مطابق یہ نشان صرف حضرت بھائی جی کے ذریعہ محفوظ ہوا ہے۔

پچاس سالہ جوبلی کے جلسہ سالانہ میں ۲۷/دسمبر ۱۹۳۹ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے چندہ تحریک جدید کے سلسلہ میں زمیندار دوستوں کو مخاطب کر کے بعض مشکلات خصوصاً خشک سالی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ

''زمینداروں کی حالت بھی بہتر ہوجائے گی جبکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بارش کی رحمت کے ساتھ مدد فرمائے گا۔ جسے اس نے ابھی ہمارے جلسہ کی وجہ سے روک رکھا ہے۔''

یہ تحریر کر کے حضرت بھائی جی بیان کرتے ہیں کہ اس وقت دنیا جنگ عظیم دوم کی ہولناکیوں اور مصائب سے ہراساں تھی۔ اس پر خشک سالی اور قحط اور امساک باراں مزید برآں۔ ان آفتوں نے ایک ناامیدی کی حالت پیدا کردی تھی۔ بارش کے کوئی آثار نہ تھے۔ (اس خصوصی جلسہ کے بعد) ایک کثیر تعداد مہمانوں کی ۱۵/جنوری ۱۹۴۰ء تک ٹھہری رہی۔ پھر غیر متوقع طور پر بارش کے سامان ہوئے اور ۱۷، ۱۸/جنوری کو بارش ہوکر فصلوں کو بے حد فائدہ ہوا۔ اور وہ لہلہانے لگیں۔ گویا مردہ زمین زندہ ہو گئی۔ جو ''باران رحمت کی شکل میں چشم بینا کے لئے صداقت خلافت پر بین دلیل اور برہان ساطع'' ہے۔☆

۹- ''اللہ تعالیٰ ہمارے آقا کی منزل مقصود کو قریب اور آسان کردے'' کے عنوان کے مضمون

☆ زیر ''مدینۃ المسیح'' مرقوم ہے۔

۱- بابت ۱۶/جنوری ''موسم کی خشکی کی وجہ سے نزلہ، زکام اور انفلوئنزا وغیرہ کی شکایت ہے۔

(مندرجہ بدر جلد ۱ نمبر ۲۴ بابت ۲۸ راگست ۱۹۵۲ء) میں حضرت بھائی جی نے تحریر فرمایا ہے کہ اس عظیم الشان خلافت کے اس وقت تک کے چالیس سالہ دور میں مخالفتوں کے خطرناک طوفان اٹھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے جس نے آپ کو تخت خلافت پر متمکن کیا تھا، ملیا میٹ کر دیا حضور نے بیان فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کے ذریعہ ایک رؤیا میں مجھے اطلاع دی تھی کہ میرے کام کی راہ میں بہت سی رکاوٹیں حائل ہوں گی۔ مخالفتیں پیدا ہوں گی۔ میں ''خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ''، ''خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ'' کہتا آگے بڑھتا چلا جاؤں۔ چنانچہ رؤیا میں مجھے عجیب عجیب ڈراؤنی شکلیں اور بھیانک نظارے نظر آتے ہیں۔ جب میں ''خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ'' پڑھتا ہوں تو وہ نظارے غائب ہو جاتے ہیں۔

۱۰- پیشگوئی مصلح موعود کے بارے انکشاف

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ پر جنوری ۱۹۴۴ء کے پہلے ہفتہ میں لاہور میں شیخ بشیر احمد صاحبؓ ایڈووکیٹ کے مکان پر یہ انکشاف ہوا کہ آپ ہی مصلح موعود کے بارے پیشگوئی کے مصداق ہیں۔ اس انکشاف سے احمدی جماعتوں میں ایک خوشی کی لہر دوڑ گئی اور حاسدین کو بہت تکلیف ہوئی کہ جماعت مبارکباد کے تار دے رہی ہے اور خوشی منا رہی ہے۔ اس تعلق میں ہوشیار پور، لاہور، لدھیانہ اور دہلی میں عظیم الشان جلسے منعقد کئے گئے جن میں حضور نے بنفس نفیس شرکت فرمائی۔

ہوشیار پور کے جلسہ میں حضور نے فرمایا کہ ''میں آج اسی واحد اور قہار خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے قبضہ تصرف میں میری جان ہے کہ میں نے جو رؤیا بیان کی ہے وہ مجھے اسی طرح آئی ہے...... میں خدا کو گواہ رکھ کر کہتا ہوں کہ میں نے کشفی حالت میں کہا انا المسیح الموعود مثیلہ وَ خلیفۃ اور میں نے اس کشف میں خدا کے حکم سے یہ کہا کہ میں وہ ہوں جس کے ظہور کی انیس سو سال سے کنواریاں منتظر بیٹھی تھیں۔ پس میں خدا کے حکم کے ماتحت قسم کھا کر یہ اعلان کرتا ہوں کہ خدا نے مجھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئی کے مطابق آپ کا وہ موعود بیٹا قرار دیا ہے جس نے زمین کے کناروں تک حضرت مسیح

بقیہ حاشیہ:- احباب دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ موسم کے بد اثرات سے محفوظ رکھے اور باران رحمت برسائے''۔ [۱۰۹]

۲- بابت ۱۷ر جنوری ''ایک عرصہ کے بعد آج مطلع ابر آلود ہونے کے بعد کسی قدر ترشح ہوا۔ الحمدللہ۔ ابھی بادل چھائے ہوئے ہیں۔'' [۱۱۰]

موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام پہنچانا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ میں ہی موعود ہوں اور کوئی موعود قیامت تک نہیں آئے گا۔''

''حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اور موعود بھی آئیں گے۔ اور بعض ایسے موعود بھی ہوں گے جو صدیوں کے بعد پیدا ہوں گے۔ بلکہ خدا نے مجھے بتایا ہے کہ وہ ایک زمانہ میں خود مجھ کو دوبارہ دنیا میں بھیجے گا۔ اور میں کسی شرک کے زمانہ میں دنیا کی اصلاح کے لئے آؤں گا۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ میری روح ایک زمانہ میں کسی اور شخص پر جو میرے جیسی طاقتیں رکھتا ہوگا۔ نازل ہوگی اور وہ میرے نقش قدم پر چل کر دنیا کی اصلاح کرے گا۔ پس آنے والے آئیں گے اور اللہ تعالیٰ کے دعووں کے مطابق اپنے اپنے وقت پر آئیں گے۔

''میں جو کچھ کہتا ہوں وہ یہ ہے کہ وہ پیشگوئی جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اسی شہر ہوشیار پور میں سامنے والے مکان میں نازل ہوئی۔ جس کا اعلان آپ نے اس شہر سے فرمایا اور جس کے متعلق فرمایا کہ وہ نو سال کے عرصہ میں پیدا ہوگا وہ پیشگوئی میرے ذریعہ سے پوری ہو چکی ہے۔ اور اب کوئی نہیں جو اس پیشگوئی کا مصداق ہو سکے۔''

۲۰ رفروری ۱۸۸۶ء کی پیشگوئی میں یہ خوشخبری بھی دی گئی تھی کہ ''خدا تیری دعوت کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دے گا۔'' چنانچہ مبلغین احمدیت نے مختصر تقریروں میں بتایا کہ کیسی شان سے یہ پیشگوئی پوری ہو چکی ہے۔

اختتام پر حضور نے غیر از جماعت افراد کو مخاطب کر کے فرمایا کہ...... ''آپ مت سمجھیں کہ آپ خدا کی تقدیر کو پورا ہونے سے روک سکتے ہیں۔ خدا کی تقدیر ایک دن پوری ہو کر رہے گی اور یہ سلسلہ تمام زمین پر پھیل جائے گا۔ کوئی نہیں جو اس سلسلہ کو پھیلنے سے روک سکے۔ میں آسمان کو گواہ رکھ کر کہتا ہوں۔ میں زمین کو گواہ رکھ کر کہتا ہوں۔ میں ہوشیار پور کی ایک ایک اینٹ کو گواہ رکھ کر کہتا ہوں کہ یہ سلسلہ دنیا میں پھیل کر رہے گا۔ اگر لوگوں کے دل سخت ہوں گے تو فرشتے ان کو اپنے ہاتھ سے ملیں گے یہاں تک کہ وہ نرم ہو جائیں گے اور ان کے لئے احمدیت میں داخل ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہے گا۔'' [۱۱]

حضرت مصلح موعود کے منشاء کے مطابق حضرت صاحبزادہ بشیر احمد صاحب نے چلہ کشی والے مقدس کمرہ میں پینتیس احباب کو داخل کیا۔ ان میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب، حضرت مرزا شریف احمد صاحب، حضرت مرزا ناصر احمد صاحب اور حضرت خان محمد عبداللہ خاں صاحب سمیت پندرہ افراد حضرت مسیح موعود

علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان کے شامل تھے اورحضرت مولانا شیر علی صاحب ، حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب، حضرت چودھری فتح محمد صاحب سیال اور'' حضرت شیخ عبدالرحمٰن قادیانی صاحب'' (رضی اللہ عنھم) بھی۔حضور کا ارشاد تھا کہ۔

''اس موقع پر کسی ذاتی غرض کے لئے دعا نہ کی جائے۔بلکہ صرف اسلام کی شوکت کے لئے دعا کی جائے۔''

اور حضور نے ان احباب سمیت اس کمرہ میں دعا کی ۔اور ہم جو مکان کے بیرونی دروازہ کے سامنے اور قریب گلی میں تھے وہ بھی اس اجتماعی دعا میں شریک تھے۔فالحمدللہ۔[۱۱۲]

خلافت ثانیہ میں بعض خدمات

۱- حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اگست ۱۹۱۴ء میں ایک ریلیف فنڈ کے جلسہ کی خاطر، بمعیت حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ ، حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ ، حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحبؓ اور حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانیؓ و بعض دیگر احباب گورداسپور تشریف لے گئے ۔[۱۱۳]

۲- یکم ستمبر ۱۹۱۴ء کو حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ ، حضرت عبدالرحمٰن صاحب قادیانیؓ اور بعض دیگر احباب سلسلہ کے کام کے لئے گورداسپور تشریف لے گئے ۔[۱۱۴]

۳- حضرت قاضی محمد عبداللہ صاحب کے تبلیغ کی غرض سے ۶ رستمبر ۱۹۱۵ء کو ولایت روانہ ہوتے وقت حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ مشایعت فرمانے کیلئے مع بزرگان و خدام ڈیڑھ دومیل تک تشریف لے گئے ۔اور راستہ میں ہدایات دیتے رہے۔اور بٹالہ کی سڑک کے موڑ پر حضور نے ایک لمبی اجتماعی دُعا کے ساتھ انہیں رخصت فرمایا۔

''ماسٹر عبدالرحیم صاحب و شیخ عبدالرحمٰن صاحب قادیانی امرتسر تک ساتھ گئے۔''

(الفضل ۹ رستمبر ۱۹۱۵ء۔زیر مدینۃ المسیح ۔ماسٹر عبدالرحیم صاحب سے مراد حضرت نیر صاحب ہیں۔مؤلف)

۴- پادری والٹر ایم ۔اے سیکرٹری ایم سی اے لاہور ۱۹۱۶ء میں قادیان آئے۔ بھائی جی بیان کرتے ہیں کہ پادری صاحب کے قیام اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے ملاقات کا انتظام میرے ذریعہ ہوا تھا۔ (مؤلف کی مرتبہ مکتوبات اصحاب احمد جلد اول صفحہ ۶۵، ۶۶ میں پادری صاحب کی آمد اور ملاقات کا ذکر ہے۔)

۵- دہلی میں ایک عظیم الشان جلسہ

دہلی میں مارچ ۱۹۱۶ء میں جماعت احمدیہ کا چار روزہ جلسہ منعقد ہوا۔ اس اپنی طرز کے پہلے عظیم الشان جلسہ میں بزرگان، حافظ روشن علی صاحبؓ، میر محمد اسحاق صاحبؓ، مفتی محمد صادق صاحبؓ، چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحبؓ، میر قاسم علی صاحبؓ، چوہدری ابوالہاشم خاں صاحبؓ، مولوی محمد دین صاحبؓ، (بی۔اے) اور شیخ عبدالخالق صاحبؓ کے لیکچر ہوئے۔ اس جلسہ کی جان حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا ''اسلام اور دیگر مذاہب'' پر مضمون تھا۔ جو شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ نے سنایا۔ جو بعد میں اردو، انگریزی اور عربی میں شائع کیا گیا۔ حضور نے اس مضمون کا ایک حصہ ظہر تک تحریر کر کے امیر قافلہ مولوی محمد دین صاحبؓ کے سپرد کیا۔ پھر نماز جمعہ کے بعد چند اوراق شیخ عبدالخالق صاحب کے ہاتھ بھجوائے۔ اور دو گھنٹے بعد ایک حصہ ماسٹر عبدالعزیز صاحب نے سائیکل پر بٹالہ پہنچ کر اسٹیشن پر شیخ صاحب کے سپرد کیا اور بقیہ مضمون تین بجے رات کو بھائی عبدالرحمٰن صاحب لے کر دہلی روانہ ہوئے۔☆

۶- زیر تجویز مباہلہ۔ جلسہ سالانہ ۱۹۱۷ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ دہلی میں فلاں بااثر صاحب کو میں نے اپنے مضمون میں ایک ہزار افراد لے کر مباہلہ کرنے کی تجویز پیش کی ہے۔

''(سو جو احباب مباہلہ میں پیش ہونا چاہیں) وہ اپنا نام بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی کو لکھا دیں۔''

☆ الفضل ۱۷-۱-۱۹۱۶ء (صفحہ ۱۲، مارچ صفحہ ۲،۱۳) اس سفر میں دہلی میں گھنٹہ گھر کے سامنے مفتی صاحب کا ایک پادری سے مباحثہ ہوا کہ اس کے حامی مسلمانوں کا بڑا مجمع تھا۔ مفتی صاحب کے ساتھ صرف بھائی عبدالرحمٰن صاحب تھے۔ (صفحہ ۱ کالم ۳) ماسٹر عبدالعزیز صاحب سے مراد حضرت ماسٹر حکیم عبدالعزیز صاحب صحابی ہیں جنہوں نے تقسیم ملک سے چند سال پہلے محلّہ دارالفضل میں احمدیہ فروٹ فارم کے قریب جانب غرب اپنے مکان میں ''طبیہ عجائب گھر'' کھولا تھا۔ آپ تعلیم الاسلام ہائی سکول میں ٹیچر اور ایک زمانہ میں سلسلہ کی طرف سے اردگرد کے سلسلہ کے مدارس کے انسپکٹر بھی رہے تھے۔ بہشتی مقبرہ قادیان میں مدفون ہیں۔

شیخ عبدالخالق صاحب قبول احمدیت سے پہلے پادری تھے۔ پھر ساری عمر خدمت دین میں انہوں نے صرف کی۔

(سالانہ رپورٹ صدر انجمن احمدیہ بابت ۱۸-۱۹۱۷ء-صفحہ ۹) بعد میں اس مذہبی لیڈر کی حالت بہت تبدیل ہوئی۔ کشمیر کمیٹی کے قیام میں دو لیڈر جنہوں نے اصرار کر کے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا نام صدارت کے لئے تجویز کیا ایک وہ تھے۔ ۱۹۳۸ء کے حضور کے سیر روحانی والے سفر میں واپسی پر حضور دہلی پہنچے تو ان صاحب نے مع دیگر لیڈران کے حضور کی امامت میں اپنی جائے قیام میں نماز ادا کی۔ جس کے بعد دعوت کھائی۔ اس دعوت میں خاکسار مؤلف (پرائیوٹ سیکرٹری) نے بھی شرکت کی تھی۔

۱۹۵۲ء میں خاکسار نے ملاقات کی تو محبت سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی درگاہ شریف میں آمد کا ذکر کیا۔ نیز بتایا کہ احمدیہ جماعت کے خلاف جو فساد پاکستان میں ہوا ہے ہیں۔ مجھے ان سے صدمہ ہے اور پاکستان سے آنے والے ملاقاتیوں کو یہ بات میں سمجھا تا ہوں۔ میں بہت بیمار ہوں اور مجھے رہ رہ کر افسوس ہوتا ہے کہ جماعت راولپنڈی میری حضرت مرزا محمود احمد (خلفیہ ثانی) سے ملاقات ربوہ لے جا کرانے پر تیار تھے۔ لیکن میں نہ جا سکا۔

۷- اخبار ''لائٹ'' لاہور کی طرف سے الفضل کے ایڈیٹر خواجہ غلام نبی صاحب اور پرنٹر محترم بھائی عبدالرحمٰن صاحبؓ قادیانی پر ازالہ حیثیت عرفی کا مقدمہ دائر ہوا۔ مقدمہ کی پیروی جناب چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے کی[۱۱۵] ۱۹۶۵ء کی ہندو پاک جنگ کے بعد ایڈیٹر اخبار ''لائٹ'' نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث صاحب کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر لی تھی۔ فالحمد للہ

۸- ہندو مسلم اتحاد اور مسلم ملی مفاد۔ دسمبر ۱۹۲۶ء میں ایک مشہور ہندو مذہبی رہنما کے ایک مسلمان کے ہاتھوں ہلاک ہو جانے پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں پر واضح کیا کہ یہ طریق اسلامی تعلیم کے خلاف ہے اور اس سے یہ خیال پیدا ہوا ہے کہ اسلام تلوار کا محتاج ہے۔ اس واقعہ کے نتیجہ میں ہندو شدھی سبھا کی سرگرمیاں تیز ہو گئیں۔ حضور کی دور بین نگاہ نے جو کچھ بھانپا اور دفاع اسلام کے لئے یقین کرتے ہوئے بیان فرمایا وہ کچھ عرصہ بعد ویسے ہی رونما ہوا کہ

''ہندوستان میں سپین کی طرح کا مشکل وقت اسلام کے لئے آیا ہوا ہے۔''

حضور نے ہمیشہ ہندو مسلم اتحاد کو اہمیت دی۔ اس وقت بھی وائسرائے ہند لارڈ ارون کو ایک مفصل مکتوب میں اس بارے میں تجاویز پیش کیں اور لاہور میں سر محمد شفیع کی صدارت میں ایک تقریر میں اس کے متعلق نیز اس بارے میں کہ مسلمان کیا طریق اپنائیں، مفید و قابل عمل باتیں بیان کیں۔ ۴ رمئی ۱۹۲۷ء کو مسلمان، لاہور کی ایک مسجد سے نماز پڑھ کر نکل رہے تھے کہ ان پر حملہ ہوا۔ دوسرے روز ان سانحہ والے

جنازوں کو لے جاتے وقت شرارت کی گئی۔اس سال حضور نے شملہ تشریف لے جا کران مقاصد سے چوٹی کے ہندو مسلم لیڈروں سے تبادلہ خیال کیا اور حضور کی تحریک پر مسٹر محمد علی جناح (جو اس وقت کانگرس کے ممبر تھے) مولانا شوکت علی۔مولانا محمد علی جوہر۔سر عبدالقیوم خاں۔ پنڈت مدن موہن مالویہ۔ ڈاکٹر مونجے۔ لالہ لاجپت رائے اور سری نواس آئنگر کے اجلاس ہوئے اور مسلمانوں کو وہاں بھی اور اس سے پہلے لاہور میں بھی حضور نے بلا تمیز فرقہ اتحاد پیدا کرنے کی تلقین فرمائی۔

مذکورہ حملہ کے بعد ہندو مسلم فسادات برپا ہوئے۔جس میں مشہور صحافی مولانا عبدالمجید سالک کے بیان کے مطابق دو تین دن میں ہی کوئی دو سو افراد ہلاک اور تین سو سے زیادہ زخمی ہوئے۔جس پر حضور نے فوراً مولانا محمد علی صاحب و مولانا شوکت علی برادران کے برادر اکبر مولانا ذوالفقار علی خاں صاحب ناظر اعلیٰ، مفتی محمد صادق صاحب ناظر امور عامہ کو قیام امن، خدمت خلق اور امداد مظلومین کی غرض سے اور مولوی فضل الدین صاحب وکیل کو مسلمانوں کی قانونی امداد کے لئے لاہور بھجوایا۔حضرت خان صاحب اور حضرت مفتی صاحب نے مقتولین، ان کے پسماندگان اور زخمیوں کے بارے معلومات حاصل کرنے کے لئے مسجد احمدیہ لاہور میں شعبہ اطلاعات قائم کیا۔ یہ دفتر روزانہ پندرہ گھنٹے کھلا رہتا تھا۔فوری امداد بھی کی گئی۔اور کوتوالی جا کر زیر حراست مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کی اور ان کے اقارب کو تسلی دی۔احمدی ڈاکٹروں کے ذریعہ ہسپتال میں زخمیوں کی دیکھ بھال کی۔

حضور نے ایک پوسٹر ''فسادات لاہور پر تبصرہ'' رقم فرمایا۔جس کی کتابت رات اڑھائی بجے مکمل ہوئی۔حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحبؓ کو حضور نے ہدایات دیں۔وہ صبح نو بجے روانہ ہو کر اسے چھپوا کر شام کو لاہور پہنچے اور اسے تقسیم کیا اور چسپاں کیا حضور کی تقلید میں مسلم ریلیف کمیٹی اور ہندواور سکھوں کی طرف سے بھی پوسٹر لگائے گئے جن سے مشتعل طبائع میں سکون پیدا ہوا۔حکام ضلع پر حالات واضح کئے گئے۔مسلم ریلیف کمیٹی نے چاہا کہ اسے مفصل کوائف مہیا کئے جائیں سو اس کام کے لئے برکت علی ہال میں دفتر قائم کیا گیا۔ان چاروں بزرگوں نے کئی ماہ تک لاہور کے مسلمانوں کی خدمت کی۔[۱۱۹]

۹- تحفظ ناموس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۱- ایک احمدی بزرگ حضرت سید دلاور شاہ صاحب ایڈیٹر انگریزی پرچہ ''مسلم آؤٹ لک'' لاہور نے اپنے اس اخبار میں اس جج لاہور ہائی کورٹ پر شدید تنقید کی اور اسے مستعفی ہونے کے لئے کہا کہ جس

نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک گندی، زہر آلود کتاب شائع کرنے والے کو بری کر دیا تھا کہ وہ قانون کی زد میں نہیں آتا۔

لاہور ہائی کورٹ میں سید صاحب پر ہتک عدالت کا مقدمہ دائر ہوا۔ انہوں نے اپنی تحریر پر معذرت نہیں کی بلکہ قید و جرمانہ کی سزا کو ترجیح دی۔ اس سزا پر مسلمانان ہند میں ہیجان پیدا ہوا کہ مصنف شاتم حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو جج مذکور نے ہتک عزت کی سزا نہ دی کہ قانون کی دفعہ میں اس کی گنجائش نہیں۔ لیکن حکومت کو ایسے جج کی عزت کا اس قدر پاس ہوا کہ حکومت کی مشینری حرکت میں آ گئی۔

''اخبار مسلم آؤٹ لک کے مشہور مقدمہ میں جو کارروائی عدالت عالیہ لاہور میں ہوئی۔ اس کی رپورٹ متعدد اردو۔ انگریزی روزانہ اخبار میں شائع ہو چکی ہے۔ لیکن ہم فخر کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ الفضل کے خاص نامہ نگار بھائی عبدالرحمٰن صاحب نے ......جس تفصیل اور عمدگی کے ساتھ مقدمہ کی رپورٹ قلم بند کر کے بھیجی ہے......ایسی کسی اخبار نے بھی شائع نہیں کی ...... جناب چودھری ظفر اللہ خاں صاحب ...... نے کیسی اعلیٰ قابلیت اور کتنی بڑی خوبی کے ساتھ مقدمہ کو پیش کیا اور کیسی زبردست گفتگو (بحث) کی جس طرح اس مقدمہ کا فیصلہ اپنی تلخی کے لحاظ سے مسلمانان ہند کے لئے ہمیشہ باعث رنج والم رہے گا۔ اسی طرح جناب چودھری صاحب موصوف کا اس مقدمہ میں ایسی جرأت کے ساتھ پیش ہونا اور اس قدر پُر زور اور زبردست بحث کرنا بھی یاد رہے گا۔ [۱۱۷]

۲۔ تحفظ ناموس کے بارے میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے مسلسل پیہم کوشش کر کے امت مسلمہ کی رہبری کی کہ ایسی بدزبانی کے انسداد کے لئے وہ کیا کرے۔ چنانچہ حکومت اس بارے میں قانون بنانے پر مجبور ہوئی۔ (حضور کا خطبہ مندرجہ الفضل ۸؍جولائی ۱۹۲۷ء اس بارے میں بھائی جی کی نوشتہ رپورٹیں ۴؍مارچ تا...... جون ۱۹۳۰ء قابل مطالعہ ہیں۔)

۱۰۔ مجاہد ماریشس کا استقبال بمبئی میں

مجاہد ماریشس حضرت حافظ صوفی غلام محمد صاحب بی۔اے بارہ سال کے بعد واپس تشریف لا رہے تھے۔ آپ کے استقبال کیلئے حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی کو بمبئی بھیجا گیا۔ بمبئی تا بٹالہ کے استقبال کے کوائف بھائی جی کے قلم بند کردہ شائع شدہ۔ [۱۱۸]

۱۱- ایک خصوصی درس میں شمولیت

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے ایک خصوصی درس ۸/اگست تا ۸/ستمبر ۱۹۲۸ء مسجد اقصیٰ میں یونس تا سورہ کہف پانچ پاروں کا دیا۔ جس کے لئے اعلان ہونے پر بیرون قادیان اور قادیان کے پانصد احباب نے شرکت کی۔ مستورات کے لئے پردہ کا انتظام تھا۔ چار پانچ گھنٹہ روزانہ کے درس کے لئے حضور موسم گرما کے ان ایام میں روزانہ نصف شب تک علمی تحقیقات کر کے نوٹ تیار کرتے تھے اور دن کو سلسلہ کے ضروری کام بھی سرانجام دیتے تھے۔

حضور نے چودہ علماء اور زودنویسوں کی ایک جماعت درس قلمبند کرنے کے لئے مقرر فرمائی تھی۔ ان میں حضرت مولوی سیّد محمد سرور شاہ صاحب اور محترم بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی بھی شامل تھے۔ مقصد یہ تھا کہ یہ کاپیاں بعد ازاں استفادہ کے لئے محفوظ رکھی جائیں گی۔ دیگر شامل ہونے والوں میں سے ایک سوسات افراد کو قریب جگہ دی جاتی تھی۔ ان کی حاضری لی جاتی تھی اور روزانہ ان کا امتحان لے کر حضور نتیجہ کا اعلان فرماتے تھے۔ حضور نے درس میں شامل ہونے والے ان احباب کو دارالمسیح میں دعوت طعام دی۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نونہالان نے کھانا کھلایا۔ ۷/ستمبر کو بعض احباب بیرون مجبوراً جانے والے تھے۔ حضور نے ایک مختصر الوداعی تقریر میں اور خطبہ جمعہ میں بھی بیرونی احباب کو تلقین فرمائی تبلیغ کرنے، حقائق قرآن مجید پھیلانے اور قلمی جہاد کرنے اور اپنی اپنی جماعتوں کو سنبھالنے اور ان میں زندگی کی روح پیدا کرنے کی اور قرآن مجید پر عمل کرنے اور کرانے کی کوشش کرنے کی۔ الوداعی تقریر کے بعد نہایت خشوع وخضوع سے حضور نے تمام احباب سمیت لمبی دعا کی۔ خود حضور کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

آخری روز (۸/ستمبر کو) صبح سے دو بجے بعد دوپہر تک درس ہوا۔ پھر اجتماعی دعا ہوئی۔ ایک دوست کی طرف سے مٹھائی تقسیم ہوئی۔ حضور نے فرمایا کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان مبارک کے دنوں میں جبکہ قرآن مجید نازل ہوتا تھا بہت صدقہ دیتے تھے میں دس روپے صدقہ دیتا ہوں۔ دیگر احباب بھی قادیان کے غرباء کے لئے صدقہ دیں۔ چنانچہ قریباً دوصد روپے جمع ہوئے۔ [۱۱۹]

۱۲- کشمیر کمیٹی کی زمام صدارت حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے سپرد جن رہنماؤں کی طرف سے متفقہ طور پر کی گئی۔ اس سلسلہ میں مرکز سے جن بزرگان نے وقتاً فوقتاً سری نگر، جموں اور میرپور میں اہم خدمات

سرانجام دیں ان میں سیّد زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ ،مولانا عبدالرحیم صاحبؓ درد اور بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانیؓ بھی شامل تھے۔ [۱۲۰] حضور کے ارشاد پر بھائی جی کو اس خدمت کا موقعہ ملا تھا۔ آپ دورہ کر کے اہالیان علاقہ کو حوصلہ دلاتے اور ان کے حالات سے حضور کی خدمت میں اطلاع بھجواتے۔حضور نے ۳۱رمئی ۱۹۲۷ء کو بھائی جی کو رقم فرمایا:

''آپ کے خطوط تفصیلی ملتے ہیں۔جزاکم اللہ احسن الجزاء'' [۱۲۱]

۱۳- حضور نے ۳۶-۱۹۳۵ء میں بطور جائنٹ ناظر بیت المال بعض احباب سے اندرون و بیرون ہند کی جماعتوں کے چندہ کے بجٹ کی تشخیص کروائی۔ چنانچہ حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانیؓ اور حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحبؓ جٹ نے قادیان وملحقہ دیہات کی اٹھتر جماعتوں کے بجٹ کی تشخیص مکمل کی۔[۱۲۲]

۱۴- قادیان میں ۱۹۳۸ء کے ٹورنامنٹ میں لمبی چھلانگ کے مقابلہ میں بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی کو جج مقرر کیا گیا تھا۔[۱۲۳]

۱۵- تقسیم ملک سے پہلے صحابہ قادیان کی فہرست وغیرہ کی تکمیل کے تاریخی اور اہم کام میں بھائی جی نے بھی شرکت کی تھی۔

۱۶- ایک سیشن جج کے ظالمانہ فیصلہ پر تنقید

ایک سیشن جج نے ایک فتنہ پرداز لیڈر کے مقدمہ کے سلسلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے خلاف نہایت ہی گندے اور ناقابل برداشت الفاظ استعمال کئے تھے اور دراصل اس وقت حکومت کی طرف سے خاص طور پر تنگ کیا جارہا تھا۔مرافعہ ہونے پر ہائیکورٹ کے جسٹس مسٹر کولڈسٹریم نے ان ریمارکس کی تردید کی اور لکھا کہ اس نے اپنے اختیارات سے تجاوز کیا ہے۔

۲۶رمارچ اور ۹راپریل ۱۹۳۶ء کو پبلک جلسوں میں حضرت بھائی جی نے سیشن جج کے فیصلہ پر تنقیدانہ تقاریر کیں اور جماعت کے جذبات کا واشگاف طور پر اظہار کیا۔اس میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ:

''میں جو آج آپ میں کھڑا ہو کر بول رہا ہوں۔ میں نے اسلام کا چہرہ اسی پاک باز انسان کے طفیل دیکھا جسے...... نے عیاش کہا۔ میں چشم دید گواہ ہوں۔ میں چشم بصیرت سے کہتا ہوں کہ اس کے وجود کے طفیل محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لایا۔ اور میں نے اس کے طفیل اپنے والدین، اپنے

عزیز و اقارب، اپنے رشتہ دار، اپنا مذہب، اپنا وطن چھوڑ دیا۔ میں نے اس سے بڑھ کر اس زمانے میں کسی کو راستباز نہ پایا۔ اس سے بڑھ کر کوئی خاکسار نہ دیکھا اور اس سے بڑھ کر کوئی حلیم نہ پایا اور نہ اس سے بڑھ کر دنیا سے کسی کو بیزار دیکھا۔ اور میں اس امر کا اعلان کر دینا چاہتا ہوں کہ جو شخص ہمارے مقدس امام کو، شاہزادہ امن کو جس پر ہم جان و دل سے فدا ہیں جو جان جہان ہے اور جس کے لئے ہم اپنی اولادوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے ٹکڑے کروا دینا منظور کر سکتے ہیں مگر اس کی شان میں ناروا نازیبا الفاظ برداشت نہیں کر سکتے۔ جو ان کے خلاف بدتہذیبی کے الفاظ استعمال کرے گا۔ ہم اس کے لئے بدتر الفاظ نہیں تو ویسے الفاظ ضرور استعمال کریں گے۔ ہم عیاش کہنے والے کو عیاش کہیں گے......خواہ وہ کوئی ......ہی کیوں نہ ہو۔ اور وقت آنے پر ہم ان عیاشیوں اور رنگین مزاجیوں کو طشت از بام کرنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے...... ہم بالکل اسی پیمانہ سے ہر انسان کو تولیں گے جس پیمانہ سے اس زمانہ کے راستباز کو کوئی تولنے کی سعی کرے گا۔ (صفحہ ۱۰، ۱۱)

میں بچہ تھا جب خدا مجھے قادیان میں لایا۔ اب ساٹھ سالہ بڈھا ہوں۔ ۱۸۹۵ء سے ان ایام تک مجھے بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اور حضور کے خاندان کی غلامی کا شرف حاصل ہے ......اسی پر میں پلا پوسا۔ جوان ہوا اور اب بڈھا ہوں۔ بوجہ بچپن کے عموماً اندرون خانہ بھی خدمات کا موقعہ ملا۔ مجلسی حالات کا بھی مشاہدہ و مطالعہ کرنے کی عزت ملی اور سفروں میں بھی شرف رفاقت و ہمرکابی نصیب ہوا۔

دوستو! ۱۸۹۵ء سے سیدنا حضرت اقدس کے وصال تک بلکہ عین آخری گھڑیوں میں بھی مجھے یہ عزت ملی کہ حضور نے اس غلام کو یاد فرمایا۔ خاندان کے مقدسین کی شفقت بھی ہمیشہ مجھ پر رہی۔ ایسا مقدس اور پاکباز انسان حضور پُرنور کے بعد میں نے نہیں دیکھا۔ حضور کے اخلاق فاضلہ اور اوصاف حمیدہ کی تشریح و تفصیل کسی ضخیم کتاب کو چاہتی ہے۔ باپ سے زیادہ شفیق اور ماں سے زیادہ مہربان۔ ایک دو یا چند گنا نہیں بلکہ لاکھوں گنا زیادہ۔ رحم کے لحاظ سے سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلق کا نمونہ اور حلم کے لحاظ سے ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال...... وہ کامل انسان خدا نہ تھا مگر خدا نما ضرور تھا۔ اس کی مجلس خدا نما اور صحبت روح پرور تھی۔ کتنا ہی رنج و غم میں ڈوبا ہوا انسان جب اس کی مجلس میں پہنچتا یا اس کے چہرہ مبارک کو دیکھ پاتا۔ سارے غم غلط ہو جاتے اور دنیا و مافیہا کو بھول کر آستانہ الوہیت کی طرف کھنچنے لگتا تھا...... ہفتے، مہینے اور سال بھی تمام ہو جائیں۔ مگر اس ہمارے یوسف کے حسن و جمال کی باتیں

ختم ہونے میں نہ آویں گی۔'' (صفحہ ۳۰، ۳۱)

''دوستو! اس چالیس بیالیس سالہ عرصہ میں میں نے کبھی کسی مجمع میں تقریر نہیں کی اور نہ میں کبھی سٹیج پر کھڑا ہوا۔ مگر مسٹر...... کے فیصلہ نے جو اصل وجہ ہے موجودہ فتن کی مجھے مجبور کر دیا کہ میں اپنے دردِ دل کا اظہار کردوں۔'' (صفحہ ۳۲)

حضرت بھائی جی کی طرف سے ایک کتابچہ اس بارے میں شائع ہوا تھا جس کے اقتباسات اوپر دیئے گئے ہیں۔ یہ سیشن جج بعد تقسیم ملک، چیف جسٹس بنا۔ لیکن ریٹائرمنٹ پر اس کی ذلت کا سامان ہوا۔ الوداعی تقریب باوجود انتظام ہو جانے کے، اس کے ایک انٹرویو کے باعث منسوخ ہوئی۔ اور پھر ماتحت عدالت میں اس پر مقدمہ ایک ڈپٹی ایڈووکیٹ جنرل کی طرف سے دائر ہوا۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے اصحاب احمد جلد یازدہم)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے سفروں میں رفاقت

حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی ان خوش قسمت احباب میں سے ہیں جن کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے اندرون و بیرون ملک کے سفروں میں ساتھ جانے اور خدمت بجالانے کے مواقع حاصل ہوئے۔ جن سفروں کا علم ہوسکا ہے ان کا بیان مختصر کوائف کے ساتھ کیا گیا ہے۔ کوائف سے ان کی قابل رشک خوش بختی اجاگر ہوتی ہے۔

۱۔ شملہ، سرہند، سنور اور پٹیالہ کا سفر (۱۹۱۷ء میں)

۱۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے بحالی صحت کے لئے شملہ تشریف لے جانا تھا۔ آپ نے ایک روز پہلے ۲۹/اگست ۱۹۱۷ء کو بعد از نماز مغرب احباب کو فتنہ فساد سے بچنے اور اتحاد کے بارے تلقین کرتے ہوئے بتایا کہ اسلام کے دوراول میں مسلمانوں نے اتحاد سے اور اتباع احکام سے متمدن اقوام کے مقابل کامیابی اور غلبہ حاصل کیا۔

نیز فرمایا کہ

میں تبدیلی آب و ہوا کے لئے باہر جارہا ہوں۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق کہ باہر تشریف لے جاتے تو ایک نماز کا اور ایک انتظامی امور کا امیر مقرر فرماتے۔ مسجد مبارک کی امامت کے لئے جس کے متعلق خاص الہامات ہیں میں (حضرت) قاضی سید امیر حسین صاحب کو اور مقامی امور

کے لئے (حضرت) مولوی شیر علی صاحب کو مقرر کرتا ہوں ۔

لوگ خلیفہ وقت کی بات بیعت میں ہونے کی وجہ سے مان لیتے ہیں ۔لیکن امراء کی بات ماننے میں شرح صدر نہیں پاتے ۔حضرت رسول کریم صلی اللہ وسلم کی پیروی میں میں کہتا ہوں کہ جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی ۔ اور جس نے اس کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی ۔ جماعت قادیان کو دوسروں کیلئے نمونہ بننا چاہئے ۔ جیسے تمہارے درجے بڑے ہیں ایسے ہی تمہاری ذمہ داریاں بھی بڑی ہیں ۔ایک بدشکل کے چہرے پر مکھیاں بیٹھیں چنداں بری معلوم نہیں ہوتیں ۔ لیکن ایک حسین چہرہ پر ایک بھی مکھی ہو تو بری معلوم ہوتی ہے ۔اس کے لئے برائی کا ایک چھوٹا سا دھبہ بھی بدنما ہے ۔ اگر یہاں کا ایک مدرس اور معزز ننگے پاؤں ننگے سر پھرے تو سب سمجھنے لگیں گے کہ دیوانہ ہوگیا ہے ۔اس کا یہ عذر کہ دیہات میں کئی لوگ اس طرح ہوتے ہیں' نہیں سنا جائے گا ۔حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بازار میں کھانے یا بحث کرنے کو بہت ناپسند فرماتے تھے ۔ بازار میں ایسی بحثیں بعض اوقات فساد کا موجب بن جاتی ہیں ۔اس بات پر بھی عمل کرنا چاہئے ۔

قادیان کو اللہ تعالیٰ نے مقدس قرار دیا ہے ۔اور اسے اسلام کی آئندہ ترقیات کے لئے مرکز بنایا ہے ۔ اس لئے قادیان کے لوگوں کی ہر حرکت ۔ ہر فعل اور ہر قول نمونہ ہونا چاہئے ۔ باہم محبت والفت ہو ۔ غمگساری ہو ۔جزوی اختلافات کی وجہ سے مواخات میں فرق نہ آنا چاہئے ۔

خلیفہ وقت کا کام صرف مقامی نہیں رہا ۔ مجھے بہت زیادہ دماغی کام کرنا پڑتا ہے ۔ کثرت سے ڈاک آتی ہے ۔ باہر کی تمام جماعتوں کی باگ ڈور براہ راست مجھے اپنے ہاتھ میں رکھنی پڑتی ہے ۔ جماعت کی ترقی کی تجاویز سوچنے اور ڈاک کا جواب دیتے دلاتے اور ترجمہ کے کام میں ان گرمی کے دنوں میں میں رات ایک بجے تک کام کرتا رہا ہوں ۔

ترجمہ کے کام کی وجہ سے میرے دماغ پر اتنا بوجھ پڑا کہ میری ایسی حالت ہوگئی کہ میں ایک سطر بھی لکھنے سے رہ گیا اور بخار ہوگیا ۔آرام کے لئے میں باہر جا رہا ہوں ۔ میں اپنے فرائض سے پھر بھی غافل نہیں ہوں ۔بعض رؤیاؤں کے مطابق سفر کے کچھ اور مصالح بھی ہیں جن کی تفصیل مجھے معلوم نہیں ہوسکی ۔

۲۔ حضور نے مع خدام دوسرے روز ۳۰ / اگست کو صبح ساڑھے آٹھ بجے ڈاکٹر عبداللہ صاحب کے مکان کے آگے سے گذر کر مزار حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر دعا کی ۔ پھر مہمان خانہ کے راستے بیرون قصبہ پیدل تشریف لے گئے ۔ میاں معراج الدین صاحب کے بھٹہ سے آگے گذر کر سواریاں موجود

تھیں۔سب سے مصافحہ کر کے حضور تانگہ پرسوار ہو گئے۔

آپ کے ساتھ حرم محترم کے علاوہ حضرت مرزا شریف احمد صاحب، محترم میاں عبدالسلام صاحب ابن حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ، محترم ماسٹر عبدالرحیم صاحب نیّر، محترم شیخ عبدالرحمٰن صاحب قادیانی اور محترم مولوی عطا محمد صاحب اور محترم نیک محمد خاں صاحب (غزنوی) وغیرہ تھے۔

بٹالہ سے (ٹرین پر) سوار ہو کر قافلہ امرتسر پہنچا۔ جہاں پچاس کے قریب احمدی احباب اسٹیشن پر آئے۔کھانے کے بعد اسٹیشن کے برآمدہ میں ظہر وعصر کی نمازیں ادا کی گئیں۔ چند بیعتیں ہوئیں۔ لاہور سے محترم چوہدری ظفر اللہ خاں اور محترم بابو عبدالحمید صاحب نے آکر ملاقات کی۔

بٹالہ اور امرتسر کے درمیان سیکنڈ کلاس کے ڈبہ کے خراب پنکھے کو حضرت مرزا شریف احمد صاحب ٹھیک کرنے لگے تو ایک دوست نے کہا کہ جانے دیجئے۔ہم نے تو ابھی امرتسر میں اتر جانا ہے۔لیکن حضور نے فرمایا کہ مومن ہمیشہ وہ کام کرتا ہے جس سے مخلوق خدا کا فائدہ ہو۔ پنکھا ہمارا نہیں۔کسی اور کے کام آجائے گا۔

امرتسر کے میاں غلام رسول صاحب حجام اونچے اونچے اپنے مخصوص لہجے میں باتیں کر رہے تھے۔ انہیں امرتسر کی جماعت نے روکنا چاہا۔تو حضور نے روکنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ انہیں مجھ سے باتیں کرنے دو۔ہاں! میاں غلام رسول! آپ سنائیں۔ میں سنتا ہوں۔

رات بھر جا کر حضور نے راستہ کی جماعتوں سے ملاقاتیں کیں تا کہ ان کی دل شکنی نہ ہو۔ جالندھر اسٹیشن پر کپورتھلہ کی جماعت اور پھگواڑہ اسٹیشن پر حاجی پور کے مخلصین۔ پھلور اور لدھیانہ پر وہاں کے احباب اور راجپورہ پر پٹیالہ اور سنور کی جماعتیں موجود تھیں۔ پٹیالہ وسنور کے دوست انبالہ تک ساتھ گئے اور کالکا کی ٹرین میں سوار کرا کے واپس گئے۔شملہ اسٹیشن پر وہاں کی جماعت موجود تھی۔

۳- ایک روز جماعت شملہ کی حاضر خدمت ہونے کی خواہش تھی۔اس لئے حضور سیر کو نہیں گئے۔ایک غیر احمدی اور ایک غیر مبائع حاضر مجلس تھے۔احباب کی خواہش تھی کہ ''صادقوں کے معیار'' پر حضور تقریر فرمائیں۔سو حضور نے پونے دو گھنٹے اس موضوع پر تقریر فرمائی۔

۴- ایک روز حضور نے جماعت شملہ کا ایڈریس سنا۔حالانکہ حضور ایک روز پہلے سے بیمار تھے۔ایڈریس محترم بابو برکت علی صاحب سیکرٹری جماعت نے پڑھا۔جس میں ذکر تھا کہ جماعت شملہ غیر مبایع عنصر سے پاک ہوگئی ہے اور صرف مخلصین کی خالص جماعت باقی رہ گئی ہے۔حضور نے اپنی جوابی تقریر میں بتایا

کہ غیر مبایعین سے فیصلہ کے دو طریق ہیں۔ان کا میرے ساتھ تفسیری مقابلہ۔دنیا دیکھ لے گی کہ کلام الٰہی سمجھنے میں کس کو تائید الٰہی حاصل ہے۔دوسرے غیر مبایع ایک طرح ہمیں کافر قرار دیتے ہیں۔اس لئے وہ ہمیں مباہلہ کا چیلنج دے سکتے ہیں۔پھر دنیا دیکھ لے گی کہ خدا کا عذاب کس پر آتا ہے اور نزول رحمت کس پر ہوتا ہے۔ جماعت شملہ غیر مبایعین کو تحریک کرے کہ وہ ایسے مقابلہ کے لئے اپنے سرگروہوں کو راضی کریں۔

۵- ۱۱رستمبر کو ایک بجے رات حضور ابھی جاگ رہے تھے۔فرمایا کہ میں نے غنودگی میں دیکھا ہے کہ ٹیلیفون دل سے لگا ہوا ہے اور اس کی ایک نالی کان میں دی گئی ہے اور مجھے آواز آئی

چل رہی ہے نسیم ...... جو دعا کیجئے قبول ہے آج

یہ وعدہ سنتے ہی مجھے حضرت مولوی (نورالدین) صاحب (خلیفہ اوّل) کی مکہ مکرمہ والی دعا یاد آ گئی۔ اور میں نے وہی دعا کی کہ ''میں جو دعا کروں قبول ہو جائے۔''

۶- جماعت احمدیہ شملہ کے سالانہ جلسہ میں حضور نے اسلام کے ''زندہ مذہب'' ہونے پر تقریر کرتے ہوئے تمام مذاہب کو مقابلہ کا چیلنج دیا اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ ہماری دعائیں سنتا اور قبول کرتا ہے۔اور ایسے حالات میں قبول کرتا ہے جبکہ ظاہری سامان بالکل مخالف ہوتے ہیں اور آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعدد نشانات کا ذکر کیا۔

ایک روز ایک بنگالی دوست کے حضور سے سوالات کرنے پر محترم چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب نے جو آئے ہوئے تھے ترجمان کے فرائض ادا کئے۔ جماعت کے سالانہ جلسہ میں چوہدری صاحب نے ''ضرورت الہام'' پر انگریزی میں تقریر کی۔

۲۷رستمبر کو حج کے روز حضور بعد نماز عصر جلد دعا کے لئے (اندرون خانہ) تشریف لے گئے۔دوسرے روز خطبہ عید میں حضور نے سورۃ الکوثر کے وجد آفرین نکات بیان کئے۔اور بتایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کو عید الاضحیہ سے مشابہت دی گئی ہے۔عید کے تھوڑی دیر بعد حضور نے دو سنتیں پڑھ کر مختصر خطبہ جمعہ دیا۔

ایک روز آریہ صاحبان نے ملاقات کی۔دیر تک حضور ان کے سوالات کے جواب دیتے رہے۔

۷- شملہ سے مراجعت۔۸را کتوبر کو شملہ سے ایک بجے بعد دوپہر واپس روانگی ہوئی۔مشایعت کے لئے احباب موجود تھے۔شملہ سے بٹالہ تک ڈبہ ریزرو تھا۔اسی رات کالکا سے روانگی ہوئی۔راستہ میں ایک مقام

پر چڑھائی چڑھنے میں ٹرین کی ناکامی پر حضرت ام المومنین اور حضور اتر آئے۔ پھر بعض خدام بھی۔ اسٹیشن قریب تھا۔ وہاں تک پیدل پہنچے۔ جماعت انبالہ نے تار کے ذریعہ کھانا پیش کرنے کی منظوری لے لی تھی۔ وہاں ٹرین رات نو بجے پہنچی۔ کھانے کے بعد چند افراد نے بیعت کی۔

ٹرین ۹؍اکتوبر کو راجپورہ گیارہ بجے شب کے بعد پہنچی۔ حضور کا ڈبہ کاٹ کر شیڈ میں پہنچایا گیا۔ جہاں راجپورہ۔ سنور۔ پٹیالہ اور ریاست پٹیالہ کے دیگر مقامات کے احباب موجود تھے۔ مغرب وعشاء کی نمازیں اسٹیشن پر ادا کی گئیں۔ حضور نے ڈبہ میں آرام فرمایا۔

احباب کی درخواست پر حضور نے ایک ہی روز میں سرہند۔ سنور۔ اور پٹیالہ جانے کا پروگرام منظور فرمایا تھا۔ محترم ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب پٹیالہ سے موٹر لائے تھے۔ سو حضور ۱۰؍اکتوبر کو صبح سوا سات بجے مع حضرت مرزا شریف احمد صاحب' محترم مولوی عبدالرحیم صاحب نیر اور ڈاکٹر صاحب سرہند تشریف لے گئے۔ سرہند کی دیواروں پر چسپاں اشتہاروں پر زیب عنوان ذیل کا شعر ہر شخص ذوق وشوق سے پڑھتا تھا

سنو اے دوستو! ہم تم کو یہ مژدہ سناتے ہیں
امیرالمؤمنین سرہند میں تشریف لاتے ہیں

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مزار مبارک کے احاطہ سے باہر سرہند، خانپور، ہربنس پورہ، بستی وغیرہ مضافات کے احباب سوڈیڑھ سو کی تعدا میں حاضر تھے۔ مستورات بھی اور بریلی کے منشی سراج الدین صاحب سوداگر چرم بھی۔ چند غیر از جماعت معززین اور ہندو بھی۔

پھر حضور نے مزار مبارک پر پچّیس منٹ دعا کی۔ ایک کمرہ میں نشست اور جماعتوں کی طرف سے چائے اور ناشتہ کا اہتمام تھا۔ جس سے فارغ ہو کر چند احباب کی بیعت ہوئی۔ درگاہ کے خدام کو حضور نے انعام دیا۔ پھر حضور گیارہ بجے قبل دوپہر راجپورہ پہنچے۔

حضرت مرزا شریف احمد صاحب کی طبیعت ناساز ہوگئی۔ راجپورہ سے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ساتھ ہوئے۔ وہاں سے حضور پٹیالہ پہنچے۔ جہاں سے لینڈو گاڑی پر حضور سنور تشریف لے گئے۔

مرقوم ہے کہ:

''وہاں کے دوست جن میں حضرت میاں عبداللہ صاحب سنوری اپنی خصوصیت کے لئے خاص امتیاز رکھتے ہیں، استقبال کیلئے قصبہ سے باہر موجود تھے۔ حضرت پہلے میاں عبداللہ صاحب کے کنویں پر گئے۔

پھر ان کی مسجد کی بنیاد رکھی۔ اس کے بعد ان کے مکان پر آئے۔ چند منٹ بیٹھے اور میاں عبداللہ صاحب کے خوش ہو جانے کے بعد میاں قدرت اللہ صاحب سنوری کے ہاں کھانا کھایا''

دوسری جگہ یہ تفصیل درج ہے:

''جس جگہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بیٹھے تھے۔ اس جگہ آپ نے قیام فرمایا۔ میاں عبداللہ (صاحب) نے انگور کے چند دانے حضور کے سامنے پیش کرتے ہوئے عرض کی کہ جب حضرت اقدس یہاں تشریف لائے تھے تو اسی جگہ میں نے اسی قدر انگور کے دانے حضور کے پیش کئے تھے۔ جن میں سے حضور نے ایک دانہ کھایا تھا۔ اس پر حضرت خلیفۃ المسیح نے ایک دانہ لے کر اپنے منہ میں ڈالا۔''

کھانے سے پہلے منشی محمد تقی صاحب حضور کو اپنے گھر لے گئے اور اپنا لڑکا حضور کی خدمت میں پیش کیا۔

مسجد احمدیہ میں حضور نے ظہر وعصر جمع کر کے ادا کیں۔ پھر تیار کردہ جلسہ گاہ میں بیعت ہونے کے بعد پروگرام کے مطابق جماعت ہائے ریاست پٹیالہ کا اجلاس ہوا۔ جس میں حضور نے مشورہ لیا کہ ان جماعتوں کا صدر مقام کونسا ہو۔ (رائے پٹیالہ شہر کے حق میں تھی۔) حضور نے احباب کو نصائح کیں۔ پھر احباب کی دلداری کی خاطر ان کی درخواست پر حضور ان کے گھروں میں دعا کے لئے تشریف لے گئے۔

پٹیالہ میں ایک جلسہ کا انتظام تھا۔ حضور سنور سے وہاں تشریف لے گئے۔ اور آٹھ صد حاضرین میں جن میں اکثریت تعلیم یافتہ معززین کی تھی حضور نے ربوبیت الٰہی اور صداقت اسلام پر تقریر فرمائی۔ پھر مغرب وعشاء نمازوں کے پڑھنے کے بعد تجویز شدہ کوٹھی میں قیام کے لئے تشریف لے گئے۔ وہاں بیعت ہوئی۔ وہاں جماعت پٹیالہ کی طرف سے کھانے کا بھی انتظام تھا۔

پٹیالہ سے سوا نو بجے شب ٹرین میں بہت سے احباب کی معیت میں حضور راجپورہ تشریف لے گئے۔ اور وہاں سے رات بارہ بجے روانگی ہوئی۔ دو بجے رات اسٹیشن پر جماعت لدھیانہ موجود تھی۔ جس نے دودھ پیش کیا۔ جماعت بنگہ کے دو دوست لدھیانہ سے پھگواڑہ تک ساتھ آئے۔

جماعت امرتسر نے ۱۰/اکتوبر کو صبح اسٹیشن پر ناشتہ پیش کیا۔ پھر پونے دس بجے (قبل دوپہر) ٹرین میں روانہ ہو کر قافلہ بٹالہ پہنچا۔ محترم بابو فضل احمد صاحب کلرک بنوں ساکن بٹالہ نے شملہ میں ہی دعوت کی منظوری لے لی تھی۔ سو حضور نے مع خدام بٹالہ میں ان کی دعوت طعام کو شرف قبولیت بخشا۔

دو بجے نماز ظہر وعصر سے فارغ ہو کر حضور قادیان کے لئے تانگہ پر روانہ ہوئے۔ خدام یکوں پر سوار تھے۔ احباب قادیان کا ایک حصہ بٹالہ اسٹیشن پر اور ایک گروہ نماز ظہر کے بعد نہر پر پہنچا۔ اور ایک جماعت

جن میں حضرت قاضی سید امیر حسین صاحب اور حضرت مولوی شیر علی صاحب بھی تھے۔ موڑ پر جا بیٹھی۔ منشی عبدالعزیز صاحب نے نہر پر لبنا سائغاللشاربین پیش کیا۔قدم قدم پر باگوں کو روکنا پڑتا تھا۔ تا کہ اصحاب مسیح مصافحہ کرلیں۔☆ ۱۲۴

☆ بعد احباب ذکر شدہ کے بارے میں قدرے تفصیل درج ہے۔

۱- حضرت مولوی عطا محمد صاحبؓ صحابی، بعد میں بطور ہیڈ کلرک شعبہ بہشتی مقبرہ ریٹائر ہوئے۔ تاریخ وفات ۱۱رجنوری ۱۹۸۹ء مدفون بہشتی مقبرہ ربوہ۔

۲- حضرت میاں غلام رسول صاحبؓ حجام امرتسری صحابی۔ آپ کے ساتھ تقسیم ملک سے پہلے قادیان میں کسی نے تعارف کراتے ہوئے ان کے سامنے خاکسار کو بتایا تھا کہ ان کے پاس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کوئی تبرک ہے۔ ان کے متعلق تاریخ احمدیت جلد چہارم طبع اوّل میں بیان ہوا ہے کہ وہ احمدی ہوئے تو لوگوں نے ان سے کام لینا چھوڑ دیا اور ان کو بہت تنگ کیا۔ ان کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بہت محبت تھی۔ حضور کے ناخنوں کے تراشے کپڑے میں باندھ کر رکھتے تھے کہ جب میں مروں گا تو میری آنکھوں اور چہرہ پر ڈالے جائیں گے۔ ان کے بیٹے کی تعلیم کا خرچ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ دیتے تھے۔ بقایا کی وجہ سے اس لڑکے کو بورڈنگ سے نکال دیا گیا۔ حضور کو یہ بات ناگوار گزری۔ (صفحہ ۵۷۸، ۵۷۹)

۳- حضرت بابو (منشی برکت علی صاحب شملوی صحابی، آپ نے سرکاری ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعد مرکز قادیان میں جائنٹ ناظر بیت المال وغیرہ متعدد ممتاز عہدوں پر کامیاب خدمت سلسلہ بجالانے کی توفیق پائی۔ آپ بہشتی مقبرہ ربوہ میں مدفون ہیں۔ آپ کے سوانح کے لئے دیکھئے اصحاب احمد جلد سوم۔

۴- حضرت منشی سراج الدین صاحبؓ کو خاکسار مؤلف نے تقسیم ملک سے پہلے اچھی طرح دیکھا ہے۔ اصل حوالہ میں ان کے ایک طومار کا ذکر ہے۔ یہ مخالفین کے ابتدائی نایاب اشتہارات کا مجموعہ تھا۔ خاکسار نے دیکھا ہوا ہے۔ تبلیغ میں حضرت حافظ سیّد مختار احمد صاحبؓ شاہجہانپوری اس سے استفادہ فرماتے تھے۔

۵- حضرت بابو (شیخ) فضل احمد صاحبؓ بٹالوی نے سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد دفتر محاسب قادیان میں خدمت کی اور بوقت تقسیم ملک، ارشاد کے مطابق امانتوں کو بحفاظت قادیان سے لاہور پہنچایا۔ آپ بہشتی مقبرہ ربوہ میں مدفون ہیں۔ (سوانح کے لئے دیکھئے اصحاب احمد جلد سوم طبع دوم)

۶- حضرت منشی عبدالعزیز صاحبؓ اوجلوی یکے از ۳۱۳ صحابہ مراد ہیں۔

۲- سفرِ بمبئی (۱۹۱۸ء میں)

ا- شدید علالت کے باعث حضرت خلیفۃ المسیح الثانی تبدیلیٔ آب وہوا کے لئے مع حضرت ام المومنینؓ بمبئی جانے کے لئے ۳؍مئی ۱۹۱۸ء کو بعد نماز عصر روانہ ہوئے۔آپ کے ہمراہ ڈاکٹر رشیدالدین صاحب۔ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب۔شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری اور مولوی عطا محمد صاحب تھے۔۴؍مئی کو لاہور ریلوے اسٹیشن پر جماعت استقبال کیلئے موجود تھی۔حضور احمدیہ ہوسٹل میں فروکش ہوئے۔ان طلباء کا اخلاص وارادت کا نمونہ بہت خوشکن تھا۔انہوں نے چارپائیاں اور بستروں تک مہمانوں کو دے دیئے اور خود زمین پر سوئے۔رات کو پہرہ بھی دیتے رہے۔

حضور جیسے وجود، اخلاص سے پیش آنے والوں کی بہت قدر کرتے ہیں۔کسی کی غلطی سے مہمانوں کی دل شکنی کا علم ہونے پر آپ نے اسی وقت ان کو تسلی بخش پیغام بھیجا کہ آج سے دونوں وقت آپ میرے ساتھ دسترخوان پر کھانا کھایا کریں۔سو حضور اس وقت تک کھانا تناول کرنے میں توقف فرماتے جب تک سب مہمان دسترخوانوں پر بیٹھ نہ جائیں۔گویا اس خاطر کہ مہمانوں کی دل شکنی نہ ہو آپ اپنے آرام کو قربان فرماتے تھے۔

لاہور کے ہر فرد نے اپنی ہمت سے عملاً اخلاص کا اظہار کیا۔حضرت مستری محمد موسیٰ صاحب نے اخلاص ومحبت سے حضور اور آپ کے خدام کی مہمان داری کا ذمہ اپنے اوپر لے رکھا ہے۔اور آپ کا

بقیہ حاشیہ: -۷- ڈاکٹر عبداللہ صاحب کے حالات کے لئے دیکھئے ''لاہور تاریخ احمدیت'' مؤلفہ حضرت شیخ عبدالقادر صاحبؓ سابق سوداگرمل۔

ڈاکٹر عبداللہ صاحب کے مکان کے پاس کے راستہ سے حضور بہشتی مقبرہ کی طرف تشریف لے گئے تھے۔ڈاکٹر صاحب کے مکان اور اس راستہ کی نشاندھی کے لئے یہاں کا خاکہ دیا جارہا ہے۔

بڑے باغ سے آگے ملحق جانب جنوب بہشتی مقبرہ ہے اور بڑے باغ سے ملحق جانب شمال ایک وسیع ڈھاب تھی جو ڈاکٹر صاحب کے مکان سے آگے جانب جنوب چند مکانات کے بعد شروع ہو جاتی تھی اور تقسیم ملک کے بعد تک بھی یہ ڈھاب سال کے ایک حصہ میں بالکل خشک ہو جاتی تھی اور لوگ بڑے باغ کے مغربی طرف کے ایک راستہ سے قادیان میں آمد ورفت رکھتے تھے۔

پہلے موسم برسات کا پانی شمال کے اطراف سے ریتی چھلہ اور قادیان کے اردگرد کی ڈھاب میں جمع ہو جاتا تھا لیکن تقسیم ملک کے بعد سرکاری طور پر نکاسی نالہ بنا دیا گیا۔

خاندان خدمت میں ہر وقت مستعد رہا۔ان کا تہیہ ہے کہ حتی الوسع کوئی تکلیف نہ ہونے دیں گے۔ پہلے چار وقتوں تک بہت مسرت کے ساتھ انہوں نے ہی تمام اخراجات خورد ونوش کو برداشت کیا۔اس کے بعد نوجوان احمدیوں کی انجمن الاخوان نے تمام اخراجات طعام کا انتظام کیا۔حضرت سید دلاور شاہ صاحبؓ۔میاں محمد شریف صاحبؓ وکیل اور حضرت میاں چراغ دین صاحبؓ کے خاندان کے اخلاص میں گداز افراد اور دیگر احباب نے مل کر بہت جلد کل انتظام کرلیا تا کہ جتنے بھی مہمان آئیں انہیں کوئی تکلیف نہ ہو۔لیکن حضور کا پروگرام ۷رمئی کی شام کو لاہور سے روانگی کا تھا۔حضرت حکیم محمد حسین قریشی سیکرٹری جماعت احمدیہ نے جماعت لاہور کی طرف سے ایک سو روپیہ حضور کی خدمت میں پیش کیا۔ریلوے اسٹیشن پر ایک جم غفیر نے الوداع کہا۔حضور نے ہر ایک سے خندہ پیشانی سے مصافحہ کیا اور باتوں کو بغور سنا۔☆ ۱۲۵

۲- حضور کے بارے اطلاعات قادیان میں روزانہ ایک بورڈ پر چسپاں کی جاتی ہیں۔حضور کی صحت ایسی کمزور تھی کہ محض غسل کرنے سے بھی ضعف ہو جاتا رہا۔حضور کی ایک صاحبزادی بعمر پونے دو سال بمبئی میں وفات پا گئیں۔باندرا اہل قبرستان میں دفن کی گئیں۔

حضور نے ۱۳رمئی کو تحریر فرمایا کہ امید ہے، قادیان میں ہر طرح خیریت ہوگی۔یہاں آنے پر میری صحت بفضلہٖ تعالیٰ بہت ترقی پر ہے۔ایک میل تک چل پھر سکتا ہوں۔ناک اور حلق کے اپریشن کی تکلیف ابھی باقی ہے۔پیچش میں قریباً آرام ہے۔طاقت میں روزانہ اضافہ معلوم ہوتا ہے۔

۱۶رمئی۔آپ اب پیدل میل دو میل سیر کرتے ہیں۔آج آپ ماتھران ہل پر سیر کے لئے ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب اور شیخ عبدالرحمٰن صاحب قادیانی کے ہمراہ تشریف لے گئے۔رات وہیں ٹھہرے۔ وہاں گھوڑے کی سواری کی۔ناک سے کبھی کبھی خون آتا ہے۔

حضرت ام المومنین شدید بیمار ہوگئیں جس سے حضور کی طبیعت پر گہرا اثر ہوا۔اس کے باوجود آپ نے ایک انجینئر سے ساڑھے چار گھنٹے تبلیغی گفتگو کی۔ ۱۲۶

الفضل ۷رجون میں محترم بھائی عبدالرحمٰن صاحب کی طرف سے موصولہ اطلاع حضرت اُمّ المؤمنین اور حضور کی صحت کے بارے میں درج ہے۔اور الفضل ۱۴رجون میں بھائی جی کی اطلاع درج ہے کہ

☆ بزرگان مستری محمد موسیٰ صاحب، سیّد دلاور شاہ صاحب، حکیم محمد حسین صاحب قریشی اور ممبران میاں فیملی ڈپٹی میاں محمد شریف صاحب و میاں چراغ دین صاحب یہ سب لاہور کے چوٹی کے مخلصین میں سے تھے۔ رضی اللہ عنھم۔

حضرت مع اُمّ المؤمنین واپس تشریف لا رہے ہیں۔)

۳- حضور مع حضرت ام المومنین وقافلہ ۱۴؍جون کو رات بارہ بجے ٹرین سے بٹالہ پہنچے۔حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی اور بعض احباب بٹالہ پہنچ چکے تھے۔حضور کا ارادہ براہ راست ڈلہوزی تشریف لے جانے کا تھا۔لیکن حضرت عرفانی صاحب نے ادب کے ساتھ احباب قادیان کے جذبات محبت وعقیدت کی ترجمانی کی۔

سو حضور صبح (۱۵؍جون) کو بٹالہ سے گھوڑی پر سوار ہوئے اور اسے دوڑائے آئے۔سید اسعد علی شاہ صاحب بھی ایک گھوڑے پر ہمرکاب تھے۔احباب تانگوں، یکوں اور بہلی پر تھے۔اور بعض پیدل۔راستہ میں احباب قادیان ملتے گئے۔نہر پر جماعت قادیان نے اپنے امیر حضرت مولانا شیر علی صاحب کی معیت میں استقبال کیا۔پھر حضور قادیان کے راستہ تک قریباً دو میل جماعت کے ساتھ پیدل تشریف لائے۔آپ کی معمولاً تیز رفتاری کی وجہ سے اکثر احباب کو دوڑ دوڑ کر ساتھ ملنا پڑتا تھا۔قادیان کے اس راستہ پر جو سڑک سے علیحدہ ہوتا ہے حضور پھر گھوڑی پر سوار ہو کر معمولی رفتار سے آئے۔اور ایک ماہ بارہ دن کے بعد قادیان پہنچے۔حضور جب سفر پر تشریف لے گئے تھے تو سخت ضعیف ومضمحل ہونے کی وجہ سے پالکی میں گئے تھے۔[۱۲۷]

۴- سفر ڈلہوزی (۱۹۱۸ء)

۱- حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۲۲؍جون ۱۹۱۸ء کو ڈلہوزی تشریف لے جانے کے لئے بعد نماز عصر احباب کے ساتھ بہشتی مقبرہ میں دعا کی۔پھر شہر واپس ہوئے اور احمدیہ چوک سے ہو کر قصبہ سے باہر نکلے اور کھلے میدان میں مغرب وعشاء کی نمازیں ادا کیں۔پھر مختصر تقریر میں بتایا کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ایک کو کبھی دوسرے کو امیر مقرر فرماتے۔ایک کی ناقابلیت کی وجہ سے نہیں بلکہ تا کہ عجب پیدا نہ ہو۔اور سب میں اطاعت وانکساری کا مادہ پیدا ہو۔پھر حضور نے حضرت سید محمد سرور شاہ صاحب کو امیر قادیان مقرر فرمایا۔اور سب سے مصافحہ کیا اور تانگہ پر روانہ ہو گئے۔یہ سفر طبی مشورہ سے تھا کہ کسی پہاڑی مقام پر آپ تشریف لے جائیں۔

بٹالہ کے اسٹیشن پر ساڑھے گیارہ بجے شب قافلہ پہنچا۔جماعت بٹالہ وہاں موجود تھی۔ایک بجے شب کی ٹرین سے روانگی ہوئی۔ٹرین میں اپنے خدام کے ساتھ مل کر آپ نے ماحضر تناول فرمایا۔اور تھوڑی دیر

آرام فرمایا۔صبح گاڑی مٹھان کوٹ پہنچی۔نماز فجر پڑھا کر آپ نے محترم شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی (ایڈیٹر الحکم) کے ذریعہ بعض معلومات حاصل کیں۔

اس سفر میں حضور کے ہمراہ یہ افراد ہیں:

''حضرت صاحبزادگان مرزا بشیر احمد صاحب۔حضرت مرزا شریف احمد صاحب۔حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب۔شیخ عبدالرحمٰن صاحب قادیانی۔مولوی عطا محمد صاحب اور میاں مولابخش باورچی۔ نیاز محمد خادم''[۱۲۸]

ڈلہوزی کی سڑک زیر تعمیر ہونے کی وجہ سے یہ انتظام ہے کہ بنی کھیت بارہ بجے کے بعد نیچے سے پہنچنے والے تانگے پانچ بجے اوپر جائیں۔اس لئے سواری سے اترنے کے بعد حضور،محترم ڈاکٹر صاحب اور صاحبزادگان تین میل کا فاصلہ پیدل طے کرکے ڈلہوزی پہنچے۔باقی خدام سامان کے پاس ٹھہرے۔سب سے مشکل کام مکان کی تلاش کا حضور نے اپنے ذمہ لیا اور جاکر اس کا انتظام کیا۔

حضرت عرفانی صاحب لکھتے ہیں کہ میں نے حضور کو خلافت سے پہلے اور دوران خلافت دیکھا ہے اور اب ڈلہوزی میں بھی کہ آپ کو اپنے آرام سے زیادہ اپنے خدام کے آرام کا خیال ہے۔حالانکہ آپ بیمار ہیں اور طبی مشورہ سے آئے ہیں۔آپ کام میں برابر کا حصہ لیتے ہیں اور اپنے ہاتھ سے اکثر کام کرتے ہیں اور اپنے خدام کے لئے کرتے ہیں۔[۱۲۹]

۲- ملک بھر میں بارش نہ ہونے کی وجہ سے ایک قیامت برپا ہے۔طبی مشورہ حضور کو ابھی پہاڑ سے نہ آنے کا تھا لیکن جماعتی کاموں کی وجہ سے حضور کو آنا پڑا۔

حضور مع خدام ۱۷/اگست کی شام کو قبل نماز عشاء واپس تشریف لائے۔حضور نے پہلے سے ہی قادیان سے باہر نشان میل سے آگے نہ آنے سے احباب کو روک دیا تھا۔

اس نشان کے پاس احباب نے اپنے امیر محترم کے ساتھ حضور کا استقبال کیا۔حضرت ام المومنین بھی اپنے محمود سے ملنے کے لئے باہر تشریف لائیں۔ان کی ملاقات کے بعد حضور نے سب احباب سے مصافحہ کیا۔مغرب کی نماز اسی میدان میں پڑھی گئی۔پھر حضور شہر میں داخل ہوئے۔[۱۳۰]

(۴) سفر دھرمسالہ (۱۹۲۰ء)

۱- حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے طبی مشورہ کے ماتحت ۳۱/جولائی ۱۹۲۰ء کو دھرمسالہ کے پہاڑی

مقام پر تشریف لے جاتے ہوئے بیت الدعاء (دارالمسیح) میں دعا کی۔احباب باہر کھڑے دعا میں شامل ہوئے۔ایک دن پہلے خطبہ جمعہ میں حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب کو''امیر صلوۃ'' اور حضرت مولوی شیر علی صاحب کو''امیر انتظامیہ'' مقرر کرتے ہوئے آپ نے احباب کو اطاعت کی تلقین فرمائی۔

''(قافلہ میں) جناب صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب، جناب سید زین العابدین شاہ صاحب۔جناب ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب۔جناب مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فاضل۔مرزا گل محمد صاحب۔خلیفہ تقی الدین صاحب۔شیخ عبدالرحمٰن صاحب قادیانی۔میاں نیک محمد پٹھان۔مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔اے ناظر صیغہ اشاعت۔چودھری علی محمد صاحب (شامل تھے)''۔[۱۳]

۲- سفر قادیان تا دھرمسالہ۔اس وقت ابھی بعد کی سہولتیں میسر نہیں ہوئی تھی۔قادیان سے بٹالہ تک کا سفر ٹانگے یا ٹمٹم پر ہوتا تھا۔قافلہ رات گیارہ بجے بٹالہ پہنچا۔تین گھنٹہ بعد قافلہ ٹرین میں سوار ہوا۔گذشتہ رات سے بارش شروع تھی جو پٹھان کوٹ تک جاری رہی۔پٹھان کوٹ میں ذیل گھر میں قیام ہوا۔ہڑتال کے باعث کھانے وغیرہ کے انتظام میں سخت دقت ہوئی۔صبح کو تو کچھ مل گیا۔رات کو کچھ نہ مل سکا اور صبح کی بچی ہوئی روٹی پر گذارہ کیا گیا۔

۲/اگست کو دھرمسالہ کے راستہ میں بمقام نور پور دوپہر کا کھانا کھایا گیا۔اور رات کا کھانا رات کے گیارہ بجے بمقام شاہ پور کھایا گیا۔۳/اگست کو بعد دوپہر ایک بجے قافلہ دھرمسالہ پہنچا۔بذریعہ تار وہاں اطلاع دی جا چکی تھی۔جماعت نے بہت کوشش سے قیام کا انتظام کیا تھا۔چودھری محمد دین صاحب سیالکوٹی ٹیلر ماسٹر☆ نے چھاؤنی سے اپنے بیٹے محمد امین صاحب کو سات میل آگے بھیج دیا تھا تا قیامگاہ تک پہنچنے میں دقت نہ ہو۔

حضور پہاڑوں میں داخل ہوئے تو ایک اونچے ٹیلے پر شدید بارش میں علیحدگی میں ہاتھ اٹھا کر آپ

☆ چوہدری محمد دین صاحب قوم پال نے بعد میں رانچی (بہار) میں ٹیلرنگ شاپ کھول لی تھی۔جو جنگ عظیم دوم میں بہت چمکی۔بعد تقسیم ملک ان کے بعض عزیز اسے چلا رہے ہیں۔خود وہ سیالکوٹ واپس آ گئے تھے اور وفات پا چکے ہیں۔

حضور نے ۲۶/اگست ۱۹۲۰ء کو عید قربان کا خطبہ ڈلہوزی میں کوٹھی راج محل میں دیا۔تین صفحات کا خطبہ اور ۱۴/ستمبر کی ڈائری بھائی جی کے سرینگر میں ٹھہرنے کا ذکر ہے۔(الحکم بابت ۲ جولائی صفحہ ۲) یہ سفر مبارک اور اس کے حالات بہت ایمان افروز تھے۔

نے پندرہ منٹ تک دعا کی ۔ بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی چھتری لے کر پیچھے پیچھے گئے ۔لیکن مبادا دعا میں مخل ہوں دور کھڑے آمین آمین کہتے رہے۔حضور دعا سے فارغ ہوئے تو بھائی جی نے دوڑ کر آپ پر چھتری کا سایہ کر دیا۔[۱۳۲] محترم بھائی جی نے نصف شب کو یہ کوائف تحریر کئے اور حضور کا ایک تازہ رؤیا بھی ۔)

۳- بھائی جی نے حضور کے ایک حرم محترم کی خدمت میں حضور کے حالات سے اطلاع دی ۔اس میں بتایا کہ دھرمسالہ میں کھلی ہوا، صفائی اور پھل میسر نہیں ۔کانگڑہ میں جو زلزلہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں آیا تھا اس میں کانگڑہ میں پچانوے فیصد اور دھرمسالہ میں نوے فیصد آبادی لقمہء اجل بنی تھی ۔اس ہولناک عذاب کے تصور کا حضور کے دل پر گہرا اثر ہے ۔ان وجوہات سے حضور کسی اور پہاڑی مقام پر جانے کا ارادہ رکھتے ہیں ۔چنانچہ حضور ڈلہوزی تشریف لے گئے ۔[۱۳۳]

۴- قادیان سے ۶ ستمبر کو یہ روح افزا خوشخبری ڈلہوزی پہنچی کہ لندن کے علاقہ پٹنی میں تعمیر مسجد احمدیہ کے لئے ایک وسیع قطعہء زمین ایک معقول مکان سمیت خرید لیا گیا ہے ۔اس کے سنتے ہی چہرے خوشی سے تمتما اٹھے اور دل مسرت سے اچھل پڑے اور سر سجدات شکر کیلئے خدا تعالیٰ کے حضور گر گئے ۔بغرض علاج وعیادت (حضور کے ماموں) حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب تشریف لائے ہوئے تھے ۔خوشی منانے کیلئے جلسہ کرنے کی تحریک ان کے دل میں پیدا ہوئی ۔جسے حضور اور احباب نے پسند کیا اور سب نے چندہ لکھوایا۔تجویز ہوئی کہ یہ خوشی بلند سے بلند تر مقام پر منائی جائے اور اچھے سے اچھا میدان اس کے لئے منتخب کیا جائے اور تمام احباب کچھ اشعار بھی کہیں ۔

ڈائن کنڈ بلند و بالا اور سر سبز مقام تجویز شدہ بھی حضور نے منظور فرمایا۔کئی دن بارش نہ ہونے سے ڈلہوزی میں گرمی ہوگئی تھی ۔۹ ستمبر کو روانگی کے روز صبح خوب بارش برسی ۔اسی وجہ سے ساڑھے چار گھنٹے کی تاخیر سے ڈیڑھ بجے بعد دوپہر روانہ ہوکر قافلہ آٹھ میل کا فاصلہ طے کر کے تین ہزار فٹ بلندی پر واقع ڈائن کنڈ پہنچا۔نماز ظہر اور کھانے سے فارغ ہوکر جلسہ شروع ہوا۔

نہایت ہی سر سبز گھاس کے مخملی فرش پر پندرہ افراد کا ایک خوبصورت گول حلقہ بنایا گیا۔سب سے پہلے عبدالقادر صاحب مہتہ ابن بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی نے اپنی نظم بڑی جرأت سے پڑھی ۔نظم کیا اور مہتہ صاحب کی بساط کیا۔صرف ایک خوشی کا اظہار تھا اور تعمیل حکم ۔سامعین مارے ہنسی کے لوٹے جاتے تھے ۔اتنے ہنسے کہ ان کے پیٹ میں بل پڑ گئے ۔مگر اس نے ہمت نہ ہاری ۔حضور نے فرمایا کہ نظم کیا خاصا

سرمن (وعظ) ہے۔اوراس کی جرأت اور جوش کی تعریف کرکے اس کا دل بڑھایا۔عبدالاحد خاں صاحب کابلی نے فی البدیہہ شعر پڑھے۔چوہدری علی محمد صاحب۔سید محمود اللہ شاہ صاحب۔میاں (خلیفہ) تقی الدین صاحب اور مرزا گل محمد صاحب نے اپنی رباعیاں اور ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب نے اپنی نظم سنائی۔حضور،حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب،حضرت مرزا بشیر احمد صاحب،حضرت مرزا شریف احمد صاحب کے منظوم کلام مولوی رحیم بخش صاحب نے سنائے اور اپنا کلام بھی۔حضور نے مرزا گل محمد صاحب کی رباعی کے خیالات کی تعریف فرمائی۔دعا پر جلسہ ختم ہوا۔پھر نماز عصر ادا کرکے مخدوم وخدام نے اکٹھے کھانا کھایا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا اس موقعہ کا منظوم کلام اب معروف ہے۔اس کے چند اشعار یہ ہیں:

تیری محبت میں میرے پیارے ہر اک مصیبت اٹھائیں گے ہم
مگر نہ چھوڑیں گے تجھ کو ہرگز، نہ تیرے در پر سے جائیں گے ہم
مٹا کے کفر وضلال وبدعت کریں گے آثار دیں کو قائم
خدا نے چاہا تو کوئی دن میں ظفر کے پرچم اڑائیں گے ہم
وہ شہر جو کفر کا ہے مرکز۔ہے جس پہ دین مسیح نازاں
خدائے واحد کے نام پر،اک اب اس میں مسجد بنائیں گے ہم
پھر اس کے مینار پر سے دنیا کو حق کی جانب بلائیں گے ہم
کلام رب رحیم و رحمٰن ببانگ دہل سنائیں گے ہم

[۱۳۴]

۵- سات میل دور کالاٹوپ نامی سرسبز پہاڑی پر ۱۳ ستمبر کو حضور خلاف معمول سواری پر بوجہ ضعف تشریف لے گئے۔نماز ظہر کے بعد میاں نیک محمد خان صاحب کو لے کر حضور ایک تنہا پہاڑی کی چوٹی پر تشریف لے گئے اور ان سے حضور نے کہا کہ آپ اتنی دور چلے جائیں کہ ہم ایک دوسرے کو نظر نہ آئیں۔پھر حضور نے دواڑھائی گھنٹے دعائیں کیں اور واپس آکر نماز عصر پڑھائی۔[۱۳۵]

۶- حضور مع خدام ۱۶/اگست کی رات کو قادیان واپس تشریف لائے۔احباب نے بڑی سڑک پر موڑ کے پاس استقبال کیا۔[۱۳۶]

۵- سفرِ کشمیر (۱۹۲۱ء میں)

۱- طبی مشورہ کے مطابق حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ ۲۵؍جون ۱۹۲۱ء کو کشمیر تشریف لے گئے۔ایک جمِ غفیر نے بیرون قصبہ تک الوداع کہا۔حضور کے ہمراہ حضرت ام المومنینؓ تینوں حرم اور حرم حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ تھیں۔نیز حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحبؓ حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ اور بعض اور خدام ہمرکاب تھے۔

امرتسر ریلوے اسٹیشن پر تمام جماعت موجود تھی۔قافلہ ریزروگاڑی (ڈبہ) میں سوار ہوا۔لاہور ریلوے اسٹیشن پر حضرت مستری محمد موسیٰ صاحبؓ کی طرف سے دعوت کا کھانا پہنچا۔راولپنڈی تک راستہ کی جماعتوں نے استقبال کیا اور حضور سو نہ سکے۔راولپنڈی میں حضور کا قیام محترم بابو نورالدین صاحب سیکرٹری جماعت کے ہاں ہوا۔کیمبل پور۔کوہاٹ اور نوشہرہ وغیرہ کے احباب ملاقات کے لئے آئے۔۲۷؍جون کو لاریوں کے ذریعہ قافلہ سری نگر کے لئے روانہ ہوا۔محترم شیخ فضل احمد صاحب اور محترم ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب خاکی نے موٹر کے ذریعہ آکر راستہ میں ملاقات کی اور پھر تیزی سے واپس چلے گئے تا استقبال اور کھانے وغیرہ کا انتظام کرسکیں۔

پانچ گھنٹے کے سفر کے بعد تین بجے بعد دوپہر قافلہ مری پہنچا۔حضرت شیخ مشتاق حسین صاحب کے ہمزلف محترم شیخ عبدالغنی صاحب میٹ ایجنٹ کے ہاں نہایت پُرتکلف کھانے کا انتظام تھا۔جو مری کے دونوں دوستوں (شیخ فضل احمد صاحب اور ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب خاکی) کے گہرے دوست تھے۔مری کے احباب نے شام کے کھانے کی رسد ساتھ دے دی۔

ایک معزز انگریزی لیڈی نے محترم شیخ اللہ بخش صاحب کی معرفت پانچ روپے نذرانہ دیتے ہوئے کہا کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حالات سے واقف ہوں۔میرا ان پر بڑا اعتقاد ہے۔یہ ان کے خلیفہ ہیں۔یہ بھی ایسے ہی ہوں گے۔

مری سے شام ساڑھے چار بجے روانہ ہوکر کوہالہ کے ڈاک بنگلہ میں قیام ہوا۔کوہالہ انگریزی علاقہ میں ہے اور کشمیری علاقہ کی سرحد پر ہے۔صبح ساڑھے پانچ بجے روانہ ہوکر ایک سو بتیس میل کا سفر طے کر کے قافلہ ساڑھے سات بجے شام سرینگر پہنچا۔جہاں حضرت خلیفہ نورالدین صاحبؓ اور ان کے فرزند محترم خلیفہ عبدالرحیم صاحبؓ اور (آسنور کے) خواجہ عبدالرحمٰن صاحبؓ استقبال کے لئے موجود تھے۔ایک بوٹ

ہاؤس میں قیام ہوا۔☆ [۱۳۷]

۲- اس عرصہ قیام کشمیر میں حضور متعدد مقامات پر تشریف لے گئے مثلاً گاندھربل۔ بیج بہاڑہ۔اچھا بل۔ویری ناگ۔اسلام آباد۔کنی پورہ۔کاپرن۔رشی نگر اور آسنور*

بعض مقامات پر دیگر مقامات سے احباب ملاقات کے لئے تشریف لائے مثلاً حضرت مولوی سیّد محمد سرور شاہ صاحب کے بڑے بھائی محترم سید محمد صادق صاحب اور (لاہور کے) حضرت محمد موسیٰ صاحب کے فرزند محترم میاں محمد حسین صاحب۔گلگت سے محترم ماسٹر غلام حسین صاحب اور بانڈی پورہ کے بعض احباب۔متعدد مقامات پر بیعتیں ہوئیں۔حضور نے خطبات جمعہ دیئے۔تبلیغی اور تربیتی خطاب فرمائے۔بعض جگہ صرف چند گھنٹے قیام رہا۔[۱۳۸]

☆ اس سفر کے تذکرہ میں بعض افراد کا ذکر ہوا ہے۔کچھ تعارف ان کا پیش کیا جاتا ہے۔

۱- حضرت بابو (ملک) نورالدین صاحبؓ بعد ریٹائرمنٹ قادیان میں آنریری معاون ناظر ضیافت کے طور پر خدمت بجالاتے رہے۔آپ اور آپ کے بیٹے ملک عزیز احمد صاحب دونوں صحابی تھے۔حضرت ملک عزیز احمد صاحب سابق امیر جماعت راولپنڈی نے بعد تقسیم ملک وفات پائی۔لاہور میں ان کا قیام اپنے بیٹے ملک رشید احمد صاحب کے پاس تھا۔

۲- حضرت شیخ مشتاق حسین صاحبؓ (صحابی) ساکن گوجرانوالہ، جناب شیخ بشیر احمد صاحبؓ ایڈووکیٹ سابق امیر جماعت لاہور کے والد تھے۔

۳- حضرت مستری محمد موسیٰ صاحبؓ (صحابی) نے دسمبر ۱۹۴۵ء میں وفات پائی۔بہشتی مقبرہ قادیان میں دفن ہیں۔ان کے فرزند مستری محمد حسین صاحبؓ نے ۱۶/اکتوبر ۱۹۸۱ء کو وفات پائی۔

۴- حضرت سیّد محمود اللہ شاہ صاحبؓ کے مختصر سوانح کے لئے دیکھئے تابعین اصحاب احمد جلد سوم۔

۵- ریٹائرڈ کرنل ڈاکٹر خلیفہ تقی الدین صاحب برادر حضرت سیّدہ اُم ناصر صاحبہؓ لاہور میں قیام رکھتے ہیں۔

* جناب بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی بھی خدام میں تھے (الفضل بابت ۲۷/جون ۱۹۲۱ء زیر ''مدینۃ المسیح'' گاندھربل کے سفر میں حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ اور حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ کے ساتھ بھائی جی کے سرینگر میں ٹھہرنے کا ذکر ہے۔(الحکم بابت ۲/جولائی صفحہ ۲) یہ سفر بہت مبارک اور اس کے حالات بہت ایمان افروز تھے۔

۳- سری نگر محلّہ خانیار میں حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے مزار پر زیارت کیلئے حضور گئے اور بہت دیر تک وہاں دعا کی۔اور محافظ کو مرمت کی خاطر پانچ روپے دیئے اور اس خیال کا اظہار فرمایا کہ بہت اچھا ہو کہ ہماری جماعت کے احباب زیارت کریں تو کچھ نہ کچھ رقم مرمت اور حفاظت کے لئے دیتے رہیں۔[۱۳۹]

۴- اسلام آباد سے ۱۱راگست کو قریباً ساڑھے آٹھ بجے صبح ٹانگوں اور گھوڑوں پر حضور مع قافلہ آسنور کو روانہ ہوئے۔موضع کنج پورہ (کنی پورہ) کے احباب کے اہتمام کی وجہ سے حضور کھانے اور تقریر کے لئے رکے۔تقریر میں غیر از جماعت لوگوں کی خاصی تعداد تھی۔حضور نے ایک گھنٹہ سے زیادہ کی تقریر میں انسانی پیدائش کی غرض بتائی اور مسلمانوں کے ادبار کے وجوہات اور جماعت احمدیہ کو بار بار قادیان آنے اور اپنے اندر نمایاں تبدیلی پیدا کرنے کی تلقین فرمائی۔

آسنور کے احباب آٹھ میل آگے ڈانڈیاں لے کر آئے۔آسنور سے چھ میل کے فاصلہ پر موضع کاپرن کے ذیلدار مکرم عبدالقادر صاحب بٹ نے جو جماعت میں شامل نہیں قافلہ کیلئے پُر تکلف چائے کا انتظام کیا تھا حضور نے قبول کی اور ان کی درخواست پر ان کے لئے دعا کی۔

آٹھ بجے شام وہاں سے سوار ہوئے۔جماعت آسنور نے نہایت جوش۔اخلاص اور محبت سے حضور کا استقبال کیا۔تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر احمدی گروہ در گروہ جمع تھے۔بہت سے احباب مشعلیں لے کر جابجا کھڑے تھے۔آسنور سے دو میل ورے موضع رشی نگر میں احمدی بچوں اور نوجوانوں کی دورویہ قطار کھڑی تھی اور انہوں نے ہدیہ سلام مسنون پیش کیا۔

''ظاہری خوشنمائی کے لحاظ سے علاقہ آسنور کشمیر کے بہترین علاقوں میں سے ہے اور اس کو خدا تعالیٰ نے باطنی حسن سے بھی متمتع فرما کر اپنی شناخت اور اپنے نبی کی آواز پر لبیک کہنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔

''حضور نے آسنور سے دو تین میل کے فاصلہ سے ہی دعائیں مانگنی شروع کر دی تھیں۔مگر داخل ہوتے وقت مل کر سب کے ساتھ اس خشوع اور خضوع سے دیر تک دعا مانگی کہ سب پر رقت کی کیفیت طاری ہوگئی اور آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے۔قریباً گیارہ بجے (شب) کے بعد حضور تمام قافلہ کے ساتھ مع الخیر مکان میں اترے۔''[۱۴۰]

۵- باوجود دو روز طبیعت ناساز رہنے کے یوم الحج کو سال گذشتہ کی طرح حضور دعا مانگنے کے لئے ایک قریب کی پہاڑی پر ایک خلوت کی جگہ تشریف لے گئے۔نماز ظہر سے فارغ ہو کر تین بجے حضور نے چار نوافل با جماعت ادا کئے۔بالجہر ان میں قرات کی۔ان نوافل میں دو گھنٹے سے زائد وقت صرف ہوا۔دو

نوافل کے بعد حضور نے درود شریف کا فلسفہ بیان کیا۔

بعد نماز عصر حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے حضور کی موجودگی میں جناب افسر صاحب جلسہ سالانہ کی اپیل سنائی جو انہوں نے حضور کے قافلہ کے نام بھجوائی تھی۔ حاضرین نے اس میں حصہ لیا اور حضور نے ساڑھے بارہ من گندم کی قیمت میں ایک سو روپیہ کا مزید اضافہ کیا۔ پہلے یہ وعدہ پانصد روپے کا تھا۔[۱۴۱]

عید میں قریباً سوا تین صد احباب نے شمولیت کی۔ دعا کے بعد حضور نے ۲۶؍اگست کو جلسہ ء عام ہونے کا اعلان فرمایا۔[۱۴۲]

۶- حضور کے ارشاد پر آسنور میں احمدیان کشمیر کا جلسہ دو روز ہوا۔ تعداد حاضری پانصد تھی۔ یہ جلسہ جناب خواجہ عبدالرحمٰن صاحب ڈار کے سیبوں کے باغ میں ہوا جو ایک مرتفع۔ نہایت ہوادار اور پر فضاء مقام ہے۔ حضور کی تقاریر کے علاوہ صفائی قلب کے بارے اور غیر مبائعین کے بارے حضرت حافظ روشن علی صاحب کی تقاریر ہوئیں۔ تلاوت، اجلاسات میں محترم حافظ سید محمود اللہ شاہ صاحب حضرت مرزا شریف احمد صاحب اور حضرت حافظ روشن علی صاحب اور محترم صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاب نے کی۔ اور نظمیں حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب۔ محترم مرزا گل محمد صاحب۔ محترم صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب ابن حضرت مرزا شریف احمد صاحب۔ محترم خواجہ غلام احمد صاحب ابن محترم خواجہ عبدالرحمٰن صاحب ڈار نے سنائیں۔

مرقوم ہے کہ

''اس جگہ احمدیان کشمیر کے جوش و اخلاص کا ذکر بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ اکثر احباب بہت دور دور سے آئے ہوئے تھے اور بعض تو کئی کئی دن کی مسافت طے کر کے آئے تھے۔ پھر علاقہ آسنور کے احمدیوں کی ہمت بھی قابل تعریف ہے۔ جنہوں نے جلسہ کے انتظام اور مہمانوں کی خدمت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اجر عظیم عطا فرمائے۔''[۱۴۳]

۷- حضور آسنور سے گنگ وٹن گئے۔ دوسرے روز کوثر ناگ گئے۔ یہ وسیع جھیل سطح سمندر سے تیرہ ہزار فٹ بلندی پر ہے۔ واپسی کے وقت حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب اور حضرت مرزا شریف احمد صاحب بیمار ہو گئے۔

''حضور ابھی ڈیرہ پر نہیں پہنچے تھے کہ آسنور سے ایک سوار بھائی عبدالرحمٰن صاحب کا خط حضور کے نام لے کر آیا کہ محترمہ والدہ صاحبہ میاں ناصر احمد صاحب کو پھر زیادہ بخار ہو گیا ہے۔ اس لئے جتنی جلدی ممکن

ہو سکے حضور تشریف لے آئیں شام ہوگئی تھی۔اور راستہ بہت خطرناک تھا اس لئے مجبوراً......دوسرے روز بعد از نماز صبح حضور مع جناب ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب گھوڑوں پر سوار ہوکر آسنور...... بارہ بجے پہنچ گئے۔''(حضرت سیدہ ام ناصر صاحبہ کا بخار اتر گیا تھا۔)

حضرت مولوی عبداللہ صاحب سنوری نے تار دیا کہ میاں عبدالقدیر صاحب کا ولیمہ منائیں پچیس روپے ارسال ہیں۔چنانچہ دعوت ولیمہ میں آسنور اور رشی نگر کے بعض احباب شامل ہوئے۔ولیمہ بمقام اہر بل کیا گیا جہاں حضور فال (Fall)(یعنی آبشار) دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے تھے۔[۱۴۴]

۸- ۷؍ستمبر کو ساڑھے گیارہ بجے سرینگر کو روانگی کے وقت قریباً تمام گاؤں حضور کو وداع کرنے کے لئے دور تک ساتھ آیا۔یاڑی پور کے احباب نے بار بار التجا کی کہ حضور ان کے گاؤں سے ہوتے ہوئے دریا کے راستہ سرینگر تشریف لے جائیں۔سو حضور یاڑی پورہ کی طرف روانہ ہوئے۔وہاں کے احمدی احباب دور تک استقبال کے لئے آئے ہوئے تھے۔گاؤں کی حد کے پاس جا کر حضور نے سب کے ساتھ مل کر دیر تک دعا کی۔دوسرے روز باوجود علالت کے جماعت کی درخواست پر پونے دو گھنٹے تقریر فرمائی کہ اسلام واحمدیت کی صداقت کی کیا دلیل ہے۔

حضور نے پہلے سوائے تین افراد کے باقی قافلہ کو بھجوادیا تھا۔گھوڑوں پر حضور اور ساتھی اروائیں (آرونی) تک جا کر کشتیوں پر سوار ہوگئے۔وہاں تک آنے والے آسنور کے احباب کے لئے حضور نے دعا کی اور رخصت ہونے والے احباب فرط محبت سے بے اختیار رونے لگے۔چھ بجے شام روانہ ہوکر دوسرے روز اسی وقت سری نگر پہنچے۔[۱۴۵]

۹- بوقت صبح ۲۹؍ستمبر کو حضور قادیان میں تشریف لے آئے۔حسب معمول احباب قادیان نے موڑ پر استقبال کیا۔حضور کے علیل ہونے کی وجہ سے منتظمین نے احباب کو ایک صف میں کھڑا کر دیا تھا۔حضور وہاں پہنچ کر ایک درخت کے نیچے کھڑے ہوگئے اور احباب مصافحہ کرتے گئے۔حضور پیدل چند قدم چلے پھر احباب کے عرض کرنے پر سوار ہوگئے۔خاکروبوں کے مکانات کے پاس آکر پیدل ہوگئے۔''کیونکہ (حضور کے ایک استاد۔مؤلف) مولانا قاضی امیر حسین صاحب استقبال کیلئے وہاں کھڑے تھے۔الدّار میں داخل ہونے سے قبل مسجد مبارک میں نفل پڑھے۔''[۱۴۶]

۶- سفر لاہور و مالیر کوٹلہ (۱۹۲۴ء میں)

۱- سخت اور متواتر محنت اور مصروفیت کی وجہ سے ۱۹۲۳ء سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی صحت متاثر تھی اور گذشتہ سال سلسلہ کے کاموں کی اہمیت کی وجہ سے طبی مشورہ کے باوجود آپ بحالیٔ صحت کی خاطر نہ جاسکے تھے۔ چنانچہ ڈاکٹری مشورہ سے آپ ۱۲ر فروری ۱۹۲۴ء کو بیرون قادیان روانہ ہوئے۔ ۱۱ر فروری کو بعد مغرب آپ نے حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ کو امیر مقرر کرنے کا اعلان فرمایا۔

مولوی رحیم بخش صاحب افسر ڈاک۔ ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب۔ بھائی شیخ عبدالرحمٰن صاحب قادیانی۔ میاں نیک محمد خاں صاحب۔ عبدالاحد خاں صاحب افغان۔ چودھری علی محمد صاحب اور یحییٰ خاں صاحب ''خدام سفر'' تھے۔☆ [۱۶۷]

۲- رپورٹ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب:

۱- قادیان تا بٹالہ سفر تانگہ پر ہوا۔ چونکہ حضور نے جماعتوں کو سفر کی خبر دینے سے روک دیا تھا اس لئے خیال تھا کہ احباب امرتسر اسٹیشن پر نہیں آئیں گے۔ گاڑی رکی۔ فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب! آج تو ہم آزاد ہیں چلو ٹہلیں۔ جونہی یہ جملہ ختم ہوا چودھری ظفر اللہ خاں صاحب نے ٹرین میں داخل ہو کر السلام علیکم کہا۔ اس کے بعد مصافحوں کا سلسلہ شروع ہوا۔

حضور نے حیران ہو کر فرمایا کہ میں ابھی ڈاکٹر صاحب سے کہہ رہا تھا کہ آج تو ہم آزاد ہیں۔ لاہور میں آپ لوگوں کو کس طرح علم ہوگیا۔ چودھری صاحب نے کہا کہ نیک محمد خاں صاحب سے پتہ لگا۔ شیخ عبدالحمید صاحب نے کہا کہ میں حضرت صاحب کو آج ہی خط لکھتا ہوں۔ کل مل جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ کبھی نہ ملے گا جب تک مجھے نہ دیا جائے کیونکہ میں حضرت صاحب کے ہمراہ جا رہا ہوں۔ پوچھنے پر ان کو بتانا پڑا۔ اور ساتھ ہی کہنے لگے کہ کسی کو نہ بتایا جائے۔ میں نے کہا کہ حضرت صاحب کا یہ حکم آپ کے لئے

☆ ۱- حضرت مولوی رحیم بخش صاحب بعدہ مولوی عبدالرحیم صاحبؓ درد

۲- تقسیم ملک تک پرائیویٹ سیکرٹری کو افسر ڈاک بھی کہا جاتا تھا۔ جلسہ سالانہ پر ''افسر ڈاک'' کا بیج پرائیویٹ سیکرٹری کے بازو پر لگایا جاتا تھا۔

۳- اختصاراً روانگی کا ذکر الفضل مورخہ ۱۵ر فروری میں بھی ہے۔ وہاں ''عبدالاحد خاں صاحب'' کا نام سہواً ''عبدالواحد'' درج ہوا ہے۔

تھا۔ نہ ہمارے لئے۔ حضور خوب ہنسے۔

۲- قافلہ لاہور اسٹیشن سے میاں محمد شریف صاحب ای۔ اے۔ سی کے مکان پر پہنچا۔ کھانے کے بعد ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ میں حضور کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے کچھ اونگھ آنے لگ گئی۔ کچھ دیر بعد حضور نے فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب! باتیں ختم ہوگئی ہیں۔ جاگیں اور وضو کریں۔ اور یہ لطیفہ سنایا کہ ایک جگہ تبلیغ کے دورہ میں حافظ روشن علی صاحب کا رات کو لیکچر تھا۔ جونہی آپ نے تقریر شروع کی۔ سامعین کے خراٹے اس زور سے شروع ہوگئے کہ حافظ صاحب تقریر بند کرنے پر مجبور ہوگئے۔ مفتی محمد صادق صاحب صدر جلسہ کو بھی دیکھا کہ سو رہے ہیں۔ تب حافظ صاحب نے زور سے کہا کہ لوگو! جاگ اٹھو۔ تقریر بند ہوگئی ہے۔

۳- ۱۳ رفروری کو حضور بمعیت بھائی عبدالرحیم صاحب۔ بھائی عبدالرحمٰن صاحب مولوی رحیم بخش صاحب اور خاکسار (یعنی ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب) اور بعض مقامی بزرگان بعد ظہر سیر کے لئے تشریف لے گئے۔ [۱۴۸]

۳- حضور مالیرکوٹلہ اور پھیروچچی بھی تشریف لے گئے۔ واپسی کے تعلق میں مرقوم ہے:-

''(حضور) ۳ رمارچ کو دارالامان تشریف لے آئے۔ احباب کی ایک کثیر تعداد قصبہ سے باہر قریباً میل ڈیڑھ میل تک استقبال کے لئے پہنچی ہوئی تھی۔'' [۱۴۹]

الحکم میں مراجعت کے بارے مرقوم ہے کہ

حضور قبل از نماز عشاء واپس تشریف لے آئے۔ احباب بعد مغرب، موضع بھینی تک استقبال کے لئے پہنچے۔ اس سفر کا اظہار نہیں کیا گیا تھا۔ خبر ہونے پر احباب کثیر تعداد میں دیوانہ وار حاضر ہوجاتے ہیں۔ حضور کی عادت نہیں کہ جو احباب اخلاص وصدق سے آتے ہیں انہیں حاضری کا موقعہ نہ دیں۔ اور پھر ملاقاتوں میں تقریروں کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے اور مصروفیت بڑھ جاتی ہے اور سفر کی غرض فوت ہوجاتی۔ اسلئے اخبارات میں اعلان نہیں ہوا۔

آپ نے مالیرکوٹلہ میں بارہ ہرن اور ایک نیل گائے کا شکار بھی کیا اور قادیان والوں کو حضور نہیں بھولے اور شکار کا حصہ بھیجا۔ مالیرکوٹلہ سے براستہ گورداسپور پھیروچچی آکر آپ کا قیام رہا۔ جہاں ڈاک آتی رہی اور اہم امور کے بارے آپ ہدایات قادیان بھیجتے رہے۔ ایڈیٹر الحکم کو بھی تین دن کے لئے حاضری کی عزت نصیب ہوئی۔ اور مولوی ذوالفقار علی خاں صاحب ناظر امور عامہ کو بھی شرف حاضری ملا

اور وہ حضور کے ساتھ ہی واپس آئے۔[۱۵۰]

۷- سفر سندھ (۱۹۳۵ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ اولین بار اراضیات سندھ کے معائنہ کے لئے ۹ رمئی ۱۹۳۵ء کو تشریف لے گئے۔خدام میں ''حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی'' بھی شامل تھے۔۱۱رمئی کو جھڈو اسٹیشن (سندھ) پر اترے۔ظہر وعصر کی نمازیں پڑھانے کے بعد۔قافلہ دو حصوں میں روانہ ہوا۔قافلہ نے احمد آباد اسٹیٹ گھوڑے پر سولہ میل کا فاصلہ طے کرنا پسند کیا۔حضور کے ساتھ حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال۔حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب۔اور محترم چوہدری غلام احمد صاحب مینجر احمد آباد اسٹیٹ ہذا اور بعض افراد گھوڑوں پر تھے۔موٹر میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب۔حضرت بھائی جی۔حضرت مولوی عبدالمغنی خاں صاحب۔محترم شیخ یوسف علی صاحب پرائیویٹ سیکرٹری اور محترم نوابزادہ چوہدری محمد سعید صاحب ابن حضرت نواب چوہدری محمد دین صاحب روانہ ہوئے۔منزل مقصود پر احباب نے حضور کا استقبال نعرہ ہائے تکبیر سے کیا۔[۱۵۱]

حضور نے حیدرآباد سندھ میں ۱۷رمئی کو جمعہ پڑھایا اور ایک پبلک لیکچر دیا۔واپسی کے سفر میں ملتان چھاؤنی کے اسٹیشن پر ملتان کے اور بعض دیگر مقامات کے احباب نے حضور کی زیارت کی۔ہندو مسلم اور عیسائی معززین۔وکلاء و پروفیسران بڑی تعداد میں ملاقات کے لئے آگئے۔حضور سیکنڈ کلاس کے ویٹنگ روم میں تشریف لے گئے۔سب کا تعارف کرایا گیا۔

محترم شیخ فضل الرحمٰن صاحب اختر صدر جماعت اور بعض احباب ٹرین میں قافلہ کو کھانا کھلانے کے لئے خانیوال تک ساتھ آئے۔وہاں خانیوال اور محمود آباد اسٹیٹ کے احباب نے ٹرین کی آمد و روانگی کے وقت اللہ اکبر کے نعرے بلند کئے۔[۱۵۲]

حضور ۱۹رمئی کو دس بجے رات قادیان بخیر و عافیت پہنچے۔احباب قادیان نے استقبال کیا اور حضور نے انہیں مصافحہ کا شرف بخشا۔[۱۵۳]

فتنہء ارتداد علاقہ ملکانہ وغیرہ میں

۱- علاقہ ملکانہ میں ۱۹۲۳ء میں ایک ہولناک منصوبہ کے تحت فتنہء ارتداد شروع ہوا۔اس فتنہ کی اور

اس کے انسداد کی تفصیل تاریخ احمدیت جلد پنجم میں قابل مطالعہ ہے۔ہنود کی طرف سے ایک کروڑ مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی سکیم ابتداء میں تھی۔ جسے وسیع کیا جانا تھا۔

۲۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں عامۃ المسلمین کو بھی مضامین کے ذریعہ آگاہ کیا اور جماعت احمدیہ کو بھی اور مجلس مشاورت ۱۹۲۳ء میں بالخصوص۔مثلاً آپ کے ملفوظات میں بیان ہوا ہے کہ

نیم مسلم افراد کی تعداد ایک کروڑ ہے۔وہ کچھ کچھ مسلمانوں کی اور کچھ کچھ ہنود کی رسوم قبول کئے ہوئے ہیں اس وقت ڈیڑھ صد فدا کاروں کی ضرورت ہے۔ ہر ایک تین ماہ کے لئے اپنے خرچ پر وہاں جائے اور وہ اپنے اہل وعیال کے اخراجات کا بھی ذمہ دار ہوگا۔وہاں کا کرایہ وغیرہ کا خرچ بھی وہ خود برداشت کریں گے۔معمولی خرچ ڈاک اور تبلیغ کا انہیں ملے گا۔

''ہر ایک کو اپنا کام خود کرنا پڑے گا۔اگر کھانا آپ پکانا پڑے گا تو پکائیں گے۔اگر جنگل میں سونا پڑے گا تو سوئیں گے۔جو اس محنت اور مشقت کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہوں وہ آئیں۔ان کو اپنی عزت، اپنے خیالات قربان کرنے پڑیں گے۔ایسے لوگوں کی محنت باطل نہیں جائے گی۔ ننگے پیروں چلیں گے۔جنگلوں میں سوئیں گے۔خدا ان کی اس محنت کو جو اخلاص سے کی جائے گی ضائع نہیں کرے گا۔اس طرح جنگلوں میں ننگے پیروں پھرنے سے ان کے پاؤں میں جو سختی پیدا ہو جائے گی وہ حشر کے دن جب پل صراط سے گذرنا ہوگا ان کے کام آئے گی۔مرنے کے بعد ان کو جو مقام ملے گا وہ راحت وآرام کا مقام ہوگا۔[۱۵۴]

۳۔ حضور کی تحریک کا جو اثر بڑوں اور بچوں تک پر ہوا اس کا قدرے اختصار سے یہاں ذکر کرنا بے جا نہ ہوگا۔

ایک معمر بزرگ قاری نعیم الدین صاحب بنگالی نے ۱۰ر مارچ ۱۹۲۳ء کو جب حضور مجلس میں تشریف رکھتے تھے اجازت لے کر عرض کیا کہ اگر چہ میرے بیٹوں مولوی ظل الرحمٰن صاحب اور مطیع الرحمٰن صاحب متعلم بی۔اے کلاس نے مجھ سے نہیں کہا لیکن میں نے اندازہ کیا ہے کہ حضور نے اس علاقہ میں تبلیغ کرنے کے لئے کل جو وقف زندگی کی تحریک کی ہے۔اور جن حالات میں وہاں رہنے کی شرائط پیش کی گئی ہیں۔شاید میرے بیٹوں کے دل میں ہو کہ اگر وہ اپنے آپ کو پیش کریں گے تو مجھے ان کے بوڑھے باپ کو تکلیف ہوگی۔لیکن میں حضور کے سامنے خدا تعالیٰ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ مجھے ان کے جانے اور تکالیف

اٹھانے میں ذرا بھی غم ورنج نہیں۔میں صاف صاف کہتا ہوں کہ اگر یہ دونوں راہ خدا میں کام کرتے ہوئے مارے بھی جائیں تو میں ایک بھی آنسو نہیں گراؤں گا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر کروں گا۔میرا تیسرا بیٹا بھی اگر خدمت اسلام کرتے مارا جائے۔اور اگر میرے دس بیٹے اور ہوں اور وہ بھی مارے جائیں تو بھی میں کوئی غم نہیں کروں گا۔میں جانتا ہوں کہ ریاء اور عجب ہلاکت کی باتیں ہیں۔آپ میرے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میرے دل کو ریا اور عجب سے جو ایمان کے لئے زہر ہیں، بچائے اور مجھے اخلاص عطا کرے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لانے سے ہمارے دل قوی ہو گئے ہیں۔اس پر حضور نے اور احباب نے جزاک اللہ کہا۔(مولوی ظل الرحمٰن صاحب کو اندرون ملک اور صوفی مطیع الرحمٰن صاحب ایم۔اے کو یو۔ایس امریکہ میں مخلصانہ تبلیغی خدمات بجالانے کی توفیق عطا ہوئی۔مؤلف)

حضور نے ۱۳؍مارچ کو بیان فرمایا کہ میں گھر میں جتنی دفعہ مستورات کے پاس سے گذرا ہوں ان میں اسی بارے گفتگو ہوتی سنی ہے کہ ہم کس طرح اس کام میں حصہ لیں۔اور لجنہ اماء اللہ نے پوچھا ہے کہ ہم کس طرح اور کیا کام کرسکتی ہیں۔انفراداً بھی کئی عورتوں نے باوجود بعض معذوریوں کے اس علاقہ میں پہنچ کر تبلیغ کرنے پر آمادگی ظاہر کی ہے۔

نیز فرمایا کہ بچوں میں بھی نہایت مسرت انگیز مثالیں موجود ہیں۔میرے پانچ سالہ بیٹے منور احمد نے اپنی اڑھائی سالہ چھوٹی بہن سے کہا کہ بی بی! میں تو غیر مسلموں کو مسلمان بنانے جانے والا ہوں۔تم بھی چلو گی۔اس نے کہا۔ہاں میں بھی چلوں گی۔منور احمد نے کہا۔اچھا پھر تیار ہو جاؤ۔(حضرت نواب محمد علی خاں صاحب کے بیٹے) محمد احمد بعمر بارہ سال نے اپنی والدہ (حضرت نواب مبارکہ بیگم) سے کہا کہ تبلیغ اسلام کرنا بڑوں پر ہی فرض نہیں۔ بلکہ ہمارا بھی فرض ہے اس لئے آپ جب جائیں مجھے بھی ساتھ لے چلیں۔نہ جائیں تو مجھے ضرور بھیج دیں۔[۱۵۵]

۴- حضور نے سکیم مکمل کر کے یکم اپریل ۱۹۲۳ء سے کام شروع کرنا تھا۔لیکن موقعہ کی نزاکت کے پیش نظر آپ نے ۱۲؍مارچ کو بعد نماز فجر احباب کو بتایا کہ رات میں نے مخالف اخبارات کا مطالعہ کیا ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ بہت سرعت کے ساتھ وہ ارتداد کے کام کو سرانجام دینا چاہتے ہیں۔ہم پہلے ہی ایک ماہ پیچھے کام شروع کریں گے۔اس لئے وہاں کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ (حضرت) چوہدری فتح محمد صاحب سیال جو آج وہاں جارہے ہیں ان کے ساتھ بعض افراد کو بھجوایا جائے تا کہ وہاں کے حالات کے مطابق وہ کام کرنا سیکھ لیں۔اور بعد میں جانے والوں کو دقت پیش نہ آئے۔

فرمایا ستر درخواستیں وہاں کام کرنے کے لئے آئی ہیں ان میں سے جو آج ہی مجھے ظہر سے پہلے پہلے بتا دیں میں انتخاب کر کے ظہر کے بعد انہیں بھجوا دوں۔ پہلے کام کرنے والوں کو زیادہ تکلیف کا سامنا کرنا پڑے گا۔لیکن زیادہ ثواب کا موقعہ بھی یہی ہے۔چودھری صاحب کے ساتھ جانے کے لئے میاں (صوفی) محمد ابراہیم صاحب بی ایس سی۔میاں (صوفی) عبدالقدیر صاحب بی اے۔(شیخ) یوسف علی صاحب بی اے اور لنگر والے چودھری بدرالدین صاحب تیار ہو جائیں۔ان چھ مذکورہ بالا احباب کے علاوہ چودہ احباب ظہر تک تیار ہوگئے۔(ان میں سے ایک نے یوپی سے شامل ہونا تھا۔اور ایک کو خود حضور نے روک لیا تھا)اس وفد میں حضرت ''شیخ عبدالرحمٰن صاحب نومسلم قادیانی'' بھی تھے۔گویا آپ کو **السابقون الاولون** میں شامل ہونے کی توفیق عطا ہوئی۔اس وفد میں پانچ گریجویٹ گئے۔☆

نماز ظہر کے بعد ایک بڑے مجمع کے ساتھ حضور ان اصحاب کو روانہ کرنے کیلئے دوڈیڑھ میل تک قصبہ سے باہر وہاں تک تشریف لے گئے جہاں قادیان کی سڑک بٹالہ کی سڑک سے ملتی ہے۔وہاں جو کنواں ہے وہاں ان اصحاب کو سامنے بٹھا کر ایک ولولہ انگیز تقریر فرمائی اور پھر دعا کی اور سب کے ساتھ مصافحہ کر کے رخصت فرمایا۔

اس موقعہ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ حضرت اُمّ المؤمنینؓ چند مستورات کے ہمراہ پا پیادہ وہاں تشریف لائیں اور دعا کی اور اپنے فرزندوں کو اپنی آنکھوں سے اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے روانہ ہوتے ملاحظہ فرمایا۔

روانگی کے بعد حضرت خلیفہ ثانی تھوڑی دیر تک یکوں کی طرف دیکھتے اور دل میں دعائیں کرتے رہے۔واپسی پر ارشاد فرمایا کہ دوست ایک ترتیب سے چلیں۔سو بچوں سے بوڑھوں تک سب نے پہلے دس دس کی، پھر پانچ پانچ کی اور پھر چار چار کی قطار میں قصبہ تک مارچ کیا۔[۱۵۶]

۵- چند دن بعد ہی بذریعہ تار مطالبہ آیا کہ فوراً بیس مبلغ اور بھجوائے جائیں۔چنانچہ مسجد (مبارک) میں ہی ساٹھ ستر احباب نے اپنے نام پیش کر دیئے۔حضور نے ان میں سے بائیس کا انتخاب کر کے انہیں اسی روز بعد عصر روانہ کر دیا۔[۱۵۷]

۶- اولین وفد کے سامنے حضور نے اپنی تقریر میں بتایا کہ

☆ ان پانچ گریجویٹ مجاہدین میں سے صرف حضرت صوفی محمد ابراہیم صاحبؓ بی ایس سی سابق ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ زندہ تھے جو لنڈن کانفرنس ۱۹۹۰ء پر پہنچے اور وہاں وفات پائی۔بہشتی مقبرہ ربوہ مدفن ہوئے۔

وہ دوست جو اس وقت محض رضائے الٰہی اور اعلائے کلمہء اسلام کے مبارک مقصد سے۔ خدا پر توکل کر کے جا رہے ہیں وہ بھی اور ان کو الوداع کہنے والے سورہ فاتحہ کے مضمون پر توجہ کریں جو ابھی میں نے پڑھی ہے۔

باوجود جماعت کی ناتوانی کے اور تعداد کی نہایت کمی کے آٹھ کروڑ مسلمانوں میں وہ جوش نہیں۔ مسلم اخبارات کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی حالت مایوسانہ ہے۔ اور مخالفین کی آواز فاتحانہ ہے۔ ان حالات میں سورۃ فاتحہ ہماری ہمت بندھاتی ہے۔ جس زمانہ میں آغاز اسلام میں مسلمان مردوں اور عورتوں پر انتہائی مظالم ڈھائے جاتے تھے اور پھر حبشہ کی طرف ہجرت کرنا پڑی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ الحمدللہ پڑھو کہ مجھے اللہ تعالیٰ میں خوبیاں ہی خوبیاں نظر آتی ہیں۔ میرے لئے تو خوشیاں ہی خوشیاں ہیں۔ کوئی رنج اور دکھ نہیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ میں **الحمد للہ رب العلمین** نہ کہوں۔ چنانچہ بالاخر یہ ثابت ہوا کون راستی پر تھا۔ کس کو طاقت حاصل ہوئی۔ مخالفتیں سب اڑ گئیں۔ اور سکھ، مسلمانوں کے لئے ہی رہ گیا اور روحانی راحت صرف مسلمانوں کو حاصل تھی۔

مسلمان اس وقت ہمارے مخالفوں کے ساتھ ہیں۔ ابتدائے اسلام میں جیسے مسلمان قلیل تھے تمہاری بھی یہی حالت ہے۔ وہ بزدل نہ تھے۔ مومن بزدل نہیں ہوتا۔ اس کے دل میں ایمان اور خدائی مدد پر بھروسہ ہوتا ہے۔ ایک دفعہ مخالفین کے مقابلہ میں کمک کی ضرورت تھی۔ مطالبہ پر حضرت عمرؓ نے ایک سپاہی بھجوایا اور لکھا کہ یہ ایک ہزار کے برابر ہے۔ کیونکہ بھجوانے کے لئے اور سپاہی میسر نہ تھے۔ مسلمانوں نے نعرہ ہائے تکبیر بلند کئے اور بڑی خوشی سے استقبال کیا اور یقین کیا کہ اب دشمن مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکے گا۔ ان کی نظر اپنی تھوڑی تعداد پر نہ تھی بلکہ خدا کی طاقت پر تھی۔

انکسار اختیار کرو۔ اپنی تعداد کو نہ دیکھو۔ خدا غیور ہے تم جو اس کے لئے نکلے ہو تمہیں تباہ نہ ہونے دے گا۔ وہ ہر وادی میں، ہر ایک شہر اور جنگل میں اور میدان میں تمہارے ساتھ ہوگا۔ اور جس کے ساتھ خدا ہو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ جو ہدایات تحریر کر کے چوہدری فتح محمد صاحب کو میں نے دے دی ہیں۔ ان کو پڑھو اور ان پر عمل کرو تو دیکھو گے کہ نصرت الٰہی تمہیں کس طرح کامیاب کرتی ہے۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی دعا ہر بستی میں داخل ہوتے وقت پڑھو۔ ہمیشہ نرمی اور محبت سے کام کرو۔ اخلاق فاضلہ کا نمونہ دکھاؤ۔ خدا کا حق عبادت ہے اس میں سستی کو پاس نہ آنے دو۔ بندوں کے حقوق ادا کرو۔ دعاؤں پر بہت زور دو۔ افسر کی اطاعت کرو۔ اطاعت سے ذرا منہ پھیرنا

ہلاکت کا باعث ہوتا ہے۔احد کا حال سب کو معلوم ہے۔لباس اور خوراک میں جہاں تک ممکن ہوسادگی ہو۔اعلیٰ نمونہ دکھاؤ۔باہم محبت اور پیار سے رہوتا دیکھنے والوں کو معلوم ہو کہ تم ایک دوسرے پر فدا ہو۔سخت کلامی مقابلۃً بھی نہ کرو۔ملکانہ لوگ تمہاری باتیں سنیں یا نہ سنیں۔اور ہزاروں لوگ سلسلہ میں داخل ہوں گے۔

جو لوگ یہاں ہیں ان کے دل میں بھی جوش ہونا چاہیئے کہ وہ بھی خدمت دین کے لئے جائیں۔جانے والوں کے لئے بھی دعا کرو۔اسلام پر کیسا وقت ہے اس سے ایسی محبت کرو جو ماں سے بڑھ کر ہو اور خدمت اسلام کیلئے تیار ہو جاؤ۔[۱۵۸]

۷- حضرت بھائی جی اور دیگر سب نے نہایت جانفشانی اور انتھک محنت سے حالات معلوم کئے۔حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال امیر المجاہدین کا صدر دفتر آگرہ میں قائم ہوا۔ان سب مجاہدین نے تیز،چلچلاتی دھوپ میں کئی کئی میل روزانہ پیدل سفر کیا۔کھانا تو الگ رہا بعض اوقات ان کو پانی بھی نہ مل سکا۔یا بچا کھچا باسی کھانا کھاتے یا بھونے ہوئے چنے۔موقعہ ملتا تو آٹے میں نمک ڈال کر روٹی پکا لیتے۔جہاں موقع ملتا رات گذار لیتے۔دودھ کی تواضع ملکانوں سے قبول نہ کی۔بعض رؤساء نے مبلغین کے بستر اور سامان کے لئے مزدور دینا چاہئے۔لیکن یہ جانباز مجاہد اپنا سامان اٹھائے پیدل سفر کرتے رہے۔ایک گاؤں میں کام ختم ہونے پر اس بات کی پرواہ کئے بغیر کہ کیا وقت ہے یا دوسرا گاؤں کتنے فاصلے پر ہے۔فوراً آگے روانہ ہو جاتے۔انہوں نے بعض اوقات اندھیری راتوں میں ایسے تنگ اور پرخطر راستوں سے سفر کیا جہاں جنگلی سور اور بھڑیئے بکثرت پائے جاتے تھے۔یہ مجاہدین ان لوگوں پر پانی تک کا بھی بوجھ نہ ڈالتے۔اور یہ کہتے کہ ہمارے آدمی آپ لوگوں کو دین سکھانے کے لئے آئیں گے جو آپ سے کچھ نہ لیں گے بلکہ اپنا خرچ بھی آپ برداشت کریں گے۔یہ لوگ چونکہ اپنے مولویوں کی شکم پروریوں کی وجہ سے بہت بدظن ہو چکے تھے اس لئے ان کے نزدیک یہ بات بہت بڑی حیرت انگیز تھی کہ ایسے خدام دین بھی موجود ہیں جو رضا کارانہ طور پر تبلیغ اسلام کا فریضہ ادا کرنے کا بیڑہ اٹھائے ہوئے ہیں۔

ان تمام مجاہدین نے چند دن کے اندر پانچ اضلاع اور ایک ریاست کا مکمل جائزہ پیش کیا۔حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب نے نہ صرف تین دن کے اندر اندر ضلع ایٹہ کے اکثر دیہات کا دورہ مکمل کرلیا۔بلکہ ہر گاؤں کے متعلق ایسے تفصیلی کوائف بھی مہیا کئے گویا مدت سے ان دیہات میں آپ کی آمدورفت تھی۔[۱۵۹]

حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال امیر المجاہدین ایک رپورٹ میں آگرہ سے تقسیم کار کے تعلق میں رقم کرتے ہیں کہ

تبلیغی مرکز آگرہ میں میرے ساتھ مولوی (صوفی) محمد ابراہیم صاحب بی۔ایس سی اور منشی غلام نبی صاحب ایڈیٹر الفضل کام کرتے ہیں۔مولوی جلال الدین صاحب (شمس) مولوی فاضل اور مہاشہ محمد عمر صاحب نومسلم سابق طالب علم گوروکل کانگڑی آریوں کے متعلق ہفتہ میں دوبار آگرہ میں لیکچر دیتے اور پبلک کو آریہ دھرم کی حقیقت بتاتے ہیں۔اور باقی ایام میں اردگرد کے دیہات میں تبلیغ کرتے ہیں (وغیرہ وغیرہ) شیخ عبدالرحمان صاحب قادیانی نومسلم دورہ کر کے مبلغین کو ہدایات پہنچاتے اور نئے حالات سے تبلیغی مرکز میں اطلاع دیتے اور ہر طرح کام کی نگرانی بھی کرتے ہیں۔[۱۶۰]

۸- حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خاص توجہ اور مجاہدین کی عظیم الشان کارکردگی کے اظہار کے لئے یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ جلد ہی مجاہدین کی تعداد نوے ہوگئی تھی جو اضلاع متھرا، فرخ آباد، ایٹہ، علی گڑھ، مظفر گڑھ، اٹاوہ اور ریاست بھرت پور میں مصروف تھے۔کئی مراکز بنائے گئے تھے۔روزانہ رپورٹیں موصول ہوتی تھیں۔حضور چودہ اصحاب کبار کے ساتھ مشاورت فرماتے تھے اور صدر دفتر آگرہ کو ہدایات بھجواتے تھے۔

چند ماہ کے اندر مجاہدین کی مساعی مثمر ثمرات حسنہ ہوکر چھ اضلاع میں ارتداد ایک حد تک رک گیا۔سینکڑوں لوگ جو کلمہ تک سے ناآشنا تھے، اسلامی تعلیم حاصل کرنے اور نماز روزہ کی پابندی کرنے لگے۔قلیل عرصہ میں ہی پچیس مدارس کھل گئے تھے ڈیڑھ درجن غیر آباد مساجد آباد کی جا چکی تھیں۔مخالفین نے لوگوں کو ورغلایا کہ احمدی مسلمان نہیں۔ان کو چوپال میں ٹھہرنے سے منع کردو۔انہوں نے جواب دیا کہ جو لوگ اپنا خرچ کرتے ہیں۔کھانا اپنا کھاتے ہیں۔ہمارے بچوں کو پڑھاتے ہیں اور انہیں دین سکھاتے ہیں۔ہم ان کو کس منہ سے کہیں کہ نکل جاؤ۔[۱۶۱]

۹- محترم بھائی جی کی مراجعت کے بارے مرقوم ہے کہ ''تیسری سہ ماہی کا دوسرا وفد جانے پر پہلے مجاہدین کا ایک حصہ اپنی سہ ماہی پوری کر کے واپس آ گیا ہے۔بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی بھی آئے ہیں۔آپ نے چھ ماہ (اس) میدان میں کام کیا ہے۔[۱۶۲]

۱۰- بعد ازاں ایک خصوصی کام حضرت بھائی جی اور حضرت مولوی فضل الدین صاحب پلیڈر کے سپرد کر کے آگرہ بھجوایا گیا۔[۱۶۳]

۱۱- کن حالات میں میدان ارتداد میں ان مجاہدین کو کام کرنا پڑا یہ ایک طویل سرگذشت ہے۔اسی طرح مسلم وغیر مسلم طبقات نے امام جماعت احمدیہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو کیا کیا خراج تحسین ادا کیا۔یہ بھی بہت تفصیل طلب ہے۔ایک دو امور کا یہاں ذکر کرنا مناسب ہے۔

ایک غیر از جماعت دوست ڈاکٹر محمد اشرف صاحب مراد آبادی نے اپنا واقعہ یہاں ''نقوش آپ بیتی نمبر'' بابت جون ۱۹۶۴ء سے بحوالہ تاریخ احمدیت جلد پنجم ۔صفحہ ۳۶۱ یہاں درج کیا جاتا ہے ڈاکٹر صاحب نے تحریر کیا ہے کہ میں تحصیل ہاتھرس میں اپنے ننھیال میں گیا۔میں نے دیکھا کہ میرے نانا کی چوپال پر قادیانی مولویوں نے مدرسہ کھول رکھا ہے اور بچے قرآن پڑھ رہے ہیں۔مولوی صاحب مجھے تپاک سے ملے۔جب انہیں اندازہ ہوگیا کہ مجھے قادیانیوں سے کوئی تعصب نہیں تو مجھے کہا کہ اپنے نانا سے سفارش کردو کہ اس چوپال پر مدرسہ والی جگہ پر مسجد بنانے کی اجازت دے دیں یہاں روزانہ باجماعت نماز ہوتی ہے۔میں نے نانا صاحب سے یہ ذکر کر دیا اور اپنی طرف سے حمایت بھی کردی۔ایک روز باہم گفتگو کررہے تھے کہ میرے نانا آگئے اور کہا کہ مولوی!اب تک تو میں خاموش تھا۔مگر آج آپ نے مسجد کی بات شروع کی ہے تو میں بھی کہہ ڈالوں۔دیکھئے جس ہفتہ آپ نے نماز پڑھنا شروع کی۔میری گائے مرگئی۔دوسرے مہینہ جب آپ باجماعت نماز پڑھنے لگے تو میری بڑی لڑکی بیمار پڑگئی اور وہ اب تک بیمار چلی آرہی ہے۔اب آپ ہی سوچئے کہ جب خدا ہم سے ذرا دور ہے تو یہ مصیبتیں نازل ہوتی ہیں اور اگر اس کا گھر ہی یہاں آگیا۔(یعنی مسجد بنی) تو پھر وہ سب کو مار ڈالے گا۔ایک بھی ہم میں سے زندہ نہ بچے گا۔سو اس گاؤں میں مسجد اب تک نہیں ہے۔

چودھری افضل حق صاحب نے جو مفکر احرار سے یاد کئے جاتے ہیں۔اس تحریک ارتداد کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

''مسلمان پبلک کو چاہئے کہ فتویٰ بازوں سے مطالبہ کریں کہ وہ غیر اقوام میں تبلیغ کر کے غیروں کو اپنا سچا ہم خیال مسلمان بنائیں تا کہ ان پر یہ راز کھل جائے کہ مسلمانوں کو کافر بنانا کتنا آسان اور کافر کو مسلمان بنانا کس قدر دشوار ہے۔مگر مسلمان فتنہ باز کسی کے روکے نہیں رکتے تو انہیں اجازت دی جائے کہ جہاں وہ مسلمانوں کو کافر بناتے ہیں وہاں کبھی کبھی غیر قوموں میں تبلیغ بھی کریں تا کہ ان کا مزاج اعتدال پر آجائے۔سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں دینی مکاتب ہندوستان میں جاری ہیں۔مگر سوائے احمدی مدارس ومکاتب کے کسی اسلامی مدرسہ میں غیر اقوام میں تبلیغ واشاعت کا جذبہ طلباء میں

پیدا نہیں کیا جاتا۔کس قدر حیرت ہے کہ سارے پنجاب میں سوائے احمدی جماعت کے اور کسی ایک فرقے کا بھی تبلیغی نظام موجود نہیں۔''

ایک شدید مخالف غیر مسلم انجمن کا ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ تھوڑی دیر کے لئے اس کی وجہ سے مسلمان چوکنے ہوئے لیکن

''حسب معمول جلدی خواب گراں طاری ہوگیا۔مسلمانوں کے دیگر فرقوں میں تو کوئی جماعت تبلیغی اغراض کے لئے پیدا نہ ہوسکی۔ہاں ایک دل مسلمانوں کی غفلت سے مضطرب ہوکر اٹھا۔ایک مختصر سی جماعت اپنے گرد جمع کر کے اسلام کی نشر واشاعت کیلئے بڑھا۔......مرزا غلام احمد......اپنی جماعت میں وہ اشاعتی تڑپ پیدا کر گیا جو نہ صرف مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے لئے قابل تقلید ہے بلکہ دنیا کی تمام اشاعتی جماعتوں کے لئے نمونہ ہے۔'' [۱۶۴]

حضرت عرفانی صاحب جائزہ اور مدح وتوصیف

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی ''مدیر الحکم'' نے اس علاقہ کی تبلیغ کے حالات میں بتایا ہے کہ وہاں کا قیام سخت کٹھن تھا۔سخت چلچلاتی دھوپ میں سفر کرنا ہوتا۔ماحول مخالف۔چھوت کے باعث پانی تک کا حصول مشکل۔کھانے کا انتظام خود کرنا ہوتا تھا اس لئے اکثر اوقات چنوں پر گذارہ کرنا پڑتا یا جو کے ستو پر یا زیادہ سے زیادہ چنے کی نمکین روٹی پر جسے پانی کے ساتھ کھالیا جاتا۔[۱۶۵]

حضرت عرفانی صاحب نے حضرت بھائی جی کے متعلق جو کچھ دیکھا ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے:

الٰہی سلسلے اور ابتلاء اور تائیدات الٰہیہ لازم وملزوم ہوتے ہیں جو مومنین کے کمالات مخفیہ کے اجاگر کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ان احمدی مجاہدین کے اخلاص کا اندازہ تو اسی ایک امر سے ہوجاتا ہے کہ وہ اپنے ذاتی اخراجات پر میدان عمل میں گئے ہیں اور سفر اور غریب الوطنی کی تمام صعوبتوں کو انہوں نے بلند حوصلہ سے قبول کیا۔یہ ظاہر ہے کہ فضل الٰہی کے بغیر بڑے دل گردہ کے لوگ بھی حوصلہ ہار جاتے ہیں۔

حضرت امام جماعت احمدیہ کی پکار پر احباب نے شرح صدر سے لبیک کہا۔پھر انہوں نے اپنے عمل سے ظاہر کردیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خاطر نکلے ہیں۔وہ میدان عمل میں پہنچے تو انہیں غریب الوطنی کے علاوہ ایک اجنبی اور جذبات عداوت سے جلد متاثر ہوجانے والی قوم میں اپنے آپ کو محصور پایا۔دوسروں کی نظر

میں جو تکالیف ہیں وہ پیغام امن لے جانے والے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لئے نہیں جو مئے روحانی کے نشہ میں سرشار ہیں۔

مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل سے یقین ہے کہ میں جو ایک شخص کا نام لے کر تعریف کرنے لگا ہوں وہ تعریف اس جہاد میں جانے والوں کے اخلاص وصدق و وفا کے جذبات کو ریاء سے تبدیل نہیں کرے گی۔ ان میں ایک ہی چیز ہے۔ اسی کے لئے جزاء اور اسی کے لئے وفا۔

''میں نے شیخ عبدالرحمٰن قادیانی کو دیکھا ہے کہ زمین اس کے لئے لپیٹی جاتی تھی۔ لوگ اس کو مبالغہ سمجھ سکتے ہیں مگر میں کیا کروں میں نے تو جو آنکھوں سے دیکھا وہ بیان کرتا ہوں۔ پچھلی کہانیوں میں پڑھا کرتے تھے کہ ایک ولی اللہ ظہر کی نماز کے وقت فلاں جگہ دیکھے گئے اور عصر کے وقت فلاں جگہ پر۔ یہ خیالی باتیں نظر آتی تھیں مگر آج واقعات بتا رہے ہیں کہ خدا اپنے بندوں کے لئے کیا کرشمے اور عجائبات قدرت دکھاتا ہے۔ سمجھ میں آ سکتا ہی نہیں کہ ایک شخص کس طرح پر پیادہ پا، بھوکا پیاسا دو چار نہیں پچیس تیس میل کا سفر چند گھنٹوں میں کرسکتا ہے۔ ہمارے ساتھ شیخ صاحب موصوف کو چلنا پڑا۔ ہم خود سوار تھے وہ ہم سے الگ ہو کر سب سے پہلے ایک مقام سے روانہ ہوتے ہیں اور کئی مقامات کا دورہ کر کے پھر ہم کو آ ملتے ہیں اور تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت چوتھا وقت ہے کہ کچھ کھایا نہیں۔ روٹی کا ایک لقمہ بھی اس شخص کے حلق میں نہیں اترا۔

کیا یہ معجزہ نہیں کہ ایک شخص شدت دھوپ میں سفر کر رہا ہے اس کو کھانے کے لئے کچھ بھی چار وقت سے نہیں مل سکا۔ اور آرام کرنے کا کوئی موقعہ ہی نہیں ملا۔ پھر اس کوفت اور سفر کی اس طوالت نے اس کے عزم اور حوصلہ میں کوئی کمی پیدا نہیں کی؟ وہ پھر بھی سارے قافلہ سے زیادہ ہوشیار اور تیز اور آگے ہے۔'' [۱۶۶]

مؤلف کے استفسار پر حضرت بھائی جی تحریر فرماتے ہیں کہ

''ملکانہ میں جانے والے پہلے وفد میں میں قبول کیا گیا تھا اور حضور نے خوش ہو کر میری خدمات سے مجھے تین ماہ بعد واپس بھی نہ آنے دیا۔ بلکہ حکم دیا کہ وہیں رہو۔ چنانچہ کم وبیش نو دس ماہ وہاں خدمات بجا لاتا رہا اور میری رپورٹوں کو حضور نے ایسا نوازا اور پسند فرمایا کہ نوجوان مبلغین کے لئے بطور مثال پیش فرمایا کرتے۔ اور نائب المجاہدین حضرت قاضی محمد عبداللہ صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ حضور کا حکم خاص پہنچا تھا کہ عبدالرحمٰن قادیانی کی رپورٹوں کو محفوظ رکھا جایا کرے'' [۱۶۷]

حضور نے ایک مکتوب میں بھائی جی کو تحریر فرمایا:

''آپ کی تفصیلی رپوٹیں پہنچ رہی ہیں جزاکم اللہ۔محمد احمد صاحب پیر کو پہنچ رہے ہیں۔غلام احمد صاحب آرہے ہیں اور بعض اور نوجوان بھی۔اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو کام کرنے کی توفیق دے اور کام میں برکت دے''۔☆ [۱۶۸]

حضرت خلیفہ ثانی کی طرف سے تحسین

''مژدہ باد عبدالرحمٰن قادیانی و بھائی عبدالرحیم قادیانی''

''مژدہ باد......قادیانی'' مرقومہ بالا کے زیر عنوان الحکم بابت ۷/اگست ۱۹۲۳ء میں درج ہے کہ

''۳۱/جولائی ۱۹۲۳ء کو گفتگو کے دوران میں حضرت اقدس خلیفہ ثانی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ ہندوؤں میں سے بعض ایسے لوگ اس سلسلہ میں آئے ہیں کہ ان کی خدمات اور غیرت اسلام پر رشک آتا ہے اور وہ دوسرے دس دس ہزار مسلمانوں کے مقابلہ میں ایک ہیں۔ان میں سے بھائی عبدالرحمٰن قادیانی اور بھائی عبدالرحیم قادیانی کا نام لیا۔میں اپنے ان دونوں مخلص بھائیوں کو، جن کے ساتھ مجھے خصوصیت سے ہمیشہ سے محبت ہے۔مبارکباد دیتا ہوں۔وہ خدا کے رحم اور فضل سے اپنی اس ایمانی قوت میں اتنی ترقی کریں کہ دس ہزار نہیں دس لاکھ کے برابر ہوں، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔خدا تعالیٰ ہمیں بھی ایسی ہی توفیق دے۔آمین۔ازنعمانی۔* اللھم آمین و نیز مبارکباد''۔(صفحہ۲)

ارتداد میں پھر تیزی آنا اور اعلان جہاد کیا جانا

۱۹۲۳ء والی انسداد ارتداد کی جنگی سطح کی کارروائیاں بفضلہٖ تعالیٰ کامیاب رہیں۔غیر مسلموں اور

☆ حضرت شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ امیر جماعت ہائے احمدیہ ضلع فیصل آباد (خلف حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ کپورتھلوی) اور حضرت قاری غلام حم صاحبؓ مراد ہیں۔

* نعمانی سے مراد (حضرت پیر سراج الحق صاحبؓ نعمانی ہوں گے۔جو شاید اس وقت کاتب ہوں۔وہی اس نام سے معروف تھے۔[۱۶۹]

مسلمانوں کی مخالفتیں نا کامی کا شکار ہوئیں۔اس وقت کی قائم شدہ جماعتیں قائم ہیں۔ان نومسلم احمدیوں کا ایک حصہ بعد میں قادیان اب تک آتا رہا۔کچھ حصہ پاکستان بننے پر پاکستان چلا گیا۔وہاں کے طلباء تعلیم کے لئے قادیان آتے ہیں۔وہاں کی بعض بچیوں کی شادیاں قادیان اور پاکستان میں ہوئیں۔یہ قائم شدہ جماعتیں مستحکم ہیں۔تقسیم ملک کے بعد حالات تبدیل ہونے پر نہ صرف ملکانہ کے علاقہ میں بلکہ یوپی کے دیگر علاقوں،راجستھان،مغربی بنگال،مدراس اور کلکتہ کے نواح میں نیم مسلمانوں کو غیر مسلموں میں ملا لینے کی منظّم کوششیں ہندو تنظیموں ہندو وشو پرشد نے برلا اور ڈالمیا جیسے اربوں پتیوں کی بھرپور مالی تعاون سے کرنا شروع کیں اور ساتھ ہی یہ پرزور پراپیگنڈا کیا گیا کہ عرب کی پیٹرو ڈالر طاقت سے مسلمان ان لوگوں کو مسلمان بنا رہے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ بعض مسلم تنظیمیں غلط کوائف اپنی کوششوں کے عربی میں شائع کر کے ہندوستان میں مخفی رکھ کر،سعودی عرب حکومت کو بھجوا کر بھاری رقوم حاصل کرتے ہیں۔

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ تعالیٰ نے ازراہ کرم ۱۹۸۶ء کی سہ ماہی اول میں خاکسار (مؤلف) کو ناظر اعلیٰ مقرر فرمایا تھا۔اور اس حیثیت سے خاکسار کو اس سال لندن کانفرس میں شمولیت کا بھی ارشاد فرمایا۔اختتام کانفرنس کے بعد ایک خطبہ جمعہ میں حضور نے فرمایا کہ ہندو تنظیمات کی طرف سے یہ فتنہء ارتداد عروج پر پہنچ چکا ہے۔سو حضور نے اس کے خلاف اعلان جہاد فرمایا اور خاکسار کو اپنے ساتھی سمیت فوراً اس جہاد کے لئے واپس جانے کا ارشاد فرمایا۔چنانچہ ہم چند دن کے اندر واپس ہوئے۔اور خاکسار نے دو ذمہ دار احباب مرکز کے ساتھ سانڈھن وغیرہ علاقہ ارتداد کا جائزہ لے کر صورت حالات سے حضور کی خدمت میں اطلاع دی۔اور فروری ۱۹۸۷ء سے حضور کی ہدایات کے مطابق کام شروع کیا گیا۔یہ کام وقف جدید کے سپرد حضور نے فرمایا۔خاکسار اس وقت ناظم وقف جدید ہے۔ایک مرکز راجستھان میں ہے راجستھان اور یوپی کے لئے اور ایک مرکز حیدرآباد دکن میں ہے۔ضلع دارنگل وغیرہ علاقہ کے لئے جہاں نیم ہندو مسلمان کئی اضلاع میں ہیں۔اور ایک علاقہ کلکتہ کے نواح میں ہے۔حضور کی ہدایات اور دعاؤں اور خصوصی توجہ سے یہ کام کامیاب ہو رہا ہے۔نظارت ہائے علیا،دعوۃ وتبلیغ اور وقف جدید کے باہم تعاون سے۔فالحمدللہ

(نوٹ ستمبر ۱۹۹۰ء) خاکسار کی درخواست پر خاکسار کو جون ۱۹۸۹ء سے ناظم وقف جدید کے کام سے فارغ کر دیا گیا ہے۔تاکہ خاکسار تالیف اصحاب احمد کا کام کر سکے۔اب مکرم خورشید احمد صاحب انور

ناظم وقف جدید اور خاکسار آنریری صدر مجلس وقف جدید ہے۔ حضور کے منشاء وخصوصی نگرانی سے یہ کام بہت وسعت پذیر ہے۔ فالحمدللہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا اولین سفر یورپ (۱۹۲۴ء)

۱۔ کئی پیشگوئیوں کو پورا کرنے والا سفر

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کا اولین سفر یورپ ۱۹۲۴ء میں ہوا جو نہایت مبارک اور کئی پیشگوئیوں کو پورا کرنے والا تھا۔ اس تاریخی سفر کے مخلص رفقاء قابل رشک ہیں اور ان کی نسلوں کیلئے یہ امر رہتی دنیا تک سرمایہء افتخار ہے۔ اس سفر کے حالات باعث ازدیاد ایمان ہیں۔ لیکن یہاں حضرت بھائی عبدالرحمٰن کے تعلق میں صرف مختصر سا تذکرہ کیا جانا مناسب ہے۔

۲۔ سفر کا مقصد اور اس کے متعلق مشورہ

ویمبلے پارک لندن میں منعقد کی جارہی مذاہب کانفرنس میں شرکت کیلئے حضور کو دعوت نامہ موصول ہوا۔ آپ نے احباب قادیان وبیرون سے مشورہ کیا اور استخارہ کیا اور دوسروں سے بھی استخارہ کروایا اور غور وفکر کیا۔

آپ نے دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لیکچر لاہور اور براہین احمدیہ حصہ پنجم میں اپنے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں ذوالقرنین کے ذکر میں میرے متعلق پیشگوئی ہے۔ اور اس میں میرا نام ذوالقرنین رکھا گیا ہے۔ اور ذوالقرنین نے مغربی ممالک کی طرف سفر کیا تھا۔ سو مسیح موعود یا اس کے کسی خلیفہ کو مغربی ممالک کا سفر کرنا پڑے گا اور حدیث نزول عیسیٰ کی پیشگوئی کے بارے حضرت اقدس نے حمامتہ البشریٰ میں بیان فرمایا ہے کہ **یسافر المسیح الموعود او خلیفة من خلفاء ہ الیٰ ارض دمشق** کہ مسیح موعود یا اس کا کوئی خلیفہ دمشق کا سفر اختیار کرے گا۔

مزید غور کرنے پر آپ کو معلوم ہوا کہ مغربی ممالک کا سفر ذوالقرنین اسلامی انقلاب کی تبلیغی سکیم تیار کرنے کے لئے ہوگا۔ حضرت مسیح موعود کا ایک رؤیا بھی ہے کہ میں شہر لنڈن میں ایک منبر پر کھڑا ہوں اور انگریزی زبان میں ایک نہایت وائل بیان سے اسلام کی صداقت ظاہر کر رہا ہوں۔ اس کے بعد میں نے

بہت سے سفید رنگ کے پرندے پکڑے جو چھوٹے چھوٹے درختوں پر بیٹھے تھے۔خود حضرت خلیفۃ المسیح نے اس دعوت نامہ کے موصول ہونے سے پہلے کئی رؤیاؤں میں سفر یورپ کا نظارہ دیکھا۔ چنانچہ آپ نے دیکھا کہ وزیراعظم برطانیہ نے دہشت زدہ ہوکر کہا مجھے خبر آئی ہے کہ مرزا محمود احمد امام جماعت احمدیہ کی فوجیں عیسائی لشکر کو دباتی چلی آرہی ہیں۔اور مسیحی لشکر شکست کھا رہا ہے۔اور یہ بھی دیکھا کہ آپ بطور اولوالعزم فاتح، انگلستان میں وارد ہوئے ہیں۔

سوحضور نے ایک اعلان میں فرمایا کہ ہماری جماعت کا کام ساری دنیا میں تبلیغ اسلام کرنا ہے جس کے لئے ایک مکمل نظام تجویز کرنے کیلئے ضروری ہے کہ جماعت احمدیہ کا خلیفہ مغربی ممالک کی حالت اور مشکلات کو وہاں جا کر دیکھے۔اس لئے میں نے باوجود بہت سی مشکلات کے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس سفر کو خود اختیار کروں مذہبی کانفرس میں شمولیت کی غرض سے نہیں بلکہ مغربی ممالک میں تبلیغ کے لئے ایک مستقل سکیم تجویز کرنے کے لئے اور تفصیل سے وہاں کے حالات سے واقف ہونے کے لئے۔ کیونکہ مغربی ممالک ہی اسلام کے راستہ میں ایک دیوار ہیں جس دیوار کا توڑنا ہمارا مقدم فرض ہے۔

حضور نے سفر کے دوران میں جماعت کے نام ایک مکتوب میں ایک زبردست خطرہ کے بارے متنبہ کیا کہ مبادا یورپ اسلام کو تو قبول کرے۔لیکن اسلامی تمدن اپنانے سے انکار کردے۔تب اسلام کی مسخ شدہ صورت پہلے یورپ میں اور پھر ساری دنیا میں قائم ہوجائے گی اور مسیحیت کی طرح اسلام بھی مسخ ہوجائے گا۔

حضور نے اس مکتوب میں رقم فرمایا کہ

''ہمارا فرض ہے کہ اس مصیبت کے آنے سے پہلے اس کا علاج سوچیں۔اور یورپ کی تبلیغ کے لئے ہر قدم جو اٹھائیں اس کے متعلق پہلے غور کرلیں۔اور یہ نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہاں کے حالات کا عینی علم حاصل نہ ہو۔پس اسی وجہ سے باوجود صحت کی کمزوری کے میں نے اس سفر کو اختیار کیا ہے۔...... اے قوم! میں ایک نذیر عیاں کی طرح تجھے متنبہ کرتا ہوں کہ اس مصیبت کو کبھی نہ بھولنا۔اسلام کی شکل کو کبھی نہ بدلنے دینا۔جس خدا نے مسیح موعود کو بھیجا ہے وہ ضرور کوئی راستہ نجات کا نکال دے گا۔پس کوشش نہ چھوڑنا۔نہ چھوڑنا۔نہ چھوڑنا۔آہ! نہ چھوڑنا۔میں کس طرح تم کو یقین دلاؤں کہ اسلام کا ہر ایک حکم نا قابل تبدیل ہے۔خواہ چھوٹا ہو خواہ بڑا...... جو اس کو بدلتا ہے وہ اسلام کا دشمن ہے۔وہ اسلام کی تبدیلی کی بنیاد رکھتا ہے۔کاش وہ پیدا نہ ہوتا! ...... یورپ کے لئے تو اسلام کا قبول کرنا مقدر ہو چکا ہے۔ ہمارا فرض یہ ہے

کہ ہم دیکھیں کہ وہ ایسی صورت سے اسلام قبول کرے کہ اسلام ہی کو نہ بدل دے۔

۳- رفقائے سفر

حضور کے رفقاء سفر احباب ذیل تھے:

حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب۔ چوہدری فتح محمد صاحب سیال۔ مولوی عبدالرحیم صاحب درد۔ مولوی ذوالفقار علی خاں صاحب ۔حافظ روشن علی صاحب۔ شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی۔ بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی۔ شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری۔ چودھری علی محمد صاحب۔ میاں رحیم دین صاحب اور چودھری محمد شریف صاحب ایڈووکیٹ بعدہ امیر ضلع ساہیوال۔۔(چودھری محمد ظفراللہ خاں صاحب پہلے ہی روانہ ہو چکے تھے۔[۱۷۰]

۴- قادیان سے روانگی سے پہلے مزار حضرت اقدس پر اور بیت الدعاء میں دعائیں

روانگی سے ایک روز قبل صبح کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار پر حضور نے لمبی دعا کی۔ پھر جنوب میں واقع موضع ننگل میں سے گذر کر موضع کاہلواں کی طرف سڑک پر جا کر دوسرے راستہ سے پھر بہشتی مقبرہ میں آئے اور پھر مزار حضرت اقدس پر دعا کی۔ مسجد اقصیٰ میں بعد عصر حضور کا رفقاء سمیت فوٹو لیا گیا۔ حضور کا لباس تھا سفید پگڑی۔ کھلے گلے کا لمبا کوٹ اور سفید شلوار اور رفقاء کا لباس تھا سبز پگڑی۔ کوٹ سیاہ بند گلے کا اور پاجامہ۔

۱۲/جولائی کو روانگی کے روز صبح ہی حضور نے مزار حضرت اقدس پر دعا کی ۔ایک بڑا ہجوم مسجد مبارک کے قریب جمع ہوگیا۔ حضور نے صبح آٹھ بجے بیت الدعاء میں لمبی دعا کی۔ پھر حضور پاپیادہ احباب سمیت سڑک کے موڑ تک تشریف لے گئے ۔اور احباب سمیت لمبی دعا کی۔ پھر مجمع میں سے نکل کر حضرت ام المومنین کے پاس گئے۔ جنہوں نے دیر تک آپ کو گلے لگا کر دعائیں دیں اور رخصت کیا۔ پھر حضور سب احباب سے مصافحہ کر کے اپنے رفقاء سمیت موٹروں پر بٹالہ کی طرف روانہ ہو گئے ۔[۱۷۱]

۵- سفر بٹالہ تا بمبئی

بٹالہ سے بمبئی تک بذریعہ ٹرین سفر ہوا۔ راستہ کے ریلوے اسٹیشنوں پر دہلی تک ان مقامات کے علاوہ اردگرد کے مقامات کے قریباً سات ہزار احباب نے حضور سے ملاقاتیں کیں۔ بمبئی پہنچنے تک دو روز حضور کی ہدایت کے مطابق رفقاء باہم انگریزی اور عربی میں گفتگو کرتے تھے۔ عدن سے روانگی پر پھر یہی ہدایت تھی۔[۱۷۲]

۶- بمبئی سے روانگی کا منظر

بمبئی سے ۱۵ ر جولائی کو بحری جہاز سے روانگی ہوئی۔ الوداع کہنے کے لئے جماعت بھاری تعداد میں موجود تھی۔ حضور نے لمبی دعا کی۔ آپ کی شفقت کا یہ نظارہ دیکھنے میں آیا کہ جہاز کا جو حصہ کنارہ پر موجود احباب کے نزدیک ہوتا حضور اس طرف دوڑ کر جاتے اور پھر دعا شروع کروا دیتے۔ حتیٰ کہ احباب نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ حضور دوران سفر میں رفقاء کو دعاؤں کی تاکید فرماتے تھے۔

جہازی بیماری (Sea Sickness) سے جہازی عملہ اور سارا قافلہ بیمار ہو گیا۔ خود بیمار ہونے کے باوجود حضور فرداً فرداً اپنے رفقاء کی عیادت کرتے اور ان کی دلجوئی کرتے اور نظمیں سنواتے۔ حضرت عرفانی صاحب لکھتے ہیں کہ

''سوائے چوہدری فتح (محمد) صاحب اور بھائی عبدالرحمٰن صاحب کے سب (اس مرض کا) شکار ہوئے غرض ہم تو بے دست و پا پڑے رہے۔ اور یہاں تک کہ اپنے مقام سے اٹھ کر پیشاب کے لئے بھی نہ جا سکتے تھے۔ ان ایام علالت و مجاہدہ جہازی میں بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی، چوہدری فتح محمد صاحب، ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب اور چوہدری علی محمد صاحب کی ہمدردی اور خدمت گذاری ایک گہرا نقش قلب پر چھوڑ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ انہوں نے اپنے آرام کو قربان کر کے ہم بیماروں کو آرام پہنچایا۔''

وفد کی خبر گیری اور تیمارداری کا ذکر کرتے ہوئے حضور نے فرمایا کہ

''ان دنوں اس سفر کے دوران میں بھائی جی اور چوہدری فتح محمد خاں صاحب نے شیروں کا کام کیا ہے۔ **جزاھم اللہ احسن الجزاء**''۔[۱۷۳]

حضور نے اپنے ایک مکتوب میں اس موقعہ پر بھائی جی کو خاص طور پر خدمت کا موقع ملنے کا ذکر فرمایا ہے۔[۱۷۴]

مکہ معظّمہ کے بالمواجہ نوافل پڑھنا بیت المقدس میں قبور انبیاء پر دعائیں

حیفا۔دمشق اور روما جانا

جب نصف شب کو جہاز نے جدہ اور مکہ شریف کے سامنے سے گذرنا تھا تو حضور نے دو رکعت نماز باجماعت پڑھائی اور اس میں نہایت رقت سے دعائیں کیں۔[۱۷۵]

قبور حضرت ابراہیم۔حضرت اسحٰق۔حضرت یعقوب اور حضرت یوسف اور مقامات ولادت حضرت عیسیٰ (علیھم السلام) وغیرہ اور وہ مقام جہاں حضرت عمرؓ نے نماز پڑھی تھی جسے بعد میں مسجد بنا دیا گیا تھا۔حضور نے مسلم رؤسائے فلسطین سے ملاقات کی اور انہیں مطمئن پایا کہ وہ یہود کو وہاں سے نکالنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔لیکن حضور کے نزدیک ان کا اطمینان بالاخران کی تباہی کا موجب ہونے والا تھا اور یہود نے اس ملک میں آباد ہونے میں کامیاب ہو جانا تھا۔(جیسا کہ بعد میں ہوگیا۔) حضور نے مسلمانوں کی ایک جائز شکایت کے بارے میں برطانوی گورنر کو توجہ دلائی جس نے اس شکایت کو صحیح تسلیم کیا۔[۱۷۶]

فلسطین سے قافلہ براستہ حیفا دمشق پہنچا۔جہاں حضور کا مع دو رفقاء کے قیام ایک ایسے ہوٹل میں ہوا جس کے بارے دوسرے روز معلوم کہ المنارۃ البیضاء کے شرق میں ہے۔سو حدیث شریف کی پیشگوئی پوری ہوئی۔

پھر حضور دمشق سے حیفا پہنچے۔پھر بہائیوں کا مرکز عکہ اور ایک مقام پر بہاء اللہ کی قبر دیکھی۔پھر حیفا سے پورٹ سعید جا کر برنڈزی کے لئے روانہ ہوئے۔وہاں سے بذریعہ ٹرین پوپ کے مرکز روما پہنچے۔ جہاں چار روزہ قیام میں پریس میں حضور کے تبلیغی انٹرویو شائع ہوتے رہے۔حضور نے اٹلی کے وزیر اعظم مسولینی سے بھی ملاقات کی اور جماعت احمدیہ سے انہیں متعارف کرایا۔

حضور پوپ سے ملاقات کر کے تبلیغ کرنا چاہتے تھے۔لیکن آپ کے ورود پر پوپ نے ملاقاتیں بند کر دیں۔لیکن پوپ کو پیغام حق پہنچانے کا یہ سامان ہوگیا کہ وہاں کے سب سے مشہور کثیر الاشاعت اخبار نے انٹرویو لے کر شائع کیا۔اس میں اسی سوال کا جواب بھی تھا کہ اگر آپ پوپ سے ملاقاتیں کرتے تو کیا

کہتے۔فرمایا کہ میں انہیں دعوت اسلام دیتا اور آپ نے اس کی تفصیل بیان فرمائی۔

روما میں آپ نے اصحاب کہف کی غاریں دیکھیں۔قافلہ روما سے پیرس پہنچا۔وہاں سے کیلے اور وہاں سے جہاز کے ذریعہ رودبار انگلستان عبور کر کے ڈوور(Dover) پہنچا۔[۱۷۷] حضور نے اس اخبار کے ایڈیٹر کو بتایا کہ مجھے پوپ کی طرف سے جواب ملا کہ چونکہ میرا مکان بن رہا ہے۔اس لئے ان دنوں ملاقاتیں بند ہیں۔اس ایڈیٹر نے لکھا کہ تعجب ہے کہ ایک قوم کا سردار آتا ہے اور پوپ سے ملنا چاہتا ہے اور پوپ کہتا ہے کہ چونکہ مکان کی مرمت ہو رہی ہے اس لئے میں مل نہیں سکتا۔[۱۷۸] حضور نے بتایا کہ یہ وہاں کا سب سے بڑا اخبار ہے جس کی اشاعت آٹھ لاکھ ہے اور وہ دس شہروں سے شائع ہوتا ہے۔

۸- وکٹوریہ سٹیشن (لندن) پر استقبال فتح اسلام اور کسر صلیب کے لئے سٹیٹ پال چرچ کے سامنے لمبی دعا

ڈوور سے قافلہ ٹرین پر ۲۲؍اگست ۱۹۲۴ء کو لندن کے ریلوے سٹیشن وکٹوریہ پر اترا جہاں اڑھائی تین صد احباب نے حضور کا استقبال کیا۔اخبارات کے ایڈیٹر اور فوٹو گرافر بھی موجود تھے۔سٹیشن پر اترتے ہی حضور نے قافلہ سمیت دعا کی۔پھر آپ نے لڈگیٹ پہنچ کر سینٹ پال چرچ کے دروازہ کے پاس صحن میں فتح اسلام اور کسر صلیب کے لئے لمبی دعا کی۔چاروں طرف ایک ہجوم جمع ہو گیا۔ان کے لئے یہ نظارہ عجیب تھا۔پھر حضور اپنی جائے قیام پر تشریف لے گئے اور دعا کے بعد وہاں قیام پذیر ہوئے۔برطانوی پریس میں آپ کے بارے اس قدر وسیع چرچا ہوا کہ ایک رومن کیتھولک اخبار نے لکھا کہ تمام برطانوی پریس سازش کا شکار ہو گیا ہے۔[۱۷۹]

اپنے ساتھیوں میں حضور نے کام تقسیم کر دیئے۔چنانچہ خورد و نوش کے انتظام کی زیادہ تر ذمہ داری حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی کے سپرد تھی۔آپ اپنے اس کام کے علاوہ وقت نکال کر ہندوستان کو حالات سے آگاہ کرنے کے لئے خطوط تحریر کرتے تھے۔اور حضور کی ڈاک کے لئے بھی وقت دیتے تھے۔

حضرت بھائی جی کی ڈائریاں

(از مؤلف)۔ الفضل جلد ۱۲ نمبر ۱۹ رتا ۴۲ (۱۹ راگست) کے شمارہ میں آپ کی ڈائری درج کرتے ہوئے مکرم ایڈیٹر صاحب نے تحریر کیا ہے کہ بھائی جی نے باوجود مصروفیت کے نہایت تفصیل سے حالات بھیجے ہیں اور بہت سی ایسی باتیں بیان کی ہیں جن کا ذکر کسی اور رپورٹ میں نہیں۔ اس نمبر میں حضور کا نا تمام منظوم کلام حضور سے سن کر بھجوایا۔ یہ مشہور نظم ہے مسلمانوں کی حالت زار کے بارے میں جس کا پہلا شعر یہ ہے۔ ؎

صید وشکار غم ہے تو مسلم خستہ جان کیوں
اٹھ گئی سب جہان سے تیرے لئے امان کیوں [۱۸۰]

الفضل بابت ۲۳ رستمبر ۱۹۲۴ء میں از ''مدینۃ المسیح'' تحریر ہوا ہے حضرت مولوی عبدالمغنی خاں صاحب نے حضرت بھائی جی کی ڈائری دو دن مسجد اقصیٰ میں سنائی۔

۹- متعدد پیغامات وخطابات۔کرنل ڈگلس (پیلاطوس ثانی)

حضرت مولوی نعمت اللہ صاحب کی سنگساری پر احتجاج

حضور کی بعض دیگر مصروفیات کا مختصر ذکر کرنا مناسب ہے تا کہ اس سفر کی اہمیت اور اس کے مقاصد کے پورا ہونے کی داغ بیل ڈالے جانے سے آگاہی ہو۔

۱- حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب نیر نے نمائندگان پریس کو ایٹ ہوم پر بلانے کا انتظام کیا۔ جس میں مذاہب کانفرنس کے انتظامیہ کے بعض ممبر شریک ہوئے۔ اہل انگلستان کے نام حضور نے ایک پیغام دیا جس کا ترجمہ فی البدیہہ جناب چودھری ظفراللہ خاں صاحب نے سنایا۔ اس میں خاص طور پر اس امر کی طرف حضور نے توجہ دلائی کہ مشرق اور مغرب ایک دوسرے سے دور جارہے ہیں۔ انہیں ایک دوسرے کے قریب لانا چاہئے۔ پانی کو مفید طور پر استعمال کرنے سے وہ لاکھوں ایکڑ زمین کو سیراب کرتا ہے۔ ورنہ وہ ہزاروں گاؤں اور سینکڑوں افراد کو تباہ کر دیتا ہے۔[۱۸۱]

۲- برائٹن کا قصبہ دوصدیوں سے شاہی خاندان کی تفریح گاہ ہے۔ شاہی ایوان ملکہ وکٹوریہ نے وہاں کے باشندگان کو دے دیا تھا۔ جنگ عظیم اول میں ہندوستانی سپاہیوں کے ہسپتال کے طور پر کام آیا۔ ان میں احمدی بھی تھے۔ وہاں کے لوگوں نے ہندوستانی زخمیوں کے علاج وآرام کے لئے اپنی آسائش وآرام کو قربان کیا۔

جو سپاہی وہاں فوت ہوئے ان کی یادگار میں وہاں ایک چھتری انتیس فٹ اونچی بنائی گئی ہے اور چوالیس ایکڑ وسیع رقبہ میں کئی ایکڑ کا باغ لگایا جانا تھا۔

حضور مع خدام وہاں تشریف لے گئے اور حضور نے تقریر فرمائی جس کا خلاصہ حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب نیر نے پریس کو بتایا۔ تقریر میں حضور نے بتایا کہ یہ یادگار چھوٹے سے چھوٹے رنگ میں دنیا کو ایک مقصد کے لئے جمع کرنے کا نشان ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام دنیا کو ایک دین پر جمع کرنے کے مقصد سے آئے تھے۔ اس مقصد اتحاد میں شرقیت و مغربیت کا لحاظ نہیں۔ تمام دنیا کو دین واحد پر جمع کرنا مقصد ہے۔ سو میں یہ دعا کروں گا کہ جس طرح یہ چھتری نشان ہے ان لوگوں کا جو دنیا کی ایک غرض کے لئے متحد ہوئے۔ اسی طرح مشرقی اور مغربی لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قائم کردہ چھتری کے نیچے جمع ہو جائیں اور یہ حقیقی چھتری قائم ہو جائے۔ اس کے بعد حضور نے لمبی دعا کی۔ یہ سارا نظارہ سینما میں دکھایا گیا۔

پھر حضور ایوان شاہی میں گئے جہاں کارپوریشن کے ڈاکٹر اور دیگر ممبروں نے استقبال کیا اور سارا ہسپتال دکھایا اور جو کچھ ہندوستانی زخمی سپاہیوں کے آرام کے لئے کیا گیا تھا اس کی تفاصیل بتائیں۔ یہاں حضور کے پیغام کا ترجمہ جناب چودھری ظفر اللہ خاں صاحب نے پڑھ کر سنایا۔ جس کے جواب میں ڈاکٹر موصوف نے حضور کی آمد کا شکریہ ادا کیا۔

حضور نے اس پیغام میں برائٹن کی کارپوریشن، وہاں کے باشندگان اور سارے برطانیہ کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے ہمارے ہندوستانی زخمیوں سے برادرانہ سلوک کیا۔ مزید یہ بھی فرمایا کہ ہندوستان جس کا میں خود ایک باشندہ ہوں، بلوغت کی سرحد پر کھڑا ہے۔ برطانوی سلطنت ایک عظیم الشان تجربہ ہے۔ جس کی کامیابی پر دنیا کی آئندہ ترقی کا بہت کچھ انحصار ہے۔ ہمیں اپنے ذاتی مفاد اور تعصّبات کو بالائے طاق رکھ کر اسے کامیاب بنانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ برائٹن جس نے ہندوستانی مُردوں کی عظمت کی ہے اور ان کی یاد کو تازہ رکھا ہے۔ میں امید رکھتا ہوں کہ ہندوستان کے زندوں سے تعلقات بڑھانے میں وہ دوسروں سے آگے رہے گا۔ اس طرح وہ فی الواقع برائٹ ٹاؤن بن جائے گا اور صلح و امن کے لئے شمع بردار کا درجہ حاصل کرے گا۔ میں اس دعا پر ختم کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ برٹش ایمپائر کو انصاف۔ امن اور آزادی کے قیام کی توفیق دے۔ [۱۸۲]

۳- برائٹن سے حضور ایوان شاہی کو گئے جہاں حضور نے اپنا پیغام پڑھا اور اس کا ترجمہ محترم چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب نے سنایا۔ [۱۸۳]

۴- تبلیغ کے بارے میں حضور نے ایک مجلس مشاورت منعقد فرمائی۔[۱۸۴]

۵- ''سپر چولرازم سوسائٹی'' کے ایک جلسہ میں حضور نے شرکت کی۔ایک عورت نے بیان کرنا شروع کیا کہ روحیں آ رہی ہیں اور بعض روحوں کی کیفیت وہ بیان کرتی تھی۔حضرت عرفانی صاحب نے بتایا کہ یہ لغویات ہیں۔اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا ہو اور وہ اس سے کلام کرے اور حضور کے متعلق بتایا کہ اللہ تعالیٰ ان سے کلام کرتا ہے۔اس پر حضور کو گھیر لیا گیا۔[۱۸۵]

۶- محترم مولانا عبدالرحیم صاحب نیر کی طرف سے ایک ایٹ ہوم کا اہتمام کر کے انگریز مرد و زن۔ ہندوستانی طلباء اور سفارت ترکیہ کے ارکان اور مسلمان معززین کو بلایا گیا ان کو حضور کا پیغام محبت محترم چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب نے سنایا۔[۱۸۶]

۷- ''ایسٹ اینڈ ویسٹ یونین'' کے مدعو کرنے پر ان کے ایک اجلاس میں خود حضور نے اپنا انگریزی کا لیکچر پڑھا۔جس میں بتایا۔

اس یونین کا مقصد مشرق ومغرب میں اتحاد پیدا کرتا ہے۔مجھے اس مقصد سے اتفاق ہے۔ہمارے بانی امام اسی مقصد سے مبعوث ہوئے تھے۔اور میں آپ کی یونین کی کامیابی کے لئے دعا کرتا ہوں۔اس مقصد کے حصول کا ذریعہ یہ ہے کہ ہم مرکزی ہستی کی طرف بڑھیں جو تمام عالم خلق کا مرکز ہے۔جتنا ہم خدا تعالیٰ کے قریب ہوں گے اور اس کی محبت کو ترجیح دیں گے اتنا ہمارا باہمی بُعد دور ہوگا۔یہ ہستی تمام جہتوں سے پاک ہے۔اور اس سے تعلق رکھنے والے بھی مشرق ومغرب کی قید سے آزاد ہوتے ہیں۔جو قومیں مذہب،تمدن اور علم میں ترقی یافتہ ہیں ان کو دوسروں کی ترقی دینے کی کوشش کرنی چاہئے۔مختلف زمانوں میں مختلف قوموں نے ترقی کی۔ہر قوم دوسری قوم کی شاگرد ہے۔آؤ ہم اپنے آپ کو مشرق ومغرب سے بالا کریں ورنہ یہ سوال دنیا کے امن کو برباد کر رہا ہے۔[۱۸۷]

۸- (لیگ آف نیشنز کے شعبہ مذہب واخلاق کے سیکرٹری اور ایک اور صاحب نے حضور سے ملاقات کر کے پوچھا کہ حضور اس کام میں کس طرح مدد دے سکتے ہیں۔حضور نے فرمایا کہ سلسلہ احمدیہ کی اشاعت سے قیام امن میں بہت مدد ملی ہے۔مثلاً یہ کہ مذہب کی اشاعت کے لئے تلوار اور جہاد منع ہے۔اور اقوام عالم کے ذریعہ قرآن مجید کے بیان کردہ اصول بتائے کہ ان کے ذریعہ ہی دنیا میں امن قائم ہوسکتا ہے۔(جس کی تفصیل حضور نے بیان کی۔)[۱۸۸]

۹- ''مسیح کی آمد ثانی''اور''پیغام آسمانی'' کے بارے پورٹ سمتھ میں ہندوستانی طلباء سے حضور

نے خطاب کیا۔ پیغام آسمانی والا مضمون اٹھائیس صفحات کا حضور نے دو گھنٹے میں تحریر کیا اور محترم چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب ساتھ ساتھ ترجمہ کرتے رہے۔[۱۸۹]

۱۰- مذاہب کانفرنس کے پریذیڈنٹ سرای۔ڈی۔راس سابق پرنسپل کالج کلکتہ سے حضور کی ملاقات ہوئی۔وہ انگلستان کے نامور مستشرق ہیں۔علمی باتیں ہوئیں جس سے موصوف بہت خوش ہوئے۔[۱۹۰]

۱۱- سپر یچوئل سوسائٹی کی جماعت ریفارم کلب کی درخواست پر حضور نے سٹیٹ لوکس ہال میں ’’حیاۃ بعد الموت‘‘ پر بیالیس منٹ تک تقریر فرمائی۔[۱۹۱]

۱۲- کرنل ڈگلس سے جماعت احمدیہ متعارف ہے کہ انہوں نے انصاف پسندی سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف پادری ڈاکٹر مارٹن کلارک کا مقدمہ خارج کر دیا تھا۔(کتاب البریہ میں حضرت اقدس نے اس مقدمہ کی روئداد شائع کی تھی۔)

وہ وقت مقررہ پر ملاقات کے لئے تشریف لائے۔جب حضور آئے تو وہ تعظیماً کھڑے ہو گئے اور نہایت محبت سے انہوں نے کہا کہ آپ میرے دوست کے بیٹے ہیں۔آپ کے والد شریف کو میں دوست رکھتا ہوں۔موصوف کو اس مقدمہ کے واقعات اب تک یاد ہیں۔اوران کا ذکر وہ اپنے انگریز دوستوں سے کرتے رہتے ہیں۔ان کے دل پر حضرت اقدس کے اخلاق اور عظمت کا خاص اثر ہے۔ان سے ہندوستان کے حالات حاضرہ پر گفتگو ہوئی۔[۱۹۲]

۱۳- حضرت مولوی نعمت اللہ خاں صاحب ساکن افغانستان حصول تعلیم کے لئے قادیان آئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے انہیں کابل کے احمدیوں کی تعلیم وتربیت کے لئے کابل بھجوایا۔والئ افغانستان امیر حبیب اللہ خاں فروری ۱۹۱۹ء میں قتل کر دیئے گئے۔امیر امان اللہ خاں نے حکومت سنبھال لی اور کامل مذہبی آزادی کا اعلان کر دیا۔وزیر خارجہ افغانستان محمود طرزی صاحب ہندوستان آئے تو نئی حکومت کی پالیسی کے بارے تسلی کے لئے حضور نے ایک وفد ملاقات کے لئے بھیجا۔احمدیہ وفد نے بوجہ احمدیت، ترک وطن کرنے کے حالات سنائے جس سے افغانستانی وفد کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ محمود طرزی صاحب اور سارے وفد نے یقین دلایا کہ کسی احمدی کو قطعاً کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ظلم کا زمانہ ختم ہو چکا ہے۔

محمود طرزی صاحب کی واپسی پر مولوی نعمت اللہ خاں صاحب نے حضور کی ہدایت پر ملاقات کی اور

حالات بتائے۔انہوں نے احمدیوں کی تکالیف کا ازالہ کردیا۔چونکہ افغانستان کے احمدیوں پر مظالم کی خبریں آرہی تھیں۔اس لئے حضور نے وزارت خارجہ افغانستان اور مشہور ترکی جرنیل جمال پاشا مقیم افغانستان کو توجہ دلوائی۔جس پر محمود طرزی صاحب نے وزارت خارجہ کی طرف سے جواب دیا کہ جلالت ماب جمال پاشا اور مجھے خطوط ملے۔جواباً لکھا جاتا ہے کہ اعلیٰ حضرت غازی امان اللہ خاں کے عہد حکومت میں کابل کی سرزمین میں آپ کے کسی متبع کو حکومت کی طرف سے تکلیف نہیں پہنچائی گئی۔اگر افغانستان کے احمدیوں کی فہرست بھجوادی جائے تو ممکن ہے کہ اگر انہیں کوئی تکلیف ہوئی ہوتو اس کا ازالہ کردیا جائے۔مئی ۱۹۲۳ء میں بھی ایک مراسلہ کا جواب ملا کہ احمدی امن سے اس حکومت کے ماتحت رہ سکتے ہیں۔ان کو کوئی تکلیف نہیں دے سکتا۔باقی وفادار رعایا کی طرح ان کی حفاظت کی جائے گی۔

مولوی نعمت اللہ خاں صاحب کو اگست ۱۹۲۴ء میں گرفتار کرلیا گیا۔پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ میں احمدی ہوں تو حکام نے پہلے تو انہیں رہا کردیا لیکن پھر جلد ہی جیل میں ڈال دیا۔ان کے ایک خط سے معلوم ہوا کہ کیسے فدائیت کے ان کے جذبات تھے۔وہ لکھتے ہیں کہ

''میں ہر وقت قید خانہ میں خدا تعالیٰ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ الٰہی اس نالائق بندہ کو دین کی خدمت میں کامیاب کر۔میں یہ نہیں چاہتا کہ مجھے قید خانہ سے رہائی بخشے اور قتل ہونے سے نجات دے۔بلکہ میں یہ بھی عرض کرتا ہوں کہ الٰہی !اس بندہ نالائق کے وجود کا ذرہ ذرہ اسلام پر قربان کر۔''

محکمہ شرعیہ ابتدائیہ نے آپ کے ارتداد اور واجب القتل ہونے کا فتوی دیا۔پھر عدالت مرافعہ نے ارتداد کے فیصلہ کی توثیق کرکے آپ کے قتل کی بجائے ایک بڑے ہجوم کے سامنے سنگسار کرنے کا حکم دیا۔سو آپ کو پولیس نے کابل کی تمام گلیوں میں پھرایا اور اعلان کیا کہ ارتداد کی سزا میں اس شخص کو آج سنگسار کیا جائے گا۔لوگ اس موقعہ پر حاضر ہوں۔آپ اس وقت مسکرا رہے تھے۔

سنگساری سے پہلے اجازت لے کر آپ نے نماز پڑھی۔پھر آپ کو کمر تک زمین میں گاڑ دیا گیا اور پتھروں کی بارش برسا کر آپ کو شہید کردیا گیا۔اخبار''ڈیلی میل'' کے کابلی نامہ نگار نے لکھا کہ ایک بہت بڑا مجمع نظارہ دیکھنے کے لئے جمع ہوگیا تھا۔مگر اپنے نہایت ہی خوفناک متوقع انجام کے باوجود یہ شخص نہایت مضبوطی اور پختگی کے ساتھ اپنے عقائد کا اظہار کرتا رہا اور اپنے آخری سانس تک اپنے عقائد کا اظہار کرتا رہا۔

حضور کو لندن میں اس المناک سانحہ کی اطلاع ملی اور اس سے شدید صدمہ پہنچا۔آپ نے اس ظلم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے میں دن رات ایک کردیا۔لیگ آف نیشنز اور مختلف ممالک کو تار بھجوائے

اور احتجاجی جلسے منعقد کروائے اور ایک ایسے جلسہ میں خود بھی تقریر فرمائی۔ انگلستان اور ہندوستان کے پریس نے اس ظالمانہ واقعہ کے خلاف بہت کچھ لکھا جبکہ ہندوستان کے علماء کے ایک طبقہ نے امان اللہ خاں کو مبارکباد کے تار بھجوائے۔[۱۹۳]

۱۰- ویمبلے کانفرس میں حضور کا مضمون چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی زبانی

مذاہب کانفرنس میں ۲۳ر ستمبر ۱۹۲۴ء کو حضور کا مضمون محترم چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے سنانا تھا۔ اس سے پہلے اڑھائی گھنٹے سے سامعین اسلام کے بارے میں دیگر مضامین سن رہے تھے۔ اور انگلستان کے لوگ زیادہ دیر تک بیٹھنے کے عادی نہیں ہیں۔ حضور کے مضمون کے وقت سارا ہال بھر گیا۔ کسی اور لیکچر کے وقت حاضری اس قدر نہ تھی۔

اجلاس کے صدر سر تھیوڈر موریسن (Sir Theodore Morrisson) نے حضور کا تعارف کرایا۔ حضور مع اپنے رفقاء کے سٹیج پر تشریف رکھتے تھے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے بانیان کانفرنس کے دلوں میں یہ خیال پیدا کیا کہ لوگ اس طریق پر مذہب کے سوال پر غور کریں۔ اور مختلف مذاہب کے بارے تقریریں سن کر دیکھیں کونسا مذہب قبول کرنا چاہیے۔ مذہب کا معاملہ مرنے کے بعد دوسرے جہان تک چلتا ہے اور مذہب سے انسان کی دائمی راحت وابستہ ہے۔

پھر حضور نے محترم چودھری صاحب کے کان میں کہا کہ ''گھبرانا نہیں۔ میں دعا کروں گا۔'' محترم چوہدری صاحب نے ایک گھنٹہ تک نہایت بلند۔ موثر اور پُر شوکت لہجہ میں مضمون سنایا جس نے حاضرین پر وجد کی کیفیت طاری کر دی۔ مضمون ختم ہوا تو کئی منٹ تک حاضرین نے گرمجوشی سے تالیاں بجائیں پھر صدر اجلاس نے حاضرین کی ترجمانی میں حسن مضمون اور حسن خیالات اور اعلیٰ درجہ کے طریق استدلال کے لئے حضور کا شکریہ ادا کیا اور پھر حضور کو مخاطب کر کے لیکچر کی کامیابی پر مبارکباد دی۔ ''مانچسٹر گارڈین'' وغیرہ اخبارات نے بھی مضمون کی تعریف کی۔

۱۱- حضور کا مسجد فضل لندن کا سنگ بنیاد رکھنا

مسجد فضل لندن کا سنگ بنیاد حضور نے ۱۹ر اکتوبر ۱۹۲۴ء کو رکھا۔ جس سے پہلے حضور نے ایک مضمون

پڑھا جس میں مسجد کی غرض وغایت اسلامی نقطہ نگاہ سے بیان کی تھی۔اور بتایا تھا کہ مسجد صرف اور صرف عبادت الٰہی کے لئے بنائی جاتی ہے۔تا کہ دنیا میں خدا تعالیٰ کی محبت قائم ہو اور لوگ مذہب کی طرف متوجہ ہوں جس کے بغیر حقیقی امن اور حقیقی ترقی نہیں ہوسکتی۔ہم کسی شخص کو اس میں عبادت الٰہی سے ہرگز نہیں روکیں گے۔مجھے یقین ہے کہ رواداری کی یہ روح جو اس مسجد کے ذریعہ سے پیدا کی جائے گی دنیا سے فتنہ وفساد دور کرنے اور امن وامان کے قیام میں بہت مدد دے گی۔

اس کے بعد حضور نے بنیادی پتھر رکھا۔جس پر یہ مضمون انگریزی میں درج تھا کہ میں مرزا بشیرالدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی امام جماعت احمدیہ خدا کی رضا کے حصول کے لئے اور اس غرض سے کہ خدا تعالیٰ کا ذکر انگلستان میں بلند ہو اور انگلستان کے لوگ بھی اس برکت سے حصہ پائیں جو ہمیں ملی ہے،آج اس مسجد کی بنیاد رکھتا ہوں۔اور دعا کرتا ہوں کہ وہ جماعت احمدیہ کی اس مخلصانہ کوشش کو قبول فرمائے۔اور اس مسجد کی آبادی کے سامان پیدا کرے اور ہمیشہ کے لئے اس مسجد کو نیکی۔تقویٰ۔انصاف اور محبت کے خیالات پھیلانے کا مرکز بنائے۔اور یہ جگہ حضرت محمد مصطفیٰ خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت احمد مسیح موعود نبی اللہ بروز ونائب محمد علیہما الصلوۃ والسلام کی نورانی کرنوں کو اس ملک اور دوسرے ملکوں میں پھیلانے کے لئے روحانی سورج کا کام دے۔اے خدا! تو ایسا ہی کر۔

بنیاد رکھی جانے کے بعد جماعت احمدیہ ہندوستان کی طرف سے حضرت مولوی شیر علی صاحب کا ارسال کردہ تار مبارکبادی کا مولوی عبدالرحیم صاحب درد نے سنایا۔پھر حضور نے لمبی دعا کی۔اور اسی مقام پر نماز عصر پڑھی۔بعد ازاں حاضرین نے چائے نوش کی۔جو مختلف اقوام ومذاہب کے افراد اور متعدد حکومتوں کے نمائندگان پر مشتمل دوسو کی تعداد میں تھی۔بہت سے اخبارات نے اس اہم تقریب پر نوٹ لکھے۔

۱۲- ساحل انگلستان پر ولیم فاتح کے اترنے کے مقام پر عالم ربودگی میں حضور کی دعائیں

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی......کو ایک رؤیا میں دکھایا گیا کہ وہ سمندر کے کنارے ایک مقام پر اترے ہیں اور انہوں نے لکڑی کے ایک کندے پر پاؤں رکھ کر ایک بہادر اور کامیاب جرنیل کی طرح چاروں

طرف نظر کی ہے۔اور آواز آئی کہ ’’ولیم دی کانکرر۔‘‘

بھائی جی اور مولانا درد صاحب کو حضور کی رفاقت کا ایک نہایت مبارک موقعہ نصیب ہوا۔جبکہ اس رؤیا کے پورا کرنے کے لئے آپ ۲ر اکتوبر ۱۹۲۴ء کو صبح دس بجے ہر دو صاحبان اور خالد شیلڈرک کو لے کر السٹ لورن سٹیشن پر جا کر اترے۔وہاں سے ایک گھوڑا گاڑی لے کر ساڑھے چار میل کے فاصلہ پر بمقام پیونسی۔PEUNSI۔پہنچے اور ہوٹل میں قیام کیا۔کھانا کھا کر خالد شیلڈرک سے انگلستان کے حالات حاضرہ پر بہت دیر تک گفتگو فرماتے رہے اور پھر وہاں سے خلیج پیونسی کے کنارے پہنچے۔اور ایک کشتی لے کر اس مقام کی طرف چلے جہاں ’’ولیم دی کانکرر‘‘ اترا تھا۔کشتی کو چھوڑ کر آپ قریب ہی ایک مقام پر جس کا نام الیکرسی (لنگرگاہ) ہے کھڑے ہوئے۔گویا وہاں اترے۔اور اسی شکل و ہیئت میں ایک لکڑی پر جو ایک کشتی کی تھی دایاں پاؤں رکھ کر ایک فاتح جرنیل کی طرح آپ نے چاروں طرف نظر کی۔

بھائی جی بیان کرتے ہیں کہ کہ اس وقت آپ کے چہرہ پر جلال اور شوکت تھی اور ربودگی بھی۔پھر آپ نے خاموشی کے ساتھ دعا کی۔اس مقام کے پاس ہی ویلنٹائین نام ایک برج سا ہے جس پر ایک توپ بھی رکھی ہوئی ہے۔پھر آپ نے نماز قصر کر کے پڑھی اور اس میں لمبی دعا کی۔اور زمین پر اکڑوں بیٹھ کر پتھر کے سنگریزوں کی مٹھیاں بھریں۔اور فرمایا کہ ایران کے دربار میں ایک صحابی کو مٹی دی گئی تو اس صحابی نے مبارک فال لی کہ کسریٰ کا ملک مل گیا اور لے کر رخصت ہوا۔پھر دربار کسریٰ کو وہم شروع ہوا اور آدمی بھیجے کہ وہ مٹی واپس لے آئیں۔مگر صحابی نے واپس نہ کی اور اس نیک مبارک فال پر اللہ تعالیٰ نے وہ سرزمین صحابہ کو دے دی۔

’’بھائی جی اور درد صاحب نے ان سنگریزوں کی دو دو مٹھیاں بھر کر جیب میں ڈال لیں۔حضرت اس وقت بھی دعا میں ہی گویا مصروف تھے۔اس مقام پر آپ نے کیا دعائیں کیں گو ان کی تفصیل معلوم نہیں۔لیکن صاف ظاہر ہے کہ سلسلہ کی آئندہ عظمت وشان اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلال کے واحد ذریعہ احمدیت کی کامیابی کی دعائیں تھیں جن کی قبولیت میں احمدیت کا مستقبل مخفی ہے۔‘‘

بھائی جی کہتے ہیں کہ جب حضرت اس سے فارغ ہوئے تو میرے دل میں ایک پُرزور تحریک ہوئی۔اور میں نے بہ آواز بلند حضور کو مبارکباد دی اور بہت جوش سے دو تین بار حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ مصرع پڑھا ع

وہ سچے وعدوں والا،منکر کہاں کدھر ہیں

حضرت اس وقت ایک ربودگی کے عالم میں کھڑے تھے اور وہ محسوس کرتے تھے کہ وہ دعا میں مصروف ہیں۔غرض یہ مختصر سا سفر خاص کیفیت اپنے اندر رکھتا تھا۔

شام کو سات بجے کے قریب حضور واپس آئے۔اور قریباً بارہ بجے تک باہر سے آئے ہوئے احباب سے مصروف کلام رہے۔☆

۱۳- حضور کا مسجد فضل میں اوّلین جمعہ پڑھانا

حضور نے مسجد فضل میں ۲۴/اکتوبر کو پہلا جمعہ پڑھایا۔ابھی محراب کی چھوٹی سی دیواریں ہی کھڑی

☆ الفضل جلد۱۲ نمبر ۵۷ بابت ۲۰/نومبر ۱۹۲۴ء (صفحہ ۵) والحکم بابت ۲۱/نومبر (صفحہ ۵، ۷) الحکم میں بہت اختصار ہے اور بعض خلا بھی ہیں مثلاً اس مصرع

''وہ سچے وعدوں والا، منکر کہاں کدھر ہیں''

اور احمدیہ مرکزی لائبریری قادیان کی ایک جلد میں جس کا لائبریری نمبر ۲۰۹۹۶ ہے یہ مصرع حضرت بھائی جی نے اپنی قلم سے تحریر کیا ہوا ہے۔الحکم میں شائع شدہ بیان سُن کر بھائی جی نے فرمایا تھا کہ یہ سنگریزے ملی ہوئی ریت تھی۔

(اضافہ بوقت طبع دوم) بابت ولیم دی کانکرر:

شاہ ولیم اوّل (۱۰۲۸ء-۱۰۸۷ء) کے والد رابرٹ اول ڈیوک آف نارمنڈی (فرانس) نے اپنی ایک قسم کو پورا کرنے کے لئے زیارت ارض مقدسہ کے سفر پر روانہ ہونے سے پہلے اپنے ماتحت روساء سے حلف لیا کہ اگر اس کی وفات ہو جائے تو وہ اس کے (سات سالہ) بیٹے ولیم کے وفادار ہیں۔

ولیم نہایت زیرک اور جفاکش نوجوان تھا۔اس نے اپنے آپ کو اس وقت کے فرانس کا طاقتور فیوڈل لارڈ بنالیا۔اٹھائیس سال کی عمر میں اس نے صوبہ MAINE کو فتح کر کے اپنی ریاست کو خوب وسیع کر لیا۔شاہ ایڈورڈ (THE CONFESSOR) نے ولیم سے تخت انگلستان کا وعدہ کیا جو پورا نہ کیا۔ولیم نے بعمر قریباً اُڑتیس سال انگلستان بلکہ زیادہ تر دنیا کی تقدیر بدلنے کا فیصلہ کر ڈالا۔اور اکتوبر ۱۰۶۶ء میں ہیسٹنگز کی جنگ میں انگلستان کو شکست دی اور تین سال کے اندر انگلستان میں اپنی حکومت کو مستحکم کر لیا۔اور وہاں امن وامان قائم کر دیا۔اور اس کی اندرونی اور بیرونی پالیسیوں نے انگلستان کی دنیوی اور مذہبی زندگی کو بدل ڈالا۔[۱۹۴]

تھیں اور فرش بچھایا گیا تھا۔ خطبہ میں حضور نے بیان کیا کہ قرآن مجید میں ذکر ہوا ہے کہ انبیاء نے مشکلات اور غیر موافق حالات میں بتایا کہ وہ کامیاب ہوں گے اور ایسا ہی ہوا۔ اسی طرح حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلبہ کی خبر دور اول میں دی گئی تھی جو پوری ہوئی۔ پھر یہ خبر بھی دی گئی تھی کہ مسلمانوں کے زوال کے بعد پھر اسلام ترقی کرے گا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ وہ بیج بویا گیا۔ تمام قوموں اور حکومتوں نے اسکے تباہ کرنے کی کوشش کی۔ مگر وہ بڑھا اور پھولا۔ اور اب وقت آرہا ہے کہ اس کے لذیذ اور شیریں اثمار اسلام کے کامل غلبہ کے آثار پیدا کردیں۔ مغرب کا رجوع اس طرف ہورہا ہے اور جن مسائل پر اہل مغرب کو اعتراض تھا اب خود ان کے نزدیک مسائل اسلام قابل قبول ہورہے ہیں۔ سو ہمارا فرض ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھوں بوئے گئے بیج سے جو درخت نکل رہا ہے اس کی غورو پرداخت کریں۔ [۱۹۵]

اس اولین جمعہ میں معدودے چند افراد تھے۔ جن میں وفد میں شامل محترم بھائی عبدالرحمٰن صاحب بھی شامل تھے۔

۱۴- فتح انگلستان کی بنیاد رکھ دی گئی ہے مراجعت سے پہلے حضور کا اظہار

لندن سے روانگی سے پہلے حضور نے ایک مکتوب میں رقم فرمایا کہ

''میرے نزدیک انگلستان کی فتح کی بنیاد رکھ دی گئی ہے۔ آسمان پر اس کی فتح کی بنیاد رکھ دی گئی ہے۔ اور اپنے وقت پر اس کا اعلان زمین پر بھی ہوجائے گا۔ دشمن ہنسے گا اور کہے گا (کہ) یہ بے ثبوت دعویٰ تو ہر ایک کرسکتا ہے۔ مگر اس کو ہنسنے دو۔ کیونکہ وہ اندھا ہے اور حقیقت کو نہیں دیکھ سکتا۔'' [۱۹۶]

۱۵- لندن سے مراجعت۔ فرانس میں تبلیغ اور سرکاری نوتعمیر شدہ مسجد میں حضور کا اوّلین نماز پڑھانا

لندن کے واٹرلو سٹیشن سے ۲۵؍اکتوبر ۱۹۲۴ء کو قافلہ کا سفر مراجعت شروع ہوا۔ یورپین مرد و زن اور ہندوستانی اور افریقین لوگوں نے حضور کو الوداع کہا۔ ساؤتھ ٹین سے قافلہ نے جہاز پر رود بار انگلستان کو عبور کیا اور پیرس پہنچا۔ جہاں کئی روز کے قیام میں تبلیغ کا خوب موقعہ ملا۔ نمائندگان اخبارات۔ ایڈیٹر

لی جنزل ۔سیکرٹری مسلم کمیونٹی اور ایک ممتاز الجیرین مسلم لیڈر (ممبر سپریم کونسل) نے حضور سے ملاقاتیں کیں ۔
حضور نے اپنے ساتھیوں کو تین حصوں میں تقسیم کر کے تبلیغ کرنے کے لئے ہدایات دیں ۔لارڈ کریو برطانوی وزیر سے ملاقات میں حضور نے ہندوستان کے حالات حاضرہ کے بارے گفتگو کی ۔ وہاں کی سرکاری نوتعمیر شدہ مسجد میں پہلی نماز حضور نے پڑھائی ۔[۱۹۷]

۱۶۔بمبئی میں استقبال ۔مفتی محمد صادق صاحب کا ایڈریس پیش کرنا گاندھی جی سے امن وآزادی کے بارے ملاقات ۔ بٹالہ تک جماعتوں کی ملاقاتیں

حضور کا قافلہ پیرس سے وینس (اٹلی) پہنچا۔ جہاں سے بحری جہاز کے ذریعہ ۱۸؍نومبر ۱۹۲۴ء کو بمبئی پہنچا۔ابھی جہاز دور ہی تھا کہ حضور نے دوربین کے ذریعہ ساحل پر منتظر احباب کو پہچان کر ان کے نام لینے شروع کئے ۔احباب ساحل پر بے قرار تھے۔ان کی بیقراری اس وقت دور ہوئی جب چودھری علی محمد صاحب نے تختئہ جہاز سے سبز جھنڈا اہلایا۔اور انہیں حضور کی تشریف آوری کا یقین ہوگیا۔ دوسو احباب نے نہایت گرمجوشی سے حضور کا استقبال کیا جو رنگون ۔ مالابار ۔کراچی ۔ پشاور ۔ پنجاب ۔ بنگال ۔ بہار ۔ یوپی اور سی پی سے آئے تھے ۔حضرت ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحب نے ساری جماعت ہند کی طرف سے حضور کی خدمت میں خیر مقدم کا ایڈریس پیش کیا۔اس وقت اور بعد میں نمائندگان اخبارات نے سفر یورپ کے بارے حضور سے انٹرویو لئے ۔حضور کا قیام نواب سید محمد رضوی صاحب کے ہاں ہوا۔جن سے سارے قافلہ کو ہر طرح آرام ملا۔

یہاں گاندھی جی سے،علی برادران اور مولانا آزاد کی موجودگی میں حضور کی ملاقات ہوئی جس میں ہندوستان کے امن وآزادی اور ہندو مسلم اتحاد کے بارے گفتگو ہوئی ۔

حضور ۲۱؍نومبر کو آگرہ پہنچے ۔ وہاں یو۔ پی کی جماعتوں کے ایک سو نمائندے اور بعض رؤساء اور چالیس پنجابی غیر از جماعت افراد نے حضور کا استقبال کیا۔مولوی غلام احمد صاحب بدوملہی فاضل نے مجاہدین ملکانہ اور جماعت احمدیہ آگرہ کی طرف سے ایڈریس پیش کیا۔حضور تبلیغ ملکانہ کے مشہور تاریخی مقام ساندھن تشریف لے گئے ۔ وہاں ایڈریس پیش کیا گیا۔ بیعت ہوئی ۔ وہاں سے اچھنیرہ اسٹیشن کے ذریعہ متھرا پہنچ کر قافلہ اسی رات دہلی پہنچا۔

دہلی کے اسٹیشن پر بہت سی جماعتیں آئی ہوئی تھیں۔ وہاں چلنے کو راستہ نہ ملتا تھا۔ دہلی اور شملہ کی جماعتوں نے ایڈریس پیش کیا۔ ۲۳؍نومبر کی صبح کو دہلی سے براستہ انبالہ روانگی ہوئی۔ وہاں کی جماعتیں ملاقات کے لئے آئیں۔ بعض جگہ اردگرد کے علاقہ کی جماعتیں موجود تھیں۔ امرتسر اسٹیشن پر تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ جماعت احمدیہ کا مبارکباد اور خیر مقدم کا بلند جھنڈا لہرا رہا تھا۔ قائم مقام امیر جماعت احمدیہ لاہور حضرت قریشی محمد حسین صاحب نے ایڈریس پڑھا۔ ۱۱ بجے رات ٹرین بٹالہ پہنچی۔ جماعت قادیان کی طرف سے استقبال کا انتظام تھا۔ بٹالہ اور ضلع گورداسپور کے احباب بھی موجود تھے۔ حضور نے رات بٹالہ میں قیام فرمایا۔ وہاں سے حضور کا قافلہ ۲۴؍نومبر کی صبح کو سات بجے موٹر پر روانہ ہو کر آٹھ بجے قادیان کے موڑ پر پہنچا۔ [۱۹۸]

۱۷۔ قادیان میں استقبال اور دعائیں

۲۴؍نومبر کو سورج نکلنے سے پہلے قادیان اور بیرون کے مرد و زن۔ بچے۔ بوڑھے قادیان بٹالہ کے مقام اتصال پر جمع ہونے لگے۔ کوئیں کے پاس کھیت میں شامیانے لگائے گئے۔ قطعات اور جھنڈیاں لگا کے سجایا گیا۔ فرش اور بنچ بیٹھنے کے لئے بچھائے گئے تھے۔ سڑک پر ایک دروازہ بنایا گیا جس پر **اھلاً و سھلاً و مرحبا** اور دیگر قطعات آویزاں تھے۔ احباب کو سڑک سے شامیانوں تک کھڑا کیا گیا تھا۔ سب سے آگے حضرت مولوی شیر علی صاحب (امیر جماعت احمدیہ ہند) حضرت میر محمد اسحٰق صاحب اور خاندان حضرت اقدس علیہ السلام کے نونہالان کھڑے تھے۔

کچھ فاصلہ پر موٹر رکی اور حضور نے کہلا بھیجا کہ ہر ایک شخص اپنی اپنی جگہ پر ٹھہرا رہے۔ آہستہ آہستہ موٹر چلی۔ چوہدری علی محمد صاحب نے سبز جھنڈا پکڑا ہوا تھا۔ مجمع سے تھوڑی دور حضور موٹر سے اتر پڑے۔ حضور کے رفقاء دو قطاروں میں حضور کے پیچھے تھے۔ دروازہ کے پاس حضرت مولوی شیر علی صاحب نے مصافحہ کیا اور ہار ڈالا۔ پھر حضرت میر صاحب نے مصافحہ اور معانقہ کیا۔ حضور نے خاندان حضرت اقدس علیہ السلام کے بچوں کو پیار کیا۔ دو ہزار احباب نے حضور سے مصافحہ کا شرف حاصل کیا۔ غیر از جماعت۔ آریہ سماجیوں ہندوؤں اور قادیان اور اردگرد دیہات کے سکھوں اور ادنیٰ کہلانے والی اقوام کے افراد نے بھی۔ ضعیف اور بیمار افراد بھی ملاقات کیلئے پہنچے ہوئے تھے۔ سب کے بعد حضرت مرزا بشیر احمد صاحب۔ حضرت نواب محمد علی خاں صاحب اور حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب سے حضور نے معانقہ کیا۔

پھر حضور نے مجمع کے ساتھ دعا کی اور فرمایا کہ اب میں پیدل ہی قادیان جاؤں گا۔لیکن قادیان داخل ہونے سے پہلے میں مزار حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر جا کر دعا کروں گا اور (نانا جان) حضرت میر ناصر نواب صاحب کا جنازہ بھی پڑھنا ہے۔صرف میرے ہم سفر میرے ساتھ جائیں گے۔پھر ہم مسجد مبارک میں نماز پڑھیں گے۔جو احباب ہمیں مکان تک چھوڑنے جانے کی خواہش رکھتے ہیں وہ احمدیہ چوک میں ٹھہرے رہیں۔

نیز آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب پیدا کر دیئے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک الہام آج پورا ہو رہا ہے۔درحقیقت وہ الہام کئی واقعات کے متعلق ہے جو آپ کے ایک بیٹے سے تعلق رکھتے ہیں۔اس کے کئی نشان آپ نے بیان فرمائے ہیں مثلاً یہ کہ وہ زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا۔اس ذکر میں یہ بھی الہام ہے کہ

''دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ''[199]

یہ اس طرح پورا ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور منشاء کے ماتحت بغیر خیال وارادہ کے ہمیں دوشنبہ کے دن یہاں پہنچنے کا موقعہ ملا ہے۔اس پر احباب نے اللہ اکبر کے نعرے بلند کئے۔

حضور مع رفقاء ایک حلقہ میں پیدل قادیان کی طرف روانہ ہوئے۔منتظمین نے یہ اچھا کام کیا تھا کہ ایک روز پہلے سڑک پر پانی چھڑکوا دیا تھا۔حضور نے قصبہ کے قریب پہنچ کر فرمایا کہ اب ہم بہشتی مقبرہ کی طرف جاتے ہیں۔احباب مسجد (مبارک) کے پاس گلی اور چوک میں ٹھہریں۔ہم وہاں آ کر مل جائیں گے۔اس پر چودھری فضل احمد خاں صاحب نے جو ہجوم کے اگلے حصہ کے منتظم تھے مجمع کی ترجمانی میں عرض کیا کہ ہم حضور کو لانے کے لئے گھروں سے نکلے ہیں اجازت دی جائے کہ ہم اسی جگہ ٹھہریں اور حضور کو ساتھ لے کر شہر میں داخل ہوں۔حضور نے منظور فرمایا۔کہ ہم بہشتی مقبرہ سے ہو کر یہیں آ کر مل جائیں گے۔چنانچہ حضور رفقاء سمیت کھیتوں میں سے گذر کر بہشتی مقبرہ کی طرف چلے گئے۔

مجمع سے الگ ہو کر حضور نے الفضل کا خیر مقدم نمبر دیکھنا شروع کیا جو مصافحہ کے وقت پیش کیا گیا تھا۔اور فرمایا ''دوشنبہ مبارک دوشنبہ'' کا الہام تو الفضل نے پہلے ہی پیش کر دیا ہے۔

نیز فرمایا کہ ہم نے بہت کوشش کی کہ جلد سے جلد قادیان پہنچیں۔اور وینس سے اطلاع بھی دے دی تھی کہ میں راستہ میں کسی جگہ ٹھہرنا نہیں چاہتا۔صرف یہ خیال تھا کہ اگر گاندھی جی بمبئی یا اس کے قریب ہوں تو ان سے مل لوں گا۔بمبئی آ کر معلوم ہوا کہ وہ ۲۰ ر نومبر کو آ رہے ہیں اس لئے ٹھہرنا پڑا۔پھر ساندھن سے

دعوت عدن پہنچی۔ وہاں بھی جانا پڑا۔

باغ (متصل بہشتی مقبرہ) میں پہنچ کر حضور نے ہار اتار دیئے اور مقبرہ بہشتی کے کوئیں سے آپ نے مٹی کے لوٹے سے پانی پیا اور وضو کیا۔ پہلے مزار حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر آپ نے اکیلے دعا کی۔ پھر اپنے رفقاء کو بلا کر سب نے مل کر دعا کی۔ پھر حضور نے حضرت میر ناصر نواب صاحب کی قبر پر کھڑے ہو کر نماز جنازہ پڑھی۔ پھر حضرت چوہدری فتح محمد خاں صاحب کے گھر سے چائے آئی اور حضور نے ان کے مکان کے دروازہ پر کھڑے کھڑے نوش فرمائی۔

پھر حضور مجمع میں پہنچے اور قصبہ میں داخل ہوتے وقت آپ کے ارشاد پر حضرت حافظ روشن علی صاحب نے شہر میں داخل ہونے کی دعا پڑھی اور سب احباب اسے بلند آواز سے پڑھتے رہے۔

مہمان خانہ کے قریب مہتمم لنگر خانہ حضرت میر محمد اسحق صاحب نے لنگر خانہ حضرت مسیح موعود کی طرف سے خیر مقدم کیا۔ جو نظارہ انہوں نے پیش کیا اس سے میر صاحب بھی خوشی کے آنسو روئے اور دوسروں کو بھی رلایا۔ ایک دروازہ بنایا گیا جس کے دونوں ستون برتنوں کے تھے۔ اور ہار مرچوں وغیرہ کے۔ دروازہ پر مٹی کے آبخوروں سے انگریزی میں ویلکم (Welcome) اور نیچے جلی قلم سے کپڑے پر لکھ کر آویزاں تھا

''حضور اور حضور کے رفقاء کی اس وقت کی دعوت خاکسار کے ہاں ہے۔

خاکسار لنگر خانہ حضرت مسیح موعود

حضور اس دروازہ کے پاس کھڑے ہو گئے اور اس وقت دعائیہ کلمات (یعنی واپسی کی دعا)

آئبون تائبون عابدون لربنا حامدون۔ صدق اللہ وعدہ و نصر عبدہ و ھزم الا حزاب وحدہ

نہایت بلند آواز سے کہے جانے لگے۔ اور آواز میں رقت پیدا ہو گئی۔

تھوڑی دور آگے لنگر خانہ کی طرف ایک اور دروازہ تھا جس پر لکھا ہوا تھا۔ ''یہ نان تمہارے لئے اور تمہارے ساتھ کے درویشوں کے لئے ہے۔'' اس موقعہ پر حضرت مسیح موعود کے اس کشف کے ظاہری نظارہ کو دیکھنے والوں کے آنسو رواں ہو گئے۔ ''تریاق القلوب'' میں مرقوم ہے کہ

''عرصہ قریباً ستائیس برس کا گذرا ہے کہ میں نے خواب دیکھا کہ میں ایک وسیع جگہ میں ہوں۔ اور وہاں ایک چبوترہ ہے کہ جو متوسط قد کے انسان کی کمر تک اونچا ہے۔ اور چبوترہ پر ایک لڑکا بیٹھا ملا جس کی عمر چار پانچ برس کی ہو گی اور وہ لڑکا نہایت خوبصورت ہے۔ اور چہرہ اس کا چمکتا ہے۔ اور اس کے چہرہ پر ایک

ایسا نور اور پاکیزگی کا رعب ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انسان نہیں ہے۔ اور معاً دیکھتے ہی میرے دل میں گذرا کہ وہ فرشتہ ہے۔ تب میں اس کے نزدیک گیا۔ اور اس کے ہاتھ میں ایک پاکیزہ نان تھا جو پاکیزگی اور صفائی میں کبھی میں نے دنیا میں نہیں دیکھا اور وہ نان تازہ بتازہ تھا اور چمک رہا تھا۔ فرشتہ نے وہ نان مجھ کو دیا اور کہا یہ تیرے لئے اور تیرے ساتھ کے درویشوں کے لئے ہے۔'' [۲۰۰]

ایک نہایت خوبصورت اور چمکتا ہوا نان طشت میں رکھ کر حضرت نواب محمد عبداللہ خاں صاحب کے صاحبزادہ میاں عباس احمد کی طرف سے جو کمر تک اونچے چبوترے پر بٹھائے گئے حضرت میر محمد اسحٰق صاحب نے باچشم پُرنم یہ کہتے ہوئے پیش کیا کہ۔

''یہ تیرے لئے اور تیرے ساتھ کے درویشوں کے لئے ہے''

اس خوبصورت لڑکے کی طرف سے۔ اس وقت اور بہت سوں کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو بھر آئے۔ حضور نے وہ نان اٹھالیا اور اپنے رفقاء میں جو پاس تھے تقسیم کر کے باقیوں کے لئے رکھ لیا۔

جلوس پھر بلند آواز سے دعا پڑھتا ہوا آگے بڑھا۔ مدرسہ احمدیہ کے دروازوں اور احمدیہ بازار کی دکانوں میں سجاوٹ تھی۔ قطعات آویزاں تھے۔ احمدیہ چوک تک حضور خود بلند آواز سے الفاظ کہتے اور سارا ہجوم انہیں دہراتا۔ احمدیہ چوک میں کھڑے ہو کر سارے مجمع کے ساتھ دعا پڑھی۔ اس وقت کا نظارہ نہایت ہی رقت آمیز اور موثر تھا۔ حضور کی آواز میں رقت اور آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ احباب پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے اور بعض کی چیخیں نکل رہی تھی۔ اس رقت خیز حالت میں حضور نے ڈبڈبائی آنکھوں اور دردناک لہجہ میں چند الفاظ فرمائے کہ

''دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ دعا کیسی لطیف ہے۔ جس کا نظارہ آج ہم دیکھ رہے ہیں۔ یہی جگہ۔ یہی مقام اور یہی گھر ہے جہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے جب دعویٰ کیا تو آپ اکیلے اور تن تنہا تھے۔ کوئی ساتھی اور کوئی مددگار نہ تھا۔ اس وقت چاروں طرف سے آوازیں آئیں کہ نعوذ باللہ یہ فریبی ہے۔ یہ جھوٹا ہے۔ دغا باز ہے۔ اور دشمن کہتے کہ ہم اسے کیڑے کی طرح مسل دیں گے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے اپنے وعدوں کے مطابق آپ کی تائید اور نصرت کی۔ اور آج اسی کمند کے جکڑے ہوئے ہم اس قدر لوگ یہاں جمع ہیں۔ آپ ہی کے طفیل ہمیں خدا تعالیٰ نے ہر میدان میں فتح دی۔ اسی کے ذریعہ اور اسی کے وعدوں کے مطابق خدا تعالیٰ نے ہمیں وہ عزتیں دیں۔ جو درحقیقت اسی کے لئے آئیں اور خدا تعالیٰ نے ہمیں ان انعامات کا وارث بنایا جن کا وعدہ آپ سے کیا گیا۔ اور اگر حقیقت اور سچائی کو

مدنظر رکھا جائے تو سچ یہ ہے کہ ساری بڑائیاں حضرت مسیح موعود کے لئے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہیں اور خدا تعالیٰ کے لئے ہیں۔''

مسجد مبارک کے نیچے ایک دروازہ بنا کر سجایا گیا تھا۔ حضور مع رفقاء اس میں سے گذر کر مسقّف گلی کے رستہ مسجد مبارک میں تشریف لے گئے۔ اس مسجد مبارک کے ابتدائی حصہ میں حضور نے دو نفل با جماعت پڑھائے۔

پھر حضور نے مسجد مبارک کے دروازے پر کھڑے ہو کر احمدیہ چوک کی طرف جھانکا اور مجمع کو **السلام علیکم** کہا۔ جواباً مجمع کی طرف سے **السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ** کا نعرہ بلند ہوا۔ اور پھر حضور نے فرمایا۔ اب ہم گھر جاتے ہیں۔ اور آپ نے دار المسیح میں داخل ہوتے وقت اپنے رفقائے سفر سے کہا کہ میں اندر جا کر حضرت ام المومنین کو اطلاع دیتا ہوں۔ آپ یہاں کھڑے رہیں۔ چنانچہ حضرت اُم المؤمنین دروازے کے پاس تشریف لائیں اور سب نے السلام علیکم اور مبارکباد عرض کی۔ اور پھر سب اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ لنگر خانہ کی طرف سے صبح ہی ہر ایک گھر میں کھانا بھجوا دیا گیا تھا۔[۳۰۱]

۱۔ موڑ پر استقبال میں طلبائے مدرسہ احمدیہ میں خاکسار مؤلف بھی شامل تھا۔ جس کی عمر پونے بارہ سال کی تھی اور کوئیں کے پاس جو سڑک کے شمال کی طرف ہے۔ وفد سے خاکسار نے بھی ملاقات کی تھی۔ اور ایک روز پہلے جو کچی سڑک پر پانی کا چھڑکاؤ کیا گیا تھا۔ اور طلباء اور دیگر احباب نے کام کیا تھا۔ طلباء میں خاکسار بھی شامل تھا۔

۲۔ الفضل میں درج ہے کہ ابتدائی قافلہ سفر یورپ کے علاوہ بھی چند احباب نے با جماعت نفل میں شرکت کی تھی ان میں حضرت بھائی جی کے فرزند مہتہ عبدالقادر صاحب بھی شامل تھے۔

۳۔ محترم چوہدری فضل احمد خاں صاحب مرحوم ساکن سڑوعہ ضلع ہوشیار پور، تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کے ٹیچر تھے۔ اور حضرت چوہدری چھجو خاں صاحب مرحوم کے بھائی۔

۱۸۔ اہالیان قادیان کا سپاسنامہ

مسجد اقصیٰ میں حضور نے نماز عصر پڑھائی۔ پھر اہالیان قادیان کی طرف سے سپاسنامہ پیش کیا گیا۔ حضور مع رفقاء کرسیوں پر جلوہ افروز ہوئے۔ سب کو ہار پہنائے گئے۔ رفقاء کو بھی ''الفضل خیر مقدم'' نمبر دیا گیا۔

تلاوت قرآن مجید کے بعد حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ اور حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب کی نظمیں جو ''الفضل خیر مقدم نمبر میں'' شائع ہوئی تھیں، علی الترتیب ملک عبدالعزیز صاحب☆ طالبعلم مدرسہ احمدیہ اور سید عبدالغفور صاحب ابن محترم میر مہدی حسن صاحب نے خوش الحانی سے پڑھیں۔ پھر حضرت مولوی شیر علی صاحب نے سپاسنامہ پڑھا۔ اور حضور نے حالات سفر کے بارے مفصل تقریر فرمائی۔ [۲۰۲]

۱۹- بزرگان و صدر انجمن احمدیہ و ادارہ جات کی طرف سے سپاسنامے

اساتذہ و طلبائے مدرسہ احمدیہ و تعلیم الاسلام ہائی سکول۔ دونوں مدارس کے اولڈ بوائز۔ صیغہ جات صدر انجمن احمدیہ ونظارت۔ دکانداران قادیان۔ اہالیان محلّہ دارالفضل۔ پریس قادیان۔ طلبائے سماٹرا۔ حضرت نواب محمد علی خاں صاحب۔ واقفین زندگی۔ ساکنان محلّہ دارالرحمت۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب۔ احمدیہ انٹر کالجییٹ ایسوسی ایشن لاہور اور احمدی افغانان کابل مقیم قادیان کی طرف سے حضور کو مع رفقاء مدعو کر کے سپاسنامے پیش کیے گئے۔ اور حضور نے ہر موقعہ پر جواباً سفر یورپ کے ایمان افزا حالات بیان فرمائے۔ اور جماعت کو ان کے فرائض سے آگاہ کیا۔ [۲۰۳]

اولڈ بوائز تعلیم الاسلام سکول کی طرف سے حضرت نواب محمد علی خاں صاحب کی کوٹھی دارالسلام کے باغ میں گارڈن پارٹی دی گئی۔ انگریزی زبان کے ایڈریس کے جواب میں حضور نے ایک گھنٹہ تک روانی سے انگریزی میں جواب دیا۔ مزید تقریر نماز مغرب کے قرب کی وجہ سے جاری نہ رکھی گئی۔

۲۰- بھائی جی کے مکان پر نو مسلموں کی طرف سے سپاسنامہ

۲۷ر نومبر ۱۹۲۴ء کو قادیان کے نو مسلم طبقہ کی طرف سے حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی کے مکان پر دعوت چائے دی گئی۔ تلاوت و نظم کے بعد مہاشہ محمد عمر صاحب نے ہندی میں ایڈریس پڑھا۔ جس

☆ ملک عبدالعزیز صاحب (ابن حضرت ملک غلام حسین صاحبؓ باورچی حضرت مسیح موعود علیہ السلام) نے مدرسہ احمدیہ میں تعلیم پائی اور مولوی فاضل کیا۔ پھر طویل عرصہ نیروبی (کینیا کالونی۔ مشرقی افریقہ) میں بسلسلہ ملازمت مقیم رہے۔ ان علاقوں کی آزادی کے بعد دیگر ہندوستانی لوگوں کی طرح انگلستان منتقل ہو گئے۔ جہاں آپ نے دینی تعلیم کا کام ممتاز طور پر کیا۔ چند سال پہلے آپ نے وفات پائی۔

آپ کی جنوری ۱۹۴۰ء کی چٹھی میں درج ہے کہ ایک عزیز کی تعلیم کے لئے گیارہ سو روپیہ قرض لیا گیا تھا۔

میں ہنود میں تبلیغ اسلام کرنے کی بھی درخواست کی گئی۔حضور نے جواب میں تقریر فرمائی اور تبلیغ کے اس پہلو پر بھی توجہ کرنے کا وعدہ فرمایا۔[۲۰۴]

۲۱- حضرت بھائی جی کی ڈائریوں کی مقبولیت

سفر یورپ ۱۹۲۴ء کے بارے میں حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی فرماتے ہیں کہ:

مجھے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا اور سعادت وعزت میسر آئی۔ڈائری نویسی میرا فرض منصبی نہ تھا۔بلکہ محض شوق ذاتی کی وجہ سے اور احباب تک ان کے محبوب کے بعض حالات پہنچانے کی سعی میں کچھ لکھتا رہتا تھا۔جو ابتداءً اپنے بڑے لڑکے عزیز عبدالقادر کے نام بھیجتا تھا۔مگر جب میرا لکھا ہوا پہلا خط ہی قادیان پہنچا اور وہ عزیز نے بعض احباب اور بزرگوں کو بھی دکھایا تو قادیان سے تقاضا ہوا اور امیر صاحب جماعت قادیان کی طرف سے حکم پہنچا کہ میں ایسے خطوط براہ راست ان کی خدمت میں بھیجا کروں۔تاکہ تمام دوست اپنے مقدس ومحبوب آقا کے حالات سے مستفیض ہوسکیں اور کہ میرے خطوط جب پہنچتے ہیں تو باقاعدہ اعلان کر کے احباب کو جمع کر کے مجمع عام میں سنانے کا انتظام کیا گیا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ میں نے لندن دیکھا ہی نہیں کہ ہے کدھر اور ہے کیسا کیونکہ میں اپنی ڈیوٹی سے وقت بچا کر ڈائری لکھنے اور پہنچانے ہی میں سارا سرور اور ساری لذت محسوس کیا کرتا تھا۔کیونکہ یہ حس خدا تعالیٰ نے خاص طور سے ودیعت فرما رکھی ہے کہ اپنے محبوب آقا کی جدائی کا صدمہ میرے لئے ناقابل برداشت ہوا کرتا ہے سو اسی حس کی وجہ سے میں اپنے بھائیوں کی تڑپ اور پیاس کا اندازہ کر کے یہ خدمت بجالایا کرتا تھا۔سو حضور کی معیت میں اگر کہیں جانے کا موقعہ مل گیا تو گیا مگر چلتے ہوئے بھی عمارتوں، بازاروں اور بلندوبالا ایوانوں کی بجائے میری نظر اور میرا دھیان کاغذ اور اس کی تحریر ہی پر ہوا کرتا تھا۔افسوس ہے کہ بعض ڈائریاں تقسیم ملک کی نذر ہوگئیں۔(تحریر ۳/نومبر ۱۹۴۶ء)

ان ڈائریوں کی مقبولیت کے بارے میں خاکسار اپنی مؤلفہ کتاب ''سفر یورپ'' طبع اول مطبوعہ دسمبر ۱۹۵۶ء (صفحہ ۴ تا ۵) سے بعض بزرگوں کے خطوط کے چند اقتباسات پیش کرتا ہے:

۱- منجانب حضرت مولوی شیر علی صاحب (جو سارے ہندوستان کے اس وقت امیر تھے):

''آپ کی ڈائریاں اور خط پہنچے۔اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی جزائے خیر دے۔لوگ بڑے شوق سے

آپ کی ڈائریوں کا انتظار کرتے ہیں۔اور ڈاک کے آنے کے دن اول تو دفتر میں بہت سے لوگ جمع ہوجاتے ہیں سننے کیلئے۔اس کے بعد آپ کے خطوط اور حضرت صاحب کے مضامین مسجد اقصیٰ میں بعد عصر سنائے جاتے ہیں......آپ کی اس مبارک سفر میں شرکت پر آپ کو مبارکباد عرض کرتا ہوں۔آپ سے دعاؤں کی درخواست کرتا ہوں۔'' (مرقومہ ۷/اکتوبر ۱۹۲۴ء)

۲- حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''آپ کا خط مجھے بھی باقاعدہ ملتا ہے۔اس کا شکریہ علاوہ ڈائری کے ہے''۔(رقم کردہ ۱۴/اکتوبر ۱۹۲۴ء)

ایک شہادت کیلئے آپ جہلم گئے تھے وہاں سے تحریر فرمایا:

''آپ کی ڈائری اور خط پہنچا۔جزاکم اللہ......۔یہ خط عدن میں آپ کو ملے گا۔پورٹ سعید بلکہ جہاز پر سوار ہوتے ہی غالباً آپ کو ڈاک بھیجنی بند کرنی پڑے گی۔کیونکہ آپ بھی قریباً ڈاک کے ساتھ ساتھ ہی آ ئیں گے۔اور ہمیں آپ کے قادیان آنے سے پہلے......۲۰/اکتوبر (تا) ۱۷/نومبر کی ڈاک مل سکتی ہے۔ ...... چونکہ سفر کے سارے حالات معلوم ہونے ضروری ہیں اس لئے عدن سے بعد کے جو حالات ہوں آپ ان کی ڈائری بناتے جائیں وہ بمبئی اور قادیان میں آپ سے دستی لے کر پڑھی جائیں گی۔یہ نہ خیال فرماویں کہ چونکہ اب ڈائری نہیں پہنچ سکتی اور ہم خود سنادیں گے اس لئے لکھنا فضول ہے۔پس ضرور تمام سفر کے حالات آخر تک مرتب فرمادیں......آپ کی محنت کے ہم سب مشکور ہیں۔اللہ تعالیٰ آپ پر راضی ہو اور آپ اس سے راضی ہوں......ہم تو یہاں پر (اہل قافلہ میں سے) ہر ایک کے لئے نام بنام دعا کرتے ہی رہتے ہیں......۔'' (محررہ بتاریخ ۲۳/اکتوبر ۱۹۲۴ء)

۳- حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ۲۶/اکتوبر کو رقم فرماتے ہیں:

''آپ کی ڈائریاں قادیان میں جس شوق سے پڑھی اور سنی جاتی ہیں اس کی اطلاع آپ تک پہنچ چکی ہوگی۔واقعی آپ نے یہ خدمت سرانجام دے کر قادیان والوں بلکہ تمام جماعت پر ایک بڑا احسان کیا ہے۔جزاک اللہ......۔''

احباب کی ایک اور خدمت بھی حضرت بھائی جی نے کی کہ جن احباب نے حضور کی خدمت میں دعاؤں کے لئے رقعہ جات دیئے تھے۔حضور کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے آپ نے ان کی فہرست مرتب کر لی تھی۔[۴۵]

۲۲- انگلستان کی فتح کی بنیاد جس کے آثار نمایاں ہو رہے ہیں

تین امور نے ۱۹۲۴ء میں حضرت امام جماعت احمدیہ خلیفۃ المسیح الثانیؓ اور جماعت کی نیک نامی کو چار وانگ عالم میں چار چاند لگا دیئے تھے۔

اول یہ کہ جماعت احمدیہ نے اپنے وطن میں دجال کی ایک جمعیت (ہنود) کو شکست پر شکست دے دی تھی۔ اور اپنی مجاہدانہ سرفروشیوں، والہانہ قربانیوں اور فداکاریوں کا ایک نادر موقع پیش کر دیا تھا۔

دوم اس سال موعود سفر ذوالقرنین وقوع پذیر ہوا۔ اور مذاہب عالم کے پہلوانوں کا یہ دلائل مقابلہ ہوا۔ اور قلب مملکت دجال میں اسلام کے بطل جلیل نے من یحییٰ عن بینۃ کا بین منظر پیش کیا۔ اور نہ صرف یہ کہ اعداء اللہ کو شکست فاش دی بلکہ مستقل طور پر اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے وہاں اللہ تعالیٰ کے گھر کی بنیاد رکھ دی۔

سوم اس سفر کے ایام میں سرزمین افغانستان میں حضرت مولوی نعمت اللہ خان صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا محض اور محض احمدیت کی خاطر ناحق اور مظلومانہ طور پر خون بہائے جانے سے اس امر کے ثبوت میں شور برپا ہو گیا کہ مخالف دلائل کے میدان میں عاجز آ کر قتل وخون آشامی جیسے اوچھے ہتھیار پر اتر آتے ہیں اور جماعت کے افراد صبر وشکیب اور استقلال واستقامت کے قابل صد رشک مقام پر فائز ہیں۔ گویا ان سہ گونہ امور نے جو جماعت کے لئے ایک عظیم الشان سنگ میل کا حکم رکھتے تھے۔ جماعت کے نہایت اہم امتیاز اور ناموری کا ببانگ دہل اعلان کر دیا تھا۔ اسی سہ گونہ کامیابی کے متعلق حضرت اقدس کے ۹رجنوری ۱۹۰۴ء کے ذیل کے الہام میں تین الفاظ استعمال ہوئے تھے۔ الحمد للہ یہ الہام اپنی پوری شان اور آب وتاب سے پورا ہوا۔ الہام یہ ہے:

''نصرت وفتح وظفر تا بست سال۔''

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۱۹۲۴ء میں سفر انگلستان سے واپسی سے پہلے اپنے ایک مکتوب میں رقم فرمایا کہ

''میرے نزدیک انگلستان کی فتح کی بنیاد رکھ دی گئی ہے۔ اور اپنے وقت پر اس کا اعلان زمین پر ہو جائے گا۔ دشمن ہنسے گا اور کہے گا (کہ) یہ بے ثبوت دعویٰ تو ہر ایک کر سکتا ہے۔ مگر اس کو ہنسنے دو۔ کیونکہ وہ اندھا ہے اور حقیقت کو نہیں دیکھ سکتا۔'' [۲۰۶]

اس کے بعد مصری وغیرہ فتنے رونما ہوئے۔۱۹۳۴ء میں احرار نے برطانوی گورنر پنجاب اور پنجاب کی وزارت کی پشت پناہی سے مرکز جماعت اور پنجاب کی احمدی جماعتوں کو متزلزل کرنا چاہا لیکن ناکام ہوئے۔

تقسیم برصغیر کے وقت ۱۹۴۷ء میں حضور انور اور خصوصاً پنجاب کی تمام احمدیہ جماعتوں کو بمجبوریٔ حالات پاکستان منتقل ہونا پڑا۔حضور نے نہایت محنت کے ساتھ طیور ابراہیمی کو پھر ربوہ میں ایک نیا مرکز قائم کر کے مجتمع کیا اور سارا نظام اس بے آب وگیاہ مقام پر مستحکم کیا۔دشمنان احمدیت کو جماعت کا شیرازہ یکجا ہونا ایک آنکھ نہ بھایا اور احرار واسلامی گروہوں نے ۱۹۵۳ء میں قتل وغارت کرائی اس میں مغربی پنجاب کی حکومت بھی پوری طرح شریک تھی۔حضور کی اولوالعزمی نے نہایت پامردی سے اس بھاری فتنہ کا مقابلہ کیا۔۱۹۵۴ء میں حضور پر قاتلانہ حملہ ہوا۔

ان ناموافق حالات میں بھی حضور نے دنیا بھر میں تبلیغی مساعی جاری رکھیں اور حضور ۱۹۵۵ء میں جب جماعتی مشورہ سے علاج کے لئے یورپ تشریف لے گئے تو آغاز سفر سے ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کو غیر معمولی صحت سے نوازا اور انگلستان میں حضور نے دنیا بھر اور خصوصاً یورپ،امریکہ وغیرہ میں تبلیغی سرگرمیوں کو تیز تر کرنے کے لئے کئی روز جناب چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب اور مبلغین کی معیت میں پروگرام طے کئے اور ان پر عمل شروع کر دیا۔حضور نے مشرقی ومغربی افریقہ کی طرف بھی خاص توجہ مبذول فرمائی۔

رابطہ عالم اسلامی کے جماعت احمدیہ کے خلاف فیصلوں کی تنفیذ سعودی عرب کے شاہ فیصل کے ۱۹۷۴ء میں پاکستان آنے پر پاکستان میں شروع کرائی گئی۔اور حکومت کی ملی بھگت سے انہی دونوں گروہوں اور علماء نے قتل وغارت شروع کرائی۔حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے بہ تائیدِ الٰہی نہایت دانشمندی اور پامردی سے مقابلہ کیا اور جماعت میں صبر کی روح پھونک دی اور مطابق بیان حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب (خلیفہ رابع) لوگ لٹ پٹ کر روتے آتے تھے اور حضور سے ملاقات کر کے نیا جوش وولولہ لے کر ہنستے ہوئے نکلتے تھے۔حضور نے مغربی افریقہ کے ممالک کے لئے نصرت جہاں سکیم جاری کر کے شفاخانے،مدارس اور کالج جاری فرمائے۔فضل عمر فاؤنڈیشن قائم فرمائی۔لنڈن مشن اور دیگر مشنوں کو تقویت دی۔قرآن مجید کی اشاعت کا غیر معمولی کام کیا۔قریباً ساڑھے پانصد سال سپین سے اسلامی سلطنت کے مٹ جانے پر گذر چکے تھے کہ حضور نے وہاں اولین مسجد احمدیہ کا سنگ بنیاد رکھا۔

ایک اہم مسئلہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے دائمی طور پر مسیحیت کو شکست دی۔۱۹۷۵ء میں آپ نے لندن میں حضرت مسیح کی مصلوبیت سے نجات کے بارے ایک کانفرنس منعقد فرمائی۔دوران اجلاس ایک مسیحی تنظیم نے اس بارے میں مباحثہ کی دعوت دی جس کو حضور نے قبول کرتے ہوئے فرمایا کہ جس ملک میں اور جب چاہیں ہم تیار ہیں۔بار بار توجہ دلانے پر بھی یہ تنظیم اور دیگر مسیحی فرقے اب تک مہر بلب ہیں۔

ضیاء والا فتنہ خلافت رابعہ میں جاری ہوا۔اپریل ۱۹۸۴ء میں ایک آرڈی نینس جاری کر کے مساجد میں اذان۔نمازیں اور مساجد کی تعمیر اور احمدیوں کو اپنے تئیں مسلمان کہلانا ممنوع قرار دیا۔بعد میں معلوم ہوا کہ ضیاء کے عزائم تھے کہ حضور کو گرفتار کر کے جیل میں موت سے ہمکنار کر دیا جائے اور پھر خلافت کا انتخاب نہ ہونے دیا جائے۔اس طرح جماعت احمدیہ تتر بتر ہو جائے گی۔بہ تائیدِ الٰہی حضور لنڈن تشریف لے گئے۔حضور نے ۱۹۸۹ء کی لنڈن کانفرنس میں بیان فرمایا کہ جماعت احمدیہ کے خلاف ایک گہری سازش کے نتیجہ میں ۱۹۸۴ء میں میرا بیرون پاکستان آنا ایک مجبوری تھی۔لیکن اس میں اللہ تعالیٰ کو یہ مقصود تھا کہ پاکستان اور دیگر ملوث طاقتوں کو یہ بتا دے کہ تم جتنا چاہو زور لگاؤ۔جماعت احمدیہ کی ترقی کی راہیں روکنے کی بجائے تمہارا ہر قدم تمہاری تدابیر کو الٹا دے گا۔اور ہر وہ نتیجہ نکلے گا جو تمہارے دل کو اور زیادہ جہنم کی آگ میں مبتلا کر دے گا۔

حضور کا اس وقت تک کا دور خلافت فتح و کامرانیوں سے بھرپور ہے۔جماعت احمدیہ پاکستان صبر آزما گھڑیوں میں صبر و استقامت کی تصویر ہے۔حضور نے اس وقت تک یورپ، آئر لینڈ، پرتگال، مشرقی و مغربی افریقہ، ماریشس، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، فجی، جاپان، کینیڈا، امریکہ کے دورے فرمائے۔۱۹۸۲ء میں مسجد سپین اور ۱۹۸۹ء میں مسجد آسٹریلیا اور مسجد گوئٹے مالا (وسطی امریکہ) کے افتتاح حضور نے فرمائے۔گوئٹے مالا میں بوقت افتتاح کوئی احمدی نہیں تھا۔لیکن اسی وقت وہاں کے بعض معززین نے یہ اظہار کیا کہ وہاں بہت جلد عظیم الشان جماعت قائم ہو جائے گی۔جلد بعد یہ اطلاع ملی ہے کہ وہاں کے لوگ احمدیت قبول کرنے لگے ہیں۔

پاکستان میں اعلان کئے گئے تھے کہ ہم تمام دنیا میں احمدیت کا تعاقب کریں گے۔اور اس کو نیست و نابود کر دیں گے۔مغربی افریقہ کے ایک اعلیٰ رہنما نے وہاں صد سالہ جشن تشکر کے موقعہ پر اپنی تقریر میں کیا ہی مبنی برحقیقت بات کہی کہ جماعت احمدیہ تمام دنیا میں اس حد تک آگے بڑھ چکی ہے کہ دنیا کی کوئی

طاقت نہیں جو اس کا گھیراؤ کرنا تو درکنار اسکا تعاقب بھی کر سکے۔اب یہ دنیا کی طاقتوں کی حدود سے آگے نکل چکی ہے۔

ضیاء کی نام نہاد محافظ اسلام حکومت کے دور میں جو خدمات اسلام کے نام پر کی گئیں وہ مظالم ہیں جو اسلام پر کئے گئے ان کا خلاصہ یہ ہے کہ پاکستان میں کلمہ طیبہ کے بیج لگانے یا مساجد پر لکھنے اور اذان دینے اور نماز پڑھنے اور لٹریچر تقسیم کرنے اور شعائر اسلام اختیار کرنے مثلاً السلام علیکم کہنے کے ''جرائم'' کی وجہ سے احمدیوں پر سترہ سو چھتیس مقدمات دائر کئے گئے۔ایک سو اٹھارہ مساجد سے کلمہ طیبہ مٹایا گیا۔انیس مساجد سربمہر کی گئیں۔اٹھارہ مساجد نذر آتش کی گئیں۔پچیس احمدیوں کو شہید کیا گیا۔انیس احمدیوں کی نعشیں قبریں اکھیڑ کر باہر پھینک دی گئیں۔کئی صد احمدی قید و بند کی صعوبتیں سالہا سال تک جھیلتے رہے ہیں۔(محترمہ بے نظیر بھٹو اوائل اگست ۱۹۹۰ء میں عہدہ وزیر اعظم سے برطرف ہو چکی ہیں۔بیس ماہ پہلے برسر اقتدار آنے پر موصوفہ نے اپنے اختیار سے بالا ہو کر اور بغیر منظوری صدر پاکستان قیدیوں کی ایک کثیر تعداد قید و بند سے آزاد کر دی۔بقول اخبارات یہ جائزہ بھی نہ لیا گیا کہ ان میں سے کون سے حقیقی مجرم ہیں جن کو آزاد کرنا کسی طرح ملک کے مفاد میں نہیں۔البتہ معصوم احمدی قیدی چھ سال سے اوپر عرصہ سے قید میں ہیں۔توجہ دلانے پر بھی توجہ نہیں کی جاتی۔کیونکہ جماعت احمدیہ سے امن شکنی کا خطرہ نہیں۔)

چھ سال سے زائد عرصہ سے احمدی قیدی سنت یوسفی کے مطابق عبادت و تبلیغ میں منہمک ہیں۔ان کے ذریعہ جیلوں میں بھی قیدی احمدیت قبول کر کے اس کے نور سے منور ہوتے ہیں۔۱۹۸۹ء میں ننکانہ صاحب میں ڈی۔ایس۔پی اور پولیس نے مظالم ڈھائے۔احمدی گھروں کو لٹوایا اور نذر آتش کروایا۔چک سکندر ضلع گجرات میں ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس نے بہ معیت ایس۔پی اور ڈی۔سی ایک سو مکانات کو لٹوایا۔ایک سو جانوروں کو ہلاک کیا اور احمدی احباب کو نہتا کر کے ایک دس سالہ لڑکی سمیت تین احمدیوں کو شہید کر دیا۔بعض احمدی احباب کو قید کر لیا۔مرکز ربوہ سے بہتر تاریں دیئے جانے اور وفود بھجوانے کے باوجود حکومت نے جواب تک نہیں دیا۔۱۹۹۰ء میں ایک مقدمہ تمام اہالیان ربوہ پر دائر کیا گیا۔محترم ناظر اعلیٰ صاحب و دیگر متعدد اعلیٰ عہدہ داروں کو خصوصاً اس مقدمہ میں ملوث کیا گیا۔راولپنڈی میں خاکسار مؤلف کی موجودگی میں ایک فوجی افسر کے بیٹے کی وفات ہوئی تو قبرستان میں تدفین کی ملٹری آفیسر نے اجازت نہ دی۔ایک جمعہ پڑھ کر مسجد احمدیہ راولپنڈی سے بعض احباب نکلے تو محض ایک مولوی کی نشاندہی پر جس نے وہیں ایک موٹر سائیکل کا نمبر لکھ لیا تھا، بتانے پر کہا کہ اس احمدی نوجوان نے آدھی رات کو مجھ پر حملہ کیا

تھا۔اور دو اڑھائی ہفتے بعد بڑی تگ ودو سے آخری سال کے اس میڈیکل سٹوڈنٹ کی ضمانت ہوئی۔عیدالاضحیٰ اسے قیدو بند میں گزارنا پڑی۔ یہ خاکسار کی موجودگی کی بات ہے۔

حضورانور نے لنڈن کانفرنس ۱۹۸۹ء میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے گذشتہ ایک سال میں جو برکات عطا کی ہیں ان کے شمار کرنے سے میں عاجز آ گیا ہوں۔ یہاں ان کا ملخص پیش کیا جاتا ہے:

گذشتہ چار سالوں میں ایک ہزار تین سو آٹھ جماعتوں کا اضافہ ہوا۔ پانچ سال میں چھ سو ساٹھ مساجد کا تعمیر کرنے سے اور دو سو ایک مساجد کا قبضہ میں آ جانے سے اضافہ ہوا۔ (مطابق رپورٹ شیخ مبارک احمد صاحب انچارج مبلغ امریکہ وہاں امریکہ کے احمدیوں نے پچپن لاکھ ڈالر سے جو پاکستانی تیرہ کروڑ روپے کے مساوی ہے پانچ سال میں کئی مساجد تعمیر کی ہیں۔مرتب) اس سال کے آخر تک پچاس سے زائد زبانوں میں تراجم قرآن مجید مکمل ہو جائیں گے۔ایک سو پندرہ زبانوں میں منتخب آیات قرآنیہ کے تراجم ایک سو بارہ زبانوں میں منتخب احادیث کے تراجم اور ایک سو سات زبانوں میں منتخب تحریرات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تراجم ہو چکے ہیں۔ جو کام قرآن مجید و احادیث کے تراجم کا چودہ سو سال میں کل عالم اسلام نہ کر سکا۔اس چھوٹی سی جماعت احمدیہ کو چند سال کے اندر اس کے کرنے کی توفیق ملی۔احمدیت کی دوسری صدی کی ضروریات کے لئے تحریک وقف نو میں قریباً پونے تین ہزار بچے آ چکے ہیں۔بعض کو معجزانہ رنگ میں خوراک اور شفا حاصل ہوئی۔لائبیریا میں ایک داعی الی اللہ کی کوشش سے پینتیس چالیس ہزار افراد نے احمدیت قبول کی۔انگولا کے ایک احمدی دوست گذشتہ سال کی لنڈن کانفرنس کی ویڈیو کیسٹ وہاں لے گئے جوٹی۔وی افسران کو اتنی پسند آئی کہ انہوں نے اسے بار بار ٹیلی کاسٹ کیا جس سے لوگوں کو توجہ ہوئی اور اب وہاں سے مبلغ بھجوانے کا مطالبہ ہو رہا ہے۔

افریقہ کے مختلف ممالک میں نصرت جہاں سکیم کے ماتحت ہسپتالوں، مدارس اور کالجوں کے ذریعہ کثرت کے ساتھ خدمت ہوئی ہے۔اب نصرت جہاں سکیم نو جاری کی گئی ہے کہ ان ممالک سے احمدی تجارت کر کے اپنی آمد وہیں خرچ کریں تا کہ یہ ممالک اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں۔ بہت سے احباب نے اس خاطر اپنی زندگیاں وقف کی ہیں اور بعض ممالک سے تجارتیں شروع ہو گئی ہیں۔اللہ تعالیٰ نے اس سکیم میں برکت ڈالی ہے۔ میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ افریقہ کے لئے جو وقت اور مال خرچ کیا جائے گا۔دنیا و آخرت میں اس کی جزا ضرور ملے گی۔ یہ لوگ چونکہ ذہین ہیں اور سچائی کو جلد پا لیتے ہیں اس لئے ان ممالک میں بڑی تیزی کے ساتھ روحانی انقلاب برپا ہو جائے گا۔

چوبیسویں لنڈن کانفرنس منعقدہ بماہ اگست ۱۹۸۹ء کے مختصر کوائف یہ ہیں کہ:

اس کانفرنس میں چھیاسٹھ ممالک سے چودہ ہزار افراد نے شرکت کی۔امسال بھی محترم ہدایت اللہ صاحب بنگوی افسر جلسہ سالانہ تھے۔رہائش۔ٹرانسپورٹ۔ضیافت واستقبال۔صفائی۔آب رسانی۔بجلی۔گمشدہ اشیاء وغیرہ کے شعبے قائم کئے گئے۔ہوائی اڈوں سے مہمانوں کو Receive کیا جاتا۔مختلف مقامات سے اسلام آباد کی آمدورفت کیلئے سات ڈبل ڈیکر بسیں، نو کوچز، تیرہ ویگن اور دس کاریں دن رات مصروف رہیں۔حکومتوں کے نمائندگان کو اعلیٰ درجہ کے ہوٹلوں میں ٹھہرایا گیا۔مہمانوں کے لئے Surrey یونیورسٹی سے گیارہ ڈیپارٹمنٹ اور کرایہ پر مسجد احمدیہ سے ملحقہ وائٹ لین کالج میں ایک سو کمرے لئے گئے۔اسلام آباد میں بے شمار خیموں اور بیرکس میں الگ الگ مردوخواتین کے لئے انتظام کیا گیا۔قریبی قصبات ودیہات میں بھی فلیٹ کرایہ پر لئے گئے۔اسلام آباد اور لندن کے تمام احمدیوں کے گھروں میں پندرہ تا تیس افراد اتارے گئے۔کھانے کا انتظام ایسا عمدہ تھا کہ مہمانوں کو انتظار نہیں کرنا پڑتا تھا۔ٹھنڈے اور گرم پانی کا انتظام تھا اور کئی درجن مزید لیٹرین اور غسل خانوں کا بھی انتظام کیا گیا تھا۔

بازار بھی اسلام آباد میں منظّم کیا گیا۔جس میں الگ الگ پندرہ پندرہ دکانیں مردوں اور عورتوں کے لئے مناسب قیمتوں پر کھانے کی تھیں۔کتب ورسائل بھی وہاں مل سکتے تھے۔شعبہ آڈیو وویڈیو کے کارکنان ساتھ کے ساتھ کیسٹس تیار کر کے دیتے تھے۔مرکزی وکالت اشاعت کے زیر اہتمام ایک نہایت اعلیٰ نمائش کا انتظام کیا گیا تھا جس میں قرآن مجید،منتخبہ آیات واحادیث کے تراجم،مختلف زبانوں کا لٹریچر۔مساجد اور مشنز۔قادیان اور ربوہ۔اسیران راہ مولا اور مختلف جماعتوں کی تصاویر اور نوادرات اور مختلف تقاریب کی جھلکیوں کی تصاویر رکھی گئی تھیں۔محمود ہال (لنڈن) میں بھی نمائش کا اہتمام کیا گیا تھا۔

روزنامہ ''ملت'' نے دو دفعہ اور ''دی ٹائمز'' نے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ کی تصاویر کے ساتھ ایک مضمون شائع کیا اور حضور کا صد سالہ جوبلی کا پیغام من وعن شائع کیا۔''گارڈین'' اور ''یو۔کے پریس گزٹ'' بھی خبریں شائع کرتے رہے۔بی بی سی ورلڈ سروس نے بھی خبر نشر کی۔بی بی سی افریقین سروس۔کاؤنٹی ساؤنڈ ریڈیو ٹلفورڈ اور ایشین ٹائمز کے نمائندگان نے حضور کا انٹرویو ریکارڈ کیا۔

اس کانفرنس میں ماریشس، لائبیریا اور گیمبیا کے ایک ایک وزیر اور سیرالیون کے دو وزراء۔غانا کے

اٹارنی جنرل۔لائبریا کے براڈ کاسٹنگ کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر جنرل اور ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل۔کینیڈا کے دوممبران پارلیمینٹ اور تنزانیہ کے ایک ممبر پارلیمینٹ اور نیوزی لینڈ کے موری قبیلہ کے چیف نے اور انگلستان کے متعدد میئرز نے شرکت کی۔حضور نے فرمایا کہ باوجودیکہ جماعت احمدیہ کی حکومت نہیں۔نہ ملک ہے۔تب بھی ان مختلف ممالک کے نمائندگان نے شرکت کی ہے۔

جلسہ گاہ کے قریب ایک سوبیس ممالک کے جھنڈے لہرا رہے تھے۔جن کے وسط میں علم احمدیت تھا جس کی پرچم کشائی حضور نے فرمائی تھی۔

حضور نے اپنے خطاب میں بیان فرمایا کہ

جشن صد سالہ کے سلسلہ میں ملک سیرالیون نے ایک یادگاری ٹکٹ جاری کیا ہے۔دورہ والے تمام ممالک میں حکومت۔اعلیٰ طبقہ اور ریڈیو اور ٹیلی ویژن والے نہایت اعزاز وتکریم کا سلوک کرتے ہیں۔کینیڈا کے مختلف شہروں کے میئرز نے تو صرف دنوں کو ہی نہیں بلکہ ہفتوں کو جماعت احمدیہ کا قرار دیا اور ان کے اعلان شائع کر کے اس کے سرٹیفکیٹ جماعت کو دیئے۔میں نے جشن تشکر پر روپیہ خرچ کر کے پبلسٹی کرنے کی اجازت نہ دی تھی لیکن اللہ تعالیٰ کی حیرت انگیز قدرت نمائی کے نشان ظاہر ہوئے۔ کینیڈا کے ذرائع ابلاغ کے ذریعہ ایک تہائی آبادی یعنی اسی ہزار افراد تک اور دنیا کے ذرائع ابلاغ کے ذریعہ اندازاً دنیا کی ایک چوتھائی آبادی تک احمدیت کا پیغام پہنچا ہے۔(حضور نے افریقین ممالک اور بھارت کے خدمت کے کاموں کے لئے پانچ کروڑ روپے کے چندہ کی تحریک فرمائی ہے۔)

انگلستان میں علاقہ سرے(Surrey) میں وسیع وعریض قطعہ خریدا گیا جس میں کئی سال سے سالانہ لنڈن کانفرنس منعقد ہوتی ہے۔جس کے لئے حکومت،میئرز،ذرائع ابلاغ(پریس۔ریڈیو اور ٹیلی ویژن) بھرپور تعاون دیتے ہیں۔اس وسیع قطعہ(اسلام آباد) میں بہترین ماڈرن چھاپہ خانہ بھی لگایا گیا ہے جہاں سے دنیا بھر میں کتب مختلف زبانوں میں مہیا کی جاتی ہیں۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے رؤیا کے مطابق سفید(پاک) پرندے بھی انگلستان میں آغوش احمدیت میں آنے لگے ہیں۔[۲۰۷]

جلسہ سالانہ ۱۹۸۹ء: قادیان کے جلسہ سالانہ ۱۹۸۹ء میں بکثرت غیر ممالک سے احمدی احباب نے شرکت کی۔جلسہ سالانہ مردانہ محلّہ ناصرآباد کے مغرب کی طرف کے ملحقہ کھیل کے میدان میں منعقد ہوا اور خواتین کا جلسہ بہشتی مقبرہ کے ملحقہ باغ کی پارک میں جو شمال کی طرف ہے۔قیام وطعام کا بفضلہٖ تعالیٰ بہترین انتظام تھا۔سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب تک ربوہ میں جلسہ سالانہ منعقد

نہیں ہوسکتا۔اس وقت تک قادیان کا جلسہ سالانہ اصل ہوگا اور ۲۶ تا ۲۸ دسمبر تاریخ ہائے انعقاد ہوں گی۔

برطانوی جلسہ سالانہ ۱۹۹۰ء

(بحوالہ ہفت روزہ ''لاہور'' بابت ۱۸/اگست ۱۹۹۰ء) اواخر جولائی ۱۹۹۰ء میں برطانیہ کی پچیسویں احمدیہ کانفرنس بمقام اسلام آباد (ٹلفورڈ) میں منعقد ہوئی جس میں پچپن ممالک کے دس ہزار سے زائد افراد نے شرکت کی۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ کے تین مبسوط لیکچروں کے علاوہ جماعت احمدیہ کے علماء اور سکالرز نے بھی خطاب کیا اور کینیڈا، سیرالیون اور برطانیہ کی حکومتوں کے نمائندوں نے بھی اظہار خیال کیا۔

سال بھر کا جائزہ۔سال گذشتہ میں جماعت احمدیہ کی رفتار ترقی یوں رہی:

۱- چار نئے ممالک میں جماعت کے ''مشن'' قائم ہوئے۔اس طرح مشنوں کی کل تعداد ایک سو چوبیس ہوگئی۔

۲- گیارہ سو سینتیس نئی جماعتیں قائم ہوئیں۔

۳- تین سو چونتیس نئی مساجد تعمیر کی گئیں۔

۴- ۸۴-۱۹۸۳ء کے مقابل بجٹ دگنا ہو گیا۔

۵- ایک لاکھ تئیس ہزار بیعتیں ہوئیں۔

۶- چھتیس ممالک کے ریڈیوز اور اٹھائیس ٹیلی ویژن اسٹیشنوں سے جماعت احمدیہ کے بارے پروگرام نشر ہوئے۔

۷- دنیا بھر کے پندرہ سو اڑتالیس اخبارات نے جماعتی سرگرمیوں سے متعلق خبریں، تبصرے، اداریئے اور انٹرویو شائع کئے۔

۸- فروغ احمدیت کے سلسلہ میں دنیا بھر میں ایک سو تاسٹھ نمائشوں کا اہتمام کیا گیا اور چار سو اٹھہتر بک سٹال لگائے گئے۔

۹- چودہ نئے جماعتی جرائد ورسائل جاری ہوئے۔

۱۰- افریقی ملکوں میں جدید ترین پریس قائم کئے گئے۔

اپنے افتتاحی خطاب میں سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ نے پاکستان میں ہونے

والے مظالم کا بھی ذکر کیا۔اور اپنے اختتامی خطاب میں جماعت احمدیہ کو روس میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچانے اور تعلیمات پھیلانے کے لئے اپنی سرگرمیاں تیز تر کردینے کی تلقین کرتے ہوئے کہا کہ انشاء اللہ ہم روس کو نئی زندگی دینے والے ہوں گے۔اور یہ روحانی فتح محبت، دعا اور دلائل کے ہتھیاروں سے حاصل ہوگی۔

اس وقت جماعت احمدیہ کے روشنی کے مینار حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ کا قیام انگلستان میں ہے جہاں سے ساری دنیا کو منور کیا جارہا ہے اور اس کا اثر براہِ راست بھی اور بالواسطہ بھی برطانیہ پر پڑ رہا ہے۔ برطانیہ کے اصل باشندے ''سفید پرندے'' بھی آغوش احمدیت میں آرہے ہیں۔امریکہ،کینیڈا، مغربی جرمنی وغیرہ ممالک احمدی مظلومین سے متاثر ہو رہے ہیں۔اس سے برطانیہ بھی متاثر ہو رہا ہے اور اس کے مئیرز اور اعلیٰ طبقہ کے لوگ جماعتی اجتماعات میں شرکت کرتے ہیں اور جماعت احمدیہ کی تعریف کرتے ہیں۔اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے اس قول کی صداقت کے آثار تیزی سے رونما ہو رہے ہیں کہ

''میرے نزدیک انگلستان کی فتح کی بنیاد رکھ دی گئی ہے۔''

الحمد للہ و صدق اللہ وعدہ۔

مجالس مشاورت میں شرکت

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی طرف سے مجلس مشاورت کا باقاعدہ آغاز ۱۹۲۲ء میں ہوا۔کم از کم آٹھ مجالس میں حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب نے بھی شمولیت کرنے کی سعادت پائی تھی۔ چنانچہ مجالس مشاورت کی رپورٹیں سرسری دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ۱۹۳۲ء، ۱۹۳۶ء اجلاس اول، ۱۹۳۸ء تا ۱۹۴۰ء اور ۱۹۴۲ء تا ۱۹۴۴ء کی مجالس میں آپ نے شرکت کی تھی پھر بعض میں بطور صحابی آپ کے شامل کئے جانے کا ذکر ہے۔

متعدد بار حضور نے اس مجلس کی اہمیت بیان فرمائی۔چنانچہ ۱۹۴۱ء کی شوریٰ میں فرمایا کہ ''حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کا مقام امام حضرت ابو حنیفہؒ سے بہت بڑا تھا۔اسی طرح گو آئندہ بڑے بڑے فقہاء پیدا ہوں گے۔ پھر بھی احمدیت کو جو مقام حاصل ہونے والا ہے اس کے باعث آپ نمائندگان کی حیثیت بعد کے فقہاء وعلماء سے ہمیشہ بڑی سمجھی جائے گی۔مشاورت کے فیصلے یہاں تک ہی

محدود نہیں رہ سکتے ۔ بلکہ یہ دنیا کی رہنمائی کیلئے ستارے ہیں ۔ ہماری آج کی باتوں سے بھی آئندہ نسلیں اور فقہاء بڑے بڑے مسائل کا استنباط کریں گے ۔'' [۲۰۸]

مجلس مشاورت ۱۹۲۸ء میں حضور نے فرمایا کہ ''ہماری مجلس شوریٰ کی عزت ......اس مقام کی وجہ سے ہے جو خدا تعالیٰ کے نزدیک اسے حاصل ہے...... وقت آئے گا اور ضرور آئے گا جب دنیا کی بڑی سے بڑی پارلیمینٹوں کے ممبروں کو وہ درجہ حاصل نہ ہوگا جو اس (شوریٰ) کی ممبری کی وجہ سے حاصل ہوگا...... اس مجلس کی ممبری...... اتنی بڑی عزت ہے کہ اگر بڑے سے بڑے بادشاہ کو ملتی تو وہ بھی اس پر فخر کرتا۔ اور وہ وقت آئے گا جب بادشاہ اس پر فخر کریں گے۔'' [۲۰۹]

بوقت تقسیم (برصغیر) صحابہ کرام کو دعاؤں کی تحریک

تقسیم برصغیر ہونے کے بعد حضرت مصلح موعودؓ نے ۲۹ اگست ۱۹۴۷ء کو مسجد مبارک میں خطبہ جمعہ میں اس وقت کے حالات کے پیش نظر ہدایات میں یہ بھی تلقین فرمائی کہ دعاؤں میں کمی نہ آنے دی جائے۔ اسی روز ہی حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے اکتیس صحابہ کو جن میں حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانیؓ بھی شامل تھے۔ خاص طور پر تحریک فرمائی کہ وہ حضرت مصلح موعود، مرکز سلسلہ اور جماعت کی حفاظت کیلئے دعائیں کریں اور آگے دوسرے اصحاب اور اپنے اہل وعیال میں بھی یہی تحریک کریں اور اگر کوئی امر ظاہر ہو تو مطلع فرمائیں۔ [۲۱۰]

درویشان میں آپ کی مبارک شمولیت

۱۔ تقسیم برصغیر کے حالات میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ مرکز قادیان کو آباد و فعال رکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ آپ نے ایک تقریر میں فرمایا کہ

''مشرقی پنجاب سے اسلام کا نام مٹا دیا گیا ہے۔ ہزاروں ہزار مسجدیں آج بغیر نمازیوں کے ویران پڑی ہیں جن میں جوئے کھیلے جاتے ہیں۔ شرابیں پی جاتی ہیں۔ بدکاریاں کی جاتی ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ جب تک جان میں جان ہے مشرقی پنجاب میں قادیان کے ذریعہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا بلند رکھیں۔ ہماری بدقسمتی ہوگی۔ اگر ہم اپنے ہاتھوں سے اسلام کا جھنڈا چھوڑ کر بھاگیں۔ میں اگر قادیان سے باہر ہوں تو صرف اس لئے کہ جماعت نے کثرت رائے سے یہ فیصلہ کیا تھا...... ہمارا باہر آنا اپنی جانوں

کو بچانے کیلئے نہیں بلکہ سلسلہ کو چلانے کیلئے ہے......۔اگر تم میں سے بعض کے لئے قید و بند یا قتل مقدّر رہے تو خدا تعالیٰ تمہیں ابدی زندگی بخشے گا۔اور اپنے خاص شہداء میں جگہ دے گا۔اور کون کہہ سکتا ہے کہ اس کی ایسی موت اس کی زندگی سے زیادہ شاندار نہیں؟'' [۲۱]

۲- اس دور درویشی کے ابتدا میں مرکز میں ٹھہرنے والے تقریباً تمام افراد ہی جوان طبقہ کے تھے لیکن حضور نے کمال فراست سے بوڑھوں کو بھی تبادلہ کے وقت بھجوایا جن میں ایک درجن صحابہ تھے جن میں تین سو تیرہ صحابہ کرام میں سے حضرات بھائی عبدالرحیم صاحب، بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی اور منشی محمد الدین صاحب واصلباقی شامل تھے۔مساجد سے دل معلق رکھنا، نوافل کی ادائیگی، تہجد گذاری، حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلفاء کرام سے والہانہ عشق اور انفاق اموال کے بارے میں خصوصاً ان تینوں بزرگان کا اسوہ قابل تقلید تھا۔

۳- غیر مسلموں اور غیر از جماعت مسلمانوں تک نے قادیان میں مقیم درویشاں کے کردار کو قابل تحسین و توصیف پایا۔چنانچہ

۱- احراری اخبار ''آزاد'' نے اپنی ۲۶ رمئی ۱۹۴۸ء کی اشاعت میں لکھا کہ

''مشرقی پنجاب کے (مسلم) عوام تو خیر......مجبور تھے۔لیکن جس بزدلی سے مسجدوں کے اماموں، خانقاہوں کے مجاوروں اور ایں شریف و آں شریف کے سجادہ نشینوں نے فرار اختیار کیا۔وہ اسلام......کے صریحاً خلاف ہوا۔تمام عمر اوقاف کی کمائی اپنے نفس پر صرف کر کے شعائر اللہ کو......(اغیار) کے حوالہ کر دینا اور خود بھاگ نکلنا قابلِ شرم فعل ہے (......فلاں خانقاہ) کے سجادہ نشین صاحب جو اس مقدس تربت کی کمائی تمام عمر بھر کھاتے رہے، یوں بھاگے کہ بستی کے لوگوں سے فرمایا۔حضرت صاحب نے خواب میں حکم دیا ہے کہ میں پاکستان جا رہا ہوں۔تم بھی چلو......دہلی میں سندھ کے متولیوں کا ایک پوسٹر آیا کہ خواجہ......(صاحب) کا عرس دارالکفر کی بجائے دارالاسلام میں منایا جا رہا ہے۔......ان گنت مساجد اپنی حرمت کھو کر......(غیر مسلم عبادت گاہوں)، گھروں......اور بہت سی اصطبلوں اور پاخانوں میں بدل دی گئی ہیں......۔

''ان سطروں کے لکھنے کی ضرورت اس لئے لاحق ہوئی کہ (لاہور کے روزنامہ) ''انقلاب'' کی تازہ اشاعت میں ایک قادیانی ملک صلاح الدین ایم۔اے کا ایک مکتوب چھپا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ آج بھی مرزا غلام احمد کے مزار کی حفاظت کیلئے وہاں جاں نثار مرزائی موجود ہیں۔اور اب بھی وہاں کی مسجدوں

میں اذان دی جاتی ہے۔ایک طرف نبوۃ باطلہ کے پیروؤں کا اعتقاد دیکھئے کہ وہ اپنے ''مقدس مقام'' کی حفاظت کیلئے اب تک ڈٹے ہوئے ہیں۔اور اپنی مسجدوں کی آبرو کو بچائے رکھا ہے۔لیکن ذرا ان سے بھی پوچھئے جو......سینکڑوں اہل اللہ کے مقبروں کی آمدنی ڈکارتے رہے اور اب دارالکفر کی بجائے دارالاسلام میں عرس منا کر ضعیف الاعتقاد مریدوں کی جیبیں ٹٹول رہے ہیں۔''

پھر ''انقلاب'' میں شائع شدہ مکتوب درج کیا ہے جس میں بیان ہوا ہے کہ پہلے درویشوں کو موت کے گھاٹ اتار دئے جانے کا خطرہ ہر وقت لاحق رہتا تھا۔اذان کی آواز سن کر بھی اغوا شدہ مسلم عورتیں ہمارے حلقہ میں آجاتی ہیں۔ایسی عورتوں کو برآمد کر کے اور دیگر مسلمانوں کو جو اپنا مذہب تبدیل کرنے پر مجبور ہوئے ہیں ہم پاکستان بھجوا دیتے ہیں۔

پھر یہ احراری اخبار لکھتا ہے:

''کیا اس خط کے بعد مشرقی پنجاب کے سجادہ نشین اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر کہہ سکتے ہیں کہ ان کے دل میں بھی اسلام ہے۔

اس مسلمان سے سو بار ہے کافر اچھا
جس مسلمان کے پیش نظر اسلام نہ ہو'' ۲۱۲

۲- سردار دیوان سنگھ صاحب مفتون نے اپنے اخبار ''ریاست'' دہلی کے دسمبر ۱۹۵۷ء کے شمارہ میں لکھا کہ

''یہ واقعہ انتہائی دلچسپ ہے کہ جب مشرقی پنجاب میں خونریزی کا بازار گرم تھا۔مسلمانوں کا مسلمان ہونا ہی ناقابل تلافی جرم تھا۔مشرقی پنجاب پر......کسی مقام پر بھی کوئی مسلمان باقی نہ رہا......تو قادیان میں چند درویش صفت احمدی تھے جنہوں نے اپنے مقدس مذہبی مقامات کو چھوڑنے سے انکار کر دیا۔اور...... ننگ انسانیت مظالم برداشت کئے اور جن کو بلا خوف تردید مرد مجاہد قرار دیا جاسکتا ہے۔اور جن پر آئندہ کی تاریخ فخر کرے گی......ان لوگوں کو انسان نہیں فرشتہ قرار دیا جانا چاہئے جو اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر اپنے شعار پر قائم رہیں اور موت کی پرواہ نہ کریں۔اب بھی......قادیان کے درویشوں کے اسوہ حسنہ کا خیال آتا ہے تو عزت واحترام کے جذبات کے ساتھ گردن جھک جاتی ہے۔اور ہمارا ایمان ہے کہ یہ ایسی شخصیتیں ہیں جن کو آسمان سے نازل ہونے والے فرشتے قرار دینا چاہئے۔''

۳- رسالہ ''چٹان'' لاہور نے ۱۹۶۱ء میں قادیان اور سید ابوالاعلیٰ مودودی کے پٹھان کوٹ ضلع

گورداسپور میں قائم کردہ مرکز جماعت اسلامی ''دارالسلام'' کا تقابلی جائزہ پیش کرتے ہوئے لکھا کہ

''ہم عاجز ہیں......لیکن اتنے بھی ہٹے نہیں کہ جماعت اسلامی کے ارکان کو اولیاء اللہ کی صف میں جگہ دیں......آدمی تو ہر شخص اکٹھا کرلیتا ہے۔مرزا غلام احمد نے بھی جمع کر لئے تھے۔فضلاء کی ایک بڑی جماعت ان کی جاں نثار ہے۔پھر یہ واقعہ نہیں؟ کہ ''دارالسلام'' کے چابی برداروں میں اکثر برقع پہن کر بھاگ نکلے تھے۔مگر مرزا غلام احمد کے پیرو آج تک قادیان کی حفاظت تین سو تیرہ کی جتھہ بندی سے کررہے ہیں۔''[۲۱۳]

۴- جماعت اسلامی کا ترجمان ''المنبر'' لائل پور ۷/مارچ ۱۹۵۶ء کی اشاعت میں لکھتا ہے:

''یہ وہ واحد جماعت ہے جس کے ۳۱۳ افراد تقسیم کے لمحہ سے آج تک قادیان میں موجود ہیں۔اور وہاں اپنے مشن کیلئے کوشاں بھی ہیں اور منظم بھی۔''

۴- حضرت مصلح موعودؓ نے مجلس مشاورت ۱۹۴۸ء میں تحریک فرمائی کہ عشاق احمدیت قادیان کے مقامات کو آباد کرنے کیلئے اپنے تئیں پیش کریں۔اس آواز پر لبیک کہنے والے ایک خوش نصیب پینتیس احباب پر مشتمل قافلہ کو آغاز ماہ مئی ۱۹۴۸ء میں حضور نے شرف مصافحہ بخشا اور اجتماعی دعا کے ساتھ الوداع کہا۔اس قافلہ میں بارہ صحابہ تھے۔جن میں حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب (امیر قافلہ) اور حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی جیسے قدیم وممتاز صحابہ بھی شامل تھے۔یہ قافلہ ٹرکوں کے ذریعہ قادیان پہنچا۔ملٹری چوکی کے افسران نے اس قافلہ کی اسم وار فہرست تیار کی۔پھر یہ قافلہ مجسٹریٹ صاحب، ملٹری پولیس کی کافی تعداد، چند سائیکل سواروں اور ایک دو شہسواروں کے جھرمٹ میں محلّہ دارالشکر ہوتے اور (احمدیہ) فروٹ فارم، اسٹیشن اور کوٹھی حضرت چودھری فتح محمد صاحب سیال (کے پاس) سے گذرتے ہوئے دارلانوار کی بڑی سڑک سے شہر میں داخل ہوا۔اور حضرت مولوی عبدالمغنی خاں صاحب اور نیک محمد خاں صاحب غزنوی کے مکان پر جا کر رکا۔[۲۱۴]

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ کے نام ایک خصوصی مکتوب میں اس واقعہ پر یہ بھی رقم فرمایا کہ

''جملہ درویشوں کو میری طرف سے بعد سلام یہ پیغام پہنچا دیں کہ وہ ان بزرگوں کی آمد کو ایک خدائی نعمت سمجھتے ہوئے ان کی صحبت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔اور ان کے علم وعمل کو اپنے لئے مشعل راہ بنائیں۔صحابہ کا مقدس گروہ دن بدن کم ہوتا جا رہا ہے۔باوجود اس کے ہم انہیں اپنے

آپ کوان کی صحبت سے محروم کرتے ہوئے آپ کے پاس بھجوائے جارہے ہیں۔پس اس نعمت کی قدر کریں اوردعاؤں اورنوافل پر پہلے سے بھی زیادہ زور دیں۔اور باہم اتحاداورتعاون اور بزرگوں کے ادب کا وہ نمونہ قائم کریں جو اسلام آپ سے چاہتا ہے ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہمارا پیارا مرکز ہمیں کب واپس ملے گا۔مگر جب تک ہمیں وہ واپس نہیں ملتا۔ان بزرگوں کا وجوداوران کے ساتھ آپ جیسے مخلص اور جاں نثار درویشوں کا وجوداس شمع کا حکم رکھتا ہے جوایک وسیع اور تاریک میدان میں اکیلی اورتن تنہا روشن ہوکر دیکھنے والوں کیلئے نور ہدایت کا کام دیتی ہے۔اگر آپ خلوص نیت اور سچی محبت اور پاک جذبہء خدمت کے ساتھ قادیان میں ٹھہریں گےاوراپنے آپ کواحمدیت کا اعلیٰ نمونہ بنائیں گے۔تو نہ صرف خدا کے حضور میں آپ کی یہ خدمت خاص قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی بلکہ آنے والی نسلیں بھی آپ کے اس نمونہ کوفخر کی نظر سے دیکھیں گی۔'' [۲۱۵]

درویشاں کے بارے آپ کے چشم دید حالات

حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی ۱۲رمئی ۱۹۴۸ءکومستقل طور پر دوبارہ قادیان واپس تشریف لائے۔آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مفصل مکتوب ۳۱رمئی کوتحریر کیا جس میں درویشان کے لیل ونہار کا نقشہ کھینچا:

''قادیان پہنچے بیس روز ہوئے ہیں۔پہلا ہفتہ قریباً آٹھ ماہی جدائی کی حسرت وحرمان کی تلافی کی کوشش میں گزرگیا۔اور ماحول کی طرف نظر اٹھانے کی بھی فرصت نہ ملی دوسرے ہفتہ کچھ حواس درست ہوئے تو دیکھتا اورمحسوس کرتا ہوں کہ ایک نئی زمین اور نئے آسمان کے آثار نمایاں ہیں۔ایک تغیر ہے عظیم، اورایک تبدیلی ہے پاک، جو کہ یہاں کے ہر درویش میں نظر آتی ہے۔چہرے ان کے چمکتے۔آنکھیں ان کی روشن۔حوصلے ان کے بلند پائے۔نمازوں میں حاضری سو فیصدی۔نمازیں نہ صرف رسمی بلکہ خشوع خضوع سے پُر دیکھنے میں آئیں۔رقت وسوز، یکسوئی واہتہال محسوس ہوا۔مسجد مبارک دیکھی تو پُر۔مسجد اقصیٰ دیکھی تو بارونق۔مقبرہ بہشتی کی نئی مسجد جس کی چھت آسمان اور فرش زمین ہے۔وہاں گیا تو ذاکرین وعابدین سے بھرپور پائی۔ناصرآباد کی مسجد ہے تو خداتعالیٰ کے فضل سے آباد ہے۔اذان واقامت برابر پنجوقتہ جاری......۔مساجد کی یہ آبادی اوررونق دیکھ کرالٰہی بشارت کی یاد سے دل سرور سے بھر گیا۔اورامید کی روشنی دکھائی دیتی ہے......، نہ صرف یہ کہ فرائض کی پابندی ہے، بلکہ نوافل میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے

یہی کثرت ،ہجوم اور انہماک پایا۔مقامات مقدسہ کے کونہ کونہ کے علم پانے کا عموماً ان نو جوانوں کو حریص دیکھا اور پھر عامل بھی۔حتیٰ کہ حالت یہ ہے کہ اس تین ہفتہ کے عرصہ میں میں نے بار ہا کوشش کی کہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ السلام کے بیت الدعاء میں کوئی لمحہ تنہائی کا مجھے بھی مل سکے۔مگر ابھی تک یہ آرزو پوری نہیں ہوئی۔جب بھی گیا نہ صرف یہ کہ وہ خالی نہ تھا۔بلکہ تین تین چار چار نو جوانوں کو وہاں کھڑے اور رکوع وسجود میں روتے اور گڑ گڑاتے پایا۔اسی پر بس نہیں۔بلکہ متصلہ دالان اور بیت الفکر تک کو اکثر بھر پور اور معمور پایا۔

تہجد کی نماز چاروں مساجد میں برابر با قاعدگی اور شرائط کے ساتھ با جماعت ادا ہوتی ہے۔اور بعض درویش اپنی جگہ پر،بعض اپنی ڈیوٹی کے مقام پر ادا کرتے ہیں۔کھڑے کھڑے چلتے پھرتے بھی ان کی زبانیں ذکر الٰہی سے نرم اور تر ہوتی دیکھی اور سنی جاتی ہیں۔اور میں یہ عرض کرنے کی جرأت کرسکتا ہوں کہ نمازوں میں حاضری اللہ تعالیٰ کے فضل سے سو فیصدی ہے۔درس تدریس اور تعلیم وتعلم کا سلسلہ دیکھ کر دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ہر مسجد میں ہر نماز کے بعد کوئی نہ کوئی درس ضرور ہوتا ہے۔اس طرح قرآن،حدیث اور سلسلہ کے لٹریچر کی ترویج کا ایک ایسا سلسلہ جاری ہے جس کی بنیاد صحیح اور نیک نیت پر شوق اور لذت کے ساتھ اٹھائی جارہی ہے۔عام علوم کے درس اس کے علاوہ ہیں۔اور روزانہ وقار عمل۔تعمیر ومرمت۔صفائی ولپائی مکانات،مساجد اور مقابر، راستے اور کوچہ ہا بلکہ نالیوں تک۔اس کے علاوہ خدمت خلق بڑی بشاشت اور خندہ پیشانی سے کی جاتی ہے۔جس میں ادنیٰ سے ادنیٰ کام کو کرنے میں تکلیف،ہتک یا کبیدگی کی بجائے بشاشت ولذت محسوس کی جاتی ہے۔گہیوں کی بوریاں،آٹے کے بھاری تھیلے اور سامان کے بھاری صندوق،بکس اور گٹھے یہ سفید پوش،خوش وضع اور شکیلے نو جوان۔جس بے تکلفی سے ادھر سے اُدھر گلی کوچوں میں جہاں اپنے اور پرائے،مرد اور عورت اور بچے ان کو دیکھتے ہیں۔لئے پھرتے ہیں،قابل تحسین وصد آفرین ہے۔اوران چیزوں کا میرے دل پر اتنا گہرا اثر ہے جو بیان سے بھی ظاہر ہے۔

’’یہ انقلاب،تغیر اور پاک تبدیلی دیکھ کر میرے آقا!بے ساختہ زبان پر جاری ہوا۔

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ اند
زیر آں گنج کرم پنہادہ اند

خدا کرے کہ ایسا ہی ہو

’’خدمت خلق کے سلسلہ میں ہمارا ہسپتال جو خدمت بجالا رہا ہے۔وہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔

بلاتمیز وتفریق مذہب وملت۔عورت،مرد اور بچے بیشمار (افراد) روزانہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔اور عزیز مکرم ڈاکٹر بشیر احمد صاحب جو ان دنوں انچارج اور چند نوجوان ان کی زیر قیادت ان خدمات پر مامور ہیں۔جس کے نتیجہ میں رجوع خلق میں روز افزوں ترقی واضافہ نظر آتا ہے۔اوراب ڈاکٹر عطر الدین صاحب کے آجانے پر ایک وٹرنری ہسپتال بھی جاری کر دیا گیا ہے۔

''مقبرہ بہشتی کی ہر قبر بلکہ ہر قبر کے ایک ایک کونہ اور گوشہ میں روشوں اور نالیوں اور پودوں اور درختوں کی جو خدمت اس محصور خلق خدا نے کر دکھائی ہے...... قابل رشک ہے۔جس کو دیکھ کر میں ششدر ہو گیا۔اور مرحبا اور صد آفرین کی صدا از خود دل کی گہرائیوں سے بلند ہونے لگی۔مقبرہ کے گرد چار دیواری جس محنت اور جانفشانی سے ان ہونہاروں نے تیار کی،وہ بے مثال ہے۔جنوبی جانب،جنوب مشرقی اور جنوب مغربی دونوں کونوں میں دو کوارٹروں میں پانچ پانچ نوجوان دن رات رہتے ہیں۔اس طرح مزار سیدنا حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چار دیوار کے شمال مشرقی کونہ پر بھی ایک دومنزلہ کوارٹر بنایا گیا ہے۔اور ایک کوٹھڑی جو پہلے سے جنوب مغربی کونہء چار دیواری کے باہر تھی۔اس کو بھی بغرض حفاظت دومنزلہ بنا دیا گیا ہے۔اور آج کل تیس نوجوان صرف مقبرہ بہشتی کی حفاظت پر مامور ہیں۔جو وقار عمل کے وقت دوسرے درویشوں کے ساتھ مل کر بھی کام کرتے ہیں الغرض...... یہ تو ہے ایک مختصر سا خاکہ۔

یہ سب کچھ کھو کر بھی......اگر خدا مل جائے۔اس کی رضا حاصل ہو جائے۔اور حضور کے زیر قیادت وہدایت یہ راہیں ہمارے لئے آسان ہوتی جائیں اور صبر واستقلال سے تحصیل علوم دینیہ،عبادت و ذکر الٰہی،خدمت خلق اور روحانی ترقیات کے سامان میسر رہیں۔نیتیں نیک اور اعمال ہمارے صالح ہوں تو عجب نہیں کہ وہ مقام عالی حضور کے غلاموں کو اس محاصرہ کی حالت اور مشکلات کے دور میں میسر آجائے تو یہ سودا بہت سستا اور مفید ہے۔

''آقا!ہماری جس تبدیلی کے لئے حضور ہمیشہ تحریکیں فرماتے چلے آئے ہیں۔اور رات اور دن حضور کے،اسی کوشش اور فکر میں گزرتے چلے آئے ہیں۔کیا عجب کہ وہ اس قیامت ہی سے وابستہ ہوں۔اور قضاء وقدر کا قانون خاص ہی حضور کے ان مقاصد کی توفیق جماعت کو عطا فرماوے اور پاک تبدیلی اسی قانون پر منحصر ہو۔خدا کرے ایسا ہی ہو۔دنیا تو گئی اگر خدا مل جائے تو پھر کوئی خسارہ ہے نہ گھاٹا۔

''نوجوانوں کی کایا پلٹ ہوگئی ہے یا کم از کم ہو رہی ہے خدا کرے کہ اس حرکت میں برکت ہو۔اور

اس قدم کے اٹھانے میں اللہ تعالیٰ دوڑ کر ہماری طرف آئے ۔ دستگیری فرمائے اور اٹھا کر زمینی سے آسمانی بنادے۔

''میرے آقا! قصہ کوتاہ ۔ یہ وقت ایک خاص وقت ہے ۔ اور میں محسوس کرتا ہوں کہ مصلحت الٰہی اور منشاء ایزدی نے اس انقلاب کے ساتھ جماعت میں اس پاک تبدیلی کو وابستہ کر دکھایا ہے ۔ جو حضور ہم میں پیدا کرنا چاہتے ہیں ۔ اور یہ وقت ہے جس میں خدا کا قرب پانے کے مواقع میسر ہیں ۔'' [۲۱۶]

درویشی دور میں آپ کے بعض کام

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے منشا کے مطابق حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحبؓ بھی مئی ۱۹۴۸ء میں قادیان واپس تشریف لائے ۔ آپ نے زبانی بیان کیا تھا کہ بوقت روانگی حضور نے مجھے فرمایا کہ قادیان کے حالات براہ راست حضور کو تحریر کرتا رہوں ۔ آپ کا قادیان میں قیام سلسلہ کے لئے اور سب درویشان کے لئے بہت مبارکباد ثابت ہوا ۔ بعض امور کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

۱- حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی طرف سے مجلس کارپرداز مصالح قبرستان (بہشتی مقبرہ قادیان) میں ذیل کے ارکان مقرر ہوئے ۔ حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحبؓ (ناظر اعلیٰ)، حضرت بھائی عبدالرحیم صاحبؓ قادیانی، حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحبؓ قادیانی، ناظر بیت المال (محترم شیخ عبدالحمید صاحب عاجز) اور خاکسار ملک صلاح الدین (سیکرٹری بہشتی مقبرہ) سیکرٹری ۔ [۲۱۷]

۲- جلسہ قادیان پر ۲۸ر دسمبر ۱۹۵۰ء کا ایک اجلاس آپ کی صدارت میں منعقد ہوا ۔ [۲۱۸]

۳- حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کی وفات پر آپ کے مناقب کے بارے مسجد اقصیٰ میں ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں حضرت بھائی جی کی بھی تقریر ہوئی ۔ [۲۱۹]

۴- حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحبؓ ناظر اعلیٰ وامیر مقامی کی غیوبت کے دوران حضرت بھائی جی ان دونوں عہدہ ہائے جلیلہ کے لئے قائم مقام، حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی طرف سے مقرر ہوئے تھے ۔ [۲۲۰]

۵- حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی طرف سے بقایا چندہ تحریک جدید کی جلد ادائیگی کی تحریک ہوئی ۔ اس بارے میں زیر صدارت حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحبؓ ایک جلسہ منعقد ہوا ۔ آپ نے بروقت ادائیگی کی کوشش کے لئے حضرت بھائی جی، محترم قریشی عطاء الرحمٰن صاحبؓ درویش معاون ناظر بیت المال اور محترم چودھری محمود احمد صاحب عارف سیکرٹری تحریک جدید مقامی پر مشتمل ایک کمیٹی مقرر کی ۔ [۲۲۱]

حضرت مصلح موعود پر قاتلانہ وار اور قادیان میں والہانہ محبت کا اظہار

۱- ۱۰/مارچ ۱۹۵۴ء کو جب حضرت مصلح موعودؓ ربوہ میں مسجد مبارک میں نماز عصر پڑھا کر واپس جانے لگے تو ایک غیر از جماعت ناہنجار نوجوان نے حضور کی شہ رگ پر چاقو سے قاتلانہ حملہ کر دیا۔ یہ خبر دوسرے روز صبح ریڈیو پاکستان سے سنی گئی۔ یہ خبر کیا تھی۔ ایک صاعقہ تھی۔ ایک بجلی تھی جو آناً فاناً گری اور اس نے درویشوں کے حلقہ میں کہرام مچا دیا۔ اور ان کے دل و دماغ کو ہلا کر رکھ دیا۔ اس خبر کے ملتے ہی سب دیوانہ وار مسجد مبارک اور دار المسیح کی طرف دوڑے۔ ہر درویش پریشان تھا کہ اب کیا کیا جائے۔ ہر شخص چاہتا تھا کہ کاش اس کو قوت پرواز نصیب ہو تو وہ اڑ کر اپنے امام کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔ اور حضور کے درد و کرب میں شریک ہو کر اپنے آپ کو اپنے پیارے امام پر سے قربان کر سکے۔ بیت الدعاء اور دالان حضرت اُم المؤمنینؓ میں حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی نے اشکبار آنکھوں اور غمزدہ دل کے ساتھ نہایت سوز و گداز سے اجتماعی دعا کرائی۔ دعا کے وقت حشر سا بپا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اکثر درویشوں کی آہ و بکاہ عرش الٰہی تک پہنچ رہی ہے۔

پھر حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی اور محترم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب کے مشورہ سے چودھری عبدالقدیر صاحب درویش کو (جو بعد میں ناظر بیت المال خرچ مقرر ہو گئے تھے) کو تفاصیل معلوم کرنے کیلئے بھجوایا گیا۔ اور وہ ۱۳/مارچ کو واپس آ گئے۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا تار بھی موصول ہو چکا تھا حملہ کے بارے اور حملہ آور کی گرفتاری کے بارے تار میں دعائیں کرنے کی تلقین کی گئی تھی۔ حملہ سے زخم تین انچ لمبا اور پون انچ گہرا تھا۔

ہدایت کے مطابق تمام درویشان مسجد مبارک میں جمع ہوئے اور خواتین بیت الفکر میں۔ تار، تین بار سنایا گیا۔ پھر حضرت بھائی جی نے دو نوافل باجماعت پڑھائی۔ جو رقت، الحاح اور تضرع کا ایک خاص رنگ لئے ہوئے تھے۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کی اس نماز میں حضور کی صحت عاجلہ و کاملہ اور درازیء عمر کیلئے دعائیں کی گئیں۔ بعدہ صدقہ کی تحریک کی گئی۔ دو قربانیاں کی گئیں اور بقیہ رقم بیوگان اور مساکین میں تقسیم کی گئی۔ [۱۲۲]

خاکسار مؤلف حضور کے ارشاد پر سلسلہ کے ایک کام کیلئے سری نگر گیا ہوا تھا۔ حضور کے احسانات کی وجہ سے وہاں غیر از جماعت کشمیریوں نے بھی اس صدمہ کو بہت محسوس کیا اور شام کو کھانا نہیں کھایا۔ خاکسار

کی دوسرے روز خطبہ جمعہ میں تحریک پر احباب نے صدقہ کیا۔ایک احمدی دوست اس وقت بہائیت کے زیر اثر آ گئے تھے۔ چندروز پہلے خاکسار اور مبلغ سری نگر حکیم محمد سعید صاحب نے ان کے گھر جا کر ان سے ملاقات کی۔ بعد میں ان صاحب نے اپنی بیوی کو شدید مار پیٹ کی کہ تمہاری جماعت سے وابستگی ان دونوں کے آنے کا باعث بنی ہے۔ بیوی علیحدگی لینے پر مصر تھی۔خاکسار کے سمجھانے پر رک گئی۔ان صاحب پر اس حملہ کی خبر کا ایسا اثر ہوا کہ انہوں نے جمعہ میں صدقہ بھی پیش کیا۔ چاول پکوا کر صدقہ کے طور پر خود بانٹے۔ان کو توبہ کی توفیق ملی اور وفات سے پہلے سالہا سال تک وہ تبلیغ میں منہمک رہے اور خاتمہ بالخیر ہوا۔فالحمدللہ۔

۲- حضرت مصلح موعود کے استفسار پر حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ نے تحریر کیا کہ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ایک رؤیا سنائی تو حضور نے معاً بڑے جوش سے فرمایا۔ دعا کرو۔اور آپ نے بڑی لمبی دعا کی۔اور پھر حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب کے متعلق اپنے بعض خواب سنائے۔جن میں یہ بھی تھا کہ حضور نے ایک دفعہ صاحبزادہ صاحب کے کپڑوں پر خون کے دھبے یا چھینٹے دیکھے۔ نیز فرمایا کہ خوابوں کی تعبیر اپنے وقت پر ہوتی ہے اور جو لوگ بڑے ہوتے ہیں ان کے دشمن بھی بہت ہوتے ہیں۔اس لئے میں نے دعا کی ہے کہ ہر امر برکات کا موجب ہو۔

حضرت عرفانی صاحب نے یہ بھی لکھا کہ مجھے یہ وہم کبھی کم نہ ہوا کہ آپ پر قاتلانہ حملہ ہوگا۔سو میں (عرفانی) مخفی طور پر نگرانی کرتا رہا۔خلافت اولیٰ میں آپ شکار کو اکیلے چلے جاتے تھے۔سو میں نے اور مفتی فضل الرحمٰن صاحب نے عرض کر کے ساتھ جانے کی اجازت لے لی۔ایک فتنہ کے وقت اپنے بیٹے (شیخ محمود احمد صاحب عرفانی) کو مخفی دشمنوں کی سازشوں کی حرکات وسکنات کا علم رکھنے کو مقرر کیا۔ جب میں دکن چلا آیا تو دشمنوں کی کارستانیوں کا علم ہونے پر میں نے مکرم بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی کو لکھا کہ آپ خاص طور پر حضرت صاحب کی نگرانی رکھیں۔ باڈی گارڈ کے بھروسہ پر رہ کر غافل نہ ہوں۔ [۲۲۳]

وجوہ معاش

حضرت بھائی جی تحریر کرتے ہیں:

''میرے وجوہ معاش کبھی بھی مستقل اور معین نہیں ہوئے۔ نہ میں مستقل تاجر رہا۔ نہ ہی مستقل ملازم۔ وجہ یہ کہ نیت ہمیشہ یہ رہی ہے کہ کسی طرح سے کبھی کوئی خدمت خاندان پاک کی مجھ سے ہو جائے۔ اس نیت سے دکان کی تو عارضی۔ تا کہ وقت پر آسانی سے چھوڑی جا سکے۔ اور کام کیا تو ایسا کہ مجھے اصل غرض سے محروم نہ کر سکے۔'' (چٹھی ۲۸/نومبر ۱۹۲۹ء فائل وصیت)

آپ نے کبھی دکان کر لی۔ کبھی ملازمت۔ کبھی کسی کے ساتھ دکان کی شراکت کر لی۔ آپ لمبے عرصہ تک شدید مالی مشکلات سے دوچار رہے۔ حضرت مصلح موعودؓ ان مالی تفکرات سے آپ کو آزاد کرانے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ حضور نے بعض دفعہ آپ کو ملازمت کیلئے توجہ دلائی۔ [۲۲۴]

حضور بعض دفعہ بحالی صحت کیلئے علاقہ بیٹ میں تشریف لے جاتے تھے۔ ایک دفعہ موضع عالمہ سے جو قادیان سے چند میل کے فاصلہ پر ہے بھائی جی کو لکھا کہ کاروبار کے لئے میں نے پانچ صد روپیہ آپ کو مہیا کرنا تھا۔ ساڑھے چار صد روپیہ کا انتظام ہو گیا ہے۔ تین سال کے لئے آپ اسے امانت یا قرض تصور کریں۔ بعد اختتام مدت یہ سرمایہ آپ کا ہو جائے گا۔ [۲۲۵]

اس بات سے بھی جماعت کی مالی حالت کا علم ہوتا ہے کہ حضور کو باوجود امام جماعت ہونے کے ایک بزرگ کی خاطر پانچ صد روپیہ کی رقم کے مہیا کرنے میں کتنی مشکل کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ جس نیت سے آپ نے مستقل کاروبار نہ کیا اور پھر اس نیت پر جس عزم بالجزم سے آپ عمل پیرا رہے اور نہ صرف آپ نے بلکہ آپ کے اہلبیت نے بھی ان صبر آزما حالات میں آپ کا ساتھ دیا۔ ایسی استقامت اللہ تعالیٰ کے خاص فضل کے بغیر ممکن نہیں۔ اسکی کچھ تفصیل الگ بیان کی جائے گی۔

آپ کے معاشی حالات

آپ کے معاش کی صورت حال ذیل کے کوائف سے واضح ہوتی ہے۔ کسی کام کو آپ نے عار نہیں

خیال کیا:

۱- ابتدا ۱۸۹۸ء سے کئی سال تک آپ تعلیم الاسلام سکول میں ٹیچر رہے۔

۲- ''محمد اسمٰعیل و ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب قادیانی'' کی طرف سے اعلان ہوا کہ ہم پانچ سالہ بچوں کو چھ ماہ میں قرآن مجید پڑھا سکتے ہیں۔ بچے اس عرصہ میں ہر ایک اعراب والی کتاب کو صحت سے پڑھ سکیں گے۔''

آخر پر ''تصدیق (حضرت مولانا) حکیم نورالدین صاحب'' ہے کہ ''جہاں تک میرا تجربہ اور علم ہے مجھے یقین ہے کہ دونوں صاحب بہت نیک ہیں۔ انشاءاللہ بچوں کے لئے ان کے مساعی مشکور ہوں گے۔''
''البدر ۸؍مئی ۱۹۰۳ء۔ صفحہ ۱۲۷۔ محمد اسمٰعیل صاحب سے مراد محمد اسماعیل صاحب سرساوی مدرس مدرسہ تعلیم الاسلام ہیں۔''

۳- آپ اواخر ۱۹۰۳ء تا اواخر ۱۹۰۷ء حضرت مرزا محمد احسن بیگ صاحبؓ کے پاس راجپوتانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشاد پر ٹھہرے تاکہ ان کی اراضی کی آبادکاری میں مدد دیں۔

۴- حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی مالک و ایڈیٹر اخبار الحکم نے بتایا کہ بھائی جی کو اس اخبار میں ۱۹۰۸ء میں مقرر کیا گیا تھا۔ خصوصاً حضرت اقدس کے آخری سفر لاہور سے پہلے۔ آپ ۱۷ ؍اگست ۱۹۰۸ء تک اس اخبار میں کام کرتے رہے۔ الحکم کی مالی تنگی کے باعث آپ وہاں سے فارغ ہوئے تو دکان کرنے کی طرف توجہ کی۔ [۲۲۶]

۵- آپ کے یکم ستمبر ۱۹۱۰ء کے خط کے مطابق آپ مقروض تھے۔

۶- ''سال (۱۱-۱۹۱۰ میں)...... بکڈپو کی فروخت کتب کا انتظام شیخ عبدالرحمٰن صاحب قادیانی دکاندار کے سپرد کیا گیا ہے۔'' [۲۲۷]

۷- دکان میں آپ کی کسی کے ساتھ شراکت تھی۔ [۲۲۸]

۸- بورڈنگ تعلیم الاسلام ہائی سکول میں آپ نے ۱۹۱۷ء میں دکان کھول لی تھی۔ [۲۲۹]

۹- آپ کا ۲۰ ؍جنوری ۱۹۱۸ء تا ۲۸ ؍ستمبر ۱۹۲۰ء دوکان کا روزنامچہ خاکسار مؤلف کو اتفاقاً ایک جگہ ردی کاغذات سے مل گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ اسوقت آپ اندرون شہر دکان کرتے تھے۔
۱۹۲۰ء میں آپ کی سوڈا برف کی دکان تھی۔
(مکتوبات اصحاب احمد جلد اوّل۔ صفحہ ۶۸ کے مطابق حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے آپ نے اس کام کے

کرنے کی اجازت غالباً اس سال کے موسم کے لئے درخواست کی تھی)

۱۰- آپ کے ۲۷/اپریل ۱۹۲۷ء وبعد کے خطوط سے آپ کے مقروض ہونے کا علم ہوتا ہے۔۲۱/اکتوبر ۱۹۲۸ء کی آپ کی چٹھیمیں مرقوم ہے کہ پون سال سے آپ کسی دفتر میں کام کررہے ہیں لیکن آپ کو معاوضہ نہیں ملا۔اوراس بارے میں دفتر کی تصدیق آپ کے وصیت کے فائل میں موجود ہے اس کا باعث صدرانجمن احمدیہ کی اپنی مالی مشکلات تھیں اوراس زمانہ میں معاوضے کئی کئی ماہ تاخیر سے ملتے تھے۔اس فائل سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی جو کچھ پونجی جمع ہوئی تو وہ بھی خدمت سلسلہ میں صرف ہوگئی۔مثلاً علاقہ ملکانہ میں قریباً ایک سال بھر آپ جہاد تبلیغ میں مصروف رہے۔وہاں ہرایک کو اپنا خرچ کرنا پڑتا تھا اس طرح وہاں کے اور گھر کے اخراجات میں آپ کی ساری پونجی صرف ہوگئی۔۱۹/جون ۱۹۲۹ء کی آپ کی چٹھی سے معلوم ہوتا ہے کہ تبلیغ ملکانہ کے بعد سے آپ بیکار چلے آرہے تھے۔۱۹۳۳ء میں سندھ میں آپ نے نصف سال کام کیا۔دوسرے سال آپ نے ساٹھ روپے مشاہرہ پرسات ماہ کام کیا۔لیکن علالت کے باعث آپ کومحمود آباد اسٹیٹ (سندھ سے واپس بلالیا گیا۔۱۹۳۵ء اور ۱۹۳۶ء کے دوسالوں میں قریبا چھ ماہ اور ۱۹۳۷ء میں سندھ میں بمقام میر پورخاص تین ماہ کام کیا۔

۱۱- ''قادیان گائڈ'' مرتبہ محترم محمد یامین صاحب تاجر مطبوعہ نومبر ۱۹۲۰ء ''احمدی بازار'' کے پچیس تاجران کے نام مع کام کے درج ہیں۔(ناموں سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد مبارک کے قرب وجوار کے بازار کو''احمدی بازار'' لکھا ہے۔) وہاں درج ہے۔''بھائی عبدالرحمٰن صاحب۔کیک بسکٹ''۔(صفحہ ۱۰۹)

آپ کی دکان کے روزنامچہ سے علم ہوتا ہے کہ آپ برف سوڈا، کوکونٹ، پیسٹری، کیک، بند، رس، ڈبل روٹی، بسکٹ اور سبزی، پھل وغیرہ کا ملا جلا کام کرتے تھے۔پیسٹری وغیرہ کی تیاری میں آپ کی اہلیہ محترمہ مدد کرتی تھیں اوروہ اس کام سے واقف ہوگئی تھیں۔اسوقت قریب ترین ریلوے اسٹیشن (جہاں عام آمدورفت تھی اور امرتسر اور لاہور کے راستہ میں) بٹالہ کا ریلوے اسٹیشن تھا جو گیارہ میل کے فاصلہ پر ہے۔سارا ضلع گورداسپور اسوقت بے حد پسماندہ علاقہ تھا۔قادیان اوراس کا ماحول دیہاتی رنگ رکھتا تھا۔ضروریات کم اور محدود تھیں ان میں بہت سادگی تھی اس کا اور کئی اور مفید باتوں کا علم اس روزنامچہ سے ہوتا ہے۔

سادگی دیکھئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی طرف سے جناب چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحبؓ کی آمد پر ۱۸/اپریل ۱۹۱۹ء اور ۱۴/اپریل ۱۹۲۰ء کو دس آنے اور آٹھ آنے کی اشیاء مہمان نوازی کے لئے خرید کی

گئیں۔ بالعموم احباب ادہار سودا خریدتے تھے کیونکہ عوام کی اقتصادی حالت اچھی نہ تھی۔ کئی برسوں تک سلسلہ کے کارکنان کا یہ حال رہا کہ کئی کئی ماہ تاخیر سے تنخواہیں تقسیم ہوتی تھیں۔ اوراس کا اثر دکانداروں وغیرہ پر بھی پڑتا تھا۔ ایسی صورت میں یہ کارکنان اورغریب مہاجرین بمشکل ضروریات زندگی ہی خرید سکتے تھے۔ ایک ایک دو دو پیسے کے ادہار کے اندراجات یہی حقیقت ظاہر کرتے ہیں۔ سوکاروبار کا میدان بہت ہی محدود تھا۔ اس روزنامچہ کے مطابق اونچے گھرانے بھی ادہار سودا لیتے تھے۔ ان کا مقصد یہ ہوتا ہوگا کہ ہر ماہ یکمشت ادائیگی کردی جائے۔

روزنامچہ کے کام کے زمانہ میں قریباً پچیس ماہ میں برف بشمول کلفہ کی بکری کے علاوہ پھل سبزی اور متفرقات کی ادہار فروخت جو کہ دراصل پچاس ساٹھ فیصدی بلکہ اس سے بھی زیادہ ادہار ہی ہوتی تھی، چھ روپے ماہوار سے زیادہ نہ تھی۔ سوڈا برف کا کام تو بالکل عارضی اور دواڑھائی کا ہی کام ہوتا تھا۔ درمیان میں آپ سفروں پر سلسلہ کی خاطر چلے جاتے تھے۔ ایک دفعہ آپ قریباً چار ماہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ساتھ سفر میں رہے۔ تو برف کا کام دواور اشخاص نے شروع کردیا روزنامچہ کے عرصہ بتیس ماہ آٹھ دن میں سے آپ نے سات ماہ دس دن، سولہ سفروں میں گزارے۔

''قادیان گائڈ'' میں ''قابل قدر نوٹ'' میں ''شیدائی'' کے عنوان کے تحت لکھا ہے:

''حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے خدام اور شیدائی یوں تو آپ کے سب کے سب مبایعین ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ خدمت کرنے والے بعض یہ ہیں۔ مثلاً شیخ عبدالرحمٰن صاحب قادیانی''

(مطبوعہ نومبر ۱۹۲۰ء۔ صفحہ ۱۱۲۔ آپ کے نام کے بعد تین اور نام بھی درج کئے ہیں۔)

آپ کا شیدائی ہونا تو ثابت ہے کہ جب ارشاد ہوا کاروبار اور گھر میں تکلیف کا خیال کئے بغیر تعمیل کے لئے حاضر و مستعد۔

ریل سے دور ہونے کے باعث اور پھر سامان تھوڑی مقدار میں لانے کی وجہ سے لازماً اس پر کافی خرچ اٹھتا تھا۔ مثلاً یکم جولائی ۱۹۱۹ء کے روزنامچے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کو نصف روپیہ اجرت پر بٹالہ آپ نے بھیجا۔ یکہ کا آمدورفت کا کرایہ دوروپے دس آنے دیا۔ برف ساڑھے تین روپے کی منگوائی۔ لیکن قادیان پہنچنے پر برف ساڑھے تین سیر نکلی۔

برف کا کام رمضان المبارک موسم گرما میں واقع ہونے کی وجہ سے ہوتا رہا۔ گو عام ایام میں برف چار آنے سے ایک روپیہ فی سیر کے حساب سے فروخت ہوتی تھی اور اعلیٰ گھرانے بھی اس زمانہ میں شاذ ہی

ایک سیر سے زیادہ کی خریداری کرتے تھے۔۱۹۲۰ء میں رمضان المبارک آیا۔ بھائی جی ایک ماہ کے لئے ساٹھ روپے ایک یکہ والے سے کرایہ طے کرکے برف چھ من پختہ روزانہ منگواتے رہے جو بٹالہ کے کارخانے سے دو روپے فی من کے حساب سے ملتی تھی گویا برف بارہ روپے اور کرایہ دو روپے کے ساتھ روزانہ چودہ روپے صرف ہوتے۔وہ دوآنے فی سیر کے حساب سے آپ فروخت کرتے تھے۔

اندراجات سے یہ بھی نظر آتا ہے کہ چند ایک پھل اور چند ایک سبزیاں بھی آپ بعض دفعہ رکھتے تھے۔گو پیسٹری وغیرہ کی دکان سے سبزیوں کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔اس سے یہ ظاہر ہے کہ سبزیوں کے استعمال کا عام رواج نہ تھا۔تبھی ۲۱ر ستمبر ۱۹۱۹ء کو لنگر خانہ کو آپ کی دکان سے دو سیر ٹینڈے خریدنے پڑے۔اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بکری کم ہونے کی وجہ سے آپ کو سبزی وغیرہ بھی رکھنی پڑتی تھی۔کباب صرف ایک دفعہ درج ہیں۔قیمت ساڑھے تین روپے کے۔کسی اور جگہ درج نہیں۔اندازہ ہوتا ہے کہ کسی گاہک کو آپ نے کسی اور دکان سے حاصل کرکے مہیا کئے ہوں گے۔ایک کارک سکریو (SCREW) ایک چمنی اور ایک دیگچی۔یہ تینوں چیزیں قریباً چار روپے کی فروخت کرنا بھی درج ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے آرڈر پر آپ نے منگوائی یا لائی ہوں گی۔

روزنامچہ کے کل عرصہ کی فروخت کردہ اشیاء کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔اس سے تین باتیں سامنے آتی ہیں۔ایک بکری کی کمی۔دوسری عام افراد کی قوت خرید کی کمی۔تیسری عام صورت حال۔

نمبر شمار	نام	نرخ فروخت	کل فروخت
۱-	کیلے	بارہ آنہ درجن	تین روپے نصف آنہ
۲-	لیچی	ایک روپیہ فی سیر	قریباً پانچ روپے
۳-	قلمی آم	فی دانہ دو سے چار آنہ تک	انہتر روپے
۴-	امرود		پون روپیہ
۵-	مٹر	۔	چار آنے
۶-	ٹینڈے	چار آنے فی سیر	گیارہ آنے
۷-	توری	چار آنے فی سیر	تین روپے
۸-	ٹماٹر	۔	سوا نو آنے
۹-	شیرمال	(دو خریداروں کو دیا گیا)	سوا پانچ روپے

۱۰۔	کیک خورد	ایک روپیہ	۔
۱۱۔	کیک کلاں	ڈیڑھ روپیہ	۔
۱۲۔	کوکونٹ	سوا آنہ	۔
۱۳۔	بسکٹ	دو روپے سیر	۔
۱۴۔	برف کا کلفہ سالم	تین تا ساڑھے چار روپے	۔
۱۵۔	سوڈا برف	چار سے چھ آنے تک	
۱۶۔	انڈے۔چائے	فی انڈہ ایک آنہ	ترپن روپے
	دودھ۔فرنی۔کافی	چائے فی پیالی ایک آنہ	۔

روزنامچہ میں فالودہ۔کافی اور خشک چائے کا صرف ایک ایک اندراج ہے۔فرنی کا بھی صرف چند بار کا اندراج ہے۔روزنامچہ سے یہ بھی علم ہوتا ہے کہ چائے انڈہ کا انتظام صرف جلسہ سالانہ کے دنوں میں ہوتا تھا۔

۱۷۔	پان	بارہ آنہ فی سینکڑہ	کل فروخت قریباً سوا دو روپیہ

پان کی فروخت کا ذکر صرف تین دنو ں میں ہے۔ان تین دنوں میں پان دو گھروں میں بھیجے گئے۔ایک دار المسیح میں اور دوسرے مرزا گل محمد صاحب کے ہاں (جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے چچا زاد بھائی مرزا نظام الدین صاحب کے بیٹے تھے اور انہوں نے احمدیت قبول کر لی تھی۔اور حضرت سیدہ ام ناصر صاحبہ حرم اول حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی ہمشیرہ محترمہ عزیزہ رضیہ صاحبہ سے ان کی شادی ہوئی تھی) روزنامچہ کے عرصہ میں قادیان میں پان کا رواج عام نہیں تھا۔صرف تین دنوں میں اس کی فروخت کے اندراجات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں گھرانے بالعموم پان اپنے طور پر قادیان کے باہر سے منگوا لیتے ہوں گے۔ بلکہ دیگر ضروریات بھی یہ گھرانے باہر سے منگوا لیتے ہوں گے یا اپنے سفروں میں خرید لیتے ہوں گے۔

عام خریدار اپنی مالی حالت اچھی نہ ہونے کی وجہ سے ادھار لیتے تھے۔اور یہ حالت بھائی جی کے ۱۹۱۸ کے روزنامچہ میں تیار کردہ گوشوارہ سے بھی ثابت ہے جس کے مطابق اس بہت معمولی سی دکان کا خریداروں کے ذمہ تین سو بارہ روپے ادھار تھا۔ابتدائی مجالس مشاورت کی رپورٹوں میں بھی بالوضاحت اس صورت حال کا ذکر آتا ہے۔

خاکسار مؤلف ہذا ۱۹۲۲ء میں مدرسہ احمدیہ میں تعلیم پانے کے لئے داخل ہوا۔اس وقت حضرت بھائی جی کی دکان مسجد مبارک کے سامنے موجودہ آہنی گیٹ کے متصل ایک چھوٹی دکان کے متصل جانب جنوب بڑی دکان تھی۔نمازوں کے لئے گزرتے ہوئے ہم دیکھتے تھے کہ چند دانے آم کے پڑے ہوتے تھے۔اس زمانہ میں قلمی آموں کا رواج بہت شاذ ہوگا۔تخمی آم پنجاب میں بکثرت ہوتے تھے۔بہت سالوں بعد کوٹھی دارالسلام اور احمدیہ فروٹ فارم واقع محلّہ دارالفضل میں قلمی آم لگائے گئے اور کوٹھی دارالحمد میں بھی۔احمدیہ فروٹ فارم میں ترانوے قسم کے قلمی آم کے تین سو چونسٹھ پیڑ موجود ہیں۔تقسیم ملک سے پہلے احمدیہ فروٹ فارم کے آم مقابلہ میں سندات پاتے رہے۔کمشنر صاحب کے عرصۂ درویشی میں آنے پر خاکسار نے وہ سندات دکھائیں تو انہوں نے دیگر افراد سے اس کا قبضہ محکمہ زراعت کو دلا دیا۔اس طرح خاکسار کے عرض کرنے پر یہ برباد ہونے سے محفوظ رہا۔اس سے ہمیشہ ہی سینکڑوں من آم اترتے ہیں۔

آمد کا اندازہ

حضرت بھائی جی کی حقیقی آمد کا تعین آپ کے حصہ آمد کے چندوں سے ہوتا ہے۔جن کے بعض اندراجات ملتے ہیں۔فروری ۱۹۱۸ء تا مارچ ۱۹۱۹ یعنی چودہ ماہ کا حصہ آمد (دسواں حصہ) آپ نے پندرہ روپے ادا کیا۔گویا آمد ڈیڑھ سو روپیہ چودہ ماہ کی ہوئی۔گویا دس روپے ایک آنہ کے قریب ماہوار۔اس وقت آپ کے کاروبار پر دس گیارہ سال گزر چکے تھے۔ظاہراً آپ کے کاروبار کے فروغ پانے کی کوئی صورت نہ تھی۔آپ خدمت دین کے لئے کاروبار کے نقصان کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔۱۹۳۸ء میں آپ نے چار ماہ کا چندہ حصہ آمد صرف ایک روپیہ پیش کیا تھا۔پھر اسی سال میں تین روپے قرض لے کر آپ نے حصہ آمد دیا۔بار بار اپنے مکان کے کچھ حصے یکے بعد دیگرے رہن رکھ کر تعلیم وغیرہ کا انتظام کرنے پر آپ مجبور ہوتے رہے۔اس بارے تفصیل کے ساتھ ذکر اور جگہ کیا گیا ہے۔

خاندان حضرت مسیح موعودؑ کی خدمات اور متفرق خدمات

سفر و حضر میں آپ کو خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام و سلسلہ احمدیہ کی خدمات کی سعادت حاصل ہوتی رہی۔متعدد امور کا ذکر اس کتاب میں کسی نہ کسی جگہ پر ہے۔

۱- ایک نہایت اہم کام صحابہؓ قادیان کی فہرست مع مختصر کوائف کے تیار کرنا تھا جو آپ نے زیرنگرانی نظارت تالیف وتصنیف سرانجام دیا:

۲- جب حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب ۱۹۱۲ میں حج وغیرہ کے لئے تشریف لے گئے تو بھائی جی آپ کو بمبئی تک چھوڑنے گئے جس سے آپ کو بہت سہولت میسر آئی۔[۲۳۰]

جنوری ۱۹۱۳ میں آپ کی واپسی پر بمبئی میں حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب اور بھائی جی نے استقبال کیا۔ (الحکم نے ۱۴ر جنوری ۱۹۱۳ء) اس موقعہ پر بھائی جی نے یہ عرض کر کے حضرت خلیفہ اولؓ سے اجازت لے لی تھی کہ میں وہاں سے سستا تجارتی مال خرید لوں گا۔ جس سے میرا کرایہ نکل آئے گا۔

۳- پادری والٹر ایم۔اے سیکرٹری وائی۔ایم۔سی۔اے لاہور ۱۹۱۶ء میں قادیان آئے۔ اور سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے انہوں نے ملاقات کی۔[۲۳۱] بھائی جی بیان کرتے ہیں کہ پادری صاحب کے قیام اور حضور سے ملاقات کا انتظام میرے ذریعہ سے ہوا تھا۔

۴- کھانا پکوا کر یتامی ومساکین میں تقسیم کرنا اور کسی قرض خواہ کی فوری امداد کرنا۔ خرید اشیاء کے اور بٹالہ سے بلٹی لانے کے بعض نجی کام حضور کی طرف سے بھائی جی کے سپرد ہوتے رہے۔[۲۳۲]

۵- جب حضور کے پرائیویٹ سیکرٹری کے طور پر خاکسار مؤلف خدمت پر تھا تو ۱۹۳۸ یا ۱۹۳۹ میں حیدرآباد دکن سے ایک کمپنی کے ایک ذمہ دار شخص نے حضور سے ملاقات کر کے بتایا کہ آلہ وکٹوگراف آپ اور آپ کے گھروں میں اور نیچے دفتر پرائیویٹ سیکرٹری میں لگانے سے بہت سا وقت آپ کا بچ سکتا ہے اور آپ جس سے چاہیں بات کر سکیں گے۔ سو حضور نے ان سب مقامات پر اور نظارت علیا میں بھی لگوانے کا آرڈر دیا تاکہ اگر ضرورت ہو تو حضور صدر انجمن کو بھی مخاطب فرما سکیں۔ ان صاحب کے ساتھ پیمائش کے وقت خاکسار کو دارالمسیح میں حضور نے بھجوایا۔ اور ہر حرم کے قیامگاہ میں جگہیں متعین فرما دیں۔

جب اس آلہ کے اور اس کی تاروں کے لگانے کا موقعہ آیا تو دارالمسیح کے اندر کام کرانے کی نگرانی حضور نے بھائی جی کے سپرد فرمائی تھی۔

۶- حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ وحضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ کے سفر لاہور میں بھی بھائی جی ان کے ہمرکاب رہے۔[۲۳۳]

۷- آپ لکھتے ہیں۔ ''لاہور بغرض تلاش مکان برائے حضرت خلیفۃ المسیح وخرید ادویہ و پھل چلا گیا''۔ (روزنامچہ دوکان بتاریخ ۲۶ر اپریل ۱۹۱۸ء)

۸- روزنامچہ میں ۳۰/اپریل ۱۹۱۸ کو آپ تحریر کرتے ہیں:

''بحکم حضرت خلیفہ ثانی بغرض تلاش مکان کراچی گیا۔کراچی میں بوجہ پلیگ مکانات کی دقت تھی۔نیز پلیگ کی ترقی ہورہی تھی۔لہٰذا بذریعہ تار واپس لاہور آنے کا حکم پہنچا۔اور لاہور سے حضرت کے ہمراہ بمبئی چلا گیا جہاں سے ۱۸-۶-۱۵ کو حضرت کے ہمراہ واپس قادیان پہنچا اور بوجہ رمضان شریف سردست کام دکان نہیں کرسکتا۔برف کا کام اس سال میری غیر حاضری کی وجہ سے میاں عبدالمجید کباب فروش و عبداللہ پٹھان نے شروع کردیا۔لہٰذا اس سال کام برف بھی اب نہیں ہوسکتا۔ان اللہ ھوا لرزاق ذوالقوۃ المتین ۔ عبدالرحمٰن قادیان ۱۸-۶-۱۵''۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ بوجہ شدید علالت طبی مشورہ کے مطابق ساحل سمندر پر تبدیلی، آب وہوا کے لئے ۳/مئی ۱۹۱۸ء کو بمبئی تشریف لے گئے۔(الفضل ۴/مئی و ۱۱/مئی ۱۹۱۸ء) حضرت ام المومنینؓ بھی شدید علیل تھیں۔حضرت مرزا بشیر احمد صاحب بھی وہاں تشریف لے گئے۔بھائی جی نے حسب وعدہ، صحت اور دیگر کوائف کے متعلق روزانہ اطلاع دینی شروع کردی۔جو الفضل بابت ۱، ۸، ۱۱/جون میں درج ہیں۔ایک دفعہ تار کے ذریعہ بھی اطلاع بھجوائی۔حضور مع قافلہ ۱۵/جون کو مراجعت فرما ہوئے۔[۲۲۴]

۹- آپ لکھتے ہیں:

''۱۷/اگست ۱۸ء کی شام کو حضرت سفر ڈلہوزی سے واپس تشریف لائے۔آتے ہوئے مجھے ٹمٹم کے پہیہ کے پاؤں سے گزر جانے سے سخت چوٹ آگئی''۔(روزنامچہ دکان)

۱۰- ''۱۹-۱-۳ تا ۱۳ پھیرو چچی کا سفر''۔(روزنامچہ) حضور کے موضع پھیرو چچی نزد دریا جہاں حضور کی مملوکہ اراضی تھی یعنی راجپورہ میں ۴/جنوری ۱۹۱۹ کو جانے اور اور ۱۰/جنوری کو جمعہ کے لئے واپس آنے کا ذکر الفضل ۷، ۱۴/جنوری میں ہے۔شاید حضور کا پھر واپس جانے کا ارادہ ہوگا جس کی وجہ سے بھائی جی ۱۳/جنوری تک وہاں ٹھہرے ہوں گے لیکن پھر کسی وجہ سے حضور نے ارادہ ترک کردیا ہوگا۔

۱۱- روزنامچہ ''سفر لاہور تا ۲۷/فروری ۱۹۱۹ ہمرکاب حضرت خلافت مآب''۔الفضل ۱۵/فروری و ۴/مارچ ۱۹۱۹ کے مطابق حضور کا قیام لاہور میں ۱۲ تا ۱۷/فروری رہا۔

۱۲- روزنامچہ ''۱۵/اپریل ۱۹۱۹ کو حسب الحکم حضرت خلافت مآب گاڑی کے بند ہوجانے کی وجہ سے وفد صاحب چیف سیکرٹری کی ملاقات کو روک لیا گیا اور میں مع نیک محمد خاں و محمد الیاس لاہور گیا۔مارشل لاء جاری تھا۔واپسی کے واسطے مشکلات تھے۔۱۵ تا ۲۰ لاہور میں رہا''۔(محترم نیک محمد خان

صاحب غزنوی حال مقیم ربوہ اور محمد الیاس صاحب افغان مرحوم مراد ہیں)۔

۱۳- آپ تحریر فرماتے ہیں۔''۲۲/اپریل(۱۹۱۹۔ناقل)بغرض درخواست برآمدگی اپیل ہبہ راجپورہ گورداسپور گیا۔واپس آیا اور ۱۳کو(پھر۔ناقل)گیا(حسب الارشاد حضرت خلیفۃ المسیح)۔

(۱۴،۱۵) آپ لکھتے ہیں۔''۶/اکتوبر(۱۹۱۹۔ناقل)بحکم حضرت خلیفۃ المسیح لاہور بغرض خرید ادویہ وسامان متفرق وپارجات برائے رخصتانہ مرزا گل محمد گیا اور ۱۰/اکتوبر کو واپس آیا''۔

''۱۴/اکتوبر بحکم حضرت خلیفۃ المسیح بغرض بعض سامان وپارچات متعلق شادی مرزا گل محمد لاہور گیا اور ۱۹/اکتوبر کو واپس قادیان آیا۔''

۱۶- روزنامچہ''۱۵/نومبر کی شام کو منشی عبدالرحیم ملازم سٹور، بٹالہ سے آتے ہوئے وڈالہ کے قریب ڈاکوؤں کے ہاتھ آ گئے۔جنہوں نے ان سے کل نقدی احمدیہ سٹور قادیان جو بصورت نوٹ اور نقد ان کے پاس تھی یعنی مبلغ آٹھ سو روپیہ سوا چھ آنہ چھین لی اور بھاگ گئے۔جس کی اطلاع کے واسطے بحکم خلافت مآب بوساطت حضرت صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحب ایم۔اے ناظر امور عامہ مع حضرت مفتی فضل الرحمٰن صاحب بٹالہ گیا اور دوسرے دن صبح کو ۱۱ بجے واپس قادیان پہنچا''۔[۲۳۵]

۱۷- روزنامچہ''۱۹۔۱۱۔۲۷ تا ۱۹۔۱۱۔۳۰ لاہور بغرض تیاری ایڈریس وانتظام وغیرہ گیا''۔ ۲۷/فروری ۱۹۱۹ میں''برائے وفد ایڈریس لاہور'' کچھ خوردنی اشیاء دینے جانے کا بھی ذکر ہے۔

الفضل بابت ۲۲/دسمبر ۱۹۱۹ کے مطابق ۱۷/دسمبر ۱۹۱۹ کو امیر وفد حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ کے ساتھ اکاون احباب کے وفد نے لیفٹیننٹ گورنر صاحب پنجاب کی خدمت میں ایڈریس پیش کیا۔

۱۸- روزنامچہ''۲/دسمبر(۱۹۱۹ ناقل) کو بغرض ڈیکلیریشن''رفیق حیات'' گورداسپور بحکم ناظر امور عامہ گیا۔مگر قانونی نقص کی وجہ سے واپس آنا پڑا''۔

''قادیان گائڈ'' کے مطابق یہ طبی رسالہ حکیم عطا محمد صاحب لاہوری نے ۱۹۱۸ء میں جاری کیا تھا۔(صفحہ ۳۸)

۱۹- روزنامچہ''۲۰۔۱۔۸ تا ۲۰۔۱۔۱۶ بغرض تحریک چندہ مسجد لندن لاہور و بغرض ادخال ڈیکلیریشن ''نور'' گورداسپور گیا۔کھارا بعد عصر بمعیت سید ولی اللہ شاہ صاحب'' پندرہ روزہ اخبار''نور'' حضرت شیخ محمد یوسف صاحب نومسلم مالک وایڈیٹر نے ۱۹۱۰ میں قادیان سے جاری کیا تھا۔[۲۳۶]

موضع کھارا ریلوے سٹیشن قادیان سے شمال کی طرف ایک سوا ایک میل پر واقع ہے۔

۲۰- روزنامچہ۔۱۳/فروری۔۲۰ تا ۲۳،حضرت کے ہمرکاب ۔لاہور۔امرتسر الفضل بابت ۱۶/فروری یکم مارچ ۱۹۲۰ء کے مطابق حضور طبی مشورہ کے لئے ۱۳/فروری کو لاہور تشریف لے گئے اور ۲۴/فروری کو مراجعت فرما ہوئے۔رفقاء سفر میں ''عبدالرحمٰن قادیانی'' بھی تھے۔

۲۱- روزنامچہ ''۲۷/فروری ۲۰ سے ۲۷/مارچ ۲۰ء تک حضرت کے ہمرکاب پھیرو چچی، گورداسپور، پٹھانکوٹ، سجانپور، مادھو پور، شاہ پور، نور پور، دوالمیال وغیرہ''۔

یہ تفصیل صرف یہاں مرقوم ہے۔الفضل سے تو یکم مارچ پھیرو چچی جانے۔ایک دفعہ جمعہ کے لئے آنے۔پھر وہاں جانے اور وہاں سے گورداسپور اور پھر پٹھانکوٹ جانے اور ۲۷/مارچ کو قادیان واپس آنے کا ذکر ہے۔[۲۲۷]

۲۲- کشمیر دھرمسالہ، مالیر کوٹلہ وغیرہ بہت سے مقامات پر بھائی جی کے ساتھ جانے کا ذکر دوسری جگہ موجود ہے۔

۲۳- بھائی جی کی اہلیہ محترمہ نے بتایا کہ ایک دفعہ سیّدہ حضرت ام المومنینؓ کو کاربنکل نکل آنے پر تبدیلی آب وہوا کے لئے کہیں باہر لے جانے کی تجویز تھی۔جس کی تیاری کے لئے لاہور جانے کی ضرورت تھی۔حضور نے بھائی جی کو بھجوا دیا۔چند گھنٹے بعد میرا لڑکا عبدالسلام بعد عشاء پیدا ہوا۔حضور کو علم ہوا تو حضرت اماں جان سے ذکر کیا کہ بھائی جی زچگی کے قرب کا ذکر کرتے تو میں ان کو لاہور نہ بھجواتا۔تو اماں جان نے فرمایا کہ بھائی جی کی اہلیہ،اسلام کی خدمت اور سلسلہ کے کاموں سے روکنا پسند نہیں کرتیں اور وہ بھی انہیں جانے کو کہتیں۔صبح حضرت سیدہ ام ناصر صاحبہ تشریف لائیں اور تعجب سے کہا کہ بھائی جی نے حضور کو بتا کیوں نہ دیا۔میں نے کہا کہ ایسے موقعہ پر میں انہیں خدمت سے روک دیتی تو کیا معلوم اس کا کیا نتیجہ نکلتا۔اب وہ خدمت سلسلہ کے لئے گئے ہیں تو بچے کو زندہ سلامت دیکھ لیں گے۔

۲۵- آپ نے یہ بھی سنایا کہ ایک دفعہ میری انگلی کے جڑ دار پھوڑے کا اپریشن ہوا۔میں گھر پر ابھی بیہوش ہی تھی کہ حضور کی طرف سے پیغام ملا کہ حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیلؓ صاحب کا تبادلہ ہوگیا ہے۔انہوں نے لکھا ہے کہ بھائی جی آکر میرے اہل وعیال کو قادیان لے جائیں۔بھائی جی مجھے بچوں کے سپرد کر کے روانہ ہوگئے۔اس رات چار چور ہمارے مکان میں آئے۔مکان کے ایک الگ حصہ میں آپ کا ایک شاگرد رہتا تھا۔اس نے مقابلہ کیا تو ہم نقصان سے محفوظ رہے۔

۲۶- آپ نے یہ بھی سنایا کہ حضور اپنے خاندان کے افراد کے ساتھ سفر میں بھجواتے تھے۔ محترمہ صاحبزادی امۃ القیوم صاحبہ کے جہیز کے لاہور سے خریدنے میں ہم دونوں میاں بیوی کو خدمت کا موقعہ دیا گیا تھا۔

۲۷- روایات وغیرہ کے بارے حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ کے متعدد قلمی رجسٹرات حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے اپنے پاس محفوظ کر لئے تھے کہ یہ بہت قیمتی ہیں۔ ایک دفعہ محترم مولوی برکات احمد صاحب راجیکی درویش نے دو ایک رجسٹرات عاریۃً حاصل کردہ خاکسار مؤلف کے ذریعہ واپس بھجوائے تھے۔ رجسٹر نمبر۳ میں حضرت مولانا نے رقم فرمایا ہے کہ حضرت سیّدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کا اعلان نکاح میرے ذریعہ کرانے کے لئے حضور نے بھائی جی کو لاہور بھجوا کر مجھے بلوایا تھا۔ (صفحہ۲۱۲)

مالی خدمات

طویل عرصہ کی شدید مالی تنگی کے باوجود جس کا تفصیلی تذکرہ آپ کی وصیت کے سلسلہ میں آگے آتا ہے، آپ نے مالی خدمات سلسلہ میں اپنی طاقت و وسعت سے بڑھ کر حوصلہ دکھایا۔ اور تنگی ترشی سے گذر اوقات میں آپ کی رفیقہ ءحیات کا بھرپور تعاون آپ کو حاصل تھا۔ ارتداد ملکانہ کے جہاد میں آپ نے طویل عرصہ تک اپنے خرچ پر شرکت کی۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے سوانح میں

يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۔[۲۳۸]

اور باوجود تنگی کے مٹھی بھر جو یا کھجوریں جو انہیں میسر آتیں فی سبیل اللہ دے دینے کے نظارے دنیا نے دیکھے یہ اصحاب الصفہ ابتغاء لمرضاۃ اللہ ہر قسم کی مصائب جھیلتے ہوئے دریار پر دھونی جمائے بیٹھے تھے۔ یہی نظارہ حضرت بھائی جی جیسے صحابہ کی زندگی میں نظر آتا ہے۔ انما الاعمال بالنیات ۔[۲۳۹] قربانی کا جذبہ ایک قلبی کیفیت ہے۔ مال و منال کی مقدار سے اسے تولا ناپا نہیں جاسکتا۔ اس موقعہ پر یہ بات بیان کی جانی مناسب معلوم ہوتی ہے۔ قادیان سے ایک دوست حج کے لئے جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ان کی بھی مالی حالت اچھی نہیں۔ بھائی جی اور آپ کی اہلیہ محترمہ کے قلوب میں یہ جذبہ موجزن ہوتا ہے کہ یہ دوست دیار محبوب کی زیارت کے لئے جاتے ہیں۔ ہم بھی کسی طرح اس کار ثواب میں شرکت کر کے اپنے

لئے اور اپنی اولاد کیلئے ثواب کمالیں ۔مقدار رقم سے صرف اور صرف یہی نیت نظر آتی ہے۔آپ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی خدمت میں تحریر کرتے ہیں:

''اس کی زادراہ میں امداد کے واسطے میری اہلیہ نے روپیہ اور میں نے اپنی طرف سے (اور) بچوں کی طرف سے موازی ۸ (آٹھ آنے) دینے کی نیت کی تھی''۔[۲۴۰]

چونکہ وہ دوست نہ جاسکے تو آپ نے یہ رقم حضرت خلیفہ اولؓ کی خدمت میں پیش کردی۔ بھائی جی تو کمانے والے فرد تھے۔اگران کی توفیق نصف روپیہ پیش کرنے کی تھی تو آپ کی اہلیہ محترمہ نے نہ معلوم کتنی مدت میں پس انداز کر کے یہ روپیہ جمع کیا ہوگا۔

حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحبؓ کا یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ حضرت بھائی جی کو جب بھی کچھ مالی سہولت ملی ہے تو آپ نے فراخدلی سے چندہ دیا ہے۔حقائق اس کے شاہد ہیں۔مثلاً

۱۔ آپ نے چندہ منارۃ المسیح دیا۔ چنانچہ آپ کا نام نامی ''شیخ عبدالرحمٰن قادیان'' ۱۶۲ نمبر پر منارۃ المسیح پر رقم ہے۔

۲۔ سفر کشمیر ۱۹۲۱ء میں چندہ جلسہ سالانہ کی تحریک پہنچنے پر آپ نے ایک من آٹے کی قیمت آٹھ روپے کا وعدہ کیا۔[۲۴۱]

۳۔ تحریک تعمیر مسجد برلن میں خصوصا خواتین قادیان نے غیر معمولی قربانی کا نمونہ دکھلایا تھا۔ حضرت بھائی جی کی اہلیہ محترمہ نے ایک سو روپیہ چندہ دیا تھا۔[۲۴۲]

۴۔ تحریک جدید کی ربانی تحریک میں دفتر اول میں گویا السابقون الاولون میں آپ شامل تھے۔اس دور کے انیس سالوں میں آپ نے مع اہلیہ محترمہ ایک ہزار ایک سوا کانوے روپے دیئے۔[۲۴۳]

۵۔ بیٹوں نے آپ کو پانصد روپیہ دیا۔(جواس زمانہ میں روپیہ کی قیمت کے لحاظ سے ایک خطیر رقم تھی۔) خاکسار مؤلف کو بخوبی یاد ہے کہ آپ نے یہ ساری رقم کسی کار خیر میں پیش کردی تھی۔

۶۔ خاکسار مؤلف کے پاس آپ کی ایک تحریر ہے جس میں آپ لکھتے ہیں کہ چندہ مسجد لندن اور چندہ تراجم القرآن حتی الامکان ہر تحریک میں حصہ لینے کی آپ کو سعادت میسر آئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے افضال

حضرت بھائی جی نے وطن ۔اقارب۔ ورثہ کے حقوق اور دوست ترک کئے تو محض رضائے الٰہی کے

لئے۔اللہ تعالیٰ صادق الوعد ہے۔غیور ہے۔آپ نے اپنے مکان کی پیشانی پر یہ آیت کریمہ رقم کروائی تھی جو کتاب ہذا کی طبع ثانی کے وقت بھی موجود ہے کہ

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۔ [۲۲۳]

گویا اس پر آپ کو یقین کامل تھا۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلکہ آپ کی اولاد کو بھی صالح اور مومن اقارب دیئے۔آپ کو بہترین رفیق دیئے۔اولاد کے مستقبل کے سود و بہبود کیلئے مال مطلوب ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ایسے سامان کر دیئے کہ آپ کے دو بیٹے انجینئر ہو گئے اور ساری اولاد ہی آپ کی زندگی میں خوشحال ہوگئی۔اور پھر ان کی وجہ سے بھی آپ کو انفاق فی سبیل اللہ کے مواقع حاصل ہو گئے۔ **فالحمدللہ علیٰ ذالک۔**

آپ کی وصیت

حضرت بھائی جی کی وصیت کے متعلق دفتر بہشتی مقبرہ کے ریکارڈ سے ضروری حصہ پیش کیا جاتا ہے۔آپ تحریر کرتے ہیں:

''جس زمانہ میں ''الوصیت'' شائع ہوئی، میں سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کے ماتحت قادیان سے باہر تھا۔''الوصیت'' مجھے وہیں حضور پُرنور نے بھجوائی اور میں نے اسے پڑھتے ہی تعمیل کی اور وصیت لکھ کر اس میں ۱/۱۰ حصہ آمد اور ۱/۵ حصہ جائداد متروکہ کی وصیت کر دی۔الوصیت سے میں نے جو کچھ سمجھا وہ یہی تھا کہ حصہ آمد اور جائیداد دونوں (کی) ہی وصیت لازمی ہے۔میں نے مبلغ ایک سو روپیہ نقد بھی اسی ابتدائی زمانہ میں وصیت کے ساتھ بھیج دیا تھا۔چونکہ (اس زمانہ) میں صدر انجمن احمدیہ کے سیکرٹری اور کرتا دھرتا جناب مولوی محمد علی صاحب ہی تھے۔لہذا میں نے وصیت اور رقم انہی کے (نام)......مگر مولوی صاحب نے اسے روکے رکھا اور روپیہ امانت میں جمع کرا دیا۔کیونکہ ان کے خیال میں میری وصیت کے متعلق (بعض)......قابل دریافت تھے۔اس طرح میری وصیت باوجود بالکل ابتدائی وصایا میں سے ہونے کے ۱۴۹ نمبر پر جا پڑی۔میں واپس (آیا) جب جا کر میں نے روپیہ اور وصیت داخل کرائی۔اسی سنہ وسال میں یعنی ۱۹۰۶ء میں۔اس وجہ سے میری وصیت کا نمبر اتنی دور ہو گیا۔''

آپ کی یہ چٹھی ۸/ظہور ۱۳۱۹ ہش (مطابق ۸/اگست ۱۹۴۰ء) کی ہے۔

۱- قریباً اڑتالیس سالہ پرانی اس تحریر کے اوراق مرور زمانہ سے بہت بوسیدہ ہو گئے ہیں۔ایک ورق

کے ایک کنارہ سے ایک حصہ الگ ہو چکا ہے۔ چار جگہ الفاظ کا کچھ حصہ باقی ہے وہاں اندازہ سے وہ الفاظ نمبرا تا ۴ ڈال کر خطوط وحدانی میں درج کرائے ہیں۔ جہاں ورق کا حصہ الگ ہو کر ضائع ہو چکا ہے وہاں نقطے ڈال دیئے گئے ہیں۔عبارت سے معلوم ہو جاتا ہے کہ کیا الفاظ وہاں ہوں گے۔

۲- پہلی وصیت کے گواہان حضرت ماسٹر محمد اسمٰعیل صاحب سرساوی اور حضرت بابو فقیر اللہ صاحب ہیڈ کلرک میگزین تھے اور دوسری وصیت مطبوعہ فارم پر ۲۸/اکتوبر ۱۹۰۸ء کو لکھوائی گئی تھی۔اس پر (حضرت) چوہدری برکت علی خاں صاحب محرر دفتر محاسب قادیان (بعدہ فنانشل سیکرٹری تحریک جدید۔ یہ عہدہ اب وکیل المال تحریک جدید کہلاتا ہے) اور (حضرت مرزا محمد اشرف صاحب ہیڈ کلرک دفتر محاسب کی شہادتیں ثبت ہیں۔اس مطبوعہ فارم پر نمبر وصیت ۶۷/ ۱۴۹ مرقوم ہے۔گویا پہلے وصیت کا نمبر ۶۷ تھا۔تاخیر ہو جانے پر نمبر وصیت ۱۴۹ ہو گیا۔گویا پیچھے جا پڑا۔

۳- بھائی جی نے اس دوسری وصیت میں تحریر کیا ہے کہ میری ملکیت ایک قطعہ زمین ہے جس کے شمال میں سڑک۔جنوب میں مکان (حضرت) پیر منظور محمد صاحب غرب میں مکان حضرت مولانا مولوی نورالدین صاحبؓ اور جانب شرق گلی اور مکان وسفید زمین (حضرت حکیم) مولوی قطب الدین صاحب ہے۔قطعہ وصیت کردہ طول میں قریباً چالیس فٹ اور عرض میں قریباً نصف کے انتیس فٹ اور نصف کے چالیس فٹ ہے۔وصیت میں خاکہ بھی درج کیا ہے۔

۴- جاری شدہ سند پر بطور میر مجلس وسیکرٹری صدرانجمن احمدیہ قادیان علی الترتیب حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ اور (حضرت شیخ) یعقوب علی صاحبؓ کے دستخط ثبت ہیں۔

۵- معلوم ہوتا ہے کہ معمول کی کارروائی کی تکمیل کے لئے مطبوعہ فارم پر حضرت بھائی جی کے بارے تصدیق محترم شیخ یوسف علی صاحبؓ پرائیویٹ سیکرٹری حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے چاہی گئی۔شیخ صاحب نے بھائی جی کے بارے ۲۰/جون ۱۹۲۹ء کو رقم فرمایا:

(۱) ''سلسلہ کے کاموں میں نہایت اخلاص سے بڑھ چڑھ کر اپنی طاقت سے حصہ لیتے رہتے ہیں (۲) خلیفہ وقت کے ساتھ خاص الخاص محبت اور اخلاص کا تعلق ہے جس کا ظہور وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے۔''

(۱) مطالبہ بقایا حصہ آمد پر آپ نے دفتر کو اپریل ۱۹۲۷ء میں تحریر کیا کہ

''میں ایک لمبے عرصہ سے بالکل بیکار۔بے روزگار پڑا ہوں۔قرض دام سے بسر اوقات ہو رہی ہے۔کوئی آمد نہیں جس کا حصہ آمد ادا کروں۔''

''وصیت میں نے ابتغاء بوجہ اللہ کی ہے۔ جہاں تک میری طاقت اور سمجھ ہے وصیت پر قائم ہوں۔مگر بصورت نہ ہونے کسی آمد کے میں حصہ آمد کس چیز کا ادا کروں''۔

''میں نے مکرمی محرر صاحب دفتر کی خدمت میں زبانی عرض بھی کیا تھا۔مگر معلوم ہوتا ہے کہ ان کا منشاء بھی میرے ان حالات کو بصورت تحریر دیکھنے ہی کا ہے۔ میں چاہتا تھا کہ اپنے حالات سے کسی کو آگاہ نہ کروں۔مگر مجبوراً ان مطالبات کے جواب میں مختصراً عرض کرنا پڑا ہے۔کیونکہ ایسے مطالبات کے جواب سے پہلوتہی بھی ایک قسم کا گناہ ہے۔اس وجہ سے یہ کچھ عرض کرنا پڑا جو کراہۃً عرض کیا گیا ہے۔امید کہ اگر (اللہ تعالیٰ) کوئی راہ کھول دیں گے تو حصہ آمد کی ادائیگی سے ہرگز دریغ نہ ہوگا۔''

۲- اس زمانہ میں سلسلہ شدید مالی بحران میں مبتلا تھا۔چنانچہ آپ نے اکتوبر ۱۹۲۸ء میں دفتر کو تحریر کیا کہ

''ایک عرصہ سے میں اپنی وصیت میں کچھ ادا نہیں کرسکا......۹ (نو) ماہ سے میں دفتر میں کام پر ہوں۔مگر میرا بجٹ ہی پاس ہونے میں نہیں آتا۔''

آپ مزید تحریر کرتے ہیں کہ طلباء کے معائنہ ءصحت اور خاموش ورزش کی جو مشین بہت مفید ہے۔پینتیس روپے میں مجھ سے تعلیم الاسلام ہائی سکول نے خرید لی تھی۔میرے پاس ایسی دو مشینیں ہیں جو مدارس کو ساٹھ روپے میں دی جاسکتی ہیں اور یہ رقم مارچ تا دسمبر ۱۹۲۸ء کے عرصہ کے لئے میرے حصہ آمد میں جمع کرلی جائے۔محترم ہیڈ ماسٹر صاحب گرلز سکول نے ایک مشین لے کر چار اقساط میں رقم ادا کرنے کا وعدہ کیا۔چندہ ماہ بعد دفتر بہشتی مقبرہ نے پہلی قسط (ساڑھے سات روپے) کا مطالبہ کیا تو ہیڈ ماسٹر صاحب نے تحریر کیا کہ

''وہ مشین میں واپس کرنے ہی والا تھا...... کیونکہ ہمارے پاس روپیہ نہیں ہے۔نہ ہماری اپنی تنخواہ ملتی ہے۔سائز بل تو الگ رہا۔اگر آپ قیمت ۱۰ روپیہ کردیں تو وہ بھی اگلے سال کے سائز میں ادا ہوسکے گی۔ورنہ مہربانی فرما کر اپنا آدمی بھیجیں کہ وہ مشین ہمارے ہاں سے لے جاوے۔''

۳- آپ نے جون ۱۹۲۹ء میں دفتر کو تحریر کیا کہ

''میرے پاس کبھی روپیہ جمع نہیں ہوا۔مکان بنا تو خدا نے دیا۔سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی خاص توجہ اور عطا کا اس میں نمایاں حصہ ہے۔(میرے) روپیہ سے یہ مکان نہیں بنا۔

اب میں چونکہ ایک لمبے عرصہ سے بیکار ہوں۔اس مکان کی اینٹیں ہی میرے گذارہ کا ذریعہ ہیں اور

سرسری حساب کرنے سے......ستائیس سوروپیہ ان اینٹوں پر قرض ہو چکا ہے اور یہ دن بدن بڑھ رہا ہے۔

''میرے دل میں بارہا آیا کہ......عرض کروں کہ اس کی بازاری قیمت کا اندازہ کر کے ابھی کچھ رقم اپنے حصہ کی مقرر کرالیں تا ایسا نہ ہو کہ سارے کا سارا مکان ہی کھا جاؤں......مگر......بعض امیدوں کی بنا پر رکا رہا۔''

مزید یہ تاکید کرتے ہوئے کہ مکان کی قیمت جلد لگوا دی جائے تا کہ آپ اس کا حصہ جائداد ادا کر سکیں آپ نے یہ بھی تحریر کیا کہ

''میری اہلیہ...... کے پاس بھی آج کل کوئی جائداد......نقد نہ زیور، زمین نہ مکان......نہیں ہے۔اور وہ بھی میری طرح ایسی تحریک کے جواب میں خون جگر کھانے کے سوا کچھ کر نہیں سکتیں۔انا لِلّٰہ و انا الیہ راجعون۔''

۴- نومبر ۱۹۲۹ء میں آپ نے دفتر کو تحریر کیا کہ آپ کے اعلان پر میں نے چھ ماہ پہلے عریضہ پیش کیا تھا کہ میں بے کار محض ہوں۔نہ میری کوئی آمد ہے نہ ذریعہ معاش۔اگر کہیں مزدوری بھی کی تو بعض وجوہ سے معاوضہ نہیں ملا۔

۵- پھر آپ نے جنوری ۱۹۳۰ء میں دفتر کو اپنے بیکار محض ہونے اور مکان کی اینٹیں کھانے کا اور مکان کا بار روز بروز بڑھتے جانے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ میں نے آپ کی تحریک پر عرض کیا تھا کہ

''میں زندگی میں حصہ جائداد ادا کرنا چاہتا ہوں۔میرے پاس آجا کے ایک مکان ہے اس کی قیمت کا تخمینہ کر کے کوئی رقم معین کرا دیں تا کہ میں اس معین رقم کی ادائیگی کی فکر کروں۔ورنہ بصورت موجودہ وبحالات پیش آمدہ کچھ دور نہیں کہ میں سارا مکان ہی پیٹوں کے گھاٹ اتار جاؤں۔''

۶- فروری ۱۹۳۰ء میں افسر تعمیر حضرت سیدنا صر شاہ صاحبؓ کے پیش کردہ اندازہ مالیت کا ملخص یہ ہے:

ا- انیس مرلہ رقبہ مع درختان ثمر دار وغیرہ

نرخ پچاس روپے فی مرلہ =۹۵۰ (ساڑھے نوسو)

ب۔دو ہزار ستر مربع فٹ مکانیت نچلی منزل

نرخ فی ستر مربع دو روپے = ۴۱۴۰ (چار ہزار ایک سو چالیس)

ج۔رقبہ مکانیت برآمدہ چوبارہ

پانصد باون مربع فٹ = ۵۵۲ (پانچ صد باون)

نرخ ایک روپیہ فی مربع فٹ	=	۵۵۲ (پانچ صد باون)
میزان	=	۵۶۴۲ (پانچ ہزار چھ سو بیالیس روپے)

وضاحتی نوٹ

بظاہر دور سے دیکھنے میں مکان پختہ نظر آتا ہے۔لیکن اندر سے مکان کی حالت بہت اچھی نہیں۔ جا بجا سے دیواریں پھٹی ہوئی ہیں۔ بہت سا حصہ چنائی کا روڑہ اینٹ سے تیار ہوا ہے اس لئے تخمینہ کرنے میں ہر ایک بات کا مدنظر رکھنا ضروری تھا۔''

۷- آپ نے اپریل ۱۹۳۵ء میں دفتر کو یہ تحریر کیا کہ

''دسمبر ۳۴ء سے میں بوجہ بیماری محمود آباد سندھ سے جہاں پر مجھے چند ماہ سے ساٹھ روپیہ ماہوار گذارہ ملتا تھا واپس بلوا لیا گیا ہوں اور بالکل بیکار ہوں۔کوئی آمد نہیں بلکہ قرض دام کر کے گزر کر رہا ہوں جس کا بار میرے مکان پر پڑ رہا ہے اور مکان پر پہلے قرضہ کے ساتھ اور بار بڑھتا جا رہا ہے۔''

میں نے وصیت کی ہوئی ہے اور انہی وجوہات سے میرا خانہ وصیت خالی یا زیادہ تر خالی پڑا ہوگا۔ آج کے میرے پاس ایک مکان ہے۔ جو زیادہ تر میں نے اپنے بیوی بچوں کی شرکت میں ہاتھوں کی محنت سے بنایا اور خدا کے فضل نے اسے کھڑا کیا ہوا ہے۔

''عیالداری کی ضروریات کے لئے آخر کوئی راہ پیدا کرنا ہی پڑتی ہے۔ جو قادیان میں میرے لئے قریباً ناممکن سی ہوگئی ہے۔ پونجی نہیں کہ تجارت کروں...... (ایسی صورت نہیں کہ) نوکری کر سکوں۔عمر کا تقاضا نہیں کہ اب قادیان سے باہر روٹی کے لئے نکلوں۔لہٰذا مجبوراً اس مکان کی اینٹوں پر گزر کرنا پڑتا ہے۔ اور یہ اینٹ پتھر زیر بار ہوتے جا رہے ہیں۔آپ کا اعلان پڑھ کر عرض کیا تھا کہ اندازہ کرا کے اس کی قیمت کا فیصلہ کرا لیں۔تا کہ اگر نقدی نہیں تو کچھ اینٹ پتھر ہی اس راہ میں ہاتھ سے نکل جائیں۔مگر آپ نے توجہ نہ فرمائی اور اس عرصہ میں قریباً پانصد روپیہ کا اور بار اس مکان پر پڑ......(کر) رقم قرض بجائے ۲۷۰۰ (ستائیس صد) کے ۳۲۰۰ (بتیس سو) ہو چکی ہے۔

''میں نہیں جانتا یہ مشت خاک کہاں پھینکی جائے گی۔موت کے بعد مردہ بدست زندگان۔ جہاں چاہیں پھینکیں۔ مجھے تو سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احکام کا احترام تھا کہ وصیت لکھ کر پیش کی اور چاہتا ہوں کہ اس عہد کی ذیل میں کچھ تو ہاتھ سے نکل جائے۔لہٰذا بہتر

ہو کہ جناب خاص توجہ فرما کر میری درخواست پر کوئی کارروائی فرمائیں۔‘‘

آپ نے ستمبر ۱۹۳۶ء میں دفتر کو تحریر کیا کہ مکان پر جو بارسات آٹھ سال سے ہے اس میں مزید ڈیڑھ ہزار روپے کا اضافہ ہوا ہے۔ میری کوئی معین آمد نہیں۔ جب سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کوئی کام دے کر مقرر فرماتے ہیں تو کچھ آمد ہو جاتی ہے جس کا عشر میں باقاعدہ ساتھ ساتھ ادا کرتا رہا۔

مجھے ۱۹۳۳ء تا ۱۹۳۶ء جو کام ملا وہ یوں ہے:

۱- ۱۹۳۳ء میں چھ ماہ

اراضیات سندھ میں

۲- ۱۹۳۴ء میں سات ماہ

۳- ۱۹۳۵ء میں ایک سو بیس دنوں میں سے پچاس دنوں کا حساب مجھے ملا ہے۔

۴- ۱۹۳۶ء میں اٹھاون دن کام پر رہا۔ اور ایک دن مطبع کے کام کے لئے گورداسپور گیا۔ اور بھی شاید ایک دو چھوٹی موٹی رقوم ملی تھیں جن کا عشر ادا کیا جا چکا ہے۔

ان چار سالوں میں قریباً گیارہ سو روپیہ آمد ہوئی۔ جس میں حصہ آمد اور دیگر چندوں کے علاوہ تخمینا چار صد روپیہ چندہ تحریک جدید دیا۔ باقی ماندہ رقم ہم میاں بیوی اور تین زیر تعلیم بچوں کے گذارہ کیلئے بالکل ناکافی ہونے کی وجہ سے مکان پر بار بڑھتا رہا۔

آپ نے فروری ۱۹۳۶ء میں دفتر کو تحریر کیا کہ مئی ۱۹۳۵ء سے میرا گذارہ مقرر کر کے چار ماہ کام لیا گیا لیکن ابھی تک مجھے کچھ نہیں ملا۔ دراصل قرض دام پر گزر اوقات کر رہا ہوں۔ سندھ سے بوجہ بیماری بلائے جانے کے بعد سے اب بالکل بیکار ہوں بلکہ قرض پر گذر کر رہا ہوں۔ جس کا بوجھ میرے مکان پر پڑ کر بار بڑھتا جا رہا ہے۔

۹- آپ نے مارچ ۱۹۳۷ء میں میر پور خاص (سندھ) سے بیس روپے تین ماہ کا حصہ آمد بھجوایا۔ اپریل میں آپ نے دفتر کو اطلاع دی کہ میں بیمار اور بیکار ہوں۔ قرض دام پر گذارہ ہو رہا ہے۔

۱۰- اپریل ۱۹۳۸ء میں بھی آپ نے دفتر کو اطلاع دی کہ بیکار ہونے کی وجہ سے میں قرض لے کر گذارہ کر رہا ہوں۔ سال بھر کے چندہ کے طور پر تین روپے کی حقیر رقم قرض لے کر دے رہا ہوں۔ پھر اگست میں بیماری کا ذکر کر کے ایک روپیہ چندہ آپ نے دیا۔

۱۱- ۸؍ظہور ۱۳۱۹ ہش (مطابق ۸؍اگست ۱۹۴۰ء) کو آپ نے دفتر کو تحریر کیا کہ

''گذشتہ پانچ سال سے میں بیمار چلا آرہا ہوں۔اور دائم المریض کی سی زندگی بسر کرتا چلا آرہا ہوں۔کبھی چار دن افاقہ ہوتا ہے تو پندرہ دن بیماری میں بسر ہو جاتے ہیں۔ملیریا اور بعض دیگر عوارض نے بے جان سا کر رکھا ہے۔پٹھے سست اور ہڈیاں کھوکھلی ہو چکی ہیں۔خصوصاً ٹانگوں کے پٹھے بیکار ہیں جن میں عموماً ہر وقت ہی درد اور رعشہ سا رہتا ہے۔

''بیماری اور لمبی بیماری کے نتیجہ میں بیکاری گلے کا ہار ہے۔وجوہ معاش بند اور گزارہ تنگ ہے۔مکان جو کبھی میرے آقا سیدنا امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی نظر عنایت سے بن گیا تھا۔حضور نے ایک بھاری رقم قبلہ حضرت نانا جان محترم مرحوم سے بطور قرض دلائی تھی۔جس سے یہ بن سکا تھا۔وہ رقم تھوڑی تھوڑی کر کے حسب وعدہ ادا کر دی گئی۔یہ سہولت نہ میسر آتی تو مجھ سے کہاں بنتا تھا۔اس کو کھاتا چلا آرہا ہوں۔اور اس طرح اب تو اس مکان پر بھی اتنا بار ہو چکا ہے کہ اگر اچھی قیمت پر فروخت ہو گیا تو بار اتر سکے گا......عزیز......کی تعلیم کے اخراجات بھی اسی مکان پر بار ہیں......

''ان حالات میں میں نہایت ادب سے عرض کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ......موجودہ ایام میں بیماری اور بیکاری کے باعث میری کوئی آمد نہیں اور بالکل نہیں ہے......میں بالکل خالی ہاتھ ہوں۔مال ہے نہ دولت۔عمل ہے کوئی نہ نیکی۔محض اور محض خدا کی آس اور اسی کے رحم کا آسرا ہے۔اس کی بخشش وسیع اور رحمت ہر چیز پر محیط ہے۔اور میں اس سے اس کی بخشش اور رحمت ہی کا امیدوار ہوں......''

آخر پر آپ نے لکھا ہے کہ یہ پختہ عہد ہے کہ آمد ہوئی اور مکان قرض کے بارے سے سبکدوش ہو گیا تو ہر ایک کے بارے میں بخوشی میں وصیت ادا کروں گا۔

۱۲- آپ کا حصہ جائداد ۱۹۴۴ء میں ساڑھے چار صد روپیہ قابل ادا تھا۔آپ اپنے مکان کی ایک دکان جو برلب سڑک تھی کفالت میں دینا چاہتے تھے۔اور دفتر نے اس پیشکش کو قبول کر لیا تھا۔لیکن پھر آپ کے بعض عزیزان نے کسی طرح انتظام کر کے نقد رقم ادا کر دی تھی۔آپ کی طرف سے تقسیم برصغیر سے پہلے حصہ جائداد اس ادائیگی سمیت چھ صد ادا ہو چکا تھا۔اللہ تعالیٰ نے سامان فرما دیا۔ورنہ ادائیگی سے پہلے آپ نے بتایا تھا کہ اس کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

''کیونکہ میں عرصہ قریباً سات آٹھ سال سے بیماریوں کا تختۂ مشق بنتا چلا آرہا ہوں۔جس کا نتیجہ بیکاری اور مال کی تنگی میرے شامل ہیں۔کوئی وجہ معاش یا آمد کا ذریعہ نہیں۔''

گویا اس مکان پر جو قرض لیا تھا اس کے قطع نظر اور اسے منہا کئے بغیر آپ نے حصہ جائداد کی

ادائیگی فرمائی۔

۱۳- دسمبر۱۹۴۶ء سے ایک حصہ ءمکان تیس روپے ماہوار پر کرایہ پر چڑھا۔اس کے علاوہ آپ کی کوئی آمد نہ تھی۔ایسی تنگ دستی کی حالت میں بھی مجلس مشاورت ۱۹۴۷ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی اضافہء وصیت کی تحریک سن کر آپ نے دوبار دفتر متعلقہ کو اطلاع دی کہ آپ نے حصہ آمد کی وصیت ۱/۱۰ کی بجائے ۱/۸ کر دی ہے۔

آپ نے اپنے مکان ''نعم البدل'' اوراس کے شمال اور شرق کی طرف کی سفید زمین کے بارے بعد تقسیم ملک مطلع کیا کہ حصہ جائیداد کے پانچویں حصہ کی وصیت ان جائدادوں پر بھی حاوی ہے۔اور آپ کے پاس نقدی کوئی نہیں۔خاکسار مؤلف اس وقت کے مختار عام صدر انجمن احمدیہ وتحریک جدید انجمن احمدیہ کی تحریک پر آپ نے حالات کے مدنظر خاکسار کے ذریعہ مارچ ۱۹۵۹ء میں اپنی یہ جائداد صدر انجمن احمدیہ کے نام ہبہ کرنے کی تحریر دی اور قبضہ بھی دے دیا۔(جب آپ کی اہلیہ محترمہ قادیان میں آکر عرصہ درویشی میں ٹھہریں تو میاں بیوی کا قیام اپنے اسی مکان میں رہا۔)

بھائی جی کے اہلبیت

حضرت بھائی جی کی شادی ہونے پر آپ کی رفیقہ ءحیات ۱۹۰۲ء میں قادیان آئیں۔تقسیم برصغیر سے پہلے بھائی جی کے طویل مالی تنگی کے دور میں بھی آپ نے پورا تعاون دیا۔ بھائی جی ہمیشہ خدمات سلسلہ کے لئے تیار رہتے تھے۔ادھر حکم ملا اور ادھر آپ نے کاروبار بند کیا۔کسی بات کو روک نہ سمجھا۔خواہ گھر میں زچگی متوقع ہے۔یا گھر والے بیہوش پڑے ہیں۔آپ کی اہلیہ محترمہ کبھی مانع نہیں ہوئیں۔ بھائی جی ان کو سپرد خدا کرتے تھے۔

بھائی جی کی موجودگی میں آپ کی اہلیہ محترمہ نے خاکسار مؤلف کو سنایا:

''ایک دفعہ سیدہ حضرت ام المومنینؓ کو کاربنکل نکل آیا اس وجہ سے آپ کو تبدیلی آب وہوا کے لئے کہیں باہر لے جانے کی تجویز کے باعث تیاری کے لئے لاہور جانے کی ضرورت تھی۔حضور نے بھائی جی کو بھجوادیا۔چند گھنٹے بعد، بعد عشاء میرا لڑکا عبدالسلام پیدا ہوا۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو علم ہوا تو حضور نے حضرت اماں جانؓ سے ذکر کیا کہ بھائی جی زچگی کے وقت کے قرب کی بابت اظہار کرتے تو میں ان کو لاہور نہ بھجواتا۔اماں جان نے فرمایا کہ بھائی جی کی اہلیہ،خدمت اسلام اور سلسلہ کے کاموں سے بھائی جی

کوروکنا پسندنہیں کرتیں۔اور وہ بھی کہتیں کہ آپ چلے جائیں۔صبح حضرت سیدہ ام ناصر صاحبہؓ میرے پاس تشریف لائیں اور تعجب سے کہا کہ بھائی جی نے حضور کو بتا کیوں نہ دیا۔ میں نے کہا کہ ایسے موقع پر میں خدمت سے روک دیتی تو نہ معلوم اس کا نتیجہ کیا نکلتا۔اب وہ خدمت سلسلہ کے لئے گئے ہیں تو آ کر بچے کو زندہ سلامت دیکھ لیں گے۔''

آپ سناتی تھیں کہ ایک دفعہ میری انگلی کے جڑ دار پھوڑے کا اپریشن ہوا۔ میں گھر پر ابھی بیہوش پڑی تھی کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی طرف سے پیغام ملا کہ حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ کا تبادلہ ہوگیا ہے۔انہوں نے لکھا ہے کہ بھائی جی آ کر لے جائیں۔سو بھائی جی مجھے بچوں کے سپرد کر کے روانہ ہوگئے۔اس رات چار چور ہمارے مکان میں آئے۔مکان کے ایک الگ حصہ میں بھائی جی کا ایک شاگرد رہتا تھا۔اس نے چوروں کا مقابلہ کیا تب ہم نقصان سے محفوظ رہے۔آپ نے یہ بھی بتایا کہ محترمہ صاحبزادی امتہ القیوم صاحبہ کا جہیز، لاہور سے خریدنے کے لئے بھائی جی اور مجھے خدمت کا موقع دیا گیا۔

عرصہءدرویشی میں آپ کو قادیان میں قیام کرنے کا موقعہ ملا۔ابتدا میں ایک ہی ویزا پر آٹھ بار سفر کیا جاسکتا تھا۔اور ہر دو ماہ بعد باڈر پار کرنا ضروری ہوتا تھا۔باڈر پار کر کے اس وقت واپس آنے کی بھی اجازت تھی۔ایک دفعہ خاکسار مؤلف نے بھائی جی سے شام کو پوچھا کہ اماں جی واپس نہیں آئیں۔انہوں نے تو باڈر عبور کر کے اسی وقت واپس آنا تھا۔فرمایا۔وہ اسی نیت سے قادیان سے روانہ ہوتی ہیں لیکن باڈر عبور کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان سے محبت کا جذبہ ابھر آتا ہے۔اور وہ ان کی ملاقات کرنے کے لئے آگے چلی جاتی ہیں۔سو اس وجہ سے آپ بے چین ہوجاتیں اور بغیر ملاقات کے واپس نہ آتیں۔

حضرت بھائی جی کی وفات کے بعد آپ ایک دفعہ زیارت قادیان کے لئے تشریف لائیں۔ان چند روزہ قیام میں خاکسار مؤلف کے گھر بھی آئیں اور خاکسار کے گھر میں بتلایا کہ ہمارا مکان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں بہت دور اور الگ سمجھا جاتا تھا۔(اس وقت مکان حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کے مکان کے شمال میں قصر خلافت والے چوک کے قریب تھا)اور یہ مکان غیر محفوظ تھا۔ بھائی جی کی عدم موجودگی میں چور متواتر آتے تھے۔اور بعض دفعہ ایک سے زیادہ ہوتے تھے۔یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ میں جاگ رہی ہوں کبھی میں زور زور سے چرخہ کاتنے لگتی۔کبھی کسی برتن میں روڑے پھینک کر زور سے آواز پیدا کرتی۔میں ان کو باتیں کرتے سنتی کہ یہ عورت سوتی ہی نہیں۔ہمیشہ بیدار رہتی ہے کبھی میں ان

کوروڑے مار کر زخمی کرتی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال والے سفر میں بھائی جی نے حضور کی خدمت میں تحریراً عرض کیا کہ حضور کی خادمہ کا خط آیا ہے کہ رات کے وقت ہمیں تنہائی کی وجہ سے خوف آتا ہے۔ کیونکہ جس مکان میں میں رہتا ہوں وہ بالکل باہر ہے۔ حضور نے حفاظت کے انتظام کی ایک تجویز رقم فرمائی۔

وفات

آپ کی وفات پر الفضل بابت ۲۸؍اپریل ۱۹۷۵ء میں مرقوم ہوا:

محترمہ اہلیہ صاحبہ حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانیؓ وفات پا گئیں

انا للہ و انا الیہ راجعون

''افسوس کے ساتھ لکھا جاتا ہے کہ محترمہ اہلیہ صاحبہ حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی رضی اللہ عنہا ۲۳؍اپریل ۱۹۷۵ء کو سات بجے صبح بمقام کراچی حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے مختصر علالت کے بعد تقریباً ۹۵ سال کی عمر میں وفات پا گئیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مرحومہ اپنی آخری علالت میں اپنے پوتے مکرم عبدالباسط صاحب مہتہ (ابن مکرم عبدالرزاق صاحب مہتہ) کے پاس فروکش تھیں جنھوں نے خود اور ان کی والدہ محترمہ نے جانفشانی کے ساتھ حق خدمت ادا کیا۔

جنازہ بذریعہ ہوائی جہاز لائلپور اور وہاں سے ربوہ لایا گیا۔ رات نو بجے بعد نماز عشاء نماز جنازہ محترم صوفی غلام محمد صاحب ناظر بیت المال (خرچ) نے پڑھائی جس کے بعد مرحومہ کا جسد خاکی مقبرہ بہشتی ربوہ میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ تدفین مکمل ہونے پر محترم صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب نے دعا کرائی۔

مرحومہ موصیہ اور صحابیہ تھیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا زمانہ بڑی اچھی طرح اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ حضور علیہ السلام اپنے اہل بیت کے ہمراہ جب صبح سیر کو جایا کرتے تھے تو حضرت اماں جانؓ کے ہمراہ مرحومہ بھی شریک سیر ہوتی تھیں۔ اپنے بزرگ شوہر حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی رضی اللہ عنہ کے دوش بدوش سلسلہ کی خدمات کے لئے کمر بستہ رہتی تھیں۔ فریضہ ء حج بھی ادا کر چکی تھیں۔ سب سے چھوٹے بیٹے مکرم عبدالسلام صاحب ملک سے باہر ہونے کی وجہ سے وفات کے وقت حاضر نہ ہو سکے۔ اکلوتی بیٹی امۃ الرحیم خانم صاحبہ آخری وقت پہنچ گئیں۔

احباب جماعت دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنت الفردوس میں بلند درجات عطا فرمائے اور جملہ لواحقین کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین

کتبہ پر مرقوم ہے:

مزار

الحاجہ زینب بی بی صاحبہ

زوجہ بھائی جی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی

ساکن ربوہ

ولادت ۱۸۸۰ء بیعت ۱۹۰۳ء

وفات ۱۹۷۵-۴-۲۳ عمر ۹۵ سال

وصیت نمبر ۳۳۹

الخدر ثم الخدر

حضرت بھائی جی ذیل کی نصیحت تحریر فرماتے ہیں۔ جس سے آپ کے ایمان وعرفان پر روشنی پڑتی ہے۔

''دھوکہ خوردہ ہوگا وہ انسان اور شیطان کی زد کے نیچے ہوگا وہ بدقسمت شخص جو خدا کے کسی فضل یا انعام کو، اس کی کسی رحمت یا احسان کو اپنے کسی عمل کے نتیجہ، کوشش کا ثمرہ یا جدوجہد کا پھل سمجھ کر اکڑنے یا اترانے لگے اور بجائے اس کے کہ شکر نعمت کے لئے سجدات میں گر کر اپنے نفس کو پہچانے، خودی وخودستائی کو چھوڑ کر اپنے اوپر ایک ایسی موت وارد کرے اور اس کی مرضی کے سامنے یوں گردن ڈال کر اپنے آپ سے اس طرح کھویا جائے کہ

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۲۲۵

کا مقدس مقام اسے میسر آجائے اور خدا کے عرفان میں ترقی کر جائے۔ الٹا اباء واستکبار کرے۔ احسان فراموش بنے اور محسن حقیقی سے اس طرح دور ومہجور ہو جائے۔

''خدا کی عطا کو اپنی کرتوت کا پھل سمجھنے والا بے وقوف بجائے مقرب ہونے کے ملعون اور بجائے مقبول ہونے کے مردود ہوگا۔ اور اس ذات والا صفات کی موہبت اور بخشش کو اپنی کمائی کا نتیجہ سمجھنے والا خود پسند اور نفس پرست کبھی اس کی چوکھٹ تک بھی رسائی نہیں پا سکتا۔

وہی اس کے مقرب ہیں جو اپنا آپ کھوتے ہیں

نہیں رہ اس کی عالی بارگاہ تک خود پسندوں کو

خدا کی کبریائی، جبروت وعظمت، اس کی عزت وجلال اور شوکت، اس کا کمال، سطوت وہیبت، جن مقدس ترین ہستیوں پر ظاہر ہوکر جلوہ گر ہوا اور چمکا وہ تو باوجود باکمال اور مظہر جمال وجلال ہونے کے بے اختیار پکار اٹھے

کرم خاکی ہوں مرے پیارے نہ آدم زاد ہوں
ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار

اور چونکہ عارفین وکاملین کا یہ اعتراف حقیقت پر مبنی، ان کے دل کی گہرائیوں کا آئینہ دار اور ہر قسم کی بناوٹ اور ریا کی ملونی سے کلیۃً منزہ تھا۔ علام الغیوب راز داں ہستی نے ان کے دلوں کو جھانکا اور ان کے اندرونہ دل کی نہاں در نہاں کیفیتوں پر نظر کر کے خود اپنے ہاتھ سے ان کو اٹھا کر نوازا اور

اَنْتَ وَجِیْہٌ فِیْ حَضْرَتِیْ اِخْتَرْتُکَ لِنَفْسِیْ [۲۴۶]

کا خطاب دیا۔ اور اس طرح دنیا جہان کے لئے ایک اسوہ قائم کر کے یہ عقدہ حل فرما دیا کہ جو میرے لئے موت اختیار کرتے ہیں ان کو ایسی حیات بخشتا ہوں۔ جس کے بعد پھر موت نہیں اور جو میرے لئے ذلت قبول کرتے ہیں میں ان کو ایسی عزت عطا کرتا ہوں جس کے بعد کوئی ذلت نہیں۔ غرض خدا کی کسی نعمت کو بھی چھوٹا سمجھ کر غفلت کرنا اور شکر نعمت میں ہر وقت سرشار نہ رہنا ایک روحانی موت کا مقام ہے۔ اور اس کی کسی عطا، انعام و دین کو اپنے کئے کا پھل، محنت کی کمائی یا علم و ہنر کا نتیجہ سمجھنا یقیناً بدنصیبی اور محرومی کا مترادف ہے میں نے جو کچھ بھی لکھا اور ظاہر کیا کانپتے ہوئے دل اور لرزتے ہوئے ہاتھوں سے ڈرتے ڈرتے خدا کی بے نیازی اور نکتہ گیری سے کانپتے کانپتے کیا ہے۔ ورنہ من آنم کہ من دانم والی بات ہے۔ کہاں میں کہ کفر وشرک کے اتھاہ گڑھے اور ظلمت وضلالت کے بے پناہ سمندروں میں غرق، کہاں یہ فضل کہ نور ایمان عطا فرمایا۔ نعمت اسلام بخشی اور ایسا نوازا۔ ایسا نوازا کہ اس بزرگ و برتر ہستی کے قدموں میں لا ڈالا۔ اس کی زیارت کے لئے لاکھوں نہیں کروڑوں صلحاء اور اولیاء امت ترستے ترستے ہی کوچ کر گئے۔ یہ فضل، یہ کرم یہ ذرہ نوازی یقیناً یقیناً سراسر احسان، سرتاپا فضل، اور ابتداء تا انتہاء موہبت اور بخشش ہی کا رنگ رکھتی ہے۔ جس کے لئے میری روح آستانہ ء الوہیت پر سربسجود ہے۔ [۲۴۷]

بھائی جی کا قادیان سے ربوہ اور کراچی کا سفر

نیز انتقال اور نماز جنازہ

قادیان سے جلسہ سالانہ ربوہ میں شمولیت کے لئے ۲۴ر دسمبر ۱۹۶۰ء کو ایک بڑا قافلہ روانہ ہوا۔اس میں بھائی جی۔آپ کی اہلیہ محترمہ اور آپ کی بہو (اہلیہ محترمہ مہتہ عبدالرزاق صاحب جو پاکستان سے قریب میں آئی تھیں) بھی شامل تھے۔

آپ کی بہو بیان کرتی ہیں کہ

جلسہ سالانہ ربوہ کے بعد ۳ر جنوری کو کراچی کے سفر کے لئے تیاری کی جارہی تھی بھائی جی نے نہایت ہی رقت آمیز لہجے میں سینکڑوں دفعہ یہ شعر پڑھا

اے ربوہ کی بستی تجھ پر سلام ہووے
تجھ پر خدا کی رحمت ہر دم مدام ہووے

اور مجھے دو تین دفعہ فرمایا کہ بچی! روانگی سے قبل میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب سے نہیں ملا۔تم نے مجھے کراچی سے واپس ربوہ پہنچانے کا انتظام کرنا ہوگا۔دس بجے کے قریب پیدل بس کے اڈہ پر پہنچے اور ہر آنے جانے والے سے السلام علیکم کہتے ، گلے ملتے۔اور ایک گھنٹہ تک جو بس کے انتظار میں بیٹھنا پڑا۔اس وقت بھی اور وہاں سے روانگی کے وقت بھی یہی شعر نہایت رقت اور دردمندانہ آواز سے بہ آواز بلند پڑھتے رہے۔چار بجے شام لاہور میں مکرم قریشی محمود احمد صاحب (ایڈووکیٹ) کے ہاں پہنچے جہاں آپ ہمیشہ آمدورفت کے وقت قیام کرتے تھے۔رات کو بارہ بجے یکدم تکلیف شروع ہوئی۔سینہ میں آگ لگ گئی۔تمام گرم کپڑے اتار دیئے۔دروازہ کھلوا کر باہر جانا چاہا۔قریشی صاحب کی طرف سے ہر ممکن علاج کیا گیا جس سے قدرے سکون ہوا۔۴ر جنوری کو دو بجے بعد دوپہر پھر سر اور سینہ میں شدید تکلیف ہوئی جس سے بے چین ہوکر اٹھتے بیٹھتے لیٹتے مگر کسی کروٹ چین نہ پڑتا۔اسی حالت میں ظہر وعصر ادا کیں۔تکلیف کے دوران میں یہ شعر پڑھتے تھے

اب کچھ نہیں ہے باقی دے شربت تلاقی
پلا ساقی۔پلا ساقی ....

مغرب کے بعد تکلیف کافی کم ہوگئی۔آپ کو اطلاع دے کر میں نے ۳۰۔۹ بجے رات کراچی میں آپ کی شدید علالت کی اطلاع فون پر کر دی ۵؍جنوری کی صبح کو آپ نے دریافت فرمایا کہ میں نے کراچی عبدالرزاق کو فون کیا تھا؟۔میں نے عرض کیا۔یہ کہ ابا جی کی طبیعت خراب ہے۔فرمایا یہ کہنا تھا کہ حالت اچھی نہیں ہے۔میں نے کہا کہ اگر طبیعت اچھی نہ ہوئی تو صبح فون کر دوں گی آپ لاہور پہنچ جائیں۔فرمایا نہیں۔آج ہم خود کراچی جا رہے ہیں۔آپ نے اپنے سامنے بستر بندھوایا۔اور پگڑی اور سوٹی لے کر خود ہی باہر صحن میں جا کر دھوپ میں لیٹ گئے۔شام کو لاہور اسٹیشن پر بوجہ کمزوری کرسی پر بٹھا کر گاڑی میں سوار کرایا گیا۔اس موقعہ پر ایک آیت پڑھی اور فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! ہمارا سفر آسان اور کم کر دے۔عزیز عبدالہادی کو جو ایک روز پہلے روانہ ہونا تھا آپ کی علالت کے باعث روک کر ساتھ ہی رکھا تھا آپ کی کمزوری کے باعث ''تیز گام'' کی سیٹیں منسوخ کرا کے کراچی ایکسپریس میں سیکنڈ کلاس کی سیٹیں لی گئیں۔محترمہ بیان کرتی ہیں کہ گاڑی کی روانگی سے قبل میں نے آپ کے کمپارٹمنٹ میں جا کر دیکھا کہ آپ کو جگہ ٹھیک مل گئی ہے۔فرمایا بہت اچھی جگہ ہے جزاک اللہ اور دعائیں دیں اور سر پر ہاتھ پھیرا۔رات کو پونے بارہ بجے کے قریب عزیز عبدالہادی نے بتایا کہ ابا جی کی طبیعت بہت خراب ہے۔اس اطلاع کے دوران آپ خود اٹھے۔پیشاب کیا،طہارت کی۔اپنی سیٹ پر بیٹھے اور اماں جی سے پانی مانگ کر پیا۔(اماں جی نے پاؤں سہلائے اور جسم کو مزید گرم کپڑوں میں لپیٹا۔بدر) فرمایا۔بہت خدمت کی ہے جزاک اللہ۔اور خاموش ہوگئے۔اتنے میں عزیز عبدالہادی صاحب بھی آ گئے۔دوائی پلانے کی کوشش ناکام رہی دو تین لمبے سانس لیتے ہوئے آپ اپنے مولا حقیقی سے جا ملے۔**انا للہ و انا الیہ راجعون**۔[۴۲۸]

تھوڑی دیر بعد خانیوال اسٹیشن آ گیا۔اور وہاں یہ سب اتر پڑے اور رات کے ۳۰۔۲ بجے عبدالہادی صاحب نے اپنے والد صاحب کو فون پر اس واقعہ کی اطلاع دی۔جنہوں نے اپنے بیٹے کو مقامی جماعت سے رابطہ پیدا کرنے کو کہا۔چنانچہ وہ ایک قلی کی راہ نمائی میں احباب جماعت کی تلاش میں نکلے اور جلدی مقامی جماعت کے متعدد افراد اسٹیشن پر آ جمع ہوئے۔مہتہ عبدالقادر صاحب نے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی خدمت میں فون پر اطلاع دی۔آپ نے فرمایا۔

''ہم اماں جی (یعنی حضرت بھائی جی کی اہلیہ محترمہ) کو کہہ رہے تھے کہ بھائی جی کو نہ لے کر جائیں اچھا...... **انا للہ و انا الیہ راجعون**۔''

بعد میں حضرت میاں صاحب نے ذکر فرمایا کہ فون برآمدہ میں ہے میں اس وقت جاگ رہا تھا۔ ورنہ ممکن ہے اندر مجھے گھنٹی سنائی نہ دیتی۔ مہتہ صاحب نے اپنے بھائی عبدالسلام صاحب کو منگلا ڈیم اطلاع کر دی نیز انڈین ہائی کمشنر سے رات کے تین بجے جنازہ کو قادیان لے جانے کی اجازت کے حصول کے لئے بات کی۔ انہوں نے ہمدردانہ تعاون کا وعدہ کیا۔ چنانچہ اس وعدہ کی اطلاع فون پر حضرت میاں صاحب کو مہتہ صاحب نے پہنچائی تو فرمایا:

''الحمدللہ یہ تو بہت ہی اچھا ہوا۔ بھائی جی نے اپنی قبر کا مقام منتخب کر کے حضرت صاحب سے اس جگہ کو اپنے لئے ریزرو کروالیا ہوا ہے۔ آپ کی خواہش تھی میں قادیان میں دفن کیا جاؤں۔ یہ تو بہت ہی اچھا کام ہوا۔ اس طرح بھائی جی کی خواہش پوری ہو جائے گی۔ نیز فرمایا۔

حضرت صاحب کو بھی اطلاع دے رہا ہوں۔ حضور یہ سن کر خوش ہوں گے۔'' [۲۴۹]

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی طرف سے ۶ رجنوری کو اعلان ہوا کہ:

''آج رات کے ساڑھے تین بجے کراچی سے عبدالقادر صاحب مہتہ نے فون پر اطلاع دی ہے کہ حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی لاہور سے کراچی جاتے ہوئے خانیوال میں وفات پا گئے ہیں۔ **انا للہ و انا الیہ راجعون**۔ حضرت بھائی صاحب مرحوم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدیم ترین صحابیوں میں سے تھے۔ اور ان کو یہ غیر معمولی امتیاز بھی حاصل تھا کہ جبکہ ابھی حضرت بھائی صاحب بالکل نوجوان بلکہ گویا بچہ ہی تھے ان کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے ہاتھ پر بیک وقت ہندو مذہب ترک کر کے اسلام قبول کرنے اور احمدیت کی نعمت حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہوئی اور پھر ایک بہت لمبا عرصہ قادیان میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی صحبت کا موقعہ میسر آیا۔ چنانچہ جب ۱۹۰۸ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا لاہور میں وصال ہوا تو اس وقت بھی حضرت بھائی صاحب حضور کے ساتھ تھے اور بالآخر ملکی تقسیم کے بعد حضرت بھائی جی کو قادیان میں درویشی زندگی کی نعمت نصیب ہوئی۔ آجکل چند دن کے لئے پاکستان تشریف لائے ہوئے تھے اور ربوہ کے قیام کے بعد اپنے بچوں کو ملنے کے لئے کراچی جا رہے تھے کہ راستے میں ہی خدا کو پیارے ہو گئے۔ وفات کے وقت عمر غالباً پچاسی چھیاسی سال کی تھی۔ نہایت مخلص اور محبت کرنے والے فدائی بزرگ تھے۔ بیعت غالباً ۱۸۹۵ء کی تھی۔ جنازہ لاہور کے راستہ ربوہ لایا جا رہا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت بھائی صاحب کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور ان کی اہلیہ صاحبہ نے اپنی ضعیفی کے باوجود حضرت بھائی صاحب کی بڑی خدمت

سرانجام دی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے اور احمدیت کے نوخیز جوانوں کو صحابہ کرام کا بابرکت درجہ پانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اب تو یہ مبارک گروہ بہت ہی کم رہ گیا ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُوالْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝ ۔[۲۵۰]

نوٹ: بعد میں حضرت بھائی صاحب کے چھوٹے لڑکے مہتہ عبدالسلام صاحب کا فون آیا ہے کہ ہم کوشش کر رہے ہیں کہ بھائی جی کے جنازے کو قادیان لے جانے کی اجازت مل جائے۔ اگر یہ اجازت مل گئی تو بہت اچھا ہوگا۔ کیونکہ حضرت بھائی صاحب مرحوم کی شدید خواہش تھی کہ وہ قادیان میں دفن ہوں اور اسی وجہ سے وہ ہمیشہ پاکستان آتے ہوئے گھبراتے تھے کہ کہیں میری وفات قادیان سے باہر نہ ہو جائے۔" [۲۵۱]

فون پر مہتہ عبدالقادر صاحب کو خانیوال سے معلوم ہوگیا کہ اسٹیشن پر بہت سے احمدی دوست آ گئے ہیں اور جنازہ ربوہ لے جارہے ہیں۔ صبح دفتر انڈین ہائی کمشنر والے بہت حسن سلوک سے پیش آئے۔ نصف گھنٹہ کے اندر فرسٹ سیکرٹری نے ایک خط لکھ کر دیا۔ جو دونوں بارڈروں پر بہت کام آیا۔ ہائی کمشنر صاحب نے بعد از وقت ویزا فارم قبول کر کے پندرہ منٹ میں ویزوں کی تکمیل کرا کے دے دیئے مہتہ صاحب اور ان کی بچی ہوائی جہاز میں ۱۵۔۵ بجے شام لاہور پہنچ گئے۔ اور فون پر حضرت میاں صاحب سے معلوم کر لیا کہ جنازہ ربوہ پہنچ گیا ہے۔ اور تابوت بنا لیا گیا ہے۔ اور تجہیز و تکفین کے انتظامات بھی کر دیئے گئے ہیں (بقیہ افراد خاندان ٹرین کے ذریعہ لاہور پہنچے۔ بدر)

حضرت مرحوم کی بہو بیان کرتی ہیں کہ جماعت خانیوال نے پوری مدد کی اور ٹرک جنازہ لے کر صبح نو بجے روانہ ہو کر ساڑھے تین بجے بعد دوپہر ربوہ پہنچا۔ محترم نیک محمد خان صاحب سڑک پر منتظر تھے۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اطلاع پاتے ہی تشریف لے آئے اور جنازہ کو خود اتروایا۔ اور بیت الضیافت کے اس کمرہ میں رکھوایا جہاں حضرت بھائی جی قیام کیا کرتے تھے۔ رکھوانے کے بعد اماں جی سے فرمایا۔ میں آپ کو ایک خوشخبری سناؤں؟ فرمایا۔ بھائی جی کا جنازہ قادیان جارہا ہے آپ کے لڑکوں نے انتظام کر لیا ہے۔ الحمدللہ ثم الحمد للہ ۔ اس خوشی میں اماں جی، اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ شکر میں گر گئیں۔ جنازہ کی آمد کی خبر فوراً پھیل گئی۔ حرم محترم حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ، بیگمات، صاحبزادیاں، اور دیگر افراد خاندان حضرت مسیح موعود اور تمام احباب و بزرگوں کے آنے اور ہمدردی

کرنے سے اقارب کے زخمی دلوں کو صبر وسکون میسر آیا۔ مستورات ربوہ نے بھی غمخواری کی ۔حضرت میاں صاحب سے سید مبارک احمد صاحب خلف حضرت سید محمد سرور شاہ صاحبؓ نے نہایت ہی محبت وخلوص سے غسل دینے کی اجازت طلب کر کے حاصل کی ۔ بعد غسل تابوت دارالضیافت کے دوسرے کمرہ میں رکھا گیا۔[۲۵۲]

مہتہ عبدالرزاق صاحب ۷رجنوری کو صبح ۲ بجے ربوہ پہنچے۔حضرت میاں صاحب نے شرف بازیابی بخشا اور نہایت ہی شفقت ، ہمدردی،افسوس اور محبت بھرے الفاظ میں نوازتے ہوئے حالات دریافت فرمائے اور فرمایا کہ حضرت بھائی صاحب کیسے خوش قسمت ہیں کہ زندگی میں بھی ربوہ جلسہ سالانہ میں پہنچ کر دوستوں سے ملے ملائے اور وفات کے بعد بھی اہل ربوہ کو اپنے آخری دیدار کا موقعہ دیا۔آپ کے تین حاضر جنازے پڑھے جاویں گے۔ایک ربوہ،دوسرے لاہور،تیسرے قادیان ۔[۲۵۳]

بعد جنازہ ربوہ سے روانگی

''ربوہ ۷رجنوری۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدیمی اور مخلص صحابی حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی رضی اللہ عنہ کا جنازہ صبح ساڑھے نو بجے کے قریب بذریعہ ایمبولینس کار لاہور روانہ ہوگیا۔۵اور ۶رجنوری کی درمیانی شب خانیوال میں وفات ہوئی......۶رجنوری جنازہ بذریعہ ٹرک ۹ بجے صبح روانہ ہوکر ساڑھے تین بجے سہ پہر ربوہ پہنچا۔ جہاں اسے مہمان خانہ میں رکھا گیا۔رات گئے تک احباب مہمان خانہ میں آکر حضرت بھائی جی کے چہرہ کی زیارت کرتے رہے۔دریں اثناء ان کے فرزندان میں سے مکرم عبدالقادر صاحب مہتہ اور مکرم عبدالرزاق صاحب مہتہ کراچی میں انڈین ہائی کمشنر کے دفتر سے جنازہ قادیان لے جانے کی منظوری لے کر بذریعہ ہوائی جہاز لاہور ہوتے ہوئے ربوہ پہنچ گئے ۔ پروگرام کے مطابق آج صبح نو بجے مہمان خانے سے جنازہ اٹھایا گیا۔احباب کندھا دینے کے لئے ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑتے تھے۔حضرت مرزا بشیر احمد صاحب مدظلہ العالی نے بھی دور تک کندھا دیا۔جنازہ بہشتی مقبرہ کے میدان میں لاکر رکھا گیا۔جہاں حضرت میاں صاحب مدظلہ العالی نے نماز جنازہ پڑھائی۔نماز جنازہ میں ربوہ کے احباب ہزارہا کی تعداد میں شریک ہوئے۔بعدازاں جنازہ لاہور روانہ ہوگیا......۔

حضرت بھائی جیؓ نے ذوق وشوق،خدمت وفدائیت اور ولولہء عشق کی شاندار روایات کے علاوہ چار

فرزند، ایک صاحبزادی اور دو درجن پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ احباب دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ حضرت بھائی جیؓ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور آپ کی اہلیہ صاحبہ محترمہ اور اولاد کا دین و دنیا میں حامی و ناصر ہو۔ آمین۔‘‘ [۲۵۴]

جنازہ لاہور میں

جنازہ ۱۲:۳۰ بجے لاہور پہنچا۔ قریشی محمود احمد صاحب ایڈووکیٹ نے ایمبولینس کار کا ایکسپورٹ پرمٹ، میڈیل سرٹیفکیٹ اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے سرٹیفکیٹ کے حصول اور ضروری کاغذات کی تکمیل میں پوری مدد کی۔ جودھامل بلڈنگ میں دوبار جنازہ پڑھا گیا دوسری بار مکرم میاں محمد یوسف صاحب (صحابی و نائب امیر جماعت) نے جنازہ پڑھایا۔ ایک سالم بس لے کر تیس چالیس دوست بارڈر تک گئے۔ حضرت سیدہ ام متین صاحبہ نے ازراہ شفقت حضور ایدہ اللہ کی ایک کار بھی جنازہ والی ایمبولینس کے ساتھ ربوہ سے اس ہدایت کے ساتھ بھجوادی تھی کہ جنازہ بارڈر عبور کر جائے تب واپس آ کر تفصیل سے مطلع کرنا ہے۔☆

☆ خاکسار کو اپنے بھائی کی ملاقات کے لئے جو نو سال کے بعد امریکہ سے آئے ویزا ملا جس میں صرف چھ دن میں پاکستان میں ٹھہر سکا۔ ۶ر جنوری کو صبح ربوہ پہنچ کر حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے پہلی بات جو کی وہ یہ تھی کہ حضرت بھائی جی کی وفات واقع ہوگئی ہے اور آپ نے اس پر گہرے افسوس کا اظہار کیا اور فرمایا کہ نامعلوم اب جنازہ قادیان جاسکے گا یا نہیں۔ مَیں نے عرض کیا کہ بھائی جی ہندوستانی باشندہ تھے اُمید ہے کہ جاسکے گا۔ اسی شام کو لاہور جانا ملتوی کیا۔ جنازہ کے انتظار میں خاکسار ٹھہرا رہا۔ رات کو جنازہ کی زیارت کی اور پھر ہم دونوں نے صبح پونے چار بجے دیدار کیا اور ہم لاہور پہنچے۔ وہاں جنازہ کا انتظار نصف روز کیا۔ ربوہ میں جنازہ کی نماز ہوئی پھر لاہور میں دوبارہ جودھامل بلڈنگ کے صحن میں نماز جنازہ ہوئی۔ دوسری بار خاکسار کو بھی شرکت کا موقع ملا۔ دوسری بار جناب شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ لاہور نے نماز جنازہ پڑھائی تھی۔ بعض اقارب سے تیرہ سال بعد ملاقات ہوئی تھی اور بعض گھریلو معاملات طے کرنے تھے اور دوسرے روز قادیان واپسی تھی۔ پاسپورٹ صرف چند روز کا ملا تھا اور صرف چھ روز ہی خاکسار پاکستان میں رہ سکا تھا۔ اِس زمانہ میں پاسپورٹ کا حصول ہمارے لئے کٹھن معاملہ تھا

معلوم ہوتا ہے کہ بارڈر پر پاکستانی چیک پوسٹ کو علم ہو چکا تھا۔ جنازہ پہنچتے ہی پولیس اور سول حکام سب ہی خاص ہمدردی سے پیش آئے۔اور انہوں نے پورا تعاون کیا۔اور اپنے خاص اختیارات سے بسوں سمیت احباب کو باؤنڈری لائن تک آنے کی اجازت دے دی۔قادیان کی پارٹی بھی دواڑھائی بجے ایک ٹرک لے کر بارڈر پر پہنچ گئی۔۳۰۔۴ بجے جنازہ پاکستانی بارڈر پر پہنچنے کی اطلاع ملنے پر ہندوستانی حکام کی اجازت سے ٹرک کو بارڈر لائن کے قریب لے گئے۔ادھر سے ایک نوجوان نے آ کر وہاں السلام علیکم کہا اور مکرم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب کو مخاطب کر کے کہا۔

میں فاروق مہتہ ہوں ہم آپ کی امانت لے آئے ہیں۔آپ ہم سے یہ امانت لے لیں۔ یہ کہہ کر ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔اور وہ کچھ اور نہ بول سکے۔محترم صاحبزادہ صاحب نے سلام کا جواب دے کر صبر کی تلقین کی۔

پاکستانی احباب نے بارڈر لائن سے کچھ فاصلہ پر ایمبولینس کار سے تابوت اتارا اور کندھوں پر اٹھا کر آگے بڑھے۔ ہندوستانی حدود میں احباب قادیان تھے۔سب پر رقت طاری تھی۔ جنازہ کے آگے آگے محترمہ اماں جی،اور ان کے دو بیٹے مکرم مہتہ عبدالقادر صاحب ومکرم مہتہ عبدالرزاق صاحب اور اہلیہ محترمہ مہتہ عبدالسلام صاحب بارڈر عبور کر کے بڑھے اور کہا۔

لیجئے میاں صاحب۔ہم آپ کی امانت لے کر حاضر ہوئے ہیں۔آپ اپنی امانت ہم سے وصول کرلیں۔اور دونوں طرف کے احباب کی بے اختیار چیخیں نکل گئیں۔اس حالت میں کہ ابھی جنازہ پاکستانی احباب کے کندھوں پر تھا دوستوں کی درخواست پر مکرم صاحبزادہ صاحب نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔اور پھر احباب ایک دوسرے کی طرف بڑھے اور احباب قادیان نے جنازہ اٹھا کر ٹرک میں رکھ لیا۔اور پاکستانی احباب تھوڑی دیر بعد واپس چلے گئے۔

ہندوستانی بارڈر کے عملہ نے بھی بڑی ہمدردی دکھائی اور پوری طرح تعاون کیا۔ضابطہ کی کارروائی کی تکمیل کے بعد ۱۵۔۶ بجے بارڈر سے قادیان کے لئے روانگی ہوئی۔امرتسر سے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی خدمت میں ایکسپریس تار دینے پر بیس پچیس منٹ صرف ہوئے۔

قادیان میں خبر کا پہنچنا اور تدفین کا عمل میں آنا

یہ اندوہناک خبر ۶ رجنوری کو صبح مہتہ عبدالرزاق صاحب کی تار سے ملی۔ جسے سنتے ہی جملہ درویشوں

میں گھرے رنج وافسوس کی لہر دوڑ گئی۔غمناک دلوں اور اداس چہروں کے ساتھ وہ ایک دوسرے سے تعزیت کرتے ہوئے حضرت بھائی جی کی بلند پایہ شخصیت اور حضرت مسیح موعود کی پاک صحبت سے آپ کے فیض یاب ہونے کی سعادت کے تذکرے کرنے لگے۔ بلاشبہ آپ روحانی لحاظ سے ایک بڑا سہارا تھے۔درویشوں کو اس امر کا بھی صدمہ تھا کہ وہ اپنے اس بزرگ کی آخری زیارت سے بھی محروم رہ گئے۔اگلے روز صبح حضرت میاں صاحب کا تار موصول ہوا کہ جنازہ ربوہ سے براستہ لاہور قادیان آرہا ہے یہ خبر مجروح دلوں کے لئے مرہم ثابت ہوئی۔اس میں یہ بھی ارشاد تھا کہ ایک پارٹی بارڈر پر لینے کے لئے پہنچ جائے۔

پونے ۹ بجے رات کے قریب جنازہ قادیان پہنچا۔مکرم مولوی عبدالرحمٰن صاحب امیر جماعت درویشوں کی ایک کثیر تعداد کے ہمراہ احمدیہ چوک میں موجود تھے۔باقی افراد کو گھنٹی بجا کر اطلاع کر دی گئی تھی احتیاطاً قبر کھدوالی گئی تھی۔اور محلّہ سے جنازہ گاہ تک اور وہاں سے بہشتی مقبرہ تک روشنی کا بھی انتظام کیا جا چکا تھا۔لیکن صبح کو دفن کرنے کا فیصلہ ہوااور رات کو ہی اس کا اعلان کر دیا گیا۔اور جنازہ خزانہ دفتر محاسب کے پہرہ داروں کی تحویل میں دفتر بیت المال کے برآمدہ میں رکھا گیا۔

قریباً نو بجے صبح تابوت مہمان خانہ خاص نمبر۳ کے صحن میں رکھا گیا جہاں عورتوں بچوں اور مردوں نے بزرگ درویش بھائی کے نورانی چہرے کی آخری زیارت کی۔اس کے بعد ایک الفی جو حضرت بھائی جیؓ نے اماناتاً دفتر بہشتی مقبرہ میں دیر سے رکھوائی ہوئی تھی۔آپ کو پہنائی گئی۔(فائل وصیت کے مطابق مکہ مکرمہ کی مٹی بھی آپ نے اس الفی کے ساتھ رکھوائی تھی۔دفتر سے معلوم ہوا کہ یہ مٹی الفی کے ایک سرے پر بندھی تھی اور الفی پہناتے وقت اسی طرح بندھی رہنے دی گئی۔)دس بجے کے قریب تابوت جنازہ گاہ لے جایا گیا۔

جنازہ گاہ میں بھائی جیؓ کی روایت اور نشاندہی کے مطابق جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جنازہ کی چارپائی رکھی گئی تھی۔اسی مقام پر آپ کی چارپائی رکھی گئی۔پانچ صفیں بنائی گئیں اور محترم امیر صاحب نے لمبی نماز جنازہ پڑھائی۔جس میں پانچ تکبیریں کہی گئیں۔بعد نماز جنازہ درویش باری باری کندھا دیتے ہوئے شاہ نشین کے پاس پہنچے۔تو مکرم امیر صاحب مقامی کے حکم سے تھوڑی دیر کے لئے چارپائی کو شاہ نشین کے اندر رکھا گیا۔جہاں حضرت اقدس اپنے صحابہ کرام کی معیت میں تشریف فرما ہوتے تھے۔اس کے بعد مزار مبارک کی چاردیواری کے گیٹ کے عین سامنے غربی جانب کے قطعہ نمبر۳ میں تیار شدہ قبر کے پاس چارپائی رکھی گئی اور احباب نے آخری بار آپ کے مبارک چہرہ کی زیارت کی اور

تابوت کو بند کر کے مسنون دعاؤں اور آنسوؤں کے ساتھ قبر میں اتار دیا گیا۔اور قبر تیار ہونے پر مکرم امیر صاحب نے قبر پر دعا کروائی۔سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار مبارک پر بھی اجتماعی دعا ہوئی۔ احباب اس بزرگ صحابی کے سے متاع عزیز کے چھن جانے سے لٹے ہوئے قافلہ کی طرح لوٹے۔[۲۵۵]

انا بفراقک لمحزونون و لانقول الا مایرضی به ربنا ۔اللھم اغفر له وارحمه وارفع درجاته فی اعلی علین۔آمین یارب العلمین۔

درخواستِ دعا

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی طرف سے جنازہ کے لاہور پہنچنے سے قادیان میں تدفین تک کے بارے مختصر نوٹ شائع ہوا۔جس میں دونوں طرف کے بارڈر کے حکام کے شریفانہ سلوک کی آپ نے تعریف فرمائی۔نیز احباب کو تحریک فرمائی کہ درویشوں کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔[۲۵۶]

حضرت بھائی جی کو پاکستان جانے میں ہمیشہ تردد ہونا

حضرت بھائی جی کی اہلیہ محترمہ پاکستانی شہری ہیں۔اور انہوں نے اس بناء پر ہندوستانی شہریت حاصل نہیں کی کہ میں اپنے خاوند کی خدمت کے لئے قادیان میں مقیم رہوں گی۔اگر ان کا انتقال ہوگیا تو قادیان میں بچوں کی عدم موجودگی کے باعث میرا یکہ وتنہا مقیم رہنا حد درجہ تکلیف دہ ہوگا۔اس لئے وہ بی ویزا پر جس میں بہ یک وقت دو ماہ کے قیام کی اور ایک سال میں آٹھ دفعہ آمدورفت کی اجازت ہے آتی تھیں۔دو ماہ کے بعد لازماً بارڈر عبور کرنا پڑتا تھا۔اس لئے کئی بار جب ان کا ارادہ کراچی جانے کا ہوتا یا نیا ویزا لینے کی ضرورت ہوتی تو سیدنا حضور ایدہ اللہ تعالیٰ سے اجازت منگوا کر بھائی جی کو بھی ہمراہ لے جاتیں تاکہ بھائی جی کی صحت پر اچھا اثر پڑے۔بغیر اجازت کے حضرت بھائی کبھی بھی پاکستان نہ جاتے تھے۔بعض اوقات تار کے ذریعہ بھی اجازت موصول ہوتی تھی۔

یہ امر واقعہ ہے کہ محترمہ آپ کی بہت خدمت کرتی تھیں۔تہجد کے وقت سے جبکہ بھائی جی چائے پیتے تھے۔رات تک پورے انہماک اور وقت کی پابندی سے غذا کا خیال رکھتیں۔اور بھائی جی بھی ان کا پورا احترام فرماتے اور **خیرکم خیرکم لاھله**[۲۵۷] کا نمونہ دکھاتے۔البتہ پاکستان جانے سے سخت گھبراتے تھے۔جب بھی آپ کو لے جانا ہوتا تو اماں جی (آپ کی اہلیہ محترمہ) ایک طویل عرصہ کبھی دو دو ماہ قبل سے

تیار کرنا شروع کرتیں۔اور بھائی جی کا انشراح صدر نہ ہوتا۔فرمایا کرتے کہ میں شروع سے قادیانی کہلاتا ہوں۔تقسیم ملک کے وقت مجبوراً اور حکماً قادیان سے جانا پڑا۔شکر ہے کہ پھر دیارِ محبوب میں آنے کا موقعہ ملا۔موت کا کوئی وقت مقرر نہیں۔اگر پاکستان میں آخری وقت آجائے۔اور میں قادیان میں دفن ہونے سے محروم رہ جاؤں تو میں کیونکر قادیانی ہوا۔مجھ پر ایک دائمی داغ لگا رہے گا کہ عمر بھر قادیانی کہلا کر اور ایسا کہلانے کو قابل فخر سمجھتا ہوا بالآخر قادیانی بننے سے محروم رہا۔اور آپ سخت ہچکچاہٹ محسوس فرماتے۔اماں جی حضرت صاحب اور حضرت میاں صاحب سے خطوط منگواتیں کہ بھائی جی بچوں کو مل آئیں ان کو اجازت ہے بچوں کا بھی حق ہے اس پر بھائی جی استخارہ فرماتے اور بہت ہی تلملاہٹ کے ساتھ اور روانگی کے وقت بار بار یہ کہتے ہوئے کہ دعا کریں خیریت سے واپس آؤں۔روانہ ہوتے۔مجھے یاد ہے کہ ایک ڈیڑھ ماہ قبل کی بات ہے کہ سامان سفر باندھنے اور کھانا تیار ہوجانے کے بعد روانگی کے وقت آپ نے جانے سے نہایت سختی سے انکار کردیا کہ مجھے انشراح نہیں۔اگر میری موت وہاں واقع ہوگئی تو کیا ہوگا۔آپ کی اہلیہ محترمہ نے بہتیری منت سماجت کی۔دوسروں سے بھی کہلوایا لیکن آپ نے اس بارہ میں کسی کی بات ماننے سے انکار کردیا۔آپ جو اپنی رفیقہء حیات کی ہر بات ماننے کو ہمہ تن تیار ہوتے اس جذبہ کے مدنظر بات تک سننا پسند نہ کرتے۔نہ اماں جی کے کہنے پر ہم میں سے کسی کی سفارش قبول کرنے پر آمادہ ہوتے۔ادھر اماں جی سارے جتن لگاتیں اور فوائد بتلاتیں کہ بچوں میں دل بہلے گا۔بچے ملاقات سے خوش ہوں گے۔آب و ہوا تبدیل ہوکر صحت درست ہوگی۔لیکن بھائی جی پر کسی بات کا اثر نہ ہوتا۔البتہ آپ ہمیشہ اس بات سے متاثر ہوکر تشریف لے جاتے کہ حضرت صاحب نے اجازت دی ہے۔اس لئے آپ اس امر کا احترام فرماتے۔

قریباً نصف سال سے جیسے کہ رٹ لگائی جاتی ہے۔آپ بار بار اور ہر ایک کو یہ فرماتے کہ دعا کرو میرا انجام بخیر ہو۔الحمدللہ کہ نہ صرف انجام نہایت قابل رشک طور پر بخیر ہوا۔بلکہ آپ کی دیرینہ خواہش کہ قادیان کے بہشتی مقبرہ میں دفن ہوں ایک کرامت کے رنگ میں پوری ہوئی۔اگر آپ قادیان میں ہی فوت ہوتے تو اس کا کچھ اور رنگ ہوتا۔اب تو یوں نظر آتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ یہ ظاہر کررہا ہے کہ دیکھو بھائی جی کی سچی تڑپ اور شدید خواہش کس قدر تھی کہ قادر وقیوم اور مسبب الاسباب خدا نے ان کی سچی تڑپ کی قدر کی اور اس کے پورا کرنے کے تمام سامان کردیئے دونوں طرف کی حکومتوں کے حکام نے بھی میرے اشارہ پر ہر طرح کی امداد کی۔ورنہ کتنے درویش جو ہندوستانی شہری تھے۔پاکستان میں فوت ہوئے لیکن کسی

کا جنازہ قادیان نہ آ سکا۔اوراس کرامت کا ایک خاص نشان یہ بھی ہے۔کہ آپ کی اہلیہ محترمہ کا ویزا ایک ماہ سے ختم تھا ان کو بھی اس کا علم نہ تھا۔وہ جنازہ کے ساتھ قادیان آئیں اور پھر واپس گئیں یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل تھا کہ آپ کا جنازہ قادیان پہنچ سکا۔**الحمدللہ ثم الحمدللہ۔**

آپ کی شدید خواہش تھی کہ حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کے قریب ترین دفن ہوں۔قطعہ خاص صحابہ میں آپ کی قبر والی جگہ سے اور کوئی جگہ قریب ترین نہ تھی۔۱۹۵۲ء میں آپ کی خواہش پیش ہونے پر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ذیل کے مبارک الفاظ میں اجازت عنایت کی:

''اللہ تعالیٰ لمبی عمر عطا فرماوے۔مگر جب بھی وفات ہو وہاں دفن کیا جاوے۔''

مرزا محمود احمد (فائل وصیت)

آپ کو اللہ تعالیٰ کے فضل پر اس جگہ دفن ہونے کا بہت یقین تھا۔(چوہدری محمد اسمٰعیل صاحب خالد مینیجر احمد آباد،سندھ نے گذشتہ جلسہ سالانہ پر اس جگہ بیٹھے دیکھا۔آپ نے فرمایا کہ یہ میری قبر کی جگہ ہے۔الفضل ۱۹/جنوری ۱۹۶۱ء) اللہ تعالیٰ نے **انا عند ظن عبدی بی** کا ایک عجیب نظارہ دکھایا۔اور حضرت مسیح موعود کی بات پھر ایک دفعہ نہایت شان کے ساتھ پوری ہوئی کہ ''ہمارا ہے تو آ جائے گا۔''

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعاؤں کو سنا۔ان کی اجابت کا کسی کو انکار نہیں۔آپ اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کرتے ہیں:

اے میرے آقا و مالک اور میرے ہادی و رہنما! جس طرح تو نے خود اپنے ہاں اپنے ہی ہاتھ سے مجھ ناکارہ انسان،انسان نہیں انسانوں کی بھی عار بلکہ محض ایک کرم خاکی کو بچپن اور کم عمری میں نوازا۔اور خود میرے دل میں تخم ایمان بو کر اس کی آبیاری فرمائی۔اسے پودا بنایا اور ہر قسم کی بادِ صرصر اور مخالف ہواؤں سے محفوظ رکھتے ہوئے وحوش اور درندوں کی پامالی سے بچا کر اس باغ احمد میں پہنچایا اور اس گلستان میں اپنے محض فضل سے ایسی جگہ دلائی جو میرے وہم و گمان میں بھی نہ آ سکتی تھی اور جہاں میرے خواب و خیال کو بھی رسائی نہ تھی۔اے میرے پیارے اور میری جان کی جان! جس طرح یہ سب کچھ آپ نے خود کیا اسی طرح بلکہ اس سے بھی کہیں بڑھ کر آئندہ بھی میرے ساتھ معاملہ فرمائیو۔اور **طرفتہ العین** کے لئے بھی مجھے میرے نفس کے سپرد نہ کریو۔بلکہ میرا کھانا اور پینا،سونا اور جاگنا،میرا اٹھنا اور بیٹھنا،میرا جینا اور مرنا سب کچھ ہی آپ اپنی رضا کے مطابق کر دیں۔آمین

اے حی و قیوم و قدیر تیری عطاؤں کو کوئی روکنے والا نہیں جبکہ جسے تو ردّ کر دے کوئی بچانے والا بھی

نہیں۔ میں تجھے تیری کبریائی،عظمت و جبروت کا واسطہ دے کر پکارتا ہوں اور تیرے آستانہ پر گر کر التجا کرتا ہوں کہ مجھے ایک خاک آلودہ بیج کی طرح اپنی ربوبیت کے طفیل اتنا بڑھا۔ پھیلا اور پھلدار بنا......میرے اثمار اور پھلوں میں اپنے کرم سے ایسی شیرینی، لطافت اور نفاست بھردے کہ دنیا ان کی طلب گار ہو اور ان کو پاکر سیری حاصل کرے اور روحانی حاجات اور جسمانی ضروریات میں وہ حاجت مندوں کی مراد بنیں آمین

اے ستار و غفار ہستی! میری پردہ پوشی فرما اور میرے گناہوں اور معاصی کو معاف فرما اور ایسا ہو کہ میری کوئی غلطی،معصیت یا گناہ میری دعاؤں کی قبولیت میں روک نہ بن سکے۔[۲۵۸]

انما الاعمال بالنیات ۔نیک دل پر اللہ تعالیٰ کی نظر کرم ہوتی ہے سو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و رحم سے آپ کی دعاؤں کو قبولیت بخشی۔

تعزیتی قراردادیں

آپ کے اقارب اور احباب قادیان کو تعزیتی خطوط موصول ہونے کے علاوہ بہت سی جماعتوں نے تعزیتی قرار دادیں ارسال کیں مثلاً قادیان کی مقامی جماعت اور ذیلی تنظیمات اور جماعت ہائے لاہور،میرپور(کشمیر)،کوئٹہ،پشاور،گنج مغلپورہ،سلہی مجلس مقامی ربوہ،**الجمیعة العلمیة** جامعہ احمدیہ ربوہ،مجالس خدام الاحمدیہ راولپنڈی و جھنگ صدر اور مدراس،حیدرآباد دکن،یادگیر(کرناٹک)اور ساندھن (یوپی) نے ایسی قراردادیں پاس کیں۔[۲۵۹]

آپ کی مدح وتوصیف

(از محترم اختر صاحب گوبندپوری)

عالم جاوداں میں جا پہنچے
وہ کہ جو خلد کے نشانی تھے
خدمت دین جن کا مسلک تھا
بھائی رحمان قادیانی تھے
آپ نے روح کی بصیرت سے
دین اسلام جب قبول کیا

آپ کے دل کے گوشہ گوشہ میں
رحمت پاک نے نزول کیا
دین کی سربلندیوں کے لئے
عمر بھر کار خیر کرتے رہے
جن میں انسانیت کی خوشبو تھی
ایسے پھولوں کی سیر کرتے رہے
آپ کے فیض فکر حق بیں سے
عظمتوں کے چراغ روشن تھے
آپ کے پُریقین سینہ میں
بے خودی کے ایاغ روشن تھے
ہم سے رخصت ہوئے خدا حافظ
ہم دعاگو ہیں رب اکبر سے
خلد میں آپ کو مقام ملے
روح دھل جائے آب کوثر سے
ایسے انسان بزم ہستی کو
عظمتوں سے نکھار دیتے ہیں
زندگی کے حریم تیرہ میں
ہر تجلی اتار دیتے ہیں
آسماں پر وہ جلوہ افشاں ہیں
بھائی رحمان اختر جاں ہیں

تاثرات

تاثرات مولوی محمد عمر صاحب مالاباری

بوقت تحریر تاثرات، آپ احمدیہ مدرسہ قادیان کے طالب علم تھے۔ بوقت طبع دوم آپ انچارج مبلغ کیرالہ ہیں۔

آپ لکھتے ہیں:

قریباً ڈیڑھ سال سے خاکسار کو حضرت بھائی جی کی خاص طور پر خدمت کرنے کی سعادت خدا تعالیٰ نے بخشی تھی۔ آپ کے ارشاد کے مطابق خاکسار روزانہ صبح وشام آپ کے گھر حاضر ہوتا۔ آپ اور اماں جی (آپ کی اہلیہ محترمہ) اس ناچیز سے والدین کی طرح محبت وشفقت سے پیش آتے تھے اس وجہ سے میں آپ کو ابا جی کہہ کر یاد کرتا تھا۔ چنانچہ جب میں میٹرک میں اپنی کامیابی کی خبر سنانے گیا۔ تو آپ نے لپک کر مجھے سینے سے لگا لیا اور دیر تک لگائے رکھا اور پیشانی پر بوسہ دیا اور اپنی قیمتی دعاؤں سے نوازا۔ آپ کی وفات کے بعد میں اپنے تئیں حقیقتاً یتیم سمجھتا ہوں۔

آپ اپنے اسلام قبول کرنے کے ایمان افروز حالات اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کے واقعات سنایا کرتے تھے۔ قبول احمدیت کے بعد اپنے والدین اور عزیز واقارب کو چھوڑ کر قادیان میں ہجرت کر کے آنے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے کہ خدا تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۔[۳۶۱]

یعنی جو شخص خدا تعالیٰ کی راہ میں ہجرت اختیار کرتا ہے وہ زمین میں کئی پناہ گاہیں اور کشائش پالیتا ہے۔ میرے حق میں اپنے پوری شان وشوکت کے ساتھ پورا ہوا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود کے قدموں کی غلامی کی خاطر میں نے اپنا سب کچھ چھوڑ دیا۔ خدا تعالیٰ نے اس کے عوض مجھے سب کچھ عطا فرمایا۔ قادیان میں اس نے مجھے بہترین گھر دیا۔ نیک اولاد بھی عطا کی۔ آپ حضرت مسیح موعود کا یہ کلام پڑھتے ؎

سب کام تو بنائے لڑکے بھی تجھ سے پائے
سب کچھ تری عطا ہے گھر سے تو کچھ نہ لائے
تو نے ہی میرے جانی خوشیوں کے دن دکھائے
یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی

اپنے پیارے اورمحبوب سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اسم مبارک زبان پر آتے ہی آپ پر رقت طاری ہوجاتی اور آپ بےقرار ہوکر رونے لگتے تھے۔ایسے مواقع پر ایک روحانی فضاء پیدا ہوجاتی۔اور قلب پر ایک روحانی کیفیت طاری ہوتی تھی۔آپ کوحضرت امیر المومنین اطال اللہ عمرہ اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بے انتہا محبت وعقیدت تھی۔اور ہمیشہ انہیں اپنے محسن کے نام سے یاد فرماتے۔آپ کی خواہش کے مطابق روزانہ بلاناغہ حضرت امیر المومنین کی صحت کے متعلق الفضل کی رپورٹ آپ کو سناتا تھا۔آپ ہمیشہ نصیحت فرماتے کہ خاندان مسیح پاک کے ساتھ سچی محبت اورعزت واحترام اپنے دل میں پیدا کرنے اور ہمیشہ ان کے ساتھ تعلق مضبوط کرنے کی کوشش کروں کیونکہ اسی میں خیر وبرکت اور خدا تعالیٰ کی خوشنودی ہے اور یہ کہ روزانہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کسی کتاب کو زیر مطالعہ رکھوں کہ ان کتابوں میں نور بھرا ہے جو دلوں کو منور کرتا ہے اور اس نور کے بغیر خدا تعالیٰ کی رضامندی حاصل نہیں ہوتی۔

سفر ربوہ

گذشتہ جلسہ سالانہ ربوہ کے سفر میں حضرت بھائی جی اوراماں جی کی خواہش کے مطابق میں قادیان سے ربوہ تک ان کے ساتھ رہا اوران کی خدمت کی خوب توفیق پائی۔**فالحمدللہ علیٰ ذالک**۔ ہندوستان بارڈر سے پاکستان بارڈر عبور کرنے کے لئے قریباً ایک میل چلنا پڑتا ہے چونکہ آپ کی صحت اس وقت بھی ناساز تھی اور طبیعت میں بے حد کمزوری تھی۔اس لئے میرے کندھے کا سہارا لیتے ہوئے بہت مشکل سے چلتے رہے اور بار بار یہ کہتے رہے کہ یا! پروردگار! تو جلدی مجھے حضرت اقدس کے قدموں تک پہنچا اور پھر جلد ہی دارالامان میں واپس لے آ۔راستہ میں کمزوری کی وجہ سے آپ کو کئی دفعہ بیٹھنا پڑا۔حتیٰ کہ ایک سکھ بھائی کہنے لگے کہ بابا جی! اس کمزوری اورضعیف العمری میں آپ کیوں یہ مصیبت مول لے رہے ہیں آپ کو گھر میں ہی بیٹھے رہنا چاہئے تھا۔گواس وقت آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔لیکن بعد میں

مجھ سے فرمانے لگے کہ ’’ بچے !ان لوگوں کو کیا معلوم ! میں تو اس نورانی چہرہ (حضرت امیر المومنین) کو دیکھنے کے لئے جارہا ہوں جس کے لئے میری روح تڑپ رہی ہے اور دل بے تاب ہو رہا ہے۔‘‘

تمام راستہ میں اور پھر ربوہ میں آپ قادیان کی جدائی بہت ہی محسوس کرتے رہے اور بار بار آپ یہ شعر پڑھتے تھے

زمین قادیاں اب محترم ہے
ہجوم خلق سے ارض حرم ہے

قافلہ کے افراد وارا کین کی باہم محبت اوران کے جذبہء اطاعت کو دیکھ کر کئی دفعہ آپ نے فرمایا کہ یہ سب حضرت مسیح پاک کی برکت کا نتیجہ ہے ورنہ یہ اطاعت ومحبت دنیا میں کہیں نظر نہیں آئے گی ۔قافلہ کی وجہ سے جو سہولتیں سفر میں میسر آئیں ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ واقعی **ید اللہ علی الجماعۃ** کا نظارہ جماعت احمدیہ سے بڑھ کر اور کہاں نظر آئے گا۔

چونکہ سفر کی کوفت اور سردی کی شدت اور طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے آپ جلسہ میں شریک نہ ہوسکے اس لئے میں حسب ارشاد روزانہ شام کو جا کر آپ کی خدمت میں جلسہ کی کارروائی سنایا کرتا تھا۔

۲۹ ؍دسمبر کو قادیان کو واپس آتے وقت حضرت بھائی جی کی خدمت میں حاضر ہوکر جب میں نے اجازت مانگی تو آپ نے بہت درد بھرے لہجہ میں فرمایا کہ...... مجھے یہاں پر چھوڑ کر جا رہے ہو۔ دعا کرو کہ خدا تعالیٰ مجھے جلد ہی اپنے پیارے محبوب کے مسکن میں لے جائے۔حضرت بھائی جی سے اس وقت رخصت ہوتے وقت مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ سے یہ میری آخری ملاقات ہے۔

آپ صحیح معنوں میں ایک عاشق قرآن تھے جس کی ہر آیت سے آپ کو بے انتہا انس تھا۔آپ کی خواہش پر نصف سال سے روزانہ بعد نماز فجر آپ کو قرآن پاک سناتا تھا۔کیونکہ آپ کی نظر کی کمزوری کی وجہ سے خود تلاوت قرآن نہیں کر سکتے تھے۔فجر کی نماز سے فارغ ہو کر قرآن کریم اپنے سینہ پر رکھ کر لیٹ جاتے اور میرا انتظار فرمایا کرتے تھے۔کوئی دن ایسا نہیں گذرا کہ تلاوت کے وقت آپ پر رقت طاری نہ ہوتی ہو۔تلاوت کیا تھی وہاں پر ایک روحانی سماں بندھ جاتا تھا۔خشیت ومحبت الٰہی سے بعض اوقات آپ بے اختیار رو پڑتے تھے۔ہدایت یافتہ لوگوں کے ذکر پر فرماتے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۫ وَ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ - [۶۲]

اوران لوگوں پر خدا کی رحمت ونعمت کا ذکر آتے وقت کئی دفعہ کہہ اٹھتے کہ

اللھم اجعلنا منھم۔اللھم اجعلنا منھم

اسی طرح جب مغضوب علیہم اوران پرخدا تعالیٰ کے قہر وغضب کا ذکرآ تا تو آپ بے قرار ہوکراستغفار پڑھنے لگتے۔اورساتھ ہی نہایت تذلّل اورانکسار سے دعا کرتے کہ

اللھم لاتجعلنا منھم۔اللھم لاتعجلنامنھم

تلاوت قرآن کے بعد **جزاکم اللہ احسن الجزاء فی الدارین خیراً** کہتے ہوئے میرے لئے بہت دیر تک دعا فرماتے رہتے۔چنانچہ کئی دفعہ فرمایا کہ

’’میرے پیارے بچے! آپ روزانہ میرے کانوں میں خدا تعالیٰ کی آواز پہنچاتے ہیں اس وجہ سے آپ کے لئے جو دعائیں نکلتی ہیں، وہ میرے دل کی گہرائیوں سے نکلتی ہیں۔کوئی رسمی دعائیں نہیں‘‘

آپ صرف میرے لئے ہی نہیں بلکہ میرے والدین اوراساتذہ کے لئے بھی دعا فرماتے۔آپ کی وفات کے بعد محترمہ اماں جی نے یہ قرآن کریم خاکسار کوبطور تبرک عطا فرمایا ہے **فجزاھا اللہ احسن الجزاء۔**

حضرت بھائی جی دنیائے احمدیت کا ایک قیمتی جوہر تھے اوراپنے محبوب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مجسم عاشق تھے۔آسمان احمدیت سے غروب ہونے والے یہ روشن ستارے نونہالان جماعت کے لئے کامل رہنما تھے

اسلام کے فدائی احمدؑ کے خاص پیارے
اب رہ گئے ہیں ایسے جیسے سحر کے تارے

جیسا کہ سیدنا حضرت امیرالمؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے اعلیٰ مرتبہ کا ذکر کرتے فرمایا ہے کہ ایک مجذوب نے حضرت جنید بغدادیؒ کی وفات پر ذیل کے شعر کہے تھے حضرت بھائی جی بھی ان کے مصداق ہیں

ولم اسفی علی فراق قوم ۔۔۔ ھم المصابیح والحصون
والمدن والمزن والرواسی ۔۔۔ والخیر والدین والسکون
ثم تتغیر لنا اللیالی ۔۔۔ حتی توفھم المنون
فکل جمر لنا قلوب ۔۔۔ وکل ماء لنا عیون

یعنی ہائے افسوس! قوم کے ان قیمتی وجودوں کی جدائی پر! یہ لوگ روشن چراغ اور مضبوط قلعے

تھے۔یہی لوگ ہمارے شہر،روحانی بارش برسانے والے بادل اوردین کے پہاڑ تھے۔یہی خیروبرکت کے موجب اورمجسم دین وسکون تھے۔جب تک موت ان کونہیں لے گئی۔حوادث ومصائب زمانہ نے ہم پرکوئی اثرنہیں ڈالا۔ان کی جدائی کے سبب ہمارے قلوب انگاروں کی طرح تپ رہے ہیں اورہم ان وجودوں کی جدائی پراتنے آنسو بہاتے ہیں کہ اس کے چشمے ہی پھوٹ پڑتے ہیں۔

دعاہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان قیمتی وجودوں کے تاقیامت زندہ رہنے والے نمونوں کواپنانے اوران کے نقش قدم پرچلنے کی توفیق عطافرمائے آمین۔

تاثرات مولوی برکات احمد صاحب

محترم مولوی برکات احمد صاحب راجیکی بی۔اے درویش ناظرامورعامہ وخارجہ قادیان رقم فرماتے ہیں:

زمانہ درویشی میں چارقدیمی اورنہایت مخلص صحابہ کا وجود قادیان میں نمایاں حیثیت کا حامل تھا۔یعنی حضرت بھائی عبدالرحیم صاحب قادیانیؓ حضرت منشی محمد دین صاحبؓ واصل باقی نویس۔حضرت بابا صدرالدین صاحب قادیانیؓ اورحضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانیؓ۔یہ سب اپنے اپنے رنگ میں روشنی کے مینار تھے۔اوران کا وجوددرویشوں کے لئے بہت ہی بابرکت تھا۔

حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانیؓ کی سب سے بڑی خصوصیت ان کا حضرت اقدس مسیح موعود اورآپ کے مقدس اہل بیت سے والہانہ عشق ومحبت تھا۔نہ صرف یہ کہ آپ کا قلب ان مقدسین کی محبت اوراحترام کے جذبہ سے سرشارتھا۔بلکہ عملی رنگ میں آپ کی والہانہ شیفتگی کا اظہار ہرحرکت وسکون سے ہوتا تھا۔

جب آپ حضرت اقدس مسیح موعوداورسیدۃ النساءحضرت ام المومنینؓ اورخاندان اہل بیت کے کسی فرد کاذکرکرتے تو آپ کی حالت مجسم عشق اورممنونیت کی ہوتی۔اورآپ نہایت دلچسپ اورروح افزاءانداز میں ان مقدسین کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو بیان کرتے اوراحسانات کو یاد کرتے ہوئے چشم پرآب ہوجاتے اور بار باراسی بات کا اظہارکرتے کہ ہم کچھ نہ تھے اس مقدس خاندان کی غلامی میں اللہ تعالیٰ نے سب کچھ دیااوراتنادیا کہ اس کا شکرادا کرنا بھی ممکن نہیں۔

یہ اسی محبت اوراحترام کا تقاضا تھا کہ حضرت بھائی جیؓ کو بارہا مسجد مبارک کے دروازہ پرحضرت اقدس مسیح موعود کے ایک نونہال کے جوتوں کواپنے ہاتھ سے سیدھا کرتے دیکھا گیا۔ایسی خدمات میں آپ

فخر محسوس کرتے تھے۔

سوائے آخری دوتین سال کے باوجود ضعیف العمری کے آپ کا حافظہ بہت باریک اور پختہ تھا اور آپ کو حضرت اقدس علیہ السلام، حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے مبارک زمانوں کے حالات وکوائف پوری تفصیلات سے ازبر تھے۔اسی طرح قادیان کے مقدس مقامات کے متعلق تفصیلات بھی یاد تھیں۔اور آپ نہایت پُر جوش اور رقت آمیز لہجہ میں اور انتہائی عقیدت ومحبت کے ساتھ ان تفصیلات کو بیان کرتے تھے۔بٹالہ اور گورداسپور میں جن مقامات پر حضرت مسیح موعود قیام پذیر ہوئے تھے وہ بھی آپ کے ذہن میں گہرے طور پر مرتسم تھے۔آپ نے حضرت اقدس کی جنازہ کی جگہ کی نشاندہی کی تھی تو وہاں سردی کی شدت کے باوجود نلائی کرنا۔کھرپے سے روشوں کو درست کرنا محبت وعشق والی محنت ومشقت کی ایک زریں مثال ہے۔

آپ کی ایک اور نمایاں خوبی یہ تھی کہ جب آپ پر سلسلہ کی طرف سے کوئی ذمہ داری عائد کی جاتی تھی تو آپ اس کو نبھانے کے لئے پورے طور پر احساس کرتے۔چنانچہ موجودہ دور میں بارہا دیکھا گیا کہ آپ علالت یا ضعف سے نڈھال ہونے کے باعث گھر میں چارپائی پر دراز ہیں۔لیکن دفتر سے یہ اطلاع ملنے پر کہ آپ کو قائم مقام امیر مقامی یا ناظر اعلیٰ مقرر کیا گیا ہے تو آپ فوراً کمربستہ ہو جاتے۔اور یوں معلوم ہوتا کہ آپ کے ناتواں اور سال خوردہ جسم میں یکدم طاقت اور چستی پیدا ہوگئی ہے اور آپ حتی المقدور کام سرانجام دیتے اور ہر کام میں ذاتی دلچسپی لیتے اور جس کارکن کے ذمہ کام ہوتا اس کے پاس پہنچ کر اس کی سرانجام دہی کے لئے تاکید فرماتے۔یہی وہ فرض شناسی کا جذبہ تھا جس کی وجہ سے حضرت مسیح موعود اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے ذاتی اور نجی کاموں کی سرانجام دہی اور اس کی وجہ سے تقرب کا موقعہ ملا۔بلکہ ۱۹۲۴ء کے سفر یورپ میں بھی ہمسفر ہونا نصیب ہوا۔

اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔اور ان بزرگوں کے نیک نمونے ہماری زندگیوں میں منعکس فرمائے۔اور ہمیں اپنی رضا کے عطر سے ممسوح کرے۔آمین۔

تاثرات شیخ یوسف علی صاحب عرفانی

اخی المکرّم شیخ یوسف علی صاحب عرفانی الاسدی مقیم بمبئی ابن حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی تحریر کرتے ہیں کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ خصوصاً قدیم صحابہ روحانی طور پر زندہ جاوید ہیں۔اور ہمارے لئے مشعل راہ ہیں ان کی وفاداری اور قربانیوں کے علم سے ہمیں یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ ان کا مقام کس قدر عظمت کا حامل تھا۔

حضرت بھائی جی کو میں اپنے بچپن سے جانتا ہوں۔ابتداء میں جبکہ ابھی آپ کا مکان تعمیر ہوا تھا۔تو آپ ہمارے پڑوس میں یعنی تراب منزل کے ساتھ والے مکان میں قیام رکھتے تھے۔اس وقت ابھی آپ کے دو بچے تھے یعنی بڑے لڑکے اور آپ کی بیٹی ۔ مجھے آپ کو عرصہ دراز تک نہایت قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا [۲۶۳] کے رنگ میں آپ ایسے ہی انسان تھے جو تھک جانے کے باوجود تازہ دم کی طرح ہر وقت مستعد اور چاق وچوبند رہتے تھے وہ سلسلہ کے کاموں کے لئے اور سیدنا حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اور حضرت اماں جان رضی اللہ عنہا کے کاموں کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے اور تھکنا نہیں جانتے تھے۔ان کے لئے فرائض کے انجام کی خاطر دن رات یا گرمی سردی کا سوال کوئی اہمیت نہ رکھتا تھا۔جب کوئی کام جس کے لئے سفر ضروری ہوتا نکل آتا تو سواری یا پیدل کا سوال آپ کے لئے کبھی روک نہیں بنتا تھا۔اور یہ چستی وچالاکی آپ کی فطرت میں اس قدر زیادہ تھی کہ آپ نے اپنی رفیقہ ءحیات (جنہیں ہم پنجابی زبان میں ماسی جی کہتے ہیں) کو بھی اپنی طرح کبھی آرام نہ کرنے والا بنالیا تھا۔بلکہ یہ خوبی آپ کی تمام اولاد میں بھی موجود ہے مومن خود نشیط اور مستقیظ ہوتا ہے اور دوسروں کو چست وچالاک اور بیدار رہنے والا بننے کی تلقین کرتا ہے۔

بعض اوقات ہمارے گھر میں کوئی بیمار ہوجاتا تو آپ ماسی جی کو بار بار بھیجتے کہ جاؤ خبر لے کر آؤ۔اور بسا اوقات رات کے وقت ماسی جی ہاتھ میں لالٹین لے کر تنہا آجاتیں۔اور فرماتیں کہ امتہ الرحیم کے ابا تقاضا کر رہے تھے کہ جاؤ خبر لے کر آؤ۔اخی المکرّم شیخ محمود احمد صاحب عرفانی مرحومؓ کی علالت پر دن کے علاوہ رات کو اکثر بھائی جیؓ اور ماسی جی لالٹین ہاتھ میں لے کر شدید سردی میں آتے جب تک وہ ایسا نہ کر لیتے ان کو اطمینان سے نیند نہیں آتی تھی یہ اس امر کی دلیل تھی کہ جہاں آپ حقوق ہمسایہ ادا کرنے میں کوتاہی نہ فرماتے وہاں ان کے دل میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رفاقت اور پاک صحبت میں رہنے والے دوسرے صحابیوں کا جذبہ ءاحترام وعزت بدرجہ ءاتم موجود تھا۔اور بدیں وجہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی الاسدیؓ کے مقام کا جو ادب اور احترام حضرت بھائی جی کے دل میں تھا۔اسی

بناء پر آپ ہمارے خاندان کے ہر فرد سے محبت اور شفقت کا برتاؤ کرتے تھے اس سے اندازہ کیا جا سکتا کہ حضرت بھائی جی کا جذبۂ محبت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان سے کس قدر گہرا اور شدید ہوگا۔

آپ عالم شباب سے ادھیڑ عمر تک ہنس مکھ اور ہشاش بشاش اور چست و چالاک تھے آپ کی پیشانی پر کبھی بل نہیں پڑتا تھا۔ وہ بات بھی ہمیشہ ہنس کر کرتے تھے۔ قادیان کی تمدنی زندگی اس وقت ایسی ہی تھی جیسی کسی نہایت چھوٹے سے غیر متمدن گاؤں کی۔ راتوں کو چوریوں کی وارداتیں بھی ہوتیں۔ ایک مرتبہ چوریوں کی وارداتیں روزانہ سننے میں آئیں۔ چوری ہوتی یا نہ ہوتی۔ مگر چور آتے ضرور۔ اور لوگ ہوشیار ہو جاتے۔ حضرت بھائی جیؓ ان ایام میں راتوں کو تنہا ہاتھ میں ایک لمبا سا لٹھ لے کر نکلتے، محلے کے دوستوں کو پکارتے۔ بعض گھروں کا دروازہ بھی کھٹکھٹاتے۔ خصوصاً ہمارے اور محترم مولوی رحمت علی صاحبؓ مبلغ انڈونیشیا کے گھر کا۔ صاحب خانہ دریافت کرتا کہ کون ہے تو جواب میں پہلے فرماتے عبدالرحمٰن۔ پھر السلام علیکم اور بعد میں تاکید فرماتے کہ ہوشیار رہنا اور چلے جاتے۔ یہ ان کی عادت تھی کہ جب بھی وہ کسی کے مکان پر دستک دیتے تو عام طور پر بہت زوردار آواز میں۔ ''میں عبدالرحمٰن ہوں'' اور پھر السلام علیکم کہہ دیا کرتے تھے ورنہ عام طور پر لوگ کسی کے مکان پر دستک دیتے ہیں تو صاحب خانہ کے دریافت پر دستک کنندہ کہتا ہے ''میں ہوں'' جو آداب اور اخلاق کے لحاظ سے غلط ہے۔

آپ خشک مزاج مولویوں کی طرح نہ تھے۔ بلکہ زندہ دل اور ہشاش بشاش تھے آپ کا مزاح نہ بلا وجہ ہوتا اور نہ ہی اس میں تکدر اور پھیکا پن ہوتا۔ آپ میں کھلاڑیوں کی سی روح (Sportman's Spirit) حد درجہ موجود تھی۔ آپ سپاہیانہ زندگی کے خوگر تھے۔ قادیان میں ہائی سکول اور مدرسہ احمدیہ کے درمیان اکثر مقابلے اور ٹورنامنٹ ہوا کرتے۔ جن میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب مدظلہ العالی خصوصیت سے حصہ لیتے تھے۔ یا یوں کہئے کہ ان کی سرکردگی اور اہتمام میں یہ مقابلے اور ٹورنامنٹ وغیرہ سرانجام پاتے اور بسا اوقات حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بھی دیکھنے کے لئے تشریف لے جاتے۔ ان کھیلوں میں سے مثلاً گولہ پھینکنا اور اونچی چھلانگ وغیرہ کے مقابلوں میں بھائی جی حصہ لیا کرتے تھے۔ اور اس وقت بھی میری آنکھوں کے سامنے وہ منظر ہے۔ مسجد نور اور بورڈنگ ہاؤس کے سامنے والے میدان میں بڑ کے درخت کے قریب اونچی چھلانگ میں آپ سفید شلوار پہنے ہوئے اور شلوار کو کمر بند میں سمیٹ کر ٹانگا ہوا، جسم ننگا، لمبا سا بانس ہاتھ میں لے کر چھلانگ لگا رہے ہیں۔

یہ واقعہ میری شادی کا ہے ہم لوگ جب رخصتانہ کرا کے واپس قادیان آئے تو دریائے بیاس عبور کر کے بھٹیاں کے پتن کی طرف سے آنا ہوا۔ہم قادیان پہنچے تو عصر کا وقت ہو چکا تھا اور راستے میں پہلے حضرت بھائی جی کا گھر تھا۔آپ کو چونکہ ہماری آمد کی اطلاع تھی۔لہٰذا آپ اپنے مکان کے باہر کھڑے تھے جونہی ہمارے ٹانگے آپ کے گھر کے پاس پہنچے تو آپ نے ہمیں وہیں اترنے کا حکم دیا۔اور یہ غیر متوقع بات تھی۔ کچھ تعجب بھی ہوا۔مگر آخر ہم سب اتر کر آپ کے گھر میں چلے گئے ادھر ہمارے گھر پر عورتیں دلہن کی آمد کے لئے جمع تھیں۔ بھائی جی نے تمام عورتوں کو اور ہمارے خاندان کی مستورات کو بھی بلا بھیجا۔ چنانچہ شادی کی چہل پہل اس وقت ہمارے گھر کی بجائے آپ کے گھر میں نظر آنے لگی۔ بھائی جی ایسے پھر رہے تھے جیسے خود ان کے بیٹے عبدالقادر کی شادی ہے۔اس وقت آپ کے گھر پر بیکری کا کام ہوتا تھا۔لہٰذا آپ نے باہر تمام مردوں کو اور اندر عورتوں کو خوب سیر چشمی سے چائے سے تواضع کی۔جس کے ساتھ دستر خوان پر ڈھیروں ڈھیر پیسٹری اور کیک رکھے گئے تھے۔یہ اس لئے کیا گیا تھا کہ پرانے زمانے میں پنجاب میں یہ ایک رسم تھی۔کہ تعلقات بہت زیادہ مضبوط بنانے کے لئے شادی کے موقع پر دلہن کی آمد پر دلہن کے سسرال کے گھر اترنے سے قبل وہ اپنے گھر میں اتار لیتے تھے اور پھر اپنے گھر سے اس کو رخصت کیا جاتا تھا۔اس کو دھرم اتارنا کہا جاتا تھا گویا بیٹی بنانا۔اس طرح پر حضرت بھائی جیؓ نے اللہ ان کی روح پر بڑی بڑی رحمتیں نازل فرماوے میری بیوی کو اپنی بیٹی بنایا۔یہ بات بظاہر ایک واقعہ ہے جو ایک دلچسپ یاد ماضی کے سوا شاید کچھ نہ ہو مگر اس واقعہ میں تعلقات کو نباہنے اور خانہء واحد کا سا رنگ پیدا کرنے کی ایک پُر لطف مثال نظر آتی ہے۔اور اس میں ایک بزرگ انسان کی محبت صادق و پرخلوص کا ایک سمندر موجزن دکھائی دیتا ہے۔مشعل لے کر تلاش کرنے نکلئے مگر آپ ایسے پر خلوص اور محبت کرنے والے بزرگ اور پڑوسی نہ پائیں گے۔گویا حضرت مسیح موعود کے یہ سچے عاشق حضور کی وجہ سے ایک مسلک میں منسلک ہو چکے تھے۔اور باہمی جذبہ محبت کو زیادہ سے زیادہ پرورش کرنے کے ذرائع استعمال میں لاتے تھے۔میری آخری ملاقات حضرت بھائی جیؓ سے اکتوبر ۱۹۵۸ء میں قادیان میں آپ کے مکان پر اسی کمرے میں ہوئی۔تو میں نے یہ واقعہ آپ کو یاد دلایا۔تو آپ نے ایک لمبی آہ بھرتے ہوئے فرمایا۔ہاں اب وہ دن پھر کبھی نہیں آئیں گے۔

اکتوبر ۱۹۵۸ء میں عزیزم مکرم شیخ داؤد احمد صاحب عرفانی اور میں حضرت والد صاحب شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ ایڈیٹر و موسس الحکم کی نعش والا تابوت بہشتی مقبرہ میں دفن کرنے کے لئے لے کر قادیان میں

ہاں اپنی مادر وطن اور جائے ولادت میں بطور مہمان و مسافر وارد ہوئے۔حضرت بھائی جی کو جب ہماری آمد کا علم ہوا تو آپ باوجود کافی کمزوری اور ضعیفی کے خود ہی تشریف لے آئے۔حالانکہ ہم نے تو بھائی جی کے پاس جانا ہی تھا۔مگر بھائی جیؓ نے انتظار نہ فرمایا۔خود چلے آئے اور چھاتی سے لگا کر لمبا معانقہ کیا اور چونکہ تقسیم ملک کے بعد پہلی بار ملاقات ہوئی تھی اس لئے بڑی مسرت کا اظہار فرمایا۔اگر بھائی جی کی جگہ کوئی اور شخص ہوتا۔تو وہ یہ کہتا کہ واہ میں خود کیوں جاؤں وہ بچے ہیں ان کا فرض ہے وہ خود مجھے ملنے کے لئے آئیں۔مگر حضرت مسیح موعود کے اصحاب ان تکلفات اور ظاہر داریوں سے قطعی پاک تھے اور سادہ زندگی اور بے لوث محبت کے خوگر تھے۔

حضرت والد صاحب کی تدفین کے وقت حضرت بھائی جیؓ پر رقت طاری تھی اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی آنکھوں کے سامنے حضرت مسیح موعود کا زمانہ ہے اور حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی ان کو چلتے پھرتے نظر آرہے تھے۔میرے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے بھائی جی آہستہ آہستہ جارہے تھے۔تدفین کا پورا منظر بڑے صبر سے دیکھا تدفین کے بعد دعا وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد احباب واپس لوٹ رہے تھے اس وقت آپ میرے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے آگے بڑھے اور اس زمین کے پاس آکر رک گئے جوان کی قبر کے لئے ان کی زندگی میں مخصوص کردی گئی تھی۔یہاں چند منٹ کے لئے رک گئے اور زمین پر ایک نظر ڈالی مجھ پر بھی اس کا اثر تھا۔تاہم وہاں سے چل پڑے جس قدر احباب آئے تھے وہ آگے نکل گئے اور حضرت بھائی جی اور میں ہی پیچھے رہ گئے۔آپ پر رقت طاری تھی۔گویا کسی عذر کی تلاش میں تھے کہ جس پر آنسو بہہ نکلیں۔میرے منہ سے یہ بات نکل گئی کہ بھائی جی اگر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں زید بن حارثہ کو بلند مقام حاصل ہوا۔تو حضرت مسیح موعود کے اصحاب میں بھی یہ نظیر ملتی ہے میری بات ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ بھائی جی نے ایک دلدوز چیخ ماری اور پھوٹ پھوٹ کر روئے اور مجھے بھی رلایا۔اس طرح سے وہ آنسو جوانہوں نے روک رکھے تھے۔بہائے

میں واپسی سے قبل آپ سے ملاقات کرنے گیا تو آپ نے آخری نصیحت مجھے کی اور بڑی شفقت سے پُر اثر آواز میں کہا کہ بچے! ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنا اور خاندان مسیح موعود سے محبت اور ان کی عزت وتکریم کرنا۔

ان کے یہ الفاظ سن کر میں چونک پڑا۔اور مجھے کچھ ہنسی بھی آئی۔کیونکہ یہی الفاظ حضرت والد صاحب بار بار ہم سب سے فرما چکے تھے مجھے ہنسی اس لئے آئی کہ حضرت اقدس کے صحابہ میں سے ایک کی زبان سے

جو بات نکلتی ہے وہی دوسرے کی زبان پر جاری وساری ہے۔ میں نے حضرت بھائی جی کو یقین دلایا۔ اور کہا کہ بھائی جی ایسا ہی ہوگا۔ خواہ کوئی اور کرے یا نہ کرے۔ بھائی جی نے فوراً میری بات کاٹتے ہوئے بڑے لطیف پیرائے میں فرمایا کہ نہیں ایسا مت کہو بلکہ یہ کہو کہ انشاء اللہ میں ایسا ہی کروں گا۔

اس واقعہ کو میں جب دھیان میں لاتا ہوں اور غور کرتا ہوں تو مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اقدس کے اصحاب رضی اللہ عنہم جسمانی طور پر الگ الگ وجود تھے۔ مگر ان کی رگوں میں ایک ہی خون جاری وساری تھا یا وہ ایک آواز تھی جو ریکارڈ کی گئی ہو۔ جس کا ایک ریکارڈ امریکہ میں اور ایک مصر میں بج رہا ہو۔ تو دوسرا لندن میں اور تیسرا کینیڈا میں مگر آواز ایک الفاظ ایک، صرف ریکارڈوں کے ٹکڑے یا حصے الگ الگ۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ ۔

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو
اس سے بہتر غلام احمد ہے

اس کے اور مفہوم کے علاوہ میری ناقص عقل میں یہ بات آئی کہ حضرت مسیح کے حواریوں کا احوال ہمارے سامنے ہے وہ بھی حواری تھا جس نے مسیح کے ساتھ غداری کی۔ اور حضرت مسیح موعود کی شان کس قدر بلند اور اعلیٰ نظر آتی ہے کہ آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم زندگی میں پروانہ وار جان چھڑکتے رہے۔ وفات کے بعد حضرت اقدس کا ذکر ان کی زندگی کی نشوونما کرنے کا باعث تھا۔

اور حضرت یعقوب کی طرح جیسے ان کو حضرت یوسف کی خوشبو آتی تھی۔ اسی طرح مسیح دوراں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد آپ کے اصحابؓ کو حضرت اقدس کی اولادوں اور نسلوں کے پسینے سے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خوشبو آتی اور وہ ان کی پیشانیوں پر اپنے آقا کے نور کی ضیا پاتے تھے اور پاتے ہیں انہیں آپ کی اولادوں اور نسلوں کی پشت پر حضرت مسیح موعود کی مہر ثبت نظر آتی تھی اور پھر مرنے کے بعد اولوالعزم اور برگزیدہ ہستی کے قدموں میں دفن ہونے کے لئے دنیا کے کناروں سے بھی ان کے تابوت آجاتے ہیں۔ انہوں نے زندگی میں دل وجان اور مال سب کچھ نچھاور کیا بعد مردن اپنی خاک اس کے مرقد مبارک کے پاس محفوظ کردینے کی وصیت کر کے رخصت ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے مردہ جسموں کو مسیح پاک کے پاس پہنچادیا اس مناسبت سے بھی حضرت مسیح موعود کا مقام حضرت مسیح ناصری سے بدرجہ اتم اعلیٰ وارفع نظر آتا ہے۔

بیان سردار عبدالرحمٰن صاحب

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کو حضرت بھائی جیؓ بھی بہت عزیز تھے۔ اور حضور ان کے احساسات کا بہت خیال رکھتے تھے اس بارہ میں سردار عبدالرحمٰن صاحب (مقیم بمقام کنری ضلع تھرپا کر سندھ) سناتے ہیں کہ غالباً آغاز ۱۹۴۷ء میں حضور تفریح کے لئے دریا کی طرف جانے والے تھے۔ ان دنوں حضرت بھائی جی علیل تھے۔ قصر خلافت سے حضور انور نے اپنی بندوق اور رائفل موٹر میں رکھنے کے لئے مجھے دیں۔ میرے دریافت کرنے پر کہ حضور کے اسلحہ کی دیکھ بھال کون کرتا ہے فرمایا بھائی جی کرتے ہیں۔ مجھے خیال آیا کہ میں اپنے تئیں اس خدمت کے لئے پیش کردوں اور عرض کیا کہ حضور! بھائی جی تو اب بوڑھے ہو چکے ہیں۔ اس خدمت کے لئے میں اپنے آپ کو پیش کرتا ہوں۔ حضور جو کہ بندوق مجھے دے کر واپس جارہے تھے فوراً مڑے اور فرمایا:

''ہیں کیا کہا؟ اگر بھائی جی کو اس بات کا علم ہو جائے کہ یہ کام میں ان سے واپس لینا چاہتا ہوں۔ لیتا نہیں صرف لینا چاہتا ہوں۔ تو وہ رو رو کر مر جائیں۔''

اور کچھ توقف کے بعد فرمایا:

''تم کہتے ہو وہ بوڑھے ہو گئے ہیں گو آجکل ان کی صحت خراب ہے تاہم وہ ایسے اخلاص اور دلجوئی سے کام کرتے ہیں کہ بعض اوقات میں خود گھبرا جاتا ہوں کہ کیسے ان کو منع کروں تا ان کی صحت پر برا اثر نہ پڑے۔''

تاثرات حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب

کل شام جب میں نے حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی کی میت پر حاضر ہو کر آپ کے چہرہ مبارک کو دیکھا تو مجھے یوں معلوم ہوا کہ آپ کی یہ خاموشی محض ہمارے لئے ہے ورنہ آپ اب بھی اپنے آقا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں ہمیشہ تن مصروف ہیں۔

میری آنکھیں اس نظارہ کو نہیں بھولتیں جب ۲۵ رمئی ۱۹۰۸ء کی شام کو آپ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معیت میں گھوڑا گاڑی کے پیچھے پائدان پر چاق و چوبند کھڑے تھے اور بیدار خادم اور بیدار محافظ نظر آ رہے تھے یہ میری پہلی ملاقات تھی جو میں نے محض اپنی آنکھوں کے ذریعہ کی تھی۔ آج تک

کہ قریباً ترپن سال گذر چکے ہیں آپ کا گرویدہ چلا آرہا تھا مجھے بہت ہی خوشی ہے کہ آپ کی زیارت کا آپ کی زندگی کے آخری دنوں میں بھی مجھے موقعہ نصیب ہوا۔ میرا دل محبت کے جوش سے ان کے حجرہ میں لے گیا جبکہ آپ مہمانخانہ ربوہ میں قادیان کی واپسی کی تیاری کررہے تھے (پہلے کراچی جاکر) میں نے شکر ربی کیا کہ عین وقت پر ملاقات نصیب ہوئی۔ جبکہ آں محترم نے ایک گھنٹہ بعد واپسی کے سفر پر روانہ ہوجانا تھا۔ یا یوں کہو کہ داغ مفارقت دے جانا تھا۔ اس وقت کی ملاقات کے وقت جو کچھ یہ عاجز گویا ہوا وہ یہ تھا:

''بھائی جی میں ابھی ابھی ۱۴؍جولائی ۱۹۰۸ء کا الحکم پڑھ کر آرہا ہوں۔ اس اخبار میں آپ کی ضبط کردہ تقریر جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رؤسائے لاہور میں ۱۷؍مئی کو فرمائی تھی درج ہے۔ اس تقریر کو پڑھ کر میرے دل سے آپ کے لئے بہت دعائیں نکلیں۔''

میری یہ ملاقات قریباً پانچ منٹ رہی۔ اس سے زیادہ کی گنجائش نہ تھی کہ آپ کا سامان سفر باندھا جارہا تھا۔

جب کل مجھے آپ کی وفات کا علم ہوا تو اگرچہ آپ کی جدائی شاق تھی۔ لیکن دوسری طرف میں اپنی خوش بختی پر نازاں بھی تھا۔ اس عاجز کو جس طرح ۲۵؍مئی ۱۹۰۸ء کی شام کے وقت سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت وفات سے صرف بارہ تیرہ گھنٹے پہلے نصیب ہوئی تھی اسی طرح حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی کی زیارت بھی اپنی دلی محبت کی بناء پر وفات سے صرف دوروز پہلے نصیب ہوئی۔ ذالک فضل اللہ۔

حضرت بھائی صاحب جیسا کہ آں محترم کے صفاتی نام سے عیاں ہوتا ہے واقعی جماعت احمدیہ کے مرکز کے ساکنین کے لئے بھائی ہی تھے۔ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت کرنا عین سعادت سمجھتے تھے اور نہایت تندہی سے یہ کام سرانجام دیتے تھے۔ علاوہ اس کے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آخری سفر لاہور میں آں محترم کو حضور کی معیت حاصل تھی جو آپ کی خدمت گذاری کی قدر کا ثبوت ہے۔

آپ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے بہت سے ابتدائی سفروں میں شامل ہوئے۔ ۱۹۲۴ء کے سفر یورپ میں بھی بھائی صاحب شامل تھے۔ ۱۹۵۵ء میں بھی حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز آں محترم کو ساتھ لے جانے کا ارادہ رکھتے تھے مگر بعض مجبوریوں کی وجہ سے بھائی صاحب نہ جاسکے۔

آپ نے اپنے نام کے ساتھ جو قادیانی کا لقب لگایا اس کو پورے طور پر نباہا۔ پارٹیشن کے بعد آپ برضا ورغبت درویشوں میں شامل ہوگئے۔قادیان سے باہر آنے سے ہمیشہ گھبراتے تھے مگر شوق دیدار حضرت مصلح موعود آپ کو پاکستان لے آتا تھا۔آپ کا یہ آخری سفر آپ کے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سچا خادم ہونے کی دلیل بن جاتا ہے۔جبکہ ہمیں یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ آپ سفر کے لئے قادیان سے باہر نکلنا نہ چاہتے تھے۔لیکن اپنی اہلیہ محترمہ کے منشاء کے ساتھ اتفاق کرتے ہوئے **خیر کم خیر کم لاھله** کا ثبوت بہم پہنچاتے ہوئے سفر کی صعوبت اختیار کر لی۔حضور مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی آخر سفر لاہور کے لئے اول اول تیار نہ تھے۔لیکن حضرت ام المومنینؓ کی خواہش کے مطابق آپ نے سفر لاہور اختیار کرلیا تھا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لاہور میں وفات پا کر اپنے مخلصین کو آخری خدمت کا بہت موقعہ دیا۔حضور کا جسد اطہر بٹالہ سے قادیان کندھوں پر لے جایا گیا۔اور لاہور کے احمدی احباب کو نماز جنازہ پڑھنے کی توفیق ملی۔اسی طرح حضرت بھائی صاحب نے بھی بہت سے احباب کو اپنی میت کے لے جانے میں خدمت کا موقعہ عطا فرمایا۔اور آپ کا جنازہ شاندار طریق پر ربوہ میں پڑھا گیا اور پھر قادیان میں بھی پڑھا جائے گا۔انشاءاللہ۔

خاکسار راقم کو آپ کی جدائی کا بہت صدمہ ہے خصوصاً اس وجہ سے کہ وہ ہمارے سفر یورپ ۱۹۲۴ء کے بارہ ساتھیوں میں سے ایک ساتھی تھے جو ہم سے جدا ہوگئے''۔[۲۶۴]

محترم مرزا وسیم احمد صاحب کے تاثرات

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے لخت جگر محترم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب ناظر دعوۃ وتبلیغ قادیان نے اپنی مصروفیات کے باعث مختصراً بعض امور تحریر کئے ہیں اس اختصار کو ہی بابرکت اور موثر پا کر میں نے یہاں درج کرنا مناسب سمجھا ہے گو انہوں نے اجازت دی تھی کہ میں اس کی تفصیل تیار کرلوں۔

آپ رقم فرماتے ہیں کہ تقسیم ملک کے بعد قادیان میں بہت سے ایسے احباب قیام پذیر ہوئے جن کو اس سے قبل قادیان آنے کا بہت کم موقعہ ملا۔یا وہ پہلی دفعہ قادیان آئے تھے۔ان کے قلوب میں شعائر اللہ کی عظمت ،ان کا احترام،ان کی حفاظت اور ان کی صفائی کا خیال بہت گہرے طور پر حضرت بھائی

عبدالرحمٰن صاحبؓ نے ہی پیدا کیا تھا۔تاریخ سلسلہ کے متعلق آپ کو بہت واقفیت تھی۔خصوصاً دارالمسیح کے بارے میں کہ کہاں کہاں حضور علیہ السلام رہائش رکھتے رہے۔تصنیف فرماتے رہے۔ٹہلتے رہے۔نیز اس بارہ میں کہ خطبہ الہامیہ حضور نے کہاں دیا تھا۔حضور کے جنازہ گاہ کی تعیین کہ کس مقام پر بڑے باغ میں جنازہ پڑھا گیا تھا۔جنازہ گاہ کی حفاظت اور خوبصورتی کے لئے آپ نے انتھک کوشش اور محنت کی۔ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہر فرد کے ساتھ خواہ وہ عمر کے لحاظ سے چھوٹے سے چھوٹا ہو۔آپ غایت درجہ احترام،انکساری اور محبت سے پیش آتے تھے۔چنانچہ اس امر سے بھی ان کی محبت ظاہر ہے کہ جب میں باہر سفر پر جاتا تو میرے بیوی بچوں کا حال روزانہ دریافت فرماتے کبھی خود آ کر اور کبھی اماں جی (اپنی اہلیہ محترمہ) کو بھیج کر۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے آپ کی محبت کا یہ عالم تھا کہ مساجد مبارک واقصیٰ میں جس جگہ حضور کھڑے ہو کر نماز ادا فرماتے رہے تھے بھائی جی کا تعہد تھا کہ آپ جلد پہنچ کر اسی جگہ مصلیٰ بنائیں۔آپ نماز باجماعت کا آخر عمر تک شدت سے اہتمام کرتے تھے۔آپ کا یہ طریق تھا کہ مسجد میں جو دوست آتا آپ بلند آواز سے اس کے سلام کا جواب دیتے۔

نیز صاحبزادہ صاحب محترم یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ بھائی جی قادیان سے کبھی بھی سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی اجازت حاصل کئے بغیر تشریف نہ لے جاتے۔آپ کی طبیعت نہایت درجہ سادہ تھی۔آپ سلسلہ کا کام پڑنے پر خطرات کی پرکاہ پروانہ کرتے تھے۔چنانچہ انگریزی راج کے زمانہ میں بعض کارہائے پرخطر جو خاص ذمہ داری کے کام تھے۔آپ کو سلسلہ کی طرف سے مقرر کیا گیا جو آپ نے نہایت دلیری اور باحسن طریق سرانجام دیئے۔مثلاً انگریز گورنر کے ایک حکم کے خلاف لکھنؤ جا کر وہاں بعض ٹریکٹ آپ نے طبع کروا کے وہیں سے مختلف مقامات کے لئے ڈاک میں روانہ کئے۔

اللھم اغفرلہ وارحمہ وادخلہ برحمتک فی جنۃ النعیم۔آمین

مؤلف کے تاثرات

ہم درویشوں کی انتہائی خوش بختی ہے کہ ہمیں قریباً پونے تیرہ سال تک حضرت بھائی جی کی صحبت میں رہنے کا موقعہ ملا۔اور آپ کی نظر شفقت اور محبت بھری دعائیں ہمیں حاصل ہوتی رہیں مجھے ان کی شفقت کے بہت سے واقعات جو میرے ساتھ گذرے ہیں بار بار سامنے آ کر اور گذرے ہوئے ایام کی سہانی یاد دلا کر تڑپاتے ہیں۔میرے ساتھ اور میرے اہل وعیال کے ساتھ اپنے بچوں کا سا سلوک فرماتے اور

باوجود انکار کرنے کے اور عدم ضرورت کا اظہار کرنے کے چائے وغیرہ سے تواضع کر کے خوشی محسوس کرتے۔۱۹۵۵ء میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ سفر یورپ پر بغرض علاج تشریف لے جانے کے لئے کراچی پہنچ چکے تھے کہ حضرت بھائی جی کو وہاں بلوایا تا پہلے سفر یورپ کی طرح ساتھ لے جاسکیں۔اور حضور کے حکم سے آپ کا بین الاقوامی پاسپورٹ تیار کرایا گیا۔لیکن غالبًا آپ کی ضعیف العمری کے باعث اس ارادہ میں تبدیلی فرمالی۔اس موقعہ پر بھائی جی سے کوئی بات حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے میرے کام کے تعلق میں بہت خوشکن بیان فرمائی۔آپ پھولے نہ سمائے اور فوراً مجھے بذریعہ خط اس کی اطلاع دی۔اس سے مجھے آپ کی شدید محبت کا احساس ہوا۔الحمدللہ کہ مجھے بھی آپ کی بہت سی خدمت کرنے کا موقعہ ملا ہے۔اور بہت سے اور درویشوں کو بھی۔

اصحاب احمد کے کام میں آپ نے ہمیشہ بیش قیمت مشورے دیئے اور اس بارہ میں نظر ثانی وغیرہ کے لئے آپ ہمیشہ آمادہ رہتے تھے۔اور خوشی محسوس کرتے تھے۔چنانچہ جلد اول کا سارا مسودہ آپ نے اپنا قیمتی وقت صرف کر کے سنا۔اسی طرح جلد دوم کی بہت سی روایات کے متعلق میں نے مشورے کئے۔جلد اول میں مقامات مقدسہ کے جو نقشے درج کئے گئے ہیں وہ آپ ہی کی زیرنگرانی تیار ہوئے تھے۔

آپ اس امر کے لئے ہمیشہ مستعد رہتے تھے۔اور اس میں بہت لذت وسرور محسوس کرتے تھے کہ احباب وزائرین کو مسجد مبارک اور دارالمسیح دکھائیں۔اور بتائیں کہ حضور بیت الفکر سے مسجد مبارک میں اس کھڑکی سے داخل ہوتے۔کس کس مقام پر کھڑے ہو کر حضور نے نمازیں ادا کیں۔اور حضور کی نشست کہاں ہوتی تھی۔مسجد اقصیٰ میں کس مقام پر حضور نے خطبہ الہامیہ دیا وغیرہ۔بہت کچھ تفصیل بیان فرماتے تھے تا آئندہ نسلیں ان باتوں کو محفوظ رکھ سکیں۔نودس سال قبل آپ نے بڑے باغ کے شمالی حصہ میں اس جگہ کی نشان دہی کی تھی جہاں حضرت خلیفہ اولؓ کا انتخاب عمل میں آیا۔

اور جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جنازہ مبارک رکھا گیا۔اور جہاں حضور کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔چنانچہ ایک جلسہ سالانہ کے موقعہ پر ایک جنازہ کی نماز سے قبل اس جنازہ گاہ میں مختصر کلمات میں حضرت عرفانی صاحبؓ نے بھی اس نشاندہی کی تصدیق کی تھی خاکسار اس موقعہ پر موجود تھا۔بھائی جی نے اس جگہ کو گول چکر کی شکل میں بنوا کر وہاں پودے لگوائے اور مہینوں کئی کئی گھنٹے اکیلے یا کسی کو خود تحریک کر کے اپنے ساتھ لے جا کر وقار عمل کرتے۔جگہ ہموار کرتے مٹی اٹھا اٹھا کر ڈالتے۔پودے لگاتے، گھاس صاف کرتے اور پانی ڈالتے اور بار بار دیکھنے میں آیا کہ ضعیف العمری میں ایسی مشقت کرنے سے

آپ کو بخار آ جاتا لیکن باوجود اصرار اور منت سماجت کے اس کام سے نہ رکتے۔آپ کی سالہا سال کی منفردانہ توجہ سے بحمداللہ یہ یادگار قائم ہو چکی ہے۔اور حضرت مسیح موعودؑ کی اس یادگار کے ساتھ حضرت بھائی جی کا نام بھی وابستہ رہے گا۔

آپ کو حضرت مسیح موعود کے خاندان کے تمام افراد سے بہت محبت تھی اور تمام افراد اس محبت کو محسوس کرتے تھے چنانچہ مجھے محترم صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب نبیرہ (پوتا) حضرت مرزا سلطان احمد صاحبؓ نے تحریر کیا ہے کہ بچپن سے حضرت بھائی جی سے میرے وابستگی تھی۔اور آپ خاص سلوک محبت سے پیش آتے تھے حضرت مسیح موعود کے خاندان کے کسی نونہال سے ملاقات ہوتی تو آپ کے روئیں روئیں سے محبت پھوٹ کر ظاہر ہوتی۔آپ فرط انبساط سے ان کے ہاتھ پر بوسہ دیتے۔ان کے دکھ درد کو اپنا درد اور ان کی خوشی کو اپنی بہترین خوشی سمجھتے۔حضور کا خاندان اور احباب جماعت آپ سے بہت محبت رکھتے تھے۔سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قدردانی کرتے ہوئے ۱۹۵۰ء سے مجالس صدر انجمن احمدیہ وانجمن تحریک جدید قادیان کا ممبر بھی اور بعد ازاں قائم مقام ناظر اعلیٰ وقائم مقام امیر مقامی بھی مقرر فرمایا تھا۔اور ۱۹۵۵ء سے آپ کے لئے ایک سو روپیہ ماہوار کا وظیفہ بھی جاری کیا تھا۔حضور یا حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی طرف سے کوئی ارشاد موصول ہوتا تو ہمہ تن نیاز ہو جاتے اور وہ امر جس فرد یا افسر سے متعلق ہوتا باوجود بڑھاپے کے فوراً اس کے پاس پہنچتے۔اور باوجود عرض کرنے کے کہ آپ ہمیں اپنے پاس بلایا کریں۔آپ کیوں تکلیف فرماتے ہیں۔آپ اپنی تکلیف یا علو مرتبت کا کبھی خیال نہ کرتے۔گویا جہاں آپ کی طبعیت میں خودداری تھی وہاں حد درجہ انکساری بھی تھی۔

کوئی امر قابل دعا ہوتا یا کوئی خوشی یا رنج کی خبر ہوتی تو بہت سے احباب سے انفراداً ذکر کر کے بزرگان کی خوشی یا رنج میں شریک کرتے۔خوشی کی خبر پر با آواز بلند الحمدللہ کہنا اذان سنتے ہوئے مسنون طریق اختیار کرنا،مسجد میں آنے والے ہر فرد کو مکمل جواب وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ کہنا ہمارے کانوں میں گونجتا ہے۔

آپ نہایت باقاعدگی سے تہجد اور باجماعت نماز ادا کرنے والے بزرگ تھے۔اکثر دیکھنے میں آتا کہ آپ علالت کے باوجود باجماعت تہجد اور نماز میں تشریف لاتے۔حالانکہ آپ میں چلنے کی طاقت بھی نہ ہوتی۔اور آپ کسی درویش کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر گھر واپس پہنچتے۔مسجد مبارک میں نماز باجماعت کے وقت سے بہت پہلے تشریف لاتے۔اور سنن ونوافل میں دیر تک مصروف رہتے۔یوں معلوم ہوتا تھا کہ آپ

کا قلب صافی کلام اللہ اور مسجد سے معلق اور وابستہ ہے۔ کیونکہ آپ تلاوت اور نماز باجماعت میں اپنی طاقت سے بڑھ کر کوشاں نظر آتے تھے۔ آپ کو یہ امر حد درجہ مرغوب تھا۔ اور اس کے لئے آپ کوشاں رہتے تھے کہ بیت الفکر اور مسجد مبارک کی درمیانی کھڑکی کے مغرب کی طرف اس جگہ بیٹھیں اور سنن ونوافل ادا کریں جہاں حضرت مسیح موعود مجلس میں تشریف فرما ہوتے تھے۔ یا نماز ادا فرماتے تھے۔ اسی طرح دیگر ایسے مقامات پر بھی باجماعت نماز کے وقت کھڑے ہوتے تھے جہاں حضور نے نمازیں پڑھی تھیں۔ اور اس خاطر آپ نماز کے ابتدائی وقت میں مسجد میں تشریف لاتے تھے۔

آپ کا سر نیاز دعاؤں کے لئے ہمیشہ درگاہ الٰہی پر خم رہتا۔ آپ ہمارے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ تھے۔ ہم آپ کی خدمت میں دعاؤں کے لئے عرض کرتے اور ہمیں اطمینان ہوتا۔ مکرم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب اور آپ کی بیگم صاحبہ محترمہ دعاؤں کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اور دیگر افراد خاندان حضرت اقدس اور جماعت کے بلا مبالغہ ہزارہا خطوط آپ کی خدمت میں پہنچے۔

اور جب تک آپ کی صحت اچھی رہی۔ تو ابتداًء اپنے قلم سے اور بعد ازاں کسی دوسرے کے ذریعہ جواب بھجوا دیتے۔ آپ نہایت رقیق القلب تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلفاء کرام سے شدید عشق تھا۔ ان کے ذکر پر آپ کی آواز بھرا جاتی۔ اور آپ آبدیدہ ہو جاتے اور حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی تکلیف کا علم ہونے پر آپ ماہیء بے آب کی طرح تڑپتے۔ ۱۹۴۸ء میں حضرت بھائی عبدالرحیم صاحبؓ اور آپ جیسے بزرگوں کو جنہیں تقسیم ملک کے وقت حکماً قادیان سے نکلنا پڑا تھا۔ قادیان بھجوانے کا مقصد حضور کے پیش نظر یہی ہوگا۔ کہ ان بزرگوں کے تقویٰ، تہجد گذاری، عبادات میں انہماک، رجوع الی اللہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود سے عشق، اسلام پر فدائیت، خلافت سے وابستگی وغیرہ کا اسوہ حسنہ درویشوں کے سامنے رہے اور قولاً اور فعلاً اپنے بلند معیار کے ذریعہ ہمارے لئے مشعل راہ ثابت ہوں۔ اور درحقیقت ان کا ایسا ہی مقام تھا۔ اور حضور کے دل میں ان کا حد درجہ احترام تھا۔ چنانچہ مکرم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب کے نام ایک مکتوب میں حضور نے ان دونوں بزرگوں کو سلام لکھا۔ (بحوالہ مکتوبات اصحاب احمد جلد اول صفحہ ۴۶) ۱۹۵۳ء والے خلاف احمدیت فسادات سے بہت قبل سیدنا حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنی دوربین نگاہ سے آئندہ پیش آنے والے حالات کو بھانپ لیا تھا۔ چنانچہ حضور نے ان دونوں کو اپریل ۱۹۵۰ء میں ذیل کا مکتوب بذریعہ رجسٹری ارسال کیا تھا:

مکرمی شیخ عبدالرحیم صاحب و بھائی عبدالرحمٰن صاحب!

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔آج کل کچھ ذاتی پریشانیوں اور کچھ سلسلہ کی پریشانیوں کی وجہ سے طبیعت پر بہت بوجھ ہے۔یہ پریشانیاں بہت سخت ہیں اور سلسلہ کے کام کو سخت دھکا لگنے کا احتمال ہے اس لئے یہ خط تحریر ہے کہ آپ اور دوسرے ایسے احباب جو دعائیں کرنے کے عادی ہیں بیت الدعاء۔مسجد مبارک اور مسجد اقصیٰ اور مقبرہ بہشتی میں جاکر جب موقعہ ملے اور صحت اجازت دے،دعائیں کریں کہ ان ذاتی اور جماعتی پریشانیوں کو (وہ) دور فرمائے۔اور سلسلہ کو نقصان عظیم اور پراگندگی سے محفوظ رکھے۔اور دعا کے علاوہ استخارہ بھی کریں۔کہ شاید اللہ تعالیٰ کوئی تسلی بخشے اور کوئی راہ اور طریق بلیات سے نجات کا تجویز کرے۔والسلام

خاکسار مرزا محمود احمد ۲۶۵

لاکھوں کی جماعت میں آپ مسلم ومحترم بزرگ تھے۔آنکھیں ترسیں گی لیکن ایک ہاتھ میں عصا تھامے اور دوسرے ہاتھ سے کسی درویش کے کندھے کا سہارا لئے اور سر پر روئی دار گدی رکھے (جسے آپ نماز کی جگہ فرش کی سختی سے بچنے کے لئے رکھتے تھے) آپ کو نہ دیکھ پائیں گی آپ نے حضرت مسیح موعود کے مبارک عہد میں بھی اور درویشی کے خاص دور میں بھی ایک ہی جتنا عرصہ پایا۔یعنی بارہ سال آٹھ ماہ کے قریب آپ کی زندگی نہایت قابل رشک تھی۔اللہ تعالیٰ آپ کے درجات اعلیٰ علیین میں بلند فرمائے۔اور ہمیں بھی آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا کرے۔آمین یا رب العالمین۔

تاثرات حضرت مرزا بشیر احمد صاحب

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب مدظلہ العالی نے خاکسار کے عرض کرنے پر ذیل کا مختصر نوٹ ارسال کیا ہے۔اور فرمایا ہے کہ کام کی بڑی کثرت اور ضروری یکسوئی حاصل نہیں۔فرماتے ہیں:

حضرت بھائی صاحب کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ خلافت ثانیہ کی ابتداء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز جو سفر بھی فرماتے تھے اس میں لازماً حضرت بھائی صاحب کو اپنے ساتھ لے جاتے تھے اور حضرت بھائی صاحب بڑی محبت اور جانفشانی سے ضرورت خدمت بجا لاتے تھے ایسے سفروں میں عموماً نیک محمد خانصاحب غزنوی بھی ساتھ ہوتے تھے۔چونکہ حضرت بھائی صاحب کی طبیعت بہت حساس تھی اس لئے حضور ان کی دلداری کا بہت خیال رکھتے تھے۔جب حضرت بھائی صاحب نے قادیان

میں جا کر درویشی زندگی اختیار کی تو حضور نے اس زمانے میں ان کو صدر انجمن احمدیہ قادیان کا ممبر بھی مقرر فرما دیا۔ جو ایک طرف ان کے علو مرتبت اور دوسری طرف ان پر حضرت صاحب کے اعتماد کی ایک دلیل ہے۔

حضرت بھائی صاحب بہت محبت کرنے والے بزرگ تھے۔ اور خاندان حضرت مسیح موعود کے ساتھ بڑا اخلاص رکھتے تھے اور اپنی اولاد کو ہمیشہ نصیحت فرماتے رہتے تھے کہ مرکز اور خاندان حضرت مسیح موعود کے تعلق میں کبھی غفلت نہ کرنا۔ ایک دفعہ حضرت بھائی صاحب اوائل زمانہ میں اجازت کے ساتھ وسط ہند میں مرزا احسن بیگ صاحب مرحوم کے پاس کچھ عرصہ جا کر ٹھہرے تھے اس زمانے میں جنگل میں ایک دفعہ ایک چیتے نے حضرت بھائی صاحب پر حملہ کیا تھا جس کی وجہ سے حضرت بھائی صاحب کی ایڑی پر زخم آیا تھا۔ مگر خدا کے فضل سے جلد آرام آ گیا۔ مرزا صاحب ہمارے پھوپھی زاد بھائی تھے ان کی والدہ مرحومہ حضرت مسیح موعود کی چچا زاد بہن تھیں۔

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی مرحومؓ کے ساتھ حضرت بھائی صاحب کے خاص تعلقات تھے کیونکہ ہر دو کی طبیعت بے حد جذباتی تھی۔ اور غالباً کچھ عرصہ حضرت بھائی صاحب نے الحکم کے عملہ میں بھی کام کیا تھا۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جن دوستوں نے حضرت مسیح موعود کی وفات پر حضور کو غسل دیا ان میں حضرت بھائی عبدالرحمٰن قادیانی بھی شامل تھے۔ اور چونکہ لاہور اس آخری سفر کے دوران میں حضرت بھائی صاحب بھی حضرت مسیح موعود کے ساتھ تھے۔ اس لئے حضرت بھائی صاحب کو حضرت مسیح موعود کے آخری سفر اور وفات اور جنازہ اور تدفین وغیرہ کے واقعات خوب یاد تھے۔

اللہ تعالیٰ بھائی صاحب کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور ان کی اہلیہ اور اولاد کا دین و دنیا میں حافظ و ناصر ہو۔ فقط والسلام

خاکسار مرزا بشیر احمد ۶۱۔۱۔۲۵

جماعت کو بھائی جی کی وصیت

داغ ہجرت والے الہام کا واقعہ بیان کر کے حضرت بھائی جی بیان کرتے ہیں کہ

جن صحابہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مہاجرین وانصار ہونے کی سعادت نصیب ہوئی،

ہمارے ان اسلاف کا اسوہ کیا تھا؟ایک زخمی صحابی جو جان توڑ رہے تھے اقارب کے لئے پیغام پوچھے جانے پر پیغام دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم ایک خدائی امانت ہیں جب تک ہم زندہ رہے ہم نے اس کی حفاظت کی اب یہ مقدس امانت تمہارے سپرد ہے۔اس لئے اسے اپنی جانوں سے زیادہ عزیز رکھنا اوراس کی خاطر کسی قربانی سے بھی دریغ نہ کرنا۔ایک مشورہ کے موقعہ پر دریافت کرنے پر ایک انصاری نے عرض کیا یا رسول اللہ صلعم! ہم آپ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی۔آگے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی۔اور دشمن آپ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ ہماری لاشوں کو روندتا ہوا آگے نہ بڑھے۔انہی قربانیوں کے نتیجہ میں ان کو رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ کا سرٹیفکیٹ ملا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اعلائے کلمتہ اللہ کی خاطر ہی ہجرت کر جانیکا ارادہ فرمایا تھا۔ہمارے پیش نظر بھی یہی مقصد ہونا چاہئے۔نائب الرسول آپ میں مہاجر بن کے آیا۔روحانی ترقیات کے لئے اس کی آواز پر مال جان اور وقت قربان کرنا آپ پر لازم ہے۔پس ایک عزم صمیم لے کر آگے بڑھو۔آپ لوگوں کے سپرد ایک بہت بڑا کام ہے جو مسلسل محنت اور پیہم جدو جہد کے بغیر پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا۔پس مہاجرین وانصار کی روح آپ کے رگ وپے میں جاری ہونی چاہئے''آج میں بھی ان انصار کی زبان بن کر انہیں الفاظ کو دہراتے ہوئے اس مضمون کو ختم کرتا ہوں کہ'جب تک یہ الٰہی امانت ہمارے پاس رہی اور جہاں تک ہم سے ہوسکا ہم نے خدمت کی اب حکمت الہیہ کے ماتحت یہ امانت آپ کے سپرد ہے نہ صرف سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود ایدہ اللہ الودود کی ذات ستودہ صفات بلکہ......نسل سیدہ وخواتین مبارکہ اور جملہ اراکین خاندان سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام بھی اس امانت میں شامل ہیں اس کا حق ادا کرنا آپ لوگوں کے ذمہ ہے۔پس دیکھنا اسے اپنی جانوں سے عزیز رکھنا اور کسی قربانی سے دریغ نہ کرنا''۔[۲۶۶]

قدیم صحابہ کرام کا عالی مقام

۱۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔**اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم** [۲۶۷] کہ میرے صحابہ(آسمان روحانیت کے) ستارے ہیں ان میں سے جس کی بھی تم پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی اور ایک اور بزرگ کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے دیگر دس ہزار مسلمانوں کے برابر قرار دیا آپ حدیث **یوضع لہ القول فی الارض** [۲۶۸] کا اعلیٰ

مصداق تھے۔لاہور میں بعض احباب کے مطالبہ پر حضرت بھائی جی نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا تبرک اپنی طرف سے مانگا۔حضرت ام المومنین نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سامنے سے وہ طشت اٹھایا جس سے حضور مع اہلبیت کھانا تناول فرمارہے تھے اور بھائی جی کو دیتے ہوئے حضور کی موجودگی میں فرمایا:

بھائی جی! آپ تبرک مانگتے ہیں۔آپ تو خود ہی تبرک ہو گئے ہیں

(بدر ۲۸/اپریل ۱۹۵۲ء) حضرت ام المومنین نے دو مکتوبات میں آپ کو تحریر فرمایا کہ میں آپ کے لئے برابر دعا کرتی ہوں...... ہر نماز میں، ہر وقت ۔[۲۶۹]

۲- حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے ذیل کا مکتوب اپنے دستخط سے آپ کو بھجوایا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

DP11262

8-2-53

مکرمی۔السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط مورخہ ۲/فروری ملا۔دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو کامل صحت بخشے۔آپ لوگ گویا صف اول

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

11262
8-2-53

آپ کا خط مورخہ ۲-فروری ملا۔ دعا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ

کو کامل صحت بخشے - آپ لوگ گویا صف اول کے

سابقین ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو۔ والسلام

خاکسار

مرزا محمود احمد

خلیفۃ المسیح الثانی 8/2/53

بخدمت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی

دارالمسیح - قادیان

ضلع گورداسپور - مشرقی پنجاب

کے سپاہی ہیں۔اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو۔والسلام

خاکسار

مرزا محمود احمد

7-2-53 خلیفۃ المسیح الثانی

بخدمت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی

دارالمسیح قادیان

ضلع گورداسپور۔مشرقی پنجاب

(حضور کا یہ دستخطی مکتوب مرزا فتح دین صاحب کا تحریر کردہ ہے۔)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے دفتر پرائیویٹ سیکرٹری میں خاکسار مؤلف نے ۱۹۳۷ء کے وسط میں مرزا صاحب کو وہاں کارکن دیکھا جب خاکسار اس دفتر میں اسسٹنٹ سیکرٹری مقرر ہوا اور بعد میں پرائیویٹ سیکرٹری ہوا۔نہایت قابل اعتماد،سنجیدہ،محنتی،کام میں ماہر،خاموش طبع تقسیم ملک کے بعد خلافت ثالثہ میں ان کا تبادلہ بطور نائب ناظر بیت المال ہوا۔اس دفتر کی رفاقت ہماری آپس میں اخوت میں تبدیل ہوئی۔خاکسار کا اصحاب احمد کا سارا حساب ربوہ میں ان کے پاس ہوتا تھا۔بے حد امین اور ہمدرد تھے۔دونوں میاں بیوی وفات پا چکے ہیں۔آپ بہشتی مقبرہ ربوہ میں مدفون ہیں۔غالبًا اہلیہ......محترمہ بھی۔رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ۔

اس مکتوب کا چربہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

۳- حضرت چودھری برکت علی خاں اولین وکیل المال (فنانشل سیکرٹری) تحریک جدید کی بیٹی کے اعلان نکاح کے خطبہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے فرمایا:

''چودھری برکت علی خاں......ان چند اشخاص میں سے ہیں جو محنت،کوشش اور اخلاص سے کام کرنے والے ہیں اور جن کے سپرد کوئی کام کر کے پھر انہیں یاددہانی کی ضرورت نہیں ہوتی......۔(ایک اور) حافظ عبدالرحیم صاحب مالیرکوٹلوی مرحوم تھے......میرا ان کے متعلق ہمیشہ یہ تجربہ رہا کہ جس کام پر بھی لگے اسے اس تندہی اور انہماک سے کیا کہ اس طرح اپنا کام بھی کم لوگ کرتے ہیں......۔(وہ) کام خوب سرگرمی سے کرتے۔دوسرے اس رنگ میں کام کرنے والے شیخ عبدالرحمٰن صاحب قادیانی ہیں۔رفاہ عام کا کوئی کام ہو نہایت بشاشت استقلال اور شوق سے کرتے ہیں'' [۲۰]

۴- حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے بمقام ڈلہوزی ۲۲؍ جولائی ۱۹۴۴ء کو چند دن پہلے کا ذیل کا رؤیا بیان فرمایا:

''ایک شخص نے آ کر مجھ سے کہا کہ جب آپ کی سواری کسی موڑ یا پل پر سے گزرتی ہے تو بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی اور ایک اور شخص وہاں بھرا ہوا پستول لے کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور جب سواری گزر جاتی ہے تو پھر بھاگ کر اگلے پل یا موڑ پر چلے جاتے ہیں۔ یہ خبر رساں جو مخلص معلوم ہوتا ہے اس غلط فہمی میں مبتلا نظر آتا ہے کہ یہ دونوں صاحبان مخالف ہیں اور گویا ارادہ رکھتے ہیں اور مجھ پر حملہ کرنے کے لئے ہر موڑ اور پل پر جا پہنچتے ہیں۔ پھر وہ مجھ سے کہتا ہے کہ شاید وہ جن ہیں کہ اس قدر تیز رفتاری سے پہنچ جاتے ہیں۔

میں رؤیا میں سمجھتا ہوں کہ میرا کام ہی یہ ہے کہ میں ریل پر سوار ہو کر دورہ کرتا ہوں۔ اور ریل گویا موٹر کی طرح ہے۔ کہ جہاں چاہتا ہوں اسے لے جاتا ہوں۔ اور یہ دونوں ایسے تیز رفتار ہیں کہ جب میں ایک موڑ یا پل پر سے گزر جاتا ہوں تو یہ بھاگ کر اگلے موڑ یا پل پر جا کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اس وقت میرے دل میں خیال آتا ہے کہ اس دوست کو غلطی لگی ہے کہ یہ جن ہیں اور مخالف ہیں۔ بلکہ یہ دو فرشتے ہیں جن میں سے ایک کی شکل بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی سے ملتی ہے اور ان کو اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت کے لئے مقرر کیا ہے۔ جو ہر موڑ اور پل پر جو خطرہ کی جگہیں ہوتی ہیں دوڑ کر جا پہنچتے ہیں اور بھرے ہوئے پستول سے پہرہ دینے لگتے ہیں۔'' [۲۷]

حضرت خلیفۃ ثانی رضی اللہ عنہ نے حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلویؓ کی وفات پر جو خطبہ دیا تھا اس میں ان جیسے صحابہ کو حصن حصین قرار دیا تھا۔ ممکن ہے کہ اس رؤیا میں حضرت بھائی جی کے اس رنگ کے اخلاص کی طرف اشارہ ہو کہ وہ اپنی مخلصانہ دعاؤں اور سرگرمیوں اور مساعی کی وجہ سے اسی گروہ میں شامل ہیں۔ حضور نے ۱۹۵۲ میں اس وقت کے پاکستان میں مخالف احمدیت حالات کے مدنظر حضرت عبدالرحیم صاحب قادیانیؓ اور حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانیؓ کو دعا کے لئے مشترکاً ایک مکتوب تحریر فرمایا تھا۔ جس سے ہر دو کے بلند مقام کا علم ہوتا ہے۔

۵- حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے حضرت منشی ظفر احمدؓ کپورتھلوی کے بارے ایک تاریخی خطبہ جمعہ میں فرمایا کہ وہ لوگ جنہوں نے مسیح موعود علیہ السلام کے ابتدائی زمانہ میں خدمات کی ہیں، ایسی ہستیاں ہیں جو دنیا کے لئے ایک تعویذ اور حفاظت کا ذریعہ ہیں۔ جو برکات نبی پر نازل ہوتی ہیں ان کے

گہرے دوست بھی ان برکات سے حصہ لیتے ہیں۔ یہ لوگ خدا کی طرف سے ایک حصن حصین ہوتے ہیں اور دنیا ان کی وجہ سے بہت سی بلاؤں اور آفات سے محفوظ رہتی ہے یہ لوگ جنہیں خدا تعالیٰ کے انبیاء کی صحبت حاصل ہوتی ہے خدا تعالیٰ کے نبیوں اور اس کے قائم کردہ خلفاء کے بعد دوسرے درجہ پر دنیا کے امن اور سکون کا باعث ہوتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ ایسے لوگ خطیب ہوں یہ ضروری نہیں کہ ایسے لوگ پھر پھر کر لوگوں کو تبلیغ کرنے والے ہوں۔ان کا وجود ہی لوگوں کے لئے برکتوں اور رحمتوں کا موجب ہوتا ہے۔ان کی والہانہ محبت کے نظارے دنیا صدیوں دکھانے سے قاصر رہے گی۔عشق کی گرمی نے گویا ویلڈ نگ کر کے ان کو خدا تعالیٰ سے جوڑ دیا۔اب انہیں خدا سے اور خدا کو ان سے کوئی چیز جدا نہیں کرسکتی۔ یہ لوگ حضرت مسیح موعودؑ کے ہزاروں نشانوں کا چلتا پھرتا ریکارڈ تھے۔ان ہزاروں نشانات کے چشمدید گواہ تھے۔ جو حضرت مسیح موعود کے ہاتھ، زبان، کان اور پاؤں سے ظاہر ہوئے۔ایسا ایک ایک صحابی جو فوت ہوتا ہے وہ ہمارے ریکارڈ کا ایک رجسٹر ہوتا ہے جسے ہم زمین میں دفن کر دیتے ہیں اگر ہم نے ان رجسٹروں کی نقلیں کر لی ہیں تو یہ ہمارے لئے خوشی کا مقام ہے اور اگر ہم نے ان کی نقلیں نہیں کیں تو یہ ہماری بدقسمتی کی علامت ہے ان لوگوں کی قدر کرو اور ان کے نقش قدم پر چلو۔''

حضرت اقدسؑ کی تحسین

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک مجلس میں فرمایا:

''پادریوں نے ہندوستانیوں کے اخلاق خراب کر دئے ہیں اور ان کو مذہب فروش بنا دیا ہے کئی عیسائی دیکھے ہیں کہ وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے پاس جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم مسلمان یا ہندو ہونے کو تیار ہیں۔لیکن عیسائی لوگ ہم کو اس قدر تنخواہ دیتے ہیں،تم کیا تنخواہ دو گے؟ جدھر سے زیادہ تنخواہ کی امید ہو ادھر ہی جھک پڑتے ہیں۔اور بسا اوقات کبھی ادھر سے اور کبھی ادھر سے بطور نیلام کے اپنی قیمت کے بڑھانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور یہ بداخلاقی ہندوستان میں پادریوں نے ہی پھیلائی ہے۔

''(ایک انسان کو) چاہئے کہ جب ایک مذہب کو سچا سمجھ کر قبول کرے تو پھر اس پر استقامت دکھلائے۔خدا تعالیٰ رازق ہے۔وہ خود تمام سامان مہیا کر دے گا۔جب انسان خدا تعالیٰ کے واسطے کوئی

کام کرتا ہے تو پھر اس کو موت کی پرواہ نہیں رہتی اور نہ اسے خدا تعالیٰ ضائع کرتا ہے۔ اندرونی تقویٰ اور طہارت کا خیال کرنا چاہئے جن لوگوں کے دل اور دماغ میں صرف دنیا ہی رہ جاتی ہے وہ کس کام کے آدمی ہیں۔ جو لوگ سچے دل کے ساتھ، خلوص نیت کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف جھکتے ہیں، خدا تعالیٰ ان کی دستگیری کرتا ہے۔

''اس قسم کے عیسائی نومسلموں کی نسبت تو ہم نے ان لوگوں کو بہت ثابت قدم دیکھا ہے جو ہندوؤں میں سے مسلمان ہو کر ہمارے پاس آتے ہیں جیسا کہ شیخ عبدالرحیم صاحب۔ سردار فضل حق صاحب ہیں۔ شیخ عبدالرحمٰن صاحب، شیخ عبدالعزیز صاحب ہیں۔ ان لوگوں نے اسلام کی خاطر بہت دکھ اٹھائے مگر اپنے ایمان پر قائم رہے۔ جب سردار فضل حق صاحب مسلمان ہوئے تو ان کو قتل کرنے کے واسطے کئی......(ان کے ہم قوم) یہاں آئے تھے۔ مگر خدا تعالیٰ نے ان کو بچایا۔ اور سردار صاحب نے کسی کا خوف نہ کیا۔ ایسا ہی شیخ عبدالرحیم صاحب کے چہرے سے نیک بختی کے آثار نمایاں ہیں۔ شیخ عبدالرحمٰن صاحب کو ایک دفعہ ان کے رشتہ دار دھوکے سے لے گئے تھے اور وہاں لے جا کر ان کو قید کر دیا تھا۔ مگر خدا تعالیٰ نے ان کو بچا لیا۔ اور (وہ) خود بخود یہاں چلے آئے۔[۲۷۲]

آپ کی تدفین فضل الٰہی کا ایک نشان

تین سو تیرہ اصحاب بدر اور اصحاب الصفہ اصحابی کالنجوم کے مصداق آسمان روحانیت کے درخشاں و تاباں ستارے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جن صحابہ کو ان کے مثیل زمروں میں شمولیت کی سعادت حاصل ہوئی۔ وہ عجیب شان کے قوی الایمان تھے۔ ان کا مقام نہایت ارفع و اعلیٰ اور درخشندہ و تابندہ تھا اور وہ تا ابد الاباد زندہ و پائندہ ہوئے ان میں حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب بھی شامل ہیں۔ آپ نے تاریخ احمدیت کے زریں اوراق میں مقام پا لیا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

آپ عمر بھر دربار پر دھونی رمائے، نہایت جاں نثاری سے خدمت کی بجا آوری کے لئے ہمہ وقت پابہ رکاب رہے۔ اشارہ پاتے ہی یہ جا اور وہ جا۔ اللہ تعالیٰ علیم بذات الصدور ہے اس نے غیر معمولی حالات پیدا کئے کہ آپ کو راجپوتانہ سے ایسے وقت میں قادیان لے آیا کہ حضرت اقدس علیہ السلام وصال والے

سفر لاہور میں آپ کو ساتھ لے گئے جہاں حضور نے آپ کو بہت سے مواقع خدمت کے عطا فرمائے۔اور وصال کی گھڑیوں میں اپنے اس فدائی کو اپنے پاس بلوالیا۔اور وصال تک بلکہ آخری دیدار کرانے تک بھائی جی کو معیت کی سعادت نصیب ہوئی۔

حضرت اقدسؑ کی اجازت سے بھائی جی کو ان کے والد دو ہفتوں کے لئے ساتھ لے گئے۔متوقع خطرات کے مدنظر حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ نے عرض کیا کہ اگر حضور پسند فرمائیں تو بھائی عبدالرحمٰن صاحب کے ساتھ بھائی عبدالرحیم صاحب کو بھجوا دیا جائے۔وہاں کے حالات سازگار نہیں۔حضرت اقدسؑ نے پرجلال و پرشوکت آواز میں فرمایا:

''نہیں مولوی صاحب! ہمیں نام کے مسلمانوں کی ضرورت نہیں اگر ہمارا ہے تو آجائے گا۔''

جلد یہ کرشمہ رونما ہوا کہ نصرت الٰہی نے دستگیری کی اور بھائی جی وہاں سے رہائی پا کر حضرت اقدسؑ کے قدموں میں آپہنچے۔پھر مزید ابتلاؤں کی کٹھائی سے آپ کندن بن کر نکلے۔

کراچی کے سفر میں راستہ میں آپ کی وفات خانیوال میں ہوئی اب پھر اور فوراً یہ نشان الٰہی ہماری آنکھوں نے دیکھا کہ کیسی جلدی پاکستان سے آپ کی نعش قادیان پہنچ پائی اور مزار حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی چاردیواری کے باہر حضور کے قریب ترین مقام پر آپ کی تدفین عمل میں آئی۔''اگر ہمارا ہے تو آجائے گا'' یہ دوہرا کرشمہ اس شہادت پر دوامی مہر ثبت کر گیا کہ آپ حضرت مسیح موعودؑ کے تھے یعنی حضور کے جان نثار اور فدائی۔**وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔**

وحی میں تذکرہ اصحاب الصفہ کا

جماعت احمدیہ کے قیام سے سات سال پہلے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی الٰہی سے یہ بشارت مل چکی تھی کہ وقت آتا ہے کہ آپ کے مقام تبشیر پر فائز ہونے کی وجہ سے استفاضہ کے لئے بکثرت لوگ آپ کی طرف رجوع کریں گے اور آپ کی تبشیر وتذکیر سے مومنین کی ایک ایسی جماعت آپ کو عطا ہوگی جو اعلیٰ مقامات صدق وصفا کی حامل ہوگی۔اور ایک طبقہ آپ امام وقت کے در پر اصحاب الصفہ کے رنگ میں دھونی رما کر بیٹھ جائے گا۔

اصحاب الصفہ کے بارے میں پہلی وحی ۱۸۸۲ء کی یوں ہے:

وَلَا تُصَعِّرْ لِخَلْقِ اللّٰهِ وَلَا تَسْئَمْ مِنَ النَّا سِ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ مَّآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۔اَصْحَابُ الصُّفَّةِ ۔وَمَااَصْحَابُ الصُّفَّةِ تَرٰى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ يُصَلُّوْنَ عَلَيْكَ۔

دوسری بار کی وحی میں یہ کلمات بھی ہیں:

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَا دِيًايُّنَادِىْ لِلْاِيْمَانِ ربنا امنا فاكتبنامع الشاهدين۔

تیسری بار وحی جولائی ۱۹۰۶ میں ہوئی جس میں کچھ کمی بیشی کے ساتھ یہ الفاظ بھی ہیں

وَوَسِّعْ مَكَانَكَ ۔اَصْحَابُ الصُّفَّةِ وَمَآاَدْرَاكَ مَآ اَصْحَابُ الصُّفَّةِ وَدَاعِيًا اِلَى اللهِ وَسِرَاجًامُّنِيْرًا۔

قدرے تشریح کے ساتھ ان تینوں کا یکجائی ترجمہ یہ ہے:

یاد رکھ کہ وہ وقت آتا ہے کہ لوگ تیری طرف کثرت سے رجوع کریں گے۔سو تجھے چاہئے کہ مخلوق الٰہی کی کثرت ملاقات کے وقت چیں بہ چیں نہ ہو اور تھک نہ جائے۔اور تجھے لازم ہے کہ اپنے مکانوں کو وسیع کرے اور تو ان لوگوں کو جو ایمان لائے یہ خوشخبری سنادے۔

اوران کو وہ سنادے جو تیرے رب کی طرف سے تجھ پر وحی ہوئی۔اور ایسے لوگ بھی ہوں گے جو اپنے وطنوں سے ہجرت کر کے تیرے حجروں میں آ کر آباد ہوں گے۔وہی ہیں جو اللہ کے نزدیک اصحاب الصفہ کہلاتے ہیں۔اور تو کیا جانتا ہے کہ وہ کس شان اور کس ایمان کے لوگ ہوں گے جو اصحاب الصفہ کے نام سے موسوم ہیں۔وہ بہت قوی الایمان ہوں گے۔تو دیکھے گا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوں گے۔وہ تیرے پر درود بھیجیں گے۔اور کہیں گے کہ اے ہمارے خدا! ہم نے ایک منادی کرنے والے کی آواز سنی ہے۔جو ایمان کی طرف بلاتا ہے۔اور وہ ایک چمکتا ہوا چراغ ہے۔اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے۔پس ہمیں بھی گواہوں میں رکھ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو:

''میں تیرے خالص اور دلی محبوں کا گروہ بھی بڑھاؤں گا۔اوران کے نفوس واموال میں برکت دوں گا اوران میں کثرت بخشوں گا۔اور وہ مسلمانوں کے اس دوسرے گروہ پر تا بروز قیامت غالب رہیں گے جو حاسدوں اور معاندوں کا گروہ ہے۔خدا انہیں نہیں بھولے گا اور فراموش نہیں کرے گا اور علیٰ حسب

الاخلاص اپنا اجر پائیں گے''۔[۲۶]

حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا

مبارک وہ جو اب ایمان لایا
صحابہ سے ملا جب مجھ کو پایا
وہی مے ان کو ساقی نے پلادی
فسبحان الذی اخزی الاعادی

اللھم صل علی محمد وال محمد وبارک وسلم انک حمید مجید واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین

قدیم صحابہ کرام کا مقام

حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحبؓ قادیانی، صحابہ کرام رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ اور حدیث **یوضع لہ القبول فی الارض** کا ایک قابل رشک اعلیٰ نمونہ تھے۔ اوران صحابہ کرام کو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان روحانیت کے ستارے قرار دیا ہے۔

ا- اس بارے میں سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے خطبہ کا ملخص درج ذیل ہے:

''وہ لوگ جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ابتدائی زمانہ میں خدمات سرانجام دی ہیں ایسی ہستیاں ہیں جو دنیا کے لئے ایک تعویذ اور حفاظت کا ذریعہ ہیں۔ جو برکات نبی پر نازل ہوتی ہیں ان کے گہرے دوست بھی ان برکات سے حصہ لیتے ہیں۔ یہ لوگ خدا کی طرف سے ایک حصن حصین ہوتے ہیں۔ اور دنیا ان کی وجہ سے بہت سی آفات سے محفوظ رہتی ہے۔ یہ لوگ جنہیں خدا تعالیٰ کے انبیاء کی صحبت حاصل ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ کے نبیوں اور اس کے قائم کردہ خلفاء کے بعد دوسرے درجہ پر دنیا کے امن اور سکون کا باعث ہوتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ ایسے لوگ خطیب ہوں۔ یہ ضروری نہیں کہ ایسے لوگ پھر پھر کر لوگوں کو تبلیغ کرنے والے ہوں۔ ان کا وجود ہی لوگوں کے لئے برکتوں اور رحمتوں کا موجب ہوتا ہے۔ ان کی والہانہ محبت کے نظارے دنیا صدیوں دکھانے سے قاصر رہے گی۔ عشق کی گرمی نے گویا ویلڈنگ کر کے ان کو خدا تعالیٰ سے جوڑ دیا۔ اب انہیں خدا سے اور خدا کو ان سے کوئی چیز جدا نہیں کر سکتی۔

یہ لوگ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہزاروں نشانوں کا چلتا پھرتا ریکارڈ تھے۔ان ہزاروں نشانات کے چشمدید گواہ تھے۔جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ، زبان، کان اور پاؤں سے ظاہر ہوئے۔ایسا ایک ایک صحابی جو فوت ہوتا ہے وہ ہمارے ریکارڈ کا ایک رجسٹر ہوتا ہے جسے ہم زمین میں دفن کر دیتے ہیں۔اگر ہم نے ان رجسٹروں کی نقلیں کر لی ہیں تو یہ ہمارے لئے خوشی کا مقام ہے۔ان لوگوں کی قدر کرو اور ان کے نقش قدم پر چلو۔[۴۷۵]

بیان حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ

صحابہ کرام کے مقام کی اہمیت کے بارے میں

ڈلہوزی میں جب حضور بوجہ علالت اگست ۱۹۲۰ء میں قیام فرما تھے۔صحابہ کرام کے تعلق میں بیان فرمایا کہ

''صحابہ(حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم) نے (اس اصول کو) سمجھا تھا (کہ) سورج اپنے Satellites کے ساتھ اچھا لگتا ہے۔چاند کی شان اس کے اردگرد گھومنے والے ستاروں کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے۔اسی طرح شمع پروانہ سے۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہم کتنی بھی تعریف کرتے چلے جائیں۔لوگ کتنی بھی تعریف کرتے چلے جائیں۔لوگ یہی سمجھیں گے کہ مبالغہ ہے۔لیکن ان کے خدام کے حالات سنائے جائیں اور بتایا جائے کہ ان کو حضور کے ساتھ کس قسم کا تعلق تھا تو وہ خواہ مخواہ دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ جھوٹ نہیں ہوسکتا۔ضرور کچھ بات ہوگی۔''

ایک معترض سے میں نے کہا کہ

جس نے خود اپنی آنکھوں سے حضرت مسیح موعودؑ کو دیکھا اور وہ چیز پالی ہو جس کی اس کو تلاش تھی تو وہ خواہ اس کو ہزار دلیل دی جاتی اس کی کیا پرواہ کرسکتا ہے۔ہم نے اس کی آنکھوں میں وہ نور دیکھا ہے جو ہمارے دل کے اندر سے ہرگز نہیں نکل سکتا۔اور ہم کسی طرح بھی اس سے دور نہیں ہوسکتے۔'' [۴۷۶]

۱- راستہ بطرف مکان حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ

۲- مسجد فضل (المعروف بہ مسجد ارائیاں)

۳- مکان حضرت مرزا صفدر علی صاحبؓ (یکے از تین سو تیرہ صحابہ) ان کے فرزند محترم مرزا صالح علی صاحب (صحابی) نے بطور مہاجر غالباً کراچی میں وفات پائی۔

۴- مکان ڈاکٹر عبد اللہ صاحب ۱/۴۔ گلی

۵- مکان حضرت حافظ سلطان حامد صاحبؓ جن سے حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؓ (خلیفۃ المسیح الثالث) نے قرآن مجید حفظ کیا۔ اس مکان کے باہر شمال مشرقی کونہ میں کنواں تھا جو بعد تقسیم ملک باہر نہیں رہا۔

۶- مکان میاں عبد اللہ صاحبؓ جلد ساز

۷- مکان حضرت خان بہادر غلام محمد صاحب گلگتی موسومہ بہ ''گلگت ہاؤس''

مہتہ ہیرالال
مہتہ گوراندتابل
مہتہ لال چند متوفی
راج کرن (متوفیہ)
ایک لڑکا
رام سرن (متوفی)
ہنراج (متوفی)
ایشرادیوی (متوفیہ)
ویرادیوی
(مقیم جالندھر)
رام رتن
(مقیم امرتسر)
شانتی
لڑکا
ہری کشن (متقی)
(ان کی اولاد تین لڑکے اور ایک لڑکی)
رام راکھی
رام کشن (متوفی)
(ایک لڑکا)
وینا ناتھ (متوفی)
(ان کی اولاد موجود ہے)
وویاوتی
(مقیم جالندھر)
خوشی رام
(مقیم جالندھر)
لیش
(شاید مقیم جالندھر)
حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی
متھرادیوی
(متوفیہ)
مہتہ بہاری لال
(متوفی)
صوبیدار ترلوک ناتھ لہ متعین قلعہ دہلی
بابوامرناتھ
(متوفی)
ستیش
(متبنیٰ)
جمنادیوی مقیم امرتسر
(بیوہ چوہدری منگترام دت)
لیلاوتی
(اہلیہ سنت رام)
کنسادیوی
میلادیوی (متوفیہ)
اہلیہ پیارے لال
(ان کی دو بچیاں ہیں)
کیول کرشن (متوفی)
(لاولد)
حکیم اوم پرکاش
(بھنڈاری محلّہ بٹالہ)
سکھ دیوسنگھ
(لاولد)
پرکاش دتی
(اہلیہ پنڈت مدن لال تاجر)
(جھیٹھ منڈی۔امرتسر)
بلدیوسنگھ
سب انسپکٹر پولیس مقیم پھلور
مہدیوسنگھ
راشن انسپکٹر امرتسر
جگدیوسنگھ (متوفی)
(لاولد)
رکیش کمار
جوگیش کمار
راجیش کمار
تردیو
اشوک کمار
اشنی کمار
شیلاوتی
کرن جیت
اندرجیت
ترپتا کماری
دلجیت کمار
پربھادیوی
رنجیت کمار
سکھدادیوی
روی کمار
حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی
مہتہ عبدالقادر کراچی
(ولادت ۳۰-۴-۰۴)
اولاد:
آصفہ خانم۔عبدالعلیم فاروق
ثریا خانم۔عبدالہادی
عبدالسمیع۔نجمہ خانم
امۃ الرحیم
(اہلیہ مرزا برکت علی صاحب انجینئر
بمقام نعمانیہ۔عراق)
اولاد:
امۃ الکریم۔امۃ الحبیب
الطاف احمد امۃ الجمیل حسنات احمد
کرامات احمد۔امۃ اللطیف
لمعات احمد۔اکرام احمد
عبدالرزاق
(پریس فوٹوگرافر۔
کراچی)
اولاد:
عبدالباسط
مبشرہ
عبدالحی
عبدالخالق
(انجینئر متعین ڈھاکہ)
اولاد:
عبدالرشید۔افتخار عفت
انوار رفعت
ملیح نزہت
عبدالسلام
(انجینئر متعین منگلا ڈیم
مغربی پاکستان)
اولاد
شمیم
تسنیم

حوالہ جات

۱ : الاعراف:۴۴

۲ : العنکبوت:۲

۳ : الاعراف:۴۴

۴ : النساء:۷۷

۵ : ابراہیم : ۴۶

۶ : بدر بابت ۲۸-۴-۵۲ صفحہ ۴

۷ : البدر جلد ۱ نمبر ۳ بابت ۱۴؍نومبر ۱۹۰۲ء (صفحہ ۲۳) و نمبر ۴ بابت ۲۱؍نومبر (صفحہ ۲۶)

۸ : اصحاب احمد جلد دوم صفحہ ۹۸ تا ۱۰۲

۹ : مکتوبات اصحاب احمد جلد اوّل۔مکتوب نمبر ۲۶/۳۳ صفحہ ۳۵

۱۰ : اصحاب احمد جلد دوم حاشیہ صفحہ ۱۰۲،۱۰۳

۱۱ : کتاب البریہ۔روحانی خزائن جلد ۱۳ صفحہ ۱۷۴،۱۷۵ حاشیہ

۱۲ : الحکم بابت ۲۱، ۲۸؍ستمبر ۱۹۴۲ء صفحہ ۱

۱۳ : الحکم ۱۰-۶-۰۷ صفحہ ۸

۱۴ : الحکم بابت ۱۴-۲۱؍جنوری ۱۹۴۰ء صفحہ ۱۴

۱۵ : تذکرہ صفحہ ۴۵ طبع ۲۰۰۴ء

۱۶ : تذکرہ صفحہ ۲۰ طبع ۲۰۰۴ء

۱۷ : یونس:۹۲

۱۸ : تذکرہ صفحہ ۴۴۱۔طبع ۲۰۰۴ء

۱۹ ، ۲۰ : الحکم بابت۱۴/۲۱/ جنوری ۱۹۴۰ء صفحہ ۱۸

۲۱ ، ۲۲ : الحکم بابت ۷-۱۴/ مئی ۱۹۳۸ء صفحہ ۱۹

۲۳ : الحکم ۷،۱۴/ مئی ۱۹۳۸ء صفحہ ۱۶

۲۴ : تذکرہ صفحہ ۸۲۔ طبع ۲۰۰۴ء

۲۵ : اٰل عمران:۲۰

۲۶ : اٰل عمران:۸۶

۲۷ : تذکرہ صفحہ ۸۳۔ طبع ۲۰۰۴ء

۲۸ : البقرہ : ۲۰۲

۲۹ : الفضل ۱۹/ جنوری ۱۹۶۱ء صفحہ ۵

۳۰ : الحکم بابت ۷،۱۴/ مئی ۱۹۳۸ء صفحہ ۲۳

۳۱ : تذکرہ صفحہ ۶۳۔ طبع ۲۰۰۴ء

۳۲ : الحکم بابت ۷،۱۴/ مئی ۱۹۳۸ء صفحہ ۲۲، ۲۳

۳۳ : الحکم بابت ۷،۱۴/ مئی ۱۹۳۸ء صفحہ ۲۳

۳۴ : الحکم بابت ۷،۱۴/ مئی ۱۹۳۸ء صفحہ ۲۳، ۲۴

۳۵ : تذکرہ صفحہ ۲۷۔ طبع ۲۰۰۴ء

۳۶ : بدر ۳/ اگست ۱۹۵۳ء

۳۷ : مسند احمد بن حنبل حدیث نمبر ۲۴۶۴۵

۳۸ : بدر ۲۸/ اپریل ۱۹۵۲ء

۳۹ : تذکرہ صفحہ ۴۲۵۔ طبع ۲۰۰۴ء

۴۰ : تفسیر ابن کثیر قول امام عبداللہ شافعی زیر آیت لکم دینکم ولی دین

۴۱ : بنی اسرائیل:۸۲

۴۲ : المجادلہ:۲۲

۴۳ : تذکرہ صفحہ ۱۱۰۔ طبع ۲۰۰۴ء

۴۴ : الحکم ۷-۱۴/ اکتوبر ۱۹۳۹ء و جوبلی نمبر ۲۸/ دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۶۳-۶۴

۴۵ : مکتوبات اصحاب احمد جلد اول- صفحہ ۳۰

۴۶ : الحکم ۷-۱۴/اکتوبر ۱۹۳۹ء

۴۷ : اٰل عمران: ۱۹۲

۴۸ : الحجرات: ۱۸

۴۹ : تذکرہ صفحہ ۴۴۱۔ طبع ۲۰۰۴ء

۵۰ : تذکرہ صفحہ ۳۹۔ طبع ۲۰۰۴ء

۵۱ : الفجر: ۲۸، ۲۹

۵۲ : الحکم بابت ۲۸/مئی، ۷/جون ۱۹۳۹ء

۵۳ : الحکم جلد ۷، نمبر ۱۴ بابت ۱۷/اپریل ۱۹۰۳ء- صفحہ ۷

۵۴ : تذکرہ صفحہ ۲۴۰۔ طبع ۲۰۰۴ء

۵۵ : تذکرہ صفحہ ۲۴۱۔ طبع ۲۰۰۴ء

۵۶ : الانعام: ۱۲۵

۵۷ : المائدہ: ۶۸

۵۸ : تذکرہ صفحہ ۲۴۰۔ طبع ۲۰۰۴ء

۵۹ : تذکرہ صفحہ ۲۴۱۔ طبع ۲۰۰۴ء

۶۰ : مجموعہ اشتہارات جلد اوّل صفحہ ۶۱۵

۶۱ : تذکرہ صفحہ ۲۱۸۔ طبع ۲۰۰۴ء

۶۲ : النساء: ۱۰۱

۶۳ : تذکرہ صفحہ ۶۳۔ طبع ۲۰۰۴ء

۶۴ : الحدید: ۱۷

۶۵ : الانفال: ۲۵

۶۶ : تذکرہ صفحہ ۴۳۰ طبع ۲۰۰۴ء

۶۷ : الحکم ۲۱، ۲۸/اکتوبر ۱۹۳۹ء

۶۸ : الفضل جلد ۲۷ نمبر ۲۵۹ بابت ۱۰/نومبر ۱۹۳۹ از یر عنوان ''ذکر حبیب......ایک سلیم الفطرت کی قلبی کیفیت''

۶۹ : الزخرف:۱۴

۷۰ : الحدید:۲۲

۷۱ : الحکم ۷،۱۴/نومبر ۱۹۳۹ء

۷۲ : الفضل ۴/فروری ۱۹۴۱ء

۷۳ : آپ کی تقریر ’’ذکر حبیب‘‘ مندرجہ بدر ۲۸/ مارچ ۱۹۵۶ء صفحہ ۵ کالم ۱

۷۴ : آپ کی تقریر ’’ذکر حبیب‘‘ مندرجہ بدر ۲۸/ مارچ ۱۹۵۶ء صفحہ ۵ کالم ۱

۷۵ : بدر ۲۸/ مارچ ۱۹۵۶ء

۷۶ : البدر ۲۳ تا ۳۰/جنوری ۱۹۰۳ء صفحہ ۲ کالم ۳

۷۷ : نسیم دعوت۔ روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۳۶۳

۷۸ : الحکم ۶/اگست ۱۹۰۸ء۔ صفحہ ۲ تا ۴

۷۹ : الحکم ۳۰/اگست ۱۹۰۸ء۔ صفحہ ۳،۴

۸۰ : الحکم ۱۸/جون ۱۹۰۸ء۔ صفحہ ۵ تا ۷

۸۱ : الحکم ۶/اگست ۱۹۰۸ء۔ صفحہ ۲ تا ۴

۸۲ : ۱۴/اگست ۱۹۰۸ء

۸۳ : تذکرہ صفحہ ۳۲۱۔ طبع ۲۰۰۴ء

۸۴ : الحکم ۳۰/مئی ۱۹۰۸ء۔ صفحہ ۱ و ۱۴/جولائی۔ بارہ صفحات میں تقریر، صفحہ ۱ تا ۱۲

۸۵ : الحکم ۱۸/جولائی ۱۹۰۸ء۔ صفحہ ۷، ۸

۸۶ : الحکم ۳۰/مئی ۱۹۰۸ء صفحہ ۱

۸۷ : الحکم ۱۴/جون ۱۹۳۴ء صفحہ ۴۔ خطوط وحدانی کے الفاظ مئولف کے ہیں۔)

۸۸ : الحکم ۱۸/جولائی ۱۹۰۸ء۔ صفحہ ۲ تا ۶

۸۹ : الحکم ۱۰/جولائی ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۳،۱۴

۹۰ : الحکم ۱۸/جولائی ۱۹۰۸ء۔ صفحہ ۱

۹۱ : الحکم ۴-۱۴/جون ۱۹۳۸ء و مکتوبات احمدیہ جلد ہفتم۔ صفحہ ۶،۶۱

۹۲ : الحکم ۷،۱۴/جون ۱۹۳۸ء

۹۳: بدر ۲؍جون ۱۹۰۸ء۔صفحہ ۵ کالم ۳

۹۴: تحفۃ الاحوذی جزء ۷ صفحہ ۱۷

۹۵: الفضل ۱۸؍جنوری ۱۹۶۱ء

۹۶: الفضل جلد ۳۹/۵۹ نمبر ۶ بابت ۷؍جنوری ۱۹۵۱ء صفحہ ۳

۹۷: ۲؍اگست ۱۹۰۸ء

۹۸: الحکم ۲۲؍اگست ۱۹۰۸ء

۹۹: الحکم ۷؍جنوری ۱۹۰۹ء صفحہ ۸، ۹

۱۰۰: بدر بابت ۲۵؍نومبر ۱۹۰۹ء

۱۰۱: الحکم ۲۱، ۲۸؍جنوری ۱۹۱۳ء

۱۰۲: الفضل ۱۸؍مارچ ۱۹۱۴ء۔آخری صفحہ

۱۰۳: اصحاب احمد جلد دوم۔صفحہ ۳۷۸ حاشیہ

۱۰۴: الحکم ۷، ۱۴؍جون ۱۹۳۸ء

۱۰۵: الحکم ۲۷؍مئی، ۷؍جون ۱۹۳۹ء

۱۰۶: الحکم ۷، ۱۴؍اکتوبر ۱۹۳۹ء بدر ۲۱؍جولائی ۱۹۵۲ء

۱۰۷: بدر ۲۸؍اگست ۱۹۵۲ء

۱۰۸: الحکم ۲۸؍جنوری ۱۹۴۰ء

۱۰۹: الفضل ۱۷؍جنوری ۱۹۴۰ء

۱۱۰: الفضل ۱۹ جنوری ۱۹۴۰ء

۱۱۱: الفضل ۱۹؍فروری ۱۹۵۶ء

۱۱۲: الفضل ۲۴، ۲۵؍فروری ۱۹۴۴ء

۱۱۳: الفضل ۳۰؍اگست ۱۹۱۴ء۔زیر مدینۃ المسیح

۱۱۴: الفضل ۳؍ستمبر ۱۹۱۴ء۔زیر مدینۃ المسیح

۱۱۵: الفضل ۲۱؍ستمبر ۱۹۲۸ء

۱۱۶: الفضل ۱۱؍مارچ، ۶ و ۲۴؍مئی اور ۱۶؍ستمبر ۱۹۲۷ء رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۹ وغیرہ

۱۱۷ : الفضل یکم جولائی ۱۹۲۷ء

۱۱۸ : الفضل ۱۱؍مارچ ۱۹۲۷ء زیر مدینۃ المسیح ، ۲۲؍مارچ

۱۱۹ : الفضل ۱۴؍اگست ۱۹۲۸ء ، ۱۷؍اگست ، ۱۱، ۱۴؍ستمبر ، ۱۲؍اکتوبر ، اصحاب احمد جلد پنجم حصہ سوم ۔ صفحہ ۵۴

۱۲۰ : تاریخ احمدیت جلد ششم ۔ صفحہ ۴۷۳ ، ۴۷۴

۱۲۱ : مکتوبات احمدیہ جلد اوّل ۔ صفحہ ۶۹

۱۲۲ : سالانہ رپورٹ ، صدر انجمن احمدیہ بابت ۳۶ - ۱۹۳۵ء ۔ صفحہ ۱۹۴ تا ۱۹۶

۱۲۳ : الفضل ۲۹؍جون ۱۹۳۸ء صفحہ ۲ کالم ۱

۱۲۴ : الفضل یکم ستمبر تا ۱۳؍اکتوبر ۱۹۱۷ء

۱۲۵ : الحکم ۱۴ مئی ۱۹۱۸ء

۱۲۶ : الفضل ۲۱ ، ۲۸؍مئی ۱۹۱۸ء

۱۲۷ : الحکم ۲۱؍جون ۱۹۱۸ء

۱۲۸ : الحکم ۲۸؍جون ۱۹۱۸ء

۱۲۹ : الحکم ۱۴؍جولائی ۱۹۱۸ء

۱۳۰ : الحکم ۱۴ ، ۲۱؍اگست ۱۹۱۸ء

۱۳۱ : الحکم ۷؍اگست ۱۹۲۰ء زیر ''سلسلہ کا ہفتہ''

۱۳۲ : الحکم ۲ جولائی ۱۹۲۰ء

۱۳۳ : الحکم ۲۱؍ستمبر ۔ صفحہ ۳ ، الفضل ۲۶؍اگست زیر مدینۃ المسیح

۱۳۴ : الحکم ۲۱؍ستمبر ۱۹۲۰ء ۔ صفحہ ۱۱ تا ۱۵

۱۳۵ : الحکم ۲۱؍ستمبر ۱۹۲۰ء ۔ صفحہ ۱

۱۳۶ : الفضل ۲۷؍ستمبر زیر مدینۃ المسیح

۱۳۷ : الفضل ۴؍جولائی ۱۹۲۱ء ۔ رپورٹ رقم کردہ حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب

۱۳۸ : الفضل ۱۸؍اگست ۱۹۲۱ء ۔ رپورٹ مرتبہ سید محمود اللہ شاہ صاحب برادر حضرت سیدہ ام طاہر صاحبہ

۱۳۹ ، ۱۴۰ : الفضل ۲۲؍اگست ۱۹۲۱ء ۔ رپورٹ مرتبہ سید محمود اللہ شاہ صاحب

۱۴۱ : مطابق الفضل ۱۵؍ستمبر

۱۴۲ : الفضل ۲۵ راگست ۱۹۲۱ء۔ رپورٹ مرتبہ سید محمود اللہ شاہ صاحب

۱۴۳ : الفضل ۵ رستمبر ۱۹۲۱ء۔ رپورٹ مرتبہ خلیفہ تقی الدین احمد صاحب

۱۴۴ : الفضل ۱۹ رستمبر ۱۹۲۱ء

۱۴۵ : الفضل ۲۲ رستمبر ۱۹۲۱ء۔ رپورٹ سید محمود اللہ شاہ صاحب

۱۴۶ : الفضل ۳ را کتوبر ۱۹۲۱ء زیر مدینۃ المسیح

۱۴۷ : الحکم ۱۴ رفروری ۱۹۲۴ء۔ صفحہ ۴، الفضل ۱۵ رفروری

۱۴۸ : الفضل ۲۲ رفروری ۱۹۲۴ء۔ صفحہ ۱، ۲

۱۴۹ : الفضل ۷ رمارچ ۱۹۲۴ء زیر مدینۃ المسیح

۱۵۰ : الحکم ۷ رمارچ ۱۹۲۴ء۔ صفحہ ۸

۱۵۱ : الفضل ۱۱ رمئی ۱۹۳۵ء۔ صفحہ ۱

۱۵۲ : الفضل ۱۸ رمئی ۱۹۳۵ء۔ صفحہ ۲

۱۵۳ : الفضل ۲۱ رمئی ۱۹۳۵ء۔ صفحہ ۱

۱۵۴ : ریویو آف ریلیجنز اردو بابت اپریل ۱۹۲۳ء۔ صفحہ ۴۷، ۴۸

۱۵۵ : الفضل ۱۵ رمارچ ۱۹۲۳ء۔ صفحہ ۱۱، ۱۲

۱۵۶ : الفضل ۱۲، ۱۵ رمارچ ۱۹۲۳ء ریویو آف ریلیجز اردو بابت اپریل ۱۹۲۳ء۔ صضحہ ۴۷، ۴۸

۱۵۷ : الفضل ۲۶ رمارچ زیر مدینۃ المسیح

۱۵۸ : الفضل ۱۹ رمارچ ۱۹۲۳ء

۱۵۹ : تاریخ احمدیت حصہ پنجم صفحہ ۳۴۱، ۳۴۲ (یہاں صرف بھائی جی کے بارے حصہ درج کیا گیا ہے۔)

۱۶۰ : الحکم ۱۴ راپریل ۱۹۲۳ء۔ صفحہ ۹ کالم ۳

۱۶۱ : ریویو آف ریلیجنز اردو بابت مئی ۱۹۳۶ء۔ صفحہ ۴۱ و بابت جون صفحہ ۴۶، ۴۷

۱۶۲ : الفضل ۲۸ رستمبر ۱۹۲۳ء زیر مدینۃ المسیح

۱۶۳ : ایضاً ۲ رنومبر ۱۹۲۳ء۔ زیر مدینۃ المسیح

۱۶۴ : ''فتنہ ارتداد اور پولیٹکل قلابازیاں'' بحوالہ تاریخ احمدیت جلد پنجم۔ صفحہ ۳۷۵

۱۶۵ : الحکم ۷ رجون ۱۹۲۳ء۔ صفحہ ۲

۱٦٦ : الحکم ۷رجون ۱۹۲۳ء۔صفحہ ۲

۱٦۷ : چٹھی ۳رنومبر ۱۹۳۷ء بحوالہ مکتوبات اصحاب احمد صفحہ ٦۹

۱٦۸ : مکتوبات اصحاب احمد جلد اوّل۔صفحہ ۲۹

۱٦۹ : الفضل جلد ۱۲ بابت ۲۰رمئی ۱۹۲۴ء (صفحہ ۱)، ۱٦راگست (صفحہ ۳،۸) ۲۴رجون (صفحہ ۵،٦)
۱٦راگست صفحہ ۷

۱۷۰ : الفضل ۱۸رجولائی ۱۹۲۴ء۔صفحہ ۸

۱۷۱ : الفضل ۱۵رجولائی۔۱۹۲۴ء۔صفحہ ۱،۲

۱۷۲ : عنوان نمبر ۵،نمبر ٦،۱۰۔الفضل ۱۸،۲۲رجولائی،۲،۹راگست ۱۹۲۴ء

۱۷۳ : الفضل ۲۳راگست ۱۹۲۴ء۔صفحہ ۷ کالم ۳

۱۷۴ : الحکم ۲۸راگست ۱۹۲۴ء۔صفحہ ۴

۱۷۵ : الفضل ۲۱،۳۰راگست ۱۹۲۴ء

۱۷٦ : الفضل ۱۳رستمبر ۱۹۲۴ء۔صفحہ ٦

۱۷۷ : الفضل ۱۳رستمبر صفحہ ۷۔۲۳رستمبر صفحہ ۳،۴ ۱۹۲۴ء

۱۷۸ : الفضل ۴ردسمبر۔صفحہ ۵ کالم ۲

۱۷۹ : الفضل ۲۳رستمبر ۱۹۲۴ء۔صفحہ ۵

۱۸۰ : الفضل بابت ۲۳راگست۔الحکم بابت ۲رستمبر ۱۹۲۴ء

۱۸۱ : الفضل ۲۷رستمبر ۱۹۲۴ء۔صفحہ ۴

۱۸۲ : الفضل ۴راکتوبر ۱۹۲۴ء۔صفحہ ٦،۷

۱۸۳ ، ۱۸۴ ، ۱۸۵ : الفضل ۲۷رستمبر ۱۹۲۴ء

۱۸٦ : الفضل ۴راکتوبر ۱۹۲۴ء

۱۸۷ : الفضل ۴راکتوبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۵،٦

۱۸۸ ، ۱۸۹ : الفضل ۱۴راکتوبر ۱۹۲۴ء

۱۹۰ ، ۱۹۱ : الفضل ۲۱راکتوبر ۱۹۲۴ء۔صفحہ ۳

۱۹۲ : الفضل ۲۱ اکتوبر ۱۹۲۴ء۔صفحہ ۴

۱۹۳ : الفضل ۱۴؍جون، ۱۱؍ستمبر تا ۲۸؍اکتوبر ۱۹۲۴ء۔ نیز روزنامہ زمیندار لاہور بابت ۲۱؍ستمبر

۱۹۴ : انسائیکلوپیڈیا بریٹینیکا زیر لفظ ’’ولیم دی کانکرر‘‘

۱۹۵ : الفضل ۲۹؍نومبر ۱۹۲۴ء۔ صفحہ ۳، ۵

۱۹۶ : الفضل ۴؍اکتوبر ۱۹۲۴ء۔ صفحہ ۳ کالم ۳

۱۹۷ : الفضل ۲۹؍نومبر صفحہ ۶، ۱۸؍دسمبر صفحہ ۵ ۷ ۶ ۱۹۲۴ء

۱۹۸ : الفضل ۶؍دسمبر ۱۹۲۴ء۔ صفحہ ۲

۱۹۹ : تذکرہ صفحہ ۱۱۰۔ طبع ۲۰۰۴ء

۲۰۰ : تذکرہ صفحہ ۱۴۔ طبع ۲۰۰۴ء

۲۰۱ : الفضل ۲۹؍نومبر ۱۹۲۴ء۔ صفحہ ۱، ۲، ۷، ۸

۲۰۲ : الفضل ۲۹؍نومبر ۱۹۲۴ء۔ صفحہ ۸

۲۰۳ : الفضل ۲۹؍نومبر، ۴، ۶، ۹، ۱۱؍دسمبر ۱۹۲۴ء

۲۰۴ : الفضل ۴؍دسمبر ۱۹۲۴ء

۲۰۵ : الحکم ۲۱؍اگست ۱۹۲۴ء۔ صفحہ ۵

۲۰۶ : الفضل ۴؍اکتوبر ۱۹۲۴ء

۲۰۷ : الفضل شمارہ جات بابت جولائی و اگست ۱۹۸۹ء

۲۰۸ : رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۴۱ء۔ صفحہ ۱۳ تا ۱۶

۲۰۹ : رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۴۸ء صفحہ ۱۵

۲۱۰ : تاریخ احمدیت جلد دہم۔ صفحہ ۳۲۷، ۳۳۷

۲۱۱ : الفضل ۴؍اکتوبر ۱۹۴۷ء

۲۱۲ : بحوالہ الفضل ۲۸؍مئی ۱۹۴۸ء

۲۱۳ : جلد ۱۱ شمارہ ۱۴

۲۱۴ : تاریخ احمدیت جلد سیزدہم (صفحہ ۹۷) بحوالہ الفضل ۱۲، ۱۸ مئی ۱۹۴۸ء

۲۱۵ : الفضل ۱۸؍مئی ۱۹۴۸ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد سیزدہم۔ صفحہ ۸۰

۲۱۶ : الفضل ۸؍جون ۱۹۴۸ء۔ صفحہ ۴، ۵

۲۱۷ : ریزولیوشن صدر انجمن احمدیہ قادیان نمبر ۳۷۔غ۔م مورخہ یکم اکتوبر ۱۹۵۰ء

۲۱۸ : الفضل ۶/جنوری ۱۹۵۱ء

۲۱۹ : بدر ۲۸/اپریل ۱۹۵۲ء

۲۲۰ : بدر ۷/نومبر ۱۹۵۲ء۔صفحہ ۱

۲۲۱ : بدر ۲۸/نومبر ۱۹۵۲ء۔صفحہ

۲۲۲ : بدر قادیان ۱۴۔۱۶/مارچ ۱۹۵۴ء۔بحوالہ تاریخ احمدیت جلد سیزدہم صفحہ ۲۴۰۔۲۴۱

۲۲۳ : تاریخ احمدیت جلد ہفتہم۔ہفتہم صفحہ ۱۷ تا ۱۹

۲۲۴ : مکتوبات اصحاب احمد جلد اوّل صفحہ ۷۰۔۷۱

۲۲۵ : مکتوبات اصحاب احمد جلد اوّل صفحہ ۷۰

۲۲۶ : مکتوبات اصحاب احمد جلد اول۔صفحہ ۶۴۔۶۵ بحوالہ قلمی مکتوبات حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ

۲۲۷ : مکتوبات اصحاب احمد جلد اول۔صفحہ ۳۲ وحاشیہ صفحہ ۳۳

۲۲۸ : رپورٹ صدر انجمن احمدیہ بابت ۱۱۔۱۹۱۰ء۔صفحہ ۴۰

۲۲۹ : رپورٹ صدر انجمن احمدیہ بابت ۱۱۔۱۹۱۰ء۔صفحہ ۶۶، ۶۷

۲۳۰ : مکتوبات اصحاب احمد جلد اوّل صفحہ ۳۲، ۳۳

۲۳۱ : مکتوبات اصحاب احمد جلد اوّل صفحہ ۶۵۔۶۶

۲۳۲ : مکتوبات اصحاب احمد جلد اوّل صفحہ ۶۱، ۶۲، ۷۱

۲۳۳ : الفضل ۳/اپریل ۱۹۱۵

۲۳۴ : الفضل ۱۸/جون ۱۹۱۸ء

۲۳۵ : الفضل ۱۸/نومبر ۱۹۱۹ء۔زیر مدینۃ المسیح

۲۳۶ : قادیان گائڈ صفحہ ۳۷

۲۳۷ : الفضل ۴، ۱۱، ۲۹/مارچ ویکم اپریل ۱۹۲۰ء

۲۳۸ : سورۃ الحشر: ۱۰

۲۳۹ : صحیح البخاری کتاب بدء الوحی باب کیف کان بدء الوحی الیٰ رسول اللہ

۲۴۰ : مکتوبات اصحاب احمد جلد اول۔صفحہ ۳۴

۲۴۱ : الفضل ۲۵، ۲۹/ اگست ۱۹۲۱ء
۲۴۲ : الفضل ۵/ مارچ ۱۹۲۳ء صفحہ ۱ کالم ۱
۲۴۳ : تحریک جدید کے پانچ ہزاری مجاہدین۔ صفحہ ۱۳۰، ۱۳۱
۲۴۴ : النساء: ۱۰۱
۲۴۵ : الدھر: ۳۱
۲۴۶ : تذکرہ صفحہ ۵۲۔ طبع ۲۰۰۴ء
۲۴۷ : الحکم ۷، ۱۴/ اگست ۱۹۳۸ء
۲۴۸ : الفضل ۲۰۔۱۔۲۶
۲۴۹ : بدر ۱۲/ جنوری ۱۹۶۱ء
۲۵۰ : الرحمان: ۲۷، ۲۸
۲۵۱ : الفضل ۷/ جنوری ۱۹۶۱ء
۲۵۲ ، ۲۵۳ : الفضل ۱۲/ جنوری ۱۹۶۱ء
۲۵۴ : الفضل ۸/ جنوری ۱۹۶۱ء
۲۵۵ : بدر ۱۲/ جنوری و الفضل ۲۶/ جنوری ۱۹۶۱ء
۲۵۶ : الفضل ۱۰، ۱۱/ جنوری ۱۹۶۱ء
۲۵۷ : سنن الترمذی کتاب المناقب باب فضل ازواج النبیؐ
۲۵۸ : الحکم ۷، ۱۴/ مئی ۱۹۳۸ء صفحہ ۱۶
۲۵۹ : الفضل ۱۴، ۱۶، ۱۹، ۲۴/ جنوری ۱۹۶۱ء و بدر ۱۲/ جنوری تا ۲/ فروری
۲۶۰ : الفضل ۱۷/ جنوری ۱۹۶۱ء
۲۶۱ : النساء: ۱۰۱
۲۶۲ : الاعراف: ۴۴
۲۶۳ : العادیات: ۲
۲۶۴ : الفضل ۱۱/ جنوری ۱۹۶۱ء
۲۶۵ : مکتوبات اصحاب احمد جلد اوّل۔ صفحہ ۵۷

۲۶۶ : بدر ۷؍ مارچ ۱۹۵۲ء

۲۶۷ : تفسیر الرازی ۔ تفسیر سورۃ السجدہ ۔ زیر آیت نمبر ۲۵ ۔ وجعلنا منهم ائمة يهدون بامرنا

۲۶۸ : صحیح البخاری ۔ کتاب بدء الخلق باب ذکر الملائکة

۲۶۹ : مکتوبات اصحاب احمد جلد اوّل ۔ طبع اول ۔ صفحہ ۲،۱

۲۷۰ : الفضل ۱۷؍ جون ۱۹۳۴ء

۲۷۱ : الفضل ۳؍ اگست ۱۹۴۴ ۔ صفحہ ۱

۲۷۲ : الحکم ۱۱؍ اگست ۱۹۰۷ء و بدر ۸؍ اگست

۲۷۳ : تذکرہ صفحہ ۴۰، ۴۱ ۔ طبع ۲۰۰۴ء

۲۷۴ : مجموعہ اشتہارات جلد اوّل صفحہ ۹۷

۲۷۵ : الفضل جلد ۲۹ نمبر ۱۹۶ بابت ۲۸؍ اگست ۱۹۴۱

۲۷۶ : الفضل ۲۰؍ اگست ۱۹۲۰ء ۔ صفحہ ۲

اشاریہ

اصحاب احمد جلد نہم

﴿مرتبہ: عبدالمالک﴾

آیاتِ قرآنیہ

احادیث نبویؐ

الہامات حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

عربی

اُردو، فارسی

اسماء

الف۔آ

پ ۔ ت ۔ ٹ

ج ۔ چ

ح۔خ

د۔ڈ۔ذ

ر۔ز

س۔ش

غ

ن

و۔ہ

ی

مقامات

الف۔آ

ب

پ

ت۔ٹ

س۔ش

ع۔غ

ف۔ق

ک

گ

ل

م